المدینہ

فقیراللہ خاں

Marfat.com

Marfat.com

المدینہ

فقیر اللہ خاں

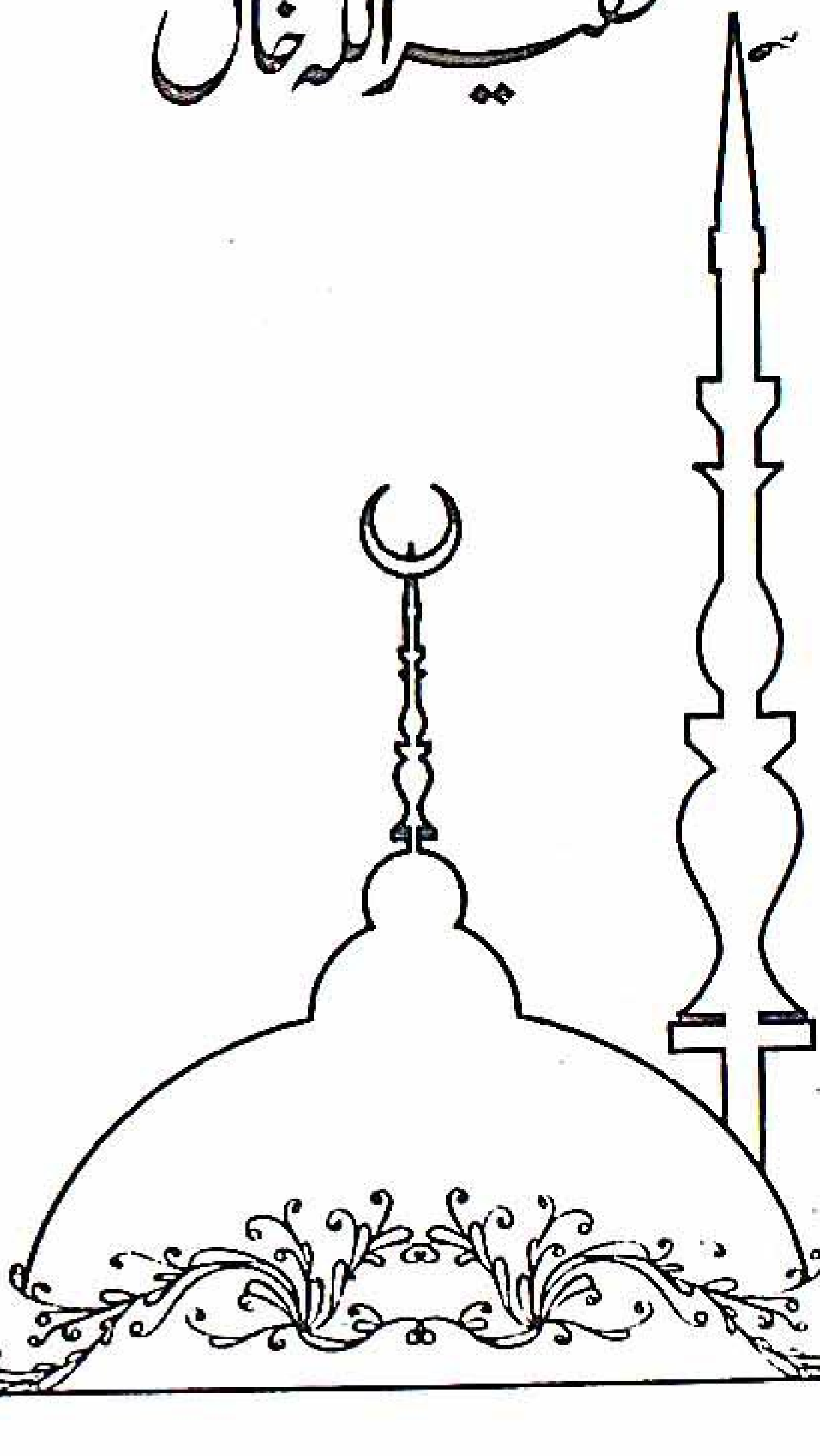

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

[اس کتاب کی کسی بھی قسم کی اشاعت مصنف کی
تحریری اجازت کے بغیر نہیں کی جا سکتی]

عنوان کتاب: ــــــــــــــــ المدینہ

مصنف: ــــــــــــــــ فقیراللہ خاں

ناشر: ــــــــــــــــ فقیراللہ خاں

کمپوزنگ: ــــــــــــــــ ساجد محمود

صفحات: ــــــــــــــــ 576

قیمت: ــــــــــــــــ

297.04
ف 83 /
۱۲۷۸۸۱
۲/

ڈسٹری بیوٹر
مکتبہ اسلامیہ

لاہور: بادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد: بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

0300-8661763
/maktabaislamia1
www.maktabaislamiapk.com
maktabaislamiapk@gmail.com

Marfat.com

نعت

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ
جبیں افسردہ افسردہ، قدم لغزیدہ لغزیدہ

چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانبِ طیبہ
نظر شرمندہ شرمندہ، بدن لرزیدہ لرزیدہ

کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

کہاں میں اور کہاں اس روضۂ اقدس کا نظارہ
نظر اس سمت اٹھتی ہے مگر دزدیدہ دزدیدہ

غلامانِ محمدؐ دور سے پہچانے جاتے ہیں
دلِ گرزیدہ گرزیدہ، سرِ شوریدہ شوریدہ

مدینے جا کے ہم سمجھے تقدس کس کو کہتے ہیں
ہوا پاکیزہ پاکیزہ، فضا سنجیدہ سنجیدہ

بصارت کھو گئی لیکن بصیرت تو سلامت ہے
مدینہ ہم نے دیکھا ہے مگر نادیدہ نادیدہ

وہی اقبالؔ جس کو ناز تھا کل خوش مزاجی پر
فراقِ طیبہ میں رہتا ہے اب رنجیدہ رنجیدہ

(اقبال عظیم)

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	نذرِ قارئین	13
2	پیش لفظ	16
3	اُمّ معبد کا واقعہ	31
4	قصوئی	33
5	قبا میں آمد	34
6	مسجدِ قبا کا قیام	36
7	حضور ﷺ کی مدینہ میں آمد	38
8	مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر	41
9	غزوات کا آغاز	44
10	غزوہ بدر	46
11	غزوہ اُحد	48
12	غزوہ خندق	51
13	آثارِ مفارقت ﷺ	55
14	حیاتِ مبارک ﷺ کا آخری دن	58
15	تجہیز و تکفین و تدفین	59

Marfat.com

16	جنت البقیع	61
17	ریاض الجنۃ	66
18	اصحابِ صُفّہ	71
19	سلطان نور الدین زنگی ؒ کا واقعہ	77
20	آقائے دو جہاں ﷺ کے والدین	81
21	اُمہات المومنین	
22	حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ	93
23	حضرت سودہؓ	100
24	حضرت عائشہؓ	103
25	حضرت حفصہؓ	113
26	حضرت زینب بنت خزیمہؓ	116
27	حضرت اُمّ سلمہؓ	117
28	حضرت زینبؓ	123
29	حضرت جویریہؓ	130
30	حضرت اُمّ حبیبہؓ	133
31	حضرت صفیہؓ	137
32	حضرت میمونہؓ	141
33	حضرت ماریہ قبطیہؓ	143
34	حضورِ اکرم ﷺ کی اولاد	
35	حضرت عبداللہؓ، حضرت قاسمؓ، حضرت ابراہیمؓ	147
36	حضرت زینبؓ	149
37	حضرت رقیہؓ	152
38	حضرت اُمّ کلثومؓ	155
39	حضرت فاطمۃ الزہراؓ	157

Marfat.com

40	عشرہ مبشرہؓ	
41	حضرت ابوبکر صدیقؓ	167
42	حضرت عمر فاروقؓ	174
43	حضرت عثمان غنیؓ	183
44	حضرت علیؓ	194
45	حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ	205
46	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	211
47	حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	218
48	حضرت زبیر بن العوامؓ	224
49	حضرت طلحہؓ	230
50	حضرت سعید بن زیدؓ	237
51	رضی اللہ عنہم	
52	حضرت خالد بن ولیدؓ	243
53	حضرت عمرو بن العاصؓ	255
54	حضرت حمزہؓ	263
55	حضرت عباسؓ	270
56	حضرت ابُوھریرہؓ	279
57	حضرت مصعب بن عُمیرؓ	285
58	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ	292
59	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	297
60	حضرت ابوذر غفاریؓ	305
61	حضرت سلمان فارسیؓ	313
62	حضرت ابُودرداؓ	320
63	حضرت معاذ بن جبلؓ	325
64	حضرت صُہیب رومیؓ	333

Marfat.com

65	حضرت ابو سعید خدریؓ	339
66	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	344
67	حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	349
68	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	355
69	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ	363
70	حضرت انس بن مالکؓ	367
71	حضرت زید بن حارثہؓ	372
72	حضرت اسامہ بن زیدؓ	378
73	حضرت ابُو ایوب انصاریؓ	383
74	حضرت حذیفہؓ	388
75	حضرت عمار بن یاسرؓ	394
76	حضرت بلالؓ	399
77	حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتومؓ	408
78	حضرت سعد القرظؓ	414
79	حضرت عبادہ بن صامتؓ	416
80	حضرت حسان بن ثابتؓ	418
81	حضرت عبداللہ بن رواحہؓ	423
82	حضرت زید بن خطابؓ	427
83	حضرت سعد بن معاذؓ	431
84	حضرت سعد بن عبادہؓ	436
85	حضرت ابُوطلحہؓ	438
86	حضرت عثمان بن مظعونؓ	440
87	حضرت خُباب بن اَرتؓ	444
88	حضرت زید بن ثابتؓ	448
89	حضرت قثم بن عباسؓ	453

Marfat.com

90	حضرت جعفر بن ابی طالبؓ	454
91	حضرت امام حسنؓ	458
92	حضرت امام حسینؓ	463
93	حضرت امام زین العابدینؓ	467
94	حضرت معاویہؓ	471
95	حضرت برا ابن مالکؓ	474
96	حضرت مالک بن سنانؓ	479
97	حضرت عامر بن فہیرہؓ	481
98	حضرت لُو رافعؓ	484
99	حضرت شقران صالحؓ	487
100	صحابیاتِ رسول ﷺ	
101	حضرت اسماءِ بنت ابی بکرؓ	491
102	حضرت امامہ بنت ابوالعاصؓ (نواسی رسول ﷺ)	494
103	حضرت صفیہؓ بنتِ عبدالمطلب (پھوپھی)	496
104	حضرت اُمّ سلیمؓ (والدہ حضرت انسؓ)	498
105	حضرت فاطمہ بنت اسدؓ (والدہ حضرت علیؓ)	503
106	حضرت اُمّ الفضلؓ	505
107	حضرت اسماء بنت عمیسؓ	507
108	حضرت اُمّ رومانؓ (والدہ حضرت عائشہؓ)	509
109	حضرت اُمّ حرامؓ	510
110	حضرت اُمّ حکیمؓ	512
111	حضرت فاطمہ بنت خطابؓ	514
112	حضرت اُمّ ایمنؓ	515
113	حضرت شیما السعدیہؓ	517
114	حضرت اُمّ معبدؓ	519

Marfat.com

115	حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ	520
116	حضرت امام جعفر صادقؒ	524
117	حضرت امام مالکؒ	527
118	حضرت امام نافعؒ	532
119	حضرت عُروہ بن زبیرؒ	534
120	مدینہ کی مساجد	
121	مسجدِ نبوی ﷺ	539
122	مسجدِ قباء	549
123	مسجدِ قبلتین	551
124	حُورِ عرب (مدینہ کی کھجوریں)	555
125	مدینہ کے کنویں	561
126	مدینہ کے پہاڑ	563
127	مدینہ کی وادیاں	565
128	شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس	568
129	مدینہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ	571
130	اسلامیہ یونیورسٹی	572
131	فضائلِ مدینہ منورہ	573
132	فہرست کتب	576

☆......☆......☆

Marfat.com

نذرِ قارئین

دو سال قبل دو مختلف رسائل میں مصنف کے دو مختلف مضامین شائع ہوئے۔ دونوں مضامین کا تعلق مدینہ منورہ سے تھا۔ ایک مضمون کا عنوان تھا ''دنیا کی چند خوبصورت مساجد'' اور دوسرے مضمون کا عنوان تھا '' شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس۔مدینہ''۔ دونوں مضامین کی اشاعت کے بعد قارئین نے خطوط،فون کالز اور ایس ایم ایس کے ذریعے پسندیدگی کا غیر متوقع حد تک اظہار کیا۔ معزز قارئین کے اظہار پسندیدگی سے متاثر ہو کر راقم کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوا کہ کیوں نہ مدینہ منورہ کے دوسرے مقاماتِ مقدسہ اور وہاں کے مکینوں پر قلم آرائی کی جائے۔ اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ ناچیز نے قلم اٹھایا اور پھر مدینہ شریف کے متعلق لکھنا شروع کر دیا۔ اِن دو مضامین کے حوالے سے دو علیحدہ علیحدہ کتب تصنیف ہوئیں۔ ایک تو میرے محترم قارئین کے ہاتھ میں ہے اور دوسری بعنوان'' دنیا کی 101 خوبصورت مساجد'' ایک بین الاقوامی اشاعتی ادارے کے پاس زیرِ طباعت ہے اور اُمید ہے انشاءاللہ وہ بھی قارئین کے ہاتھوں میں جلد ہی پہنچ جائے گی۔

جب راقم '' شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس۔مدینہ'' کا مضمون تحریر کر رہا تھا تو سوچا کہ کیوں نہ اس شہر کی گلیوں، وادیوں، نخلستانوں اور اُن پہاڑوں کا ذکر کیا جائے، جو اس شہر کی پہچان ہیں، اُن ہستیوں کا ذکر کروں جو ان پہاڑوں پر بکریاں چراتے تھے، جو ان سرسبز وادیوں میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔ وہ معزز اور جری لوگ جنہوں نے اِن پہاڑوں کو اپنے خُون کے

Marfat.com

نذرانے دے کر اِن کو سرخی مائل بنا دیا۔ وہ نبیؐ کے پروانے جو اس شہر کی گلیوں میں دن رات پروانوں کی طرح گھومتے تھے۔ وہ مؤدب ہستیاں جن کی خاکِ پا کے ذرّے بھی ستارہ و ہلال سے بڑھ کر منوّر و تاباں تھے اور اُن اصحابۂ رسولؐ کے کیا کہنے جو ہمہ وقت محبوبؐ خدا کو اپنے حصار میں لیے رکھتے تھے۔ انہی کے پرتو سے حقیقی معنوں میں یہ مدینہ آباد ہوا، وہ اُس وقت بھی مدینہ کی رونق تھے، آج بھی ہیں، اُس وقت وہ زمین کے اوپر رونق افروز تھے، آج مدینہ کی خاک کے نیچے جلوہ فرما ہیں۔

یہ ساری رونقیں اُس پیغمبرِ آخر الزماںؐ کا صدقہ تھیں جو نہ صرف والیٔ مدینہ بلکہ والیٔ کون و مکان کہلائے۔ جہاں شمع کا ذکر آئے گا، وہاں اُس کے گرد منڈلانے والے پروانوں کا ذکر بھی آئے گا۔ جہاں پُھول کا ذکر آئے گا، وہاں نہ صرف اُس کی خوشبو اور اُس کی پتیوں بلکہ پورے چمنستان کا ذکر آئے گا۔ اِس چمنستانِ مدینہ میں کیسے کیسے پُھول کھلے؟ وہ سارے پُھول صرف مدینہ کی وادیوں کے نہ تھے بلکہ کوئی پُھول یمن سے آیا تو کوئی فارس سے، کوئی طائف سے آیا تو کوئی حبشہ سے، کوئی عراق و بصرہ سے آیا تو کوئی روم سے اور پُھولوں کی بڑی کھیپ تو اللہ کے رسولؐ کے ساتھ مکہ کے گلستان سے آئی۔ اِن سب پُھولوں نے اِس شہر کو چمنستان بنایا جس کا نام "مدینۃ النبیؐ" ہے۔

محترم قارئین! یہی میری اس کتاب کا عنوان ہے۔ میں نے ایک موہوم سی خواہش کو عملی جامہ پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ ویسے تو اس موضوع پر اہلِ علم و قلم نے ضخیم کتب لکھیں ہیں۔ بہر حال ہر پرندے کا اپنا اپنا دائرۂ پرواز ہوتا ہے، ممولے کا شاہین سے بھلا کیا مقابلہ؟ ناچیز کی ادنیٰ سی کاوش نذرِ قارئین ہے۔

جن دنوں مصنف یہ کتاب تحریر کر رہا تھا تو کئی دفعہ اپنے اردگرد کے ماحول سے بے نیاز ہو جاتا، ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے میں بھی اُن صحابہ کرامؓ کی جوتیوں کی جگہ بیٹھا ہوں جو ہمہ تن گوش ہادیٔ برحقؐ کی طرف متوجہ ہیں اور اُن کے رُخِ انورؐ سے نکلتے ہوئے موتیوں سے اپنے دامن بھر رہے ہیں۔ جنت البقیع کو احاطۂ تحریر میں لاتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے مَیں بھی احاطۂ عثمان غنیؓ اور احاطۂ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی آرام گاہوں کو اپنی چشمِ تصوّر سے دیکھ رہا ہوں۔ یہ

Marfat.com

لختِ رسولؐ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی قبر ہے، پاس ہی حضرت رقیہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت اُمِ کلثومؓ آرام فرما ہیں، اور یہ جگر گوشۂ رسولؐ حضرت ابراہیمؑ ہیں جو ابھی اپنے والدِ محترمؐ کی انگشتِ مبارک پکڑ کر چلنا ہی سیکھے تھے کہ جنت البقیع کے چمنستان میں آسودۂ خاک ہو گئے۔ یہی حکم خداوندی تھا۔ اسی جگہ نورِ نظر حضرت علیؓ و فاطمہؓ، حضرت امام حسنؓ ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اس احاطہ میں حضرت امامِ مالکؒ ہیں جنہوں نے سوائے حجِ فرض کے ساری عمر مدینہ ہی میں بِتا دی تا کہ کہیں فرشتۂ اجل کو مدینہ سے باہر رُوح قبض کرنے کا بہانہ نہ مل جائے اور اللہ نے بھی اُن کی اس خواہش کو پُورا کیا۔ یہی اللہ کے برگزیدہ لوگ تھے جن کی آرزوؤں کو اُس نے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ مدینہ کے اطراف میں یہ اُحد و خندق اور کچھ ہی فاصلے پر میدانِ بدر واقع ہے جہاں حق و باطل کا پہلا عظیم معرکہ رونما ہوا۔ یہ سب مقاماتِ مقدسہ مدینہ کی پہچان ہیں۔

اس شہرِ مقدس کے مکیں شمعِ رسالتؐ کے وہ پروانے تھے، جن کے دِلوں میں بھی عشقِ نبیؐ کی شمع فروزاں ہوئی۔ وہ سب سراپا اخلاص اور صدقِ وفا کا پیکر تھے۔ وہ سب ہر وقت آستانہ قُدسؐ پر اپنی جبینِ نیاز جھکائے رکھتے اور ہر دَم اَبروئے شانِ رسالتؐ کے اشارے کے مُنتظر رہتے۔ اِس کے علاوہ کسی صورت بھی آپؐ سے جدائی کا تصور اُن کے لیے محال تھا۔

ایک ادنیٰ سی خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہچانے اور ایک مقدس خواب کی تعبیر پانے کے لیے اِس ناچیز نے قلم کا سہارا لیا اور میری اِس شب و روز کی محنت کا نتیجہ نذرِ قارئین ہے۔ گر قبول اُفتد، زہے عزّ و شرف!

خُسروی اچھی لگی، نہ سروری اچھی لگی!
ہم فقیروں کو مدینے کی فضا اچھی لگی!

طالب دعا
فقیر اللہ خاں
0315-2382734
fu747uz@ yahoo.com

Marfat.com

پیش لفظ

نبی کریم ﷺ سے محبت اور عقیدت کے اظہار کے لیے اہل ایمان نے مختلف طریقے آزمائے ہیں۔ کسی نے عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر نعت لکھی تو کسی نے سیرت رسول ﷺ کی شکل میں حیاتِ مبارکہ کے کچھ اوراق پلٹ ڈالے۔ کسی نے حضورؐ کی سنت کو جزوِ ایمان و عمل بنا لیا تو کوئی مسجدِ نبوی میں روضہِ رسول کی جالیوں سے لپٹ کر روتا رہا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے محبت اور عقیدت ہم سب مسلمانوں کے ایمان کا حصہ ہے۔ اسی لیے حرم پاک اور مکہ مکرمہ کے بعد مسلمانوں کی سب سے متبرک جگہیں روضہِ رسولؐ، مسجد نبویؐ اور مدینہ منورہ ہیں۔

مدینہ کا قدیم نام یثرب تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی یہاں آمد کے بعد یہ شہر مدینۃ النبی کہلایا اور بعد میں مدینہ ہی کے نام سے معروف ہوگیا۔ مدینہ، نبی کا شہر ہے۔ مکہ سے ہجرت کے بعد نبی کریمؐ نے مدینہ کو شرف بخشا تو پھر یہیں کے ہو رہے۔ یہیں دنیا کی پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ یہیں حضور ﷺ وصال کے بعد بھی تہہ خاک قیام فرما ہیں۔ جنت البقیع میں گلشن رسولؐ کے کتنے ہی پھول خوابیدہ ہیں۔ احد کی طرف چلے جائیں تو شہدا کے مدفن ملیں گے۔ یہاں مسجد قبا بھی ہے اور مسجد قبلتین بھی۔ سلع پہاڑ کے دامن میں کھودی گئی خندق کی نشانیاں اب وہاں تعمیر شدہ چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں۔ کسی کو تلاش کرنے پر بیئر رومہ بھی مل سکتا ہے۔ یہاں کی ہواؤں میں دیارِ مصطفٰے کی مہک موجود ہے۔

Marfat.com

فقیر اللہ خاں صاحب کی نبی کریم ﷺ سے محبت نے اپنے اظہار کی راہ ''المدینہ'' کی صورت میں نکالی ہے۔ خاں صاحب اس سے قبل دو سفرنامے بعنوان: ''امریکہ جیسے میں نے دیکھا'' اور ''سیر جہاں'' قارئین کی نذر کر چکے ہیں لیکن مزاج کے اعتبار سے ''المدینہ'' بالکل مختلف کتاب ہے۔ اس میں ایک عشق و سرمستی کی کیفیت بھی ہے اور عقل شعور کے رنگ بھی۔ دیوانگی بھی جھلکتی ہے اور فرزانگی بھی دکھائی دیتی ہے۔ معلومات کا خزانہ بھی ہے اور مصنف کے تخیل کی پرواز بھی۔ فقیر اللہ خاں نبیؐ کی بارگاہ میں حاضری کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ نظر آتے ہیں۔ ان کا اسلوب پختہ اور قلم واقفِ آدابِ عظمتِ رسولؐ ہے۔ "المدینہ" محض مدینہ منورہ کی تاریخ ہی نہیں بلکہ اس میں سیرتِ مبارکہ کے نقوش، اسلامی تاریخ کے کچھ اوراق اور اصحابِ رسول کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ مصنف نے ایک گائیڈ کی طرح مقاماتِ مقدسہ کی سیر بھی کروائی ہے اور جدید مدینہ کے خدوخال بھی اجاگر کیے ہیں۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ فقیر اللہ خاں صاحب کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ (آمین)

صاحبزادہ حافظ محمود الرشید قدوسی
مرکزی جامع مسجد سٹیلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

Marfat.com

Marfat.com

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہِ الکریم اما بعد فاعوذ باللّٰہِ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

ہر کوئی اونٹنی کی طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اونٹنی کو ایسے تک رہے تھے جیسے وہ ان کی زبان سمجھ رہی ہو، ان کے دلوں کی دھڑکن سے پیدا ہونے والی اضطرابی کیفیت کو محسوس کر رہی ہو، حقیقت میں ایسا ہی تھا۔ اونٹنی ہر ایک کو جواب دینے کی پابند نہ تھی، بلکہ وہ تو وہی کر رہی تھی جیسا اسے کہا گیا تھا۔ وہ تو اللہ کے حکم کی پابند تھی۔ اونٹنی ہر ایک کو دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھوں میں کوئی غرور کا شائبہ نہ تھا، خراماں خراماں چل رہی تھی، وہ اس لیے کہ اس کے اوپر اللہ کا محبوبؐ سوار تھا۔

مہمان کا استقبال اس کے بھیجنے والے کی حیثیت کو مدِّ نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ اس اونٹنی پر بیٹھنے والا مہمان کوئی عام سوار نہیں تھا بلکہ وہ اس ذات واحد کا مہمان تھا، جو عرشِ بریں اور کُل کائنات کا خالق تھا۔ استقبال کرنے والے اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ایک عظیم ہستی ان کے شہر میں مہمان بن کر آ رہی ہے۔ وہ مہمان عرشِ بریں کی سیر کر کے آیا تھا۔ یہ وہ مہمان تھا جس نے اپنی زندگی میں ایک لاکھ سے زائد پیغمبروں اور نبیوں کی امامت کا شرف حاصل کیا تھا۔

ایسا شہر جسے ہجرت گاہِ رسولؐ کا شرف حاصل ہوا۔ جس دن خیر الاممؐ اس شہر میں تشریف لائے، اس دن کیا یہاں کی ریت کے ذرے آفتاب کی طرح نہیں چمک رہے ہونگے، درختوں کے پتوں کی شاخیں بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے کی فرطِ جذبات سے بلائیں نہ لیتی ہونگی؟ کچھ ایسی ہی خوشی اس شہر کے مکینوں میں دیدنی تھی۔ اس خوشی کا اظہار اُن کی بچیاں دف بجا کر کر رہی تھیں، جن کے منہ سے بے ساختہ طلع البدر علینا کے اشعار نغموں کی صورت میں گونج رہے تھے۔ ہر ایک کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ حضورؐ کی آمد کی خوشی شہر میں اس طرح منائی جا رہی تھی جیسے ان کا صدیوں سے انتظار ہو رہا تھا۔ انصار بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کو مبارک بادیں دے

Marfat.com

رہے تھے، اور دیں بھی کیوں نہ کہ آج ان کے شہر میں ایک ایسے مہمان کی آمد ہوئی جو اس شہر میں تا قیامت آنے والے مہمانوں کا میزبان بن گیا۔ اس دن کے بعد اس شہر کی خاک مبارک نے آنحضورؐ کا دامن نہیں چھوڑا، بلکہ دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اس میزبانِ خیر الاممؐ کو اپنے سینہ وا کر کے جگر گوشۂ آمنہ کو اپنے دامن میں جگہ دی۔

اونٹنی تو اللہ کی طرف سے محض ایک علامت تھی، نہ اس کی باگ کسی کے ہاتھ میں تھی اور نہ اسے پیچھے سے کوئی ہانکنے والا تھا۔ اونٹنی اپنی مرضی سے نہیں چل رہی تھی، اللہ کی مرضی سے اس کے قدم اٹھ رہے تھے اور حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے مکان کے دروازے پر جا کر اس کے پاؤں گویا 'جامد' ہو گئے۔ اللہ نے اس کے شہسوار کو بتا دیا تھا کہ یہ منزل آپؐ کی ہے۔ آپؐ وہاں پر اونٹنی سے نیچے اتر گئے اور ابو ایوب انصاریؓ کے اس بوسیدہ مکان کو وہ عزت دی کہ قیصر و کسریٰ کے محل اس کے سامنے سرنگوں لگ رہے تھے۔ آج ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں ایک ایسا چاند اتر آیا تھا، جس کی روشنی سے سب کی آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں۔ اس گھر میں ایسا آفتاب طلوع ہوا جس کی کرنوں سے سارا مدینہ جگمگا اٹھا۔ یہ ایک ایسا منظر تھا جس کی منظر کشی کسی آرٹسٹ کے بس کی بات نہ تھی۔

اس ہجومِ عاشقاں میں وہ معصوم یتیم بھی کہیں موجود ہوں گے، جنہوں نے ایک دُرِ یتیم کو اپنی زمین تحفتاً دینی چاہی۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ زمین کا قطعہ ''ریاض الجنۃ'' کے نام سے موسوم ہوا اور اس قطعۂ زمین پر تعمیر ہونے والی مسجد ''عروسُ المساجد'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

اللہ نے روئے زمین پر اپنے لیے شہر مکہ کو پسند فرمایا اور اپنے محبوبؐ کے لیے شہر مدینہ۔ وہ اس لیے کہ اس کی فضائیں خوشگوار، اس کے چمن لالہ زار، اس شہر مدینہ کے رہنے والے جانثار اور مہمان نواز تھے۔ اس شہر میں جنت البقیع میں دفن ہونے والے نبی کریمؐ کی شفاعت کے حق دار ٹھہرے۔ مسجدِ نبویؐ کا وہ حصہ جو جنت سے اتارا گیا ''ریاض الجنۃ'' کہلاتا ہے۔ یہ وہ مقدس شہر ہے جس میں قرآن پاک کی اٹھائیس (28) سورہ نازل ہوئیں۔

آنحضورؐ کو اس شہر سے اتنی محبت تھی کہ اس میں اڑنے والی خاک کو بھی بیماریوں سے شفا قرار دیا۔ اس شہر میں مسجدِ نبویؐ سے بڑھ کر کوئی مقدس جگہ نہیں۔ یہاں نہ تو زائرین کو کوئی

Marfat.com

تلبیہ پڑھنا پڑتا ہے اور نہ ہی احرام کی طرح کا کوئی مخصوص لباس، پھر بھی وہ کون سی روحانی کشش ہے جو سب زائرین کو اپنی طرف اس طرح کھینچتی ہے جس طرح لوہے کو مقناطیس اور پروانے کو شمع۔ آپؐ نے اس شہر سے اتنا پیار کیا کہ اس کے ذروں کو اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اپنے جسم مطہر کا بچھونا بنانا پسند فرمایا۔ اللہ نے بھی آپؐ کی اس خواہش کو شرفِ قبولیت بخشا۔

یہی وہ شہر ہے جسے مکہ سے ہجرت کے بعد آنحضورؐ اور ان کے جانثار مہاجرین کو خوش آمدید کہنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہاں کے رہنے والوں نے آپؐ کے لیے اپنی جانیں اور اپنی آنکھیں فرش راہ کر دیں۔ ان کو نہ صرف انصارِ رسولؐ بننے کا شرف حاصل ہوا بلکہ بعد میں ان کے شانہ بشانہ متعدد غزوات میں بہادری سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرما کر شہادت کے اعلیٰ رتبے پر فائز ہوئے۔ مکہ سے ہجرت کرنے والے مہاجروں اور اس شہر کے مکینوں کے درمیان ایسے لازوال رشتوں کا سلسلہ شروع ہوا جس کی دنیا کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ سب کچھ نبی اکرمؐ کے اس شہر کے رہنے والوں نے بھی اس محبت کا اظہار انھی جذبوں سے کیا کہ مواخات کے رشتوں کو نبھا کر اللہ کے رسولؐ سے اپنی والہانہ محبت کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ اس سے ایسا لگتا ہے کہ یہاں کے نا صرف مسلمان بلکہ شجر و حجر اور خاکِ مدینہ کے ذرے بھی جنتی ہیں۔ جس نے اگر اس دنیا میں چلتی پھرتی جنت دیکھنی ہو تو آج شہرِ مدینہ کو دیکھ لے۔

مدینہ منورہ مکہ کے بعد دوسرا مقدس شہر ہے۔ یہ سعودی عرب کا چوتھا بڑا شہر بھی ہے۔ مدینہ کا مکہ سے فاصلہ 358 کلومیٹر جدہ سے 420 کلومیٹر، ریاض سے 848 کلومیٹر اور طائف سے 446 کلومیٹر ہے۔ نزدیک ترین سمندر بحرۂ قلزم مدینہ سے 250 کلومیٹر اور قریب ترین بندرگاہ ینبوع ہے جو مدینہ منورہ سے 220 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ان سب مقامات سے مدینہ بہترین سڑکوں کے ذریعہ ملا ہوا ہے۔ اس وقت مدینہ شہر کی آبادی چھ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ اس کا رقبہ پچاس (50) مربع کلومیٹر ہے۔ اس شہر کا پرانا نام یثرب تھا جو آنحضورؐ کی ہجرت کے بعد مدینۃ النبیؐ المختصر مدینہ منورہ کے نام سے موسوم ہوا۔ ویسے تو مدینہ کے کئی نام ہیں لیکن عام طور پر اس کو دارُ الہجرہ، طابہ اور مدینہ منورہ کے ناموں سے ہی پکارا جاتا ہے۔ اس شہر میں آنحضرت صلعم کے روضہ انور کے علاوہ مسجدِ نبویؐ، مسجدِ قبا، مسجدِ قبلتین، جنت البقیع، اسلامی یونیورسٹی، شاہ

Marfat.com

فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس مشہور زیارتیں اور عمارتیں ہیں۔ مسجدِ قبا مسجدِ نبویؐ سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے جسے دنیا کی پہلی مسجد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مسجدِ قبلتین وہ مسجد ہے جہاں دو ہجری میں قبلہ کی تحویل کا حکم نازل ہوا اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے خانہ کعبہ قرار پایا۔

مدینہ منورہ مکہ شہر سے شمال میں واقع ہے۔ یہ شہر سطح سمندر سے 2050 فٹ بلند ہے۔ مدینہ کی آب و ہوا معتدل اور گرم مرطوب ہے۔ موسمِ گرما میں درجہ حرارت 30 سے 45 سنٹی گریڈ اور موسمِ سرما میں کم از کم 15 ڈگری اور زیادہ سے زیادہ 25 سنٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے۔ بارشیں نومبر اور جنوری سے اپریل تک 95 ملی میٹر تک اوسطاً ہوتی ہیں لیکن موسمِ گرما میں بارشیں برائے نام ہی ہوتی ہیں۔ (ویسے اللہ کی رحمتوں کی بارش، گھٹاؤں کے روپ میں دن رات برستی رہتی ہے) موسمِ گرما میں شمال مغرب سے اور موسمِ سرما اور بہار میں جنوب مغربی ہوائیں چلتی ہیں جن کی رفتار دس سے پندرہ کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

مدینہ منورہ کا شہر پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ کوہ سَلَع جہاں غزوہ احزاب کے وقت خندق کھودی گئی تھی شہر کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ کوہِ اُحد شہر سے شمال کی جانب واقع ہے۔ ان پہاڑوں میں گرینائٹ کی طرح قیمتی پتھر وافر مقدار میں دستیاب ہے۔ اس شہر کے اردگرد کھجوروں کے باغات عام پائے جاتے ہیں، جہاں کی کھجوریں اپنے مخصوص ذائقے اور حلاوت کی وجہ سے تمام دنیا میں شہرت رکھتی ہیں۔

مکہ مکرمہ کے شہر کی طرح مدینہ منورہ کی بھی ایک شاندار تاریخ ہے۔ مدینہ جس کا پرانا نام نبی اکرمؐ کی یہاں آمد سے قبل "یثرب" تھا، کا تاریخ میں اکثر ذکر ملتا ہے۔ مؤرخین نے یثرب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ اسے ایک شخص یثرب بن قانیہ نے آباد کیا جو حضرتِ نوحؑ کی اولاد میں ان کی ساتویں نسل سے تھا۔ جب حجاز میں عمالقہ کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا تو حضرت موسیٰؑ نے ان کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی۔ 300 قبل مسیح میں عمالقہ کو شکست ہوئی اور ان کا بادشاہ قتل ہوا۔ بعدازاں یثرب میں یہود نے عارضی سکونت اختیار کر لی پھر ان کے کچھ قبائل یہاں مستقل آباد ہو گئے۔

۱۴۷۸۸۱

Marfat.com

مدینہ منورہ میں یہود کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنونظیرا اور بنو قریظہ آباد تھے۔ان تینوں قبائل کے باہمی تعلقات عموماً کشیدہ رہتے تھے۔ یہود کے علاوہ مدینہ میں کچھ عیسائی بھی موجود تھے۔اوس اور خزرج عرب قبائل تھے جو یمن میں سدِ مآرب کے انہدام (300 ق م) کے بعد وہاں سے مدینہ چلے آئے۔ان کے قبائل مدینہ منورہ کے جنوب و مشرق میں اور خزرج کے قبائل شہر کے وسطی اور شمالی علاقے میں آباد تھے۔یہود جو کہ ایک شر پسند قوم تھی ان دونوں قبائل کو آپس میں لڑاتے رہتے تھے تا کہ مدینہ میں ان کا اقتصادی تسلط برقرار رہے۔اوس اور خزرج کے درمیان آخری لڑائی ہجرتِ رسول اللہؐ سے پانچ سال قبل ہوئی تھی۔

اس طرح مدینہ کے رہنے والے آدھے باشندے عرب تھے اور آدھے یہودی۔جس طرح پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہودیوں کے تین بڑے قبیلے تھے اور عرب قبائل میں تین قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔مدینہ کے اعراب کا ذریعہ معاش زراعت اور مال مویشیوں کی پرورش تھا اور کچھ تجارت کا پیشہ بھی اختیار کیے ہوئے تھے۔کیونکہ شام مصر اور یمن کے تجارتی قافلے آتے جاتے یہاں قیام کرتے تھے۔اس لیے اہلِ مدینہ تجارت کے پیشہ سے نابلد نہ تھے۔

یہودیوں کے تینوں قبائل کا مشغلہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ایک قبیلہ کھیتی باڑی کرتا، دوسرا زرگری اور تیسرا باغبانی کے ذریعہ اپنی روزی کماتا تھا۔

مدینہ کے کئی بازار بھی تھے۔جس میں سے سب سے اہم سوقِ بنی قینقاع تھا جو سونے چاندی کے زیورات، مصنوعات اور کپڑے کا خاص بازار تھا۔ان بازاروں میں سوتی اور ریشمی کپڑے رنگین غالیچے بھی برائے فروخت موجود ہوتے۔عطر فروش مختلف قسم کے عطر اور مُشک فروخت کرتے تھے۔مدینہ کے باشندے شیشے اور پتھر کے پیالے اور آبخورے بھی استعمال کرتے، قسم قسم کے زیورات بھی پہنے جاتے جیسے کنگن، بازوبند، پازیب، کانوں کے بُندے اور بالیاں، انگوٹھیاں، سونے یا لجنی دانوں کے خوبصورت ہار بھی خواتین شوق سے پہنتیں۔مدینہ کے اطراف میں کھجوروں کے وسیع و عریض باغات بھی موجود تھے بلکہ اب بھی ہیں جو ذائقے اور مٹھاس میں لاجواب ہیں۔

Marfat.com

مدینہ (یثرب) کا شہر آپؐ کے لیے کوئی اجنبی شہر نہیں تھا۔ آپؐ کے جدّ امجد عبد مناف کے چار بیٹے تھے: ہاشم، شمس، نوفل اور مطلب۔ ان میں ہاشم سب سے بڑے تھے۔ ہاشم ایک بار تجارت کے لیے ملک شام گئے، راستے میں مدینہ کے سالانہ بازار ''عکاظ'' میں شرکت کی۔ اس بازار میں انھیں ایک حسین و جمیل خاتون سلمیٰ نظر آئیں۔ اس کا تعلق بنی نجار سے تھا۔ ہاشم نے ان سے شادی کی درخواست کی، جو اس خاتون نے قبول کر لی۔ دونوں کا نکاح ہو گیا۔ ہاشم کچھ عرصہ مدینہ میں قیام کے بعد شام چلے گئے اور وہیں 497ء میں وفات پائی۔ سلمیٰ نے بیٹے کو جنم دیا، جس کا نام ''شیبہ'' رکھا۔ شیبہ نے آٹھ برس تک مدینہ ہی میں پرورش پائی۔ ہاشم کے بھائی مطلب کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ سلمیٰ کی اجازت سے شیبہ کو مدینہ سے مکہ لے آئے۔ شیبہ کی پرورش اور تربیت اس کے چچا مطلب نے کی۔ لہٰذا ان کا نام شیبہ سے عبدالمطلب مشہور ہو گیا۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے، جن کے نام یہ ہیں:

حارث، زبیر، ابوطالب، حمزہؓ، عبداللہؓ، ابولہب، غیداق، مقوم، صفار اور عباسؓ۔

عبدالمطلب کی اولاد میں عبداللہ سب سے زیادہ خوبصورت، پاک دامن اور چہیتے تھے۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی کے لیے حضرت آمنہ کا انتخاب کیا جو وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی تھیں۔ آمنہ اعلیٰ نسب اور رتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین خاتون شمار ہوتی تھیں۔ شادی کے چند ماہ بعد عبدالمطلب نے عبداللہ کو ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ ملک شام بھیج دیا۔ وہاں سے واپسی پر انہوں نے مدینہ میں اپنے والد عبدالمطلب کے ننھیال بنو عدی بنی نجار کے ہاں قیام کیا۔ دورانِ قیام عبداللہ وہیں بیمار ہو گئے اور اسی بیماری کی حالت میں مدینہ ہی میں انتقال کر گئے اور انھیں مدینہ کے مضافات میں عبدالنابغہ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی۔ آپؐ اس وقت شکمِ مادر میں تھے۔

جب تجارتی قافلہ مکہ واپس پہنچا تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کے متعلق استفسار کیا۔ قافلہ والوں نے بتایا کہ عبداللہ مدینہ میں بیمار ہو گئے تھے اور وہ سفر کے قابل بھی نہ

Marfat.com

تھے، ہم ان کو مدینہ میں چھوڑ آئے ہیں۔

عبدالمطلب نے جب عبداللہ کی بیماری کے متعلق سنا تو فوراً بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا کہ وہاں جا کر ان کی دیکھ بھال کرے اور جب وہ تندرست ہو جائیں تو ان کو اپنے ساتھ مکہ لے آئیں لیکن افسوس! حارث کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس وقت آمنہ جو امید سے تھیں، جوانی ہی میں بیوہ ہو گئیں۔ حضرت عبداللہ نے ترکہ میں پانچ اونٹ، چند بکریاں اور ایک لونڈی اُمّ ایمن چھوڑی۔

یکم عام الفیل (571ء) بارہ ربیع الاوّل کو سوموار کے دن آپؐ کی ولادت ہوئی۔ آپؐ کی دایہ کا نام ''شفا'' تھا جو نامور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (عشرہ مبشرہ) کی والدہ تھیں۔ اُمّ ایمن ہی نے جنابِ رسولؐ اللہ کو گود کھلایا۔ والدہ نے آپؐ کا نام احمدؐ اور دادا نے محمدؐ رکھا۔ حضورِ اکرمؐ جب چھ سال کے ہوئے تو والدہ نے آپؐ کو مدینہ میں ننھیال سے ملاقات کروانے اور والد کی قبر پر حاضری دینے کے لیے یثرب (مدینہ) کے سفر کا ارادہ کیا۔ اس سفر کے دوران اُمّ ایمن بھی ہمراہ تھیں۔ یثرب پہنچ کر حضرت آمنہ نے بنی نجار کے ہاں ایک ماہ قیام کیا۔ آپؐ کی دادی سلمٰی بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت آمنہ نے اپنے جگر گوشے کے ہمراہ اپنے خاوند کی قبر پر حاضری دی۔ مدینہ میں قیام کے دوران آپؐ نے شہر کے قریب تالاب میں تیراکی بھی سیکھی۔ مدینہ کی آب و ہوا معتدل تھی اور وہاں جزیرہ العرب کے دوسرے علاقوں کی نسبت بارشیں زیادہ ہوتی تھیں۔ پانی کا بڑا تالاب بھی بارش کے پانی سے بھرا رہتا۔ ایسا تالاب مکہ میں پای کی کمیابی اور قلیل بارشوں کی وجہ سے موجود نہیں تھا۔ لیکن مدینہ میں اس تالاب میں بچے شدید گرمی میں ٹھنڈک اور خنکی کے احساس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

مدینہ میں ایک ماہ قیام کے بعد بی بی آمنہؓ اپنے لختِ جگر کے ہمراہ واپس مکہ کے لیے عازمِ سفر ہوئیں۔ اُمّ ایمن ان کے ہمراہ تھی۔ مکہ اور مدینہ کے راستے میں آپؐ کی والدہ محترمہ بیمار ہو گئیں اور جلد ہی ان کی حالت اس قدر بگڑی کہ سب کو ان کی عنقریب موت کا یقین ہو گیا۔ ناگہاں ایک بار آپؐ نے اپنی پیاری والدہ کے چہرے کی طرف دیکھا تو آپؐ نے محسوس کیا کہ وہ اب جواب نہیں دے رہیں تو آپؐ نے اپنا سر والدہ ماجدہ کے سینے پر رکھ دیا اور رونے چلانے

Marfat.com

لگ گئے اور بولے ''اماں جان...... اماں جان آپ جواب کیوں نہیں دیتی۔ لیکن روح کا رشتہ آپ کی والدہ کا ساتھ چھوڑ چکا تھا (انا للہ و انا الیہ راجعون)۔ آپؐ نے اپنی والدہ سے لپٹ کر روتے ہوئے کہا کہ آپ جواب کیوں نہیں دیتی۔ وہ خواتین جو حضرت آمنہ کی نزدیکی رشتہ دار تھیں۔ انہوں نے حضرت آمنہ کو غسل دیا اور پھر آپؐ اپنی والدہ کو کفن پہنے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد انہیں ''ابوا'' کے قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیا۔ رشتہ داروں اور ہمراہیوں نے قبر میں دفنانے کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آپؐ ان کے ہمراہ نہیں تھے لہذا جب وہ لوگ واپس قبرستان آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپؐ اپنی والدہ کی قبر کے قریب بیٹھے نہایت دلآزاری کی حالت میں پکار رہے ہیں کہ ''ماں! آپ گھر کیوں نہیں چلتی۔ کیا تو نہیں جانتی کہ تیرے سوا میرا اس دنیا میں کوئی نہیں''۔ وفات کے وقت بی بی آمنہ کی عمر صرف بیس برس تھی۔

اُمِّ ایمن آپؐ کو لے کر مکہ جناب عبدالمطلب کے پاس پہنچیں اور حضرت آمنہ کی وفات کی خبر سنائی۔ حضرت عبدالمطلب حضرت آمنہ کی وفات کی خبر سن کر بڑے رنجیدہ اور افسردہ ہو گئے۔ آپؐ کے دادا اور پھوپھیوں نے آپؐ دلاسا دیا اور اس ناگہانی غم کی کیفیت سے نکالنے کی مروجہ تدابیر اختیار کیں۔ آپؐ کے دادا جناب عبدالمطلب نے خصوصی توجہ اور شفقت کا مظاہرہ کیا۔ جناب عبدالمطلب اُمِّ ایمن کو تاکید کرتے کہ وہ ایک پل بھی آپؐ سے غافل نہ رہے۔ جب آپؐ آٹھ سال کے تھے تو دادا بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ یہ قدرت کا کرشمہ ہی تو تھا کہ ابھی آپؐ ماں کے پیٹ میں تھے تو باپ کو بن دیکھے ان کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ چھ برس کی عمر میں پہنچے تو والدہ داغِ مفارقت دے گئیں، آٹھ برس کے ہوئے تو دادا جان کے مہربان سائے سے محروم ہو گئے۔ لیکن اللہ کی ذات تو ہر وقت آپؐ کے ہمراہ تھی۔ اس لیے تو اللہ نے قرآنِ پاک میں آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا'' الم یجدك یتیم فاوی (سورہ الضحیٰ)''

آنحضور صلعم مکہ معظمہ میں حج کے ایام میں باہر سے آنے والوں میں اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ یثرب سے قبیلہ اوس اور خزرج کے چھ آدمی عقبہ کی پہاڑی کے پاس آپؐ کو ملے۔ آنحضور صلعم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ یہ لوگ

Marfat.com

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے پڑوس میں رہا کرتے تھے اور ان کی نبوت اور انبیاء کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے اور تورات کی تلاوت کرتے ہوئے برابر دیکھتے اور سنتے تھے۔ ان سے وہ یہ بھی سنا کرتے کہ زمانہ قریب میں ایک اللہ کا نبیؐ آنے والا ہے۔ اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے آپؐ سے ملاقات کے بعد، قرآن پاک کی تلاوت اور تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ اپنے شہر واپس جا کر انہوں نے اسلام کی خوب تبلیغ کی۔

دوسرے سال حج کے موسم میں اوس اور خزاج قبائل کے بارہ (12) آدمی آپؐ سے عقبہ میں ملے۔ مکہ سے واپسی پر آپؐ نے ان کی درخواست پر اپنے ایک جلیل القدر صحابی حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا تا کہ وہ مدینہ کے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کریں۔ ان کی کوششوں سے مدینہ میں لوگوں کو اسلام کے متعلق آگاہی ملی۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے گھر گھر جا کر اسلام کی دعوت دی۔ مدینہ سے آنے والے ان بارہ مسلمانوں کو تاریخِ اسلام میں انصار کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اس سے اگلے سال ہجرت مدینہ سے ایک سال قبل حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ آئے تو انصارِ مدینہ کی ایک جماعت ان کے ہمراہ تھی۔ ان کی تعداد 73 تھی جن میں دو خواتین بھی شامل تھیں۔ آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ہمراہ (جو اس وقت ابھی اسلام نہیں لائے تھے) ان لوگوں سے ملاقات کی۔ آپؐ نے اُن سے بیعت لی کہ تم میری حفاظت اپنے اہل و عیال کی طرح کرو گے۔ اُن لوگوں نے آپؐ سے بھی وعدہ لیا کہ آپؐ بھی ہمیں مدینہ آ کر ہر طرح کا تحفظ فراہم کریں گے۔

رفتہ رفتہ مدینہ میں اسلام کی تبلیغ سے لوگ متعارف ہو رہے تھے۔ اب آفتابِ اسلام کی ضیا پاشیوں سے مدینہ کے در و دیوار منور ہو رہے تھے، لیکن رؤسائے مکہ کو یہ بات نہایت گراں گزرتی تھی۔ آنحضرتؐ کی بعثت کو تیرہ سال مکمل ہو چکے تھے۔ ان تیرہ سالوں میں آنحضورؐ اور آپ کے صحابہ کرام کو جو صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، بیان سے باہر ہیں۔ آپؐ کو ہر وقت جان کا خطرہ لگا رہتا۔

ایسے نازک مرحلہ میں اللہ نے اپنے رسولؐ اور دین کی مدد کے لیے اوس اور خزاج کو

Marfat.com

آپؐ کے شانہ بشانہ کھڑا کر دیا۔ یہ یثرب کے دو بڑے قبائل تھے جو بعد میں ''انصار'' کے معزز لقب سے مشرف ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد 300 ق م میں سدِّ مآرب (یمن) کی تباہی کے بعد یثرب منتقل ہوئے تھے، گویا انہوں نے بھی ہجرت اختیار کی تھی۔ اس لیے وہ آنحضورؐ کی تکالیف اور پریشانیوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس بنا پر انہوں نے آپؐ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کی دعوت دی۔ اوس اور خزرج کے یہ قبائل قریشِ مکہ کے برخلاف نرم مزاج، نرم دل اور تحمل مزاجی کے لیے مشہور تھے۔ (ہمارے حجاج کرام بھی آج تک اہلِ مدینہ کی ان باتوں کی تعریف و توصیف کرتے ہیں کیوں کہ اہلِ مدینہ کی اکثریت انہی دو قبائل کی اولاد سے ہیں)۔

یثرب کو دارالہجرت بنانے اور دعوتِ اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک مستحکم قلعے کی اشد ضرورت تھی۔ دوسرے اس کے اطراف میں کھجوروں کے گھنے باغات تھے۔ ان تمام عوامل اور جغرافیائی خصوصیات کو دیکھتے ہوئے یثرب کا شہر اس کا مستحق تھا کہ اس کو آنحضورؐ اور آپؐ کے اصحابہ کرامؓ کا دارالہجرت اور دعوتِ اسلامی کا ہیڈ کوارٹر بنایا جائے۔

اِدھر مکہ میں کفارِ قریش نے آپؐ کو دن رات ستانا شروع کر دیا اور مصائب میں اضافہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ جو یہ سب مناظر دیکھ رہا تھا، آپؐ کو مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے ذی الحجہ 12ن میں آنحضورؐ کے رضاعی بھائی اور آپؐ کی پھوپھی برّہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے ابوسلمہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے بعد اگلے سال ذی الحجہ 13ن کے بعد عامر بن ربیعہؓ اپنی زوجہ لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ کے ساتھ نکلے۔ پھر حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ہجرت کی۔ پھر حضرت عثمانؓ اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے۔ پھر مہاجرت کا سلسلہ چل پڑا اور لوگ پے در پے نئے دارالہجرت مدینہ کی طرف جانے لگے۔ کچھ خاندانوں کو مکہ کے کفار نے ہجرت کرنے سے زبردستی روک لیا اور انہیں گرفتار کر لیا، باقی جو لوگ اپنی ہمت اور بل بوتے پر ہجرت کر سکے تھے، عازم مدینہ ہوئے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ مکہ میں صرف حضور اکرمؐ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ باقی رہ گئے۔ حضرت علیؓ کو حضور اکرمؐ نے اس لیے روک لیا تھا کہ وہ آپؐ کے پیچھے مکہ میں ٹھہر کر سب لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں، جنہوں نے اپنے قیمتی مال

Marfat.com

حفاظت کے لیے آپؐ کے پاس رکھ چھوڑے تھے۔

جب کفار مکہ نے آنحضورؐ کو رات کے وقت قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا تو اسی روز اللہ کی طرف سے حضرت جبرائیلؑ نے آکر حضورؐ کو قریش کے ارادے سے باخبر کیا اور آپؐ کو ہدایت کی کہ آج رات آپؐ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ ہدایت الٰہی کی روشنی میں آپؐ دوپہر کے وقت اپنے گھر سے نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضورؐ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ابوبکرؓ کے استفسار پر آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے مجھے مکہ چھوڑنے کی اجازت دے دی گئی ہے اور اس سفر میں آپؓ میرے ہمراہ ہوں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''میری ان دو اونٹیوں میں سے ایک آپؐ لے لیں'' حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ میں اس اونٹنی کی قیمت دوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے قیمت بتائی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں ادا کر دوں گا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک شخص عبداللہ بن اریقط کو جو حجاز کے راستوں کا ماہر اور تجربہ کار راہنما (گائیڈ) تھا، راہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کیا اور دونوں اونٹنیاں اس ہدایت کے ساتھ اس کے حوالے کیں کہ جس وقت اور جس جگہ ہم تمہیں طلب کریں اسی وقت ان اونٹیوں کے ہمراہ اس جگہ پہنچ جانا۔

رات بھر دشمنوں نے حضورؐ کے مکان کا محاصرہ کیے رکھا۔ صبح ہوئی تو ان لوگوں نے حضورؐ کے بستر پر سے حضرت علیؓ کو اٹھتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ آپؐ تو کبھی کے یہاں سے جا چکے ہیں۔ انہوں نے درشتگی سے حضرت علیؓ سے استفسار کیا کہ ''آپ کے صاحبؐ کہاں ہیں''؟ آپؓ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں تشریف لے گئے ہیں، میں ان پر کوئی نگران نہیں۔ تم لوگوں نے انہیں نکل جانے پر مجبور کیا اور وہ نکل گئے'' اس جواب پر کفار بہت سٹپٹائے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو مسجد الحرام میں لے جا کر کچھ دیر بند رکھا اور پھر مجبور ہو کر انہیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کفارِ مکہ نے حضرت ابوبکرؓ کے مکان کا رخ کیا۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ ان میں ابوجہل بھی شامل تھا۔ وہ لوگ ہمارے ہاں آئے اور دروازے پر کھڑے مجھ سے دریافت کیا کہ ''تمہارا باپ کہاں ہے''؟ میں نے جواب دیا کہ ''مجھے خبر نہیں''۔ اس پر ابوجہل نے میرے چہرے پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ میرے کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا گری پھر وہ ظالم لوگ چلے گئے''۔

Marfat.com

رات کے وقت 27 صفر نبوت کے چودھویں سال بمطابق 12، 13 ستمبر 622ء کی درمیانی شب آپؐ اپنے مکان سے نکل کر سورہ یٰسں کی تلاوت کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ نے جلدی جلدی دونوں مسافروں کے لیے ضروری زادِ راہ تیار کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو ہدایت کی کہ وہ دن اہلِ مکہ میں گزار کر رات کو ہمیں غارِ ثور میں دن بھر کی جمع شدہ اطلاعات سنا دیا کرے۔ اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ حسبِ معمول دن کے وقت بکریاں چراتا رہے اور اور رات کے وقت ہمارے پاس غارِ ثور میں آ کر بکریوں کا دودھ دے دیا کرے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ شام کے وقت تازہ کھانا پہنچاتی رہیں۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ مکہ چھوڑتے وقت ابو طالب کی بیٹی اور حضرت علیؓ کی بہن ام ہانیؓ کے گھر کے قریب ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہو کر جنابِ رسول اللہؐ نے آخری مرتبہ حسرت بھری نظروں سے کعبے کو دیکھا اور فرمایا "مکہ! تو مجھے تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے"۔ (مسند ابوالموصلی)

غارِ ثور مکہ سے پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر جنوب یمن کے راستے پر واقع ہے۔ آپؐ نے تین دن (جمعہ، ہفتہ، اتوار) غارِ ثور میں قیام کیا اور چوتھے دن سوموار کے روز غارِ ثور سے نکل کر عازمِ مدینہ ہوئے۔ تین دن کی شب و روز جستجو کے بعد اہلِ قریش تھک گئے اور ہار مان کر مکہ واپس چلے گئے۔ غارِ ثور میں قیام کے دوران حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ طے شدہ منصوبے کے مطابق دو سفید اونٹنیاں لے کر غارِ ثور تک پہنچ گیا۔ حضرت رسولِ اکرمؐ اور حضرت ابوبکرؓ ان پر سوار ہو گئے۔ آپؐ نے احتیاطی طور پر ملک شام والا راستہ اختیار کرنے کی بجائے قدرے طویل اور ہٹ کر گزرنے والا سمندر کے کنارے والا رستہ اختیار کیا تاکہ کسی کو ہمارا تعاقب کرنے کا خیال نہ آئے۔ یہ ایک بہت اچھی تدبیر تھی جو آنحضورؐ نے اختیار کی۔ راستے کا راہنما (گائیڈ) عبداللہ بن اریقط ہمراہ تھا۔

Marfat.com

اُمِّ معبد کا واقعہ

مدینہ جاتے ہوئے راستے میں آپؐ کا گزر اُمِ معبد کے خیمے سے ہوا۔ اُمِ معبد پختہ عمر کی باعفت خاتون تھی اور ان لوگوں کی میزبانی کیا کرتی جو یہاں سے گزرتے تھے۔ جناب رسول اللہؐ اور آپؐ کے ساتھی جب اُمِ معبد کے خیمے کے پاس پہنچے تو وہ اپنے خیمے کے آگے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے اس سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس اگر دودھ گوشت یا کھجوریں ہیں تو ہمیں دے دو ہم اس کی قیمت ادا کریں گے۔ اس نے کہا ''واللہ! اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم آپ لوگوں کی ضیافت میں ہرگز کمی نہ کرتے''۔ اتنے میں آپؐ کی نظر ایک بکری پر پڑی جو خیمے کے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ حضورؐ نے پوچھا ''معبد کی ماں! یہ بکری کیسی ہے''؟ اس نے کہا ''یہ بے چاری اپنی لاغری اور کمزوری کی وجہ سے دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے کے لیے نہیں جا سکی''۔ آپؐ نے پوچھا ''یہ کچھ دودھ دے سکتی ہے''؟ اس نے کہا ''یہ کمزور ہے اگر آپؐ کو اس میں کچھ دودھ مل جائے تو ضرور دوہ لیں'' آپؐ نے بکری کو طلب فرمایا، پھر اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، اللہ کا نام لیا اور دعا فرمائی کہ یا اللہ! اس عورت کی بکریوں میں برکت دے''۔ اس کے بعد اللہ کا نام لے کر دودھ دوہنا شروع کیا۔ اللہ کی شان، بکری نے ٹانگیں پھیلا دیں، خوشی سے جگالی کرنے لگی اور دودھ کی دھاریں اس کے تھنوں سے بہہ نکلیں۔ حضورؐ نے ایک بڑا برتن منگوایا۔ آپؐ دودھ دوہتے چلے جا رہے تھے، یہاں تک کہ سب ساتھیوں نے سیر ہو کر دودھ پیا، اُمِ معبد کو بھی پلایا، حتیٰ کہ وہ بھی سیر ہو گئی۔ آخر آپؐ نے خود دودھ پیا اور فرمایا ''لوگوں کو پلانے

Marfat.com

والے خود آخر میں پیتا ہے'' اس کے بعد دوبارہ آپؐ نے اس برتن کو دودھ سے بھر کے اُمِ معبد کے حوالے کیا اور یہ فرما کر آگے روانہ ہوگئے کہ یہ دودھ جب معبد کا باپ آئے تو اسے دینا''۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ان کا شوہر ابو معبد اپنے ریوڑ کی بکریوں کو ہانکتے ہوئے خیمہ میں آپہنچا۔ دودھ سے بھرے ہوئے برتن کو دیکھا تو حیرت میں پڑ گیا اور اُمِ معبد سے دریافت کیا کہ'' تمہارے پاس اتنا دودھ کہاں سے آیا جب کہ گھر میں ایک لاغر سی بکری کے سوا اور کوئی دودھ دینے والی بکری نہ تھی''؟ وہ بولی'' اللہ کی قسم! ایک مبارک آدمی کا یہاں سے گزر ہوا، اس نے یہ سب کیا ہے''۔ پھر اس نے سارا واقعہ اپنے شوہر کو سنایا۔ شوہر نے کہا ذرا اس کا حُلیہ تو بتاؤ۔ وہ بولی'' وہ شخص حسن و جمال میں نمایاں تھا، اُمِ معبد نے دلکش انداز سے آپؐ کے اوصاف وکمالات کا ایسا نقشہ کھینچا کہ جس طرح کوئی سننے والا آپؐ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔ آپؐ کے متعلق یہ اوصاف سن کر ابو معبد نے کہا'' واللہ! یہ تو وہی صاحبِ قریش ہے جن کے بارے میں لوگوں نے کئی طرح کی باتیں کیں، اگر میں ان سے ملتا تو ان کا ساتھ دینے کی درخواست کرتا، اب اگر موقع ملا تو ضرور ان سے ملنے کی کوشش کروں گا''۔

اُمِ معبد کا بیان ہے کہ جس بکری کے آنحضرتؐ نے تھن اپنے دستِ مبارک سے مس فرمائے تھے، وہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت تک ہمارے پاس رہی۔ ہم اس کو صبح وشام دوہا کرتے تھے اور اس کا دودھ پیتے تھے۔ محمدؒ بن عمر کی روایت ہے کہ اُمِ معبد اسی زمانہ میں مسلمان ہو چکی تھیں، جب آنحضرتؐ کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ بعض کا یہ بھی قول ہے کہ اس کے بعد آئیں اور اسلام لا کر شرف بیعت حاصل کیا۔

آنحضرتؐ اُمِ معبد کے یہاں جب رونق افروز ہوئے تو آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ ان کا غلام عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط بھی تھے۔

Marfat.com

قصویٰ

غارِ ثور سے نکلتے ہوئے آپؐ جس سفید اونٹنی پر سوار تھے، وہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے بطورِ نذرانہ قبول نہ کی بلکہ چار سو درہم کے عوض وہ اونٹنی آپؐ نے خرید لی تھی۔ یہ وہ اونٹنی تھی جس کا نام اسلامی تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہو چکا ہے اور وہ مسلمان جو پیغمبرِ آخر الزمانؐ کی مکہ سے ہجرت کی تاریخ سے واقف ہیں، یہ ضرور جانتے ہیں کہ اس اونٹنی کا نام ''قصویٰ'' تھا۔

''قصویٰ'' جزیرۃ العرب کی اصیل اونٹنی کو کہتے تھے۔ ایسی اونٹنی بار برداری کے لیے استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ صرف سواری یا اونٹوں کی دوڑ میں حصہ لینے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ اور اسی انداز سے اس کی پرورش کی جاتی۔ عرب میں کچھ اصیل اونٹوں کے کان کاٹ دیئے جاتے تھے۔ ایسا کرنے سے ان کا خیال تھا کہ اونٹنی کے کان اگر تھوڑے سے کاٹ دیئے جائیں تو وہ زیادہ تیز رفتاری سے دوڑ لگا سکتی ہے۔ اس قسم کی گوش بریدہ یعنی کان کٹی اونٹنی کو عربی زبان میں ''قصویٰ'' کہتے ہیں۔ تاہم اسلامی تاریخ میں جس اونٹنی پر آپؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی، اس کا نام ''قصویٰ'' تھا۔

Marfat.com

قباء میں آمد

بارہ دن کے طویل تھکا دینے والے سفر کے بعد نبی اکرمؐ بروز سوموار آٹھ ربیع الاوّل 14 ن 1ھ (23 ستمبر 622ء) کو قبا میں تشریف لائے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی کہ آپ مکہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ مدینہ کے لوگ روزانہ صبح سویرے شہر سے باہر نکل کر آپؐ کا انتظار کرتے اور جب دھوپ کی تپش نا قابلِ برداشت ہو جاتی تو مایوس ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے۔ آپ کا انتظار کرنے والوں میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں اور بچے بھی دیر تک شدید دھوپ میں کھڑے ہو کر آپؐ کی راہ دیکھتے رہتے۔ آخر ایک دن پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ایک یہودی لڑکے نے مکہ سے آنے والے راستے پر دو سفید اونٹنی سواروں کو دیکھا۔ اس نے بلند آواز سے کہا ''مدینہ والو! جن کا تمہیں انتظار تھا، وہ آ گئے'' یہ سنتے ہی سب ان سواروں کو دور سے آتے ہوئے دیکھنے لگ گئے۔ چاروں طرف خوشی سے فرطِ جذبات میں تکبیر کی صدائیں گونجنے لگیں۔ انصار کی بچیوں نے خوشی سے طلع البدر علینا کے اشعار گانے شروع کر دیئے۔ قبا کے لوگوں نے جب بستی کی گلیوں میں یہ شور سنا تو وہ فوراً اپنے گھروں سے نکل آئے تا کہ آپؐ کو ایک نظر دیکھ سکیں کہ اللہ کی طرف سے مبعوث ہونے والا پیغمبر کیسا ہے۔ بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور جوانوں کے چہرے پھول کر طرح کھل اٹھے۔

آنحضورؐ اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنی اونٹنیوں کو بٹھایا اور نیچے اتر کر ایک کھجور کے سائے میں کھڑے ہو گئے۔ قبا کے رہنے والے جن میں مسلمان اور یہودی شامل تھے آپؐ کے گرد گھیرا

Marfat.com

ڈال کر کھڑے ہو گئے لیکن ابھی انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ان دو میں سے پیغمبرِ اسلام کون سے ہیں؟ حضرت ابو بکرؓ اس بنا پر کہ لوگ غلطی نہ کر بیٹھیں اور غلطی سے کہیں انہیں پیغمبرؐ نہ سمجھ لیں، تھوڑا سا پیچھے ہٹ گئے اور اپنا لبادہ اتار کر ایک سائباں کی طرح آنحضورؐ کے سر پر سایہ فگن کر دیا تا کہ آپؐ دھوپ کی تمازت سے محفوظ رہیں، کیونکہ کھجور کے درخت کا اتنا سایہ نہ تھا کہ زیادہ دیر سورج کی گرمی سے محفوظ رکھ سکے۔ اسی لمحہ لوگوں نے پہچان لیا کہ پیغمبرِ اسلام کون سے ہیں۔ پھر انہوں نے آپ کو سلام کرنا شروع کر دیا۔

جس محلہ میں آپؐ اترے تھے اس کا نام محلہ بنی عمر بن عوف تھا۔ دوسری طرف اہلِ مدینہ بھی اسی دن آپؐ کی آمد سے باخبر ہو گئے اور پہلا شخص جو پیغمبرِ اسلام کے شوقِ دیدار میں مدینہ سے، جو تین میل کے فاصلہ پر تھا، قبا پہنچا وہ حضرت عمرؓ بن خطاب تھے۔ بعد ازاں دوسرے مسلمان بھی قبا پہنچنا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپؐ نے مدینہ میں بنو نجار کو جو آپؐ کے ماموؤں کا قبیلہ تھا، اپنی آمد کی اطلاع بھجوادی تھی، وہ بھی قبا پہنچ گئے۔ آپؐ نے قبا میں کلثوم بن ہدم کے مکان میں قیام فرمایا جن کا تعلق قبیلہ اوس کی ایک شاخ سے تھا۔

بعد میں تعمیر ہونے والی مسجدِ قبا سے متصل جنوب یعنی قبلہ رخ دو گھر بنے ہوئے تھے، ان میں سے ایک گھر وہ تھا جہاں حضرت کلثوم بن ہدم رہتے تھے، انہی کے گھر میں قبا میں آپؐ نے قیام فرمایا اور دوسرے گھر میں جو حضرت سعد بن خیثمہؓ کا تھا، اس کو آپؐ نے مجلس کے لیے پسند فرمایا۔

مکہ میں آپؐ کی روانگی کے تین دن بعد حضرت علیؓ بھی لوگوں کی امانتیں واپس کر کے قبا ہی میں حضور اکرمؐ سے آملے۔ پیدل سفر کرنے کی وجہ سے حضرت علیؓ کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ آپؐ نے اپنا دستِ مبارک پھیرا جس سے حضرت علیؓ کے پاؤں ٹھیک ہو گئے۔

Marfat.com

مسجدِ قباء کا قیام

قبا میں قیام کے دوران آپ ؐ نے مسجدِ قبا کی بنیاد رکھی۔ مسجدِ قبا بعد از نبوت پہلی مسجد تھی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ مسجدِ قبا کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے:۔

''وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں قیام (نماز پڑھا) کرو''

(سورہ توبہ: آیت 108)

مدینہ کے یہود نے بھی ان دنوں ایک مسجد تعمیر کروائی تا کہ مسلمان قبا کی بجائے ہماری مسجد میں نماز پڑھیں لیکن وہ مسجد نیک نیتی پر تعمیر نہیں کی گئی تھی۔ اس لیے اس مسجد کو اللہ نے مسمار کرنے کا حکم دیا اور پیغمبرِ اسلامؐ کو اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے منع فرما دیا۔ تاریخ میں وہ مسجد ''مسجدِ ضرار'' کے نام سے مشہور ہے جس کا آج کہیں نام و نشان بھی باقی نہیں ہے۔

قبا پہنچنے کے تیسرے دن آپ ؐ نے اس جگہ ایک مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسلمان انصار میں سے ایک شخص نے مسجد کے لیے زمین بطورِ ہدیہ پیش کرنی چاہی لیکن پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ میں اس زمین کو خریدنا زیادہ پسند کروں گا۔ لہذا آپ ؐ نے وہ زمین خرید لی۔ وہ مسلمان جو مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے، وہ مہاجرین کہلائے اور جو مدینہ کے مقامی مسلمان باشندے تھے، انصار کے نام سے مشہور ہوئے۔ مہاجرین اور انصار سب نے مسجدِ قبا کی تعمیر میں

Marfat.com

برابر حصہ لیا۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ بن خطاب، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ سمیت اور حضرت صہیب رومی جیسے نامی گرامی صحابہ نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا بلکہ خود پیغمبرِ اسلام صبح سے شام تک عام لوگوں کی طرح کام کرتے رہتے تھے۔ جب مسجد مکمل ہوگئی تو آپؐ نے قبا سے مدینہ منورہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا جس کا نام آپؐ کی آمد سے قبل ''یثرب'' تھا۔

آپؐ کی آمد کے دن سے یثرب کا نام مدینہ پکارا جانے لگا جو کہ قبا کی بستی سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ آنحضورؐ جمعہ کے دن قبا سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں بنی سالم بن عوف کی بستی میں پہنچے تھے کہ نمازِ جمعہ کا وقت آ گیا۔ آپؐ وہاں قصویٰ سے اترے اور جمعہ کی نماز پڑھائی۔ تقریباً سو آدمی اس نماز میں شریک تھے اور یہ پہلا جمعہ تھا جو حضورؐ کی امامت میں پڑھا گیا۔ آپؐ نے قبا میں بارہ دن قیام کیا۔

Marfat.com

حضور ﷺ کی مدینہ میں آمد

وادی قبا میں مسجد کی تکمیل کے بعد آپؐ نے مدینہ کا عزم کیا اور اپنی قصویٰ پر سوار ہر کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب آپؐ مدینہ میں داخل ہوئے تو سارے مسلمان اپنے گھروں سے نکل کر آپؐ کے متوقع راستے پر گلی کوچوں اور بازاروں میں جمع ہوگئے۔ تمام مسلمانوں کا جوش وخروش دیدنی تھا۔ ہر ایک کے چہرے سے خوشی چھلک رہی تھی۔ ان میں کچھ لوگ پیغمبرؐ اسلام کی اونٹنی کی طرف جاتے اور اُس کی عنان تھام کر آپؐ سے درخوست کرتے کہ آپؐ ہمارے گھر میں قیام فرمائیں۔ بنی سالم کے سرکردہ لوگ آپؐ کے سامنے آئے اور آپؐ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر عرض کیا "یارسول اللہؐ! آپؐ ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا "میری اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ یہ مامور ہے"۔ آپؐ نے خود بھی قصویٰ کی نکیل ڈھیلی چھوڑ دی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ میری اونٹنی وہیں بیٹھے گی جہاں پر اللہ چاہے گا اور میں بھی اسی جگہ قیام کروں گا۔

حضورؐ کی اونٹنی قصویٰ مدینہ کے کئی محلوں سے گزرتی ہوئی بنی نجار کے محلّہ میں داخل ہوگئی۔ ہر ایک کی نظریں آپؐ کے چہرہ مبارک اور اونٹنی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ محلّہ بنی نجار میں آپؐ کو ایک سفید عمارت نظر آئی جسے آپؐ نے پہچان لیا اور جان گئے کہ یہ حضرت عبدالمطلب (آپؐ کے دادا) کی والدہ کا گھر تھا جو آپؐ کے پردادا ہاشم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ آپؐ کو سینتالیس (47) سال قبل کا وقت یاد آ گیا جب آپؐ 6 سال کی عمر میں اپنی والدہ محترمہ حضرت

Marfat.com

آمنہؓ کے ساتھ مدینہ تشریف لائے تھے اور ایک ماہ قیام کیا تھا۔ یہ آپؐ کے دادا کے ننھیال کا محلّہ تھا۔ اس وقت دورانِ قیام آپؐ نے اپنی والدہ محترمہ کے ہمراہ اپنے والدِ محترم کی قبر پر حاضری دی تھی اور یہیں مضافات میں آپؐ نے ایک تالاب میں تیرنا سیکھا تھا۔ یہ سارے واقعات آپؐ کے ذہن میں محفوظ تھے، اور آپؐ کو وہ وقت بھی یاد آیا جب آپؐ کی والدہ مدینہ سے روانہ ہونے کے بعد راستے میں بیمار پڑ گئیں اور ''ابوا'' کے مقام پر دفن کی گئیں۔

مدینہ کے مسلمان ان باتوں سے باخبر تھے، وہ سمجھے کہ آپؐ کی اونٹنی اسی محلہ میں ٹھہرے گی۔ مدینہ کے سارے لوگ قصویٰ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور یہ جاننے کے لیے مضطرب تھے کہ یہ اونٹنی کہاں ٹھہرے گی؟

قصویٰ کچھ دیر تک نجار کے محلّہ میں چکر لگاتی رہی اور پھر ایک قطعۂ زمین میں داخل ہوگئی جو بالکل خالی تھا۔ اونٹنی چند قدم آگے بڑھی اور پھر واپس ہوئی اور پھر پہلے والی جگہ پر ٹھہر گئی اور زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ آنحضورؐ نے یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ آیا اس کا یہ ٹھہرنا عارضی ہے یا مستقل، قصویٰ کو اٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔ آپؐ نے سمجھ لیا کہ یہی اللہ کا فیصلہ ہے اور مجھے اسی جگہ قیام کرنا ہے۔

جہاں اونٹنی رکی تھی اس جگہ کو کھجوریں خشک کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا البتہ کچھ فاصلے پر ایک دو منزلہ گھر موجود تھا۔ آپؐ کے پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ ابوایوبؓ کا گھر ہے۔ آپؐ قصویٰ سے نیچے اترے اور زمین پر قدم رکھا، اسی لمحہ ابوایوبؓ جن کا پورا نام ابوایوب خالد بن زید تھا آگے بڑھے اور پیغمبرؐ کے دستِ مبارک سے آپؐ کا سامان اتار کر اپنے گھر لے گئے اور آپؐ نے انہی کے ہاں قیام فرمایا۔ اس طرح آپؐ کی میزبانی کا شرف حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے حصہ میں آیا۔ اہلِ مدینہ نے عقیدت و محبت کے ساتھ آپؐ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور مدینہ آنے پر آپؐ کا استقبال جس والہانہ انداز سے کیا گیا وہ بے نظیر تھا۔ اس سے قبل کبھی ایسا کسی کا استقبال ہوا اور نہ اس کے بعد ہوا۔

چند روز بعد حضرت عبداللہ بن ابوبکر حضور اکرمؐ کی زوجہ محترمہ حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، آپؐ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت فاطمہؓ، حضرت ام کلثومؓ، اسامہ بن زید اور ام ایمنؓ

Marfat.com

کو لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب مہاجرین مکہ سے مدینہ پہنچے تو حضرت ابو بکرؓ، حضرت بلالؓ اور دیگر کئی صحابہ بیمار ہو گئے۔ انہیں پہلے پہل مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ آنحضورؐ نے اللہ سے دعا فرمائی ''اے اللہ ہمارے لیے مدینہ کو اس طرح محبوب کر دے جیسے مکہ محبوب تھا، اس سے بھی زیادہ مدینہ کی فضا صحت بخش بنا دے اور اس کے غلے میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل کر کے جحفہ پہنچا دے'' اللہ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی اور مدینے کی آب و ہوا نہایت صحت منداور خوش گوار ہو گئی۔

مدینہ، مکہ سے شام اور مصر جانے والے تجارتی راستے پر ایک اہم تجارتی مرکز بھی تھا۔ قریش کے جو قافلے شام کی طرف جاتے وہ مدینہ میں قیام کرتے۔ مدینہ میں بڑی تعداد میں یہودی آباد تھے۔ مدینہ کے عرب قبائل اوس اور خزرج دو سو سال سے ان یہودیوں کے ساتھ ایک ہی شہر میں رہ رہے تھے اور وہ نبوت، وحی، کتاب اللہ اور شریعت کے مفہوم سے بخوبی آشنا تھے۔ مدینہ کے مشرکین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مسلمانوں کے خلاف دل میں سخت بغض اور کینہ رکھتے تھے مگر ان کو کھل کھلا کر سامنے آنے کی جرأت نہ تھی، اس گروہ کو منافقین کے نام سے پکارا گیا۔ ان منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ عبداللہ بن ابی چند ہی ماہ بعد مدینے کا سردار بننے والا تھا۔ زرگروں نے اس کے سر پر سجانے کا تاج رکھنے کے لیے اس کے سر کا ماپ بھی لے لیا تھا۔ مگر اسلام کے پیغمبرؐ کے آنے سے اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور مدینہ کی سرداری کا خواب دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اس وجہ سے وہ لوگ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہو گئے۔ مدینہ کے یہودی دولت مند تھے۔ غلے، کھجور، شراب اور کپڑے کی تجارت ان کے ہاتھ میں تھی۔ مسلمانوں کے یہاں آنے سے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔

Marfat.com

مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر

حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر منتقل ہونے کے بعد آپؐ نے پہلی فرصت میں مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر کے سامنے جہاں آپؐ اونٹنی سے اترے تھے، ایک خالی قطعہ زمین پڑا تھا۔ اس زمین کے مالک دو یتیم بچے سہل اور سہیل تھے۔ ان دونوں بچوں کے والد کا نام رافع بن عمر تھا جو فوت ہو چکا تھا۔ اب وہ دونوں بچے اسعد بن زراراہ کی کفالت میں تھے۔ آپؐ نے سہل اور سہیل کو بلایا اور زمین کی قیمت دریافت کی۔ دونوں بچوں نے مسجد کے لیے یہ قطعہ زمین بلا معاوضہ بطورِ ہدیہ پیش کرنا چاہی، لیکن آپؐ نے ان کی اس فراخ دلانہ پیش کش کو قبول نہ کیا۔ زمین کی قیمت سونے کے دس دینار مقرر ہوئی جو حضرت ابوبکرؓ نے ادا کر دیئے۔ زمین کی قیمت ادا کرنے کے بعد مسجد کی تعمیر کا آغاز ہوا۔

اس خالی قطعہ زمین میں گڑھے بھی تھے۔ جہاں بارش کا پانی کھڑا رہتا تھا۔ کہیں پرانے مکانات کے کھنڈر بھی تھے۔ ایک حصہ میں مشرکین کی قبریں تھیں اور کچھ کھجور کے درخت بھی کھڑے تھے۔ صاف اور ہموار جگہ کھجوریں سکھانے کے کام آتی تھی۔ مسجد کی تعمیر کے لیے گڑھوں کو بھر دیا گیا، کھنڈر ہموار کر دیئے گئے، درخت کاٹ دیئے گئے اور مشرکین کی قبروں کو گرا کر ان کی ہڈیوں کو ایک گڑھے میں پھینک کر اوپر مٹی ڈال دی گئی۔ جب میدان ہموار ہو گیا تو حضورؐ نے خود اپنے دستِ مبارک سے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ آپؐ نے خود صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ آپ بنفسِ نفیس اینٹ اور پتھر اٹھا کر لاتے رہے۔ مسجد کی دیواریں

Marfat.com

کچی اینٹوں سے بنائی گئیں اور بنیادیں تین ہاتھ چوڑی رکھی گئیں۔ مسجد کی قبلہ کے طرف کی دیوار کی لمبائی ایک سو ہاتھ تھی اور چوڑائی اس سے کچھ کم تھی۔ مسجد کی محراب بیت المقدس کی طرف بنائی گئی جو اس وقت (سترہ ماہ تک) مسلمانوں کا قبلہ تھا۔ مسجد میں داخلے کے تین دروازے رکھے گئے۔ درمیان میں ستون کھجور کے درخت کے تھے۔ چھت کھجور کی شاخوں سے ڈالی گئی۔ یہ دوسری مسجد تھی جو مدینہ منورہ میں مسجد قبا کے بعد تعمیر ہوئی۔

عروس المساجد

مسجد نبویؐ صرف جائے عبادت ہی نہ تھی بلکہ ایک طرح کا ہیڈکوارٹر اور سیکریٹریٹ بھی تھی۔ جہاں پر دین اسلام کی تربیت اور اشاعت کے علاوہ مذہبی، سماجی، معاشی اور سفارتی امور پر طے پاتے تھے۔ باہر سے آئے ہوئے وفود سے آنحضرتؐ مسجد نبویؐ ہی میں ملاقات کیا کرتے۔ جنگوں پر جانے سے قبل دفاعی حکمتِ عملی مسجد کے صحن میں ہی طے کی جاتی تھی۔ مدینہ سے باہر جانے والے تبلیغی اور سفارتی وفود بھی مسجد ہی میں تشکیل پا کر روانہ کیے جاتے۔ سارے دینی اور حکومتی امور مسجد میں طے کرنے کے باوجود مسجد کے تقدس پر اللہ کے پیغمبرؐ نے حرف نہ آنے دیا اور مسجد کی شان کو اتنا بلند و بالا کر دیا کہ یہی مسجد اس روئے زمین پر مسجد عروس المساجد کہلائی۔

ازواجِ مطہرات کے حجرات

مسجدِ نبویؐ کے ساتھ رسول اللہؐ نے اپنی ازواجِ مطہرات، حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لیے دو حجرے تعمیر کروائے۔ ہر حجرہ پندرہ فٹ لمبا اور دس فٹ چوڑا تھا۔ حجروں کی دیواریں کچی انیٹوں کی بنائی گئیں اور ان پر کھجور کے شاخوں کی چھتیں ڈالی گئی تھیں۔ دونوں حجروں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لیے کھجور کی شاخوں کو چن کر دیوار بنادی گئی اور اس پر مٹی کا لیپ کر دیا گیا۔ دروازے کے بجائے کمبل کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ ان حجروں کی چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ ہاتھ اٹھائیں تو چھت کو ہاتھ جا لگتا تھا۔ آپؐ کی دو بیٹیاں مکہ سے آکر حجروں میں مقیم ہوگئیں۔ بعد میں مزید حجروں کا اضافہ کیا گیا۔ حضرت فاطمہ الزہراؓ اور حضرت علیؓ

Marfat.com

کا حجرہ بھی ان حجروں کے ساتھ بنایا گیا۔ یہ حجرہ اصحابِ صفہ کے چبوترے کے سامنے بابِ جبرائیل سے داخل ہوں تو، سامنے پڑتا تھا۔ حضرت علیؓ آنحضورؐ کے دربانی کے فرائض بھی سرانجام دیا کرتے تھے۔

ازواجِ مطہراتؓ کی وفات کے بعد جب خلیفہ وقت نے مسجد نبویؐ کو وسیع کرنے کی خاطر ان حجروں کو منہدم کیا تو اصحابہ اس قدر روئے کہ ان کی داڑھی کے بال آنسوؤں سے تر ہو گئے۔

جب مسجدِ نبویؐ کے ساتھ ازواجِ مطہراتؓ کے حجرے تیار ہو گئے تو آنحضورؐ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان سے ان حجروں میں تشریف لے گئے۔ اس طرح حضورؐ نے ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں سات ماہ قیام کیا۔

حضورؐ کے آخری ایام میں بیماری کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔ حضور اکرمؐ نے یہ اجازت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو زندگی میں قبل از وصال خصوصی طور پر مرحمت کی تھی۔

Marfat.com

غزوات کا آغاز

ظہورِ اسلام سے لے کر، مکہ سے مدینہ ہجرت تک مسلمانوں کو اسلام کی سربلندی اور تبلیغ کی خاطر جن جن تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، بیان سے باہر ہے۔ اسی دوران تین سال تک مسلمانوں کو شعبِ ابی طالب میں گزارنے پڑے۔ تیرہ سال بعد مسلمانوں نے جب مدینہ منورہ، ہجرت کی تو اللہ نے ان کو نیا حوصلہ، نیا ولولہ اور جذبہ عطا کیا۔ وہ لوگ جو مکہ میں کفار سے مرعوب تھے، مدینہ میں آکر اتنے بہادر ہوگئے کہ انہی کفار سے وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کے قابل ہوگئے۔ مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے باوجود قریش کسی طرح خوش نہیں تھے کہ مسلمان اپنی جان و مال بچا کر یہاں سے چلے گئے۔ ایک پل ان کو چین نہیں آتا تھا۔ اسی فکر میں وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹ رہے تھے اور منصوبے بنا رہے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو زک پہنچائی جائے۔

ہجرت مدینہ کے بعد بھی مشرکین مکہ مسلمانوں کے خلاف ناپاک سازشوں میں مصروف رہے۔ انہیں اندازہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو مدینہ میں اپنے قدم جمانے کا موقع مل گیا تو نہ صرف ان کے تجارتی مفادات کو نقصان پہنچے گا بلکہ ان کی زندگیاں بھی خطرے میں پڑ جائیں گی۔ حضور اکرمؐ نے مدینہ کی حفاظت کے لیے گشتی دستے ترتیب دیئے جو مدینہ کے گرد و نواح میں گشت کرتے اور آنحضورؐ کو حالات سے باخبر رکھتے۔

مسلمان مؤرخین نے ہر اس معرکے کو جس میں آنحضرتؐ نفسِ نفیس شریک ہوئے۔

Marfat.com

غزوہ کا نام دیا ہے اور فریقین کے درمیان ہر ایسی محاذ آرائی جس میں آنحضورؐ بذاتِ خود شامل نہ ہوئے بلکہ اپنے سپہ سالار کو قیادت کا فریضہ سونپا، اسے سریہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس طرح حضورؐ نے اپنی زندگی میں جن غزوات میں حصہ لیا ان کی تعداد 27 اور سرایا کی تعداد 28 ہے۔سب سے پہلا حق و باطل کے درمیان جو معرکہ ہوا وہ غزوہ بدر تھا۔

Marfat.com

غزوہ بدر

غزوہ بدر 17 رمضان 2ھ بروز جمعہ کو بدر کے مقام پر وقوع پذیر ہوا۔ بدر ایک کنویں کا نام تھا جو مدینہ منورہ کے جنوب کی جانب 20 میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اس میدان کارزار کا انتخاب آنحضورؐ نے خود اس مقام کی دفاعی حکمتِ عملی کے پیش نظر کیا تھا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں ملک شام سے مکہ واپس آ رہا تھا۔ نبی اکرمؐ نے اپنے اصحاب کو ان سے نہ لڑنے کا مشورہ دیا لہذا قافلہ بلا روک ٹوک مکہ کی طرف چلا گیا، حالانکہ اس تجاوتی قافلے میں اہلِ مکہ کی بڑی دولت تھی یعنی ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار یعنی اڑھائی سو کلو سونے کی مالیت کا ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ ان کی حفاظت کے لیے صرف ابوسفیان کے ہمراہ 40 آدمی تھے۔

لیکن سردار قافلہ ابوسفیان نے اس خوف سے کہ کہیں مسلمانانِ مدینہ قافلے کے مقابلہ میں نہ آ جائیں، ایک آدمی مکہ بھیج کر اہلِ قریش سے مدد کا پیغام بھیج دیا۔ جب نبی اکرمؐ کو پتہ چلا تو آپؐ نے بھی تیاری شروع کی۔ مسلمانوں کے لشکر میں کل 313 آدمی تھے جن کے پاس دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، جن پر اصحابہ باری باری سوار ہوتے۔ جنگ کا فیصلہ کرنے سے قبل آنحضورؐ نے اپنے اصحاب بالخصوص انصار سے مشاورت کی تھی۔ سب نے بالاتفاق لشکرِ قریش کا مقابلہ کرنے کی رائے دی۔ پھر نبی اکرمؐ نے مدینہ سے کوچ کیا یہاں تک کہ آپؐ بدر کے مقام پر قریب ترین پانی کی جگہ پر پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔

Marfat.com

کفار مکہ کے لشکر میں ایک ہزار جنگجو تھے جن میں سات سو زرہ پوشوں کا رسالہ بھی شامل تھا۔ ان کے لشکر میں 700 اونٹ اور 100 گھوڑے بھی تھے۔ آپؐ نے دعا فرمائی۔

"اے اللہ! تو نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے، وہ پورا فرما، اے اللہ! اگر آج محض مجاہدین کا گروہ ہلاک ہوگیا تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہ کی جائے گی"۔

آپؐ دیر تک اللہ کے حضور سر بسجود رہے۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کی "یا رسول اللہ! اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا"۔

پھر گھمسان کا رن پڑا۔ اسلام کا لشکر فتح یاب ہوا۔ لڑائی میں کفار کے ستر آدمی واصلِ جہنم ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ مقتولین میں لشکر کفار کا سردار ابوجہل اپنے ساتھ دیگر کئی روٴسائے قریش کو بھی لے ڈوبا اور سب واصلِ جہنم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے صرف تیرہ اصحابہ شہید ہوئے۔ اللہ عزوجل نے اس رات بارش نازل فرمائی جو مشرکین پر تو موسلا دھار برسی لیکن مسلمانوں کے لشکر پر پھوار کی صورت میں برسی۔ کفار کا لشکر کیچڑ اور دلدل میں پھنس لیکن مسلمانوں کی طرف ریت میں سختی آگئی اور قدم پھسلنے کی بجائے ٹکنے کے قابل ہوگئے۔

اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا:

"میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو آگے پیچھے آئیں گے"۔ (سورہ توبہ: آیت 8)

حضرت اسامہ بن زیدؓ کا بیان ہے کہ مدینہ میں جب فتح کی خبر ہمارے پاس پہنچی تو اس وقت حضور اکرمؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ جو حضرت عثمانؓ کے عقد میں تھیں کو جنت البقیع میں دفن کیا جا رہا تھا۔ آپؐ نے حضرت رقیہ کی بیماری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے لیے ان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ لیکن حضور اکرمؐ نے ان کی مجبوری سے رہ جانے کی وجہ سے ان کو مال غنیمت کا حق دار ٹھہرایا۔ یاد رہے کہ مدینہ میں فتح کی خبر حضرت اسامہؓ بن زید کے والد محترم حضرت زید بن حارثؓ ہی لے کر آئے تھے۔

Marfat.com

غزوہ اُحد

غزوہ بدر میں مشرکین قریش کو خلاف توقع مسلمانوں کے ہاتھوں عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ انہوں نے اس شکست کا انتقام لینے کے لیے زورشور سے تیاریاں شروع کردیں۔ اس تیاری کے سلسلہ میں انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ وہ سارا مال جو پچھلے سال ابو سفیان ملک شام سے لے کر آیا تھا، اس کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری مین خرچ کردیا۔ اس سارے مال کی مقدار ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار تھی؛ اسے جنگ کی تیاری کے لیے بیچ ڈالا۔ چنانچہ ایک سال کی تیاری کے بعد اہل قریش مسلمانوں سے پھر نئے عزائم کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے قریش کی فوج کی کل تعداد تین ہزار تھی، جس میں پندرہ عورتیں بھی شامل تھیں۔ ان عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ جو کہ امیر معاویہ کی ماں تھی، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی بیوی امِ حکیم، حضرت خالد بن ولید کی بہن فاطمہ بنت ولید بھی شامل تھیں۔

رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباسؓ جو اسلام قبول کرنے کے بعد ابھی تک مکہ ہی میں تھے، قریش کی حربی تیاریوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور برابر رسول اللہؐ کو مطلع کررہے تھے۔ قریش کے لشکر میں تین ہزار اونٹ اور دوسو گھوڑے بھی تھے۔ سارے لشکر کا سپہ سالار ابوسفیان تھا، رسالے کی کمان خالد بن ولید کو دی گئی اور عکرمہ بن ابوجہل کو ان کا معاون بنایا گیا۔ لشکر کفار جب مدینہ کے راستے میں ''ابوا'' کے مقام پر پہنچا تو ابوسفیان کی بیوی، جو اپنی سفا کی میں

Marfat.com

''شہرت'' رکھتی تھی، نے یہ تجویز پیش کی کہ رسول اللہؐ کی والدہ کی قبر اکھیڑ دی جائے لیکن ایسے کرنے سے جو سنگین نتائج نکل سکتے تھے اس کے خوف سے ہی اس کے قائدین نے یہ تجویز منظور نہ کی۔ ابو سفیان مدد حاصل کرنے کے لیے دو بت بھی ساتھ لے کر آیا ہوا تھا۔ جمعہ کے دن 6 شوال 3ھ کو کفارِ مکہ کا لشکر مدینہ کے قریب وادی قناۃ پہنچ گیا۔

مسلمانوں کے لشکر میں پہلے ایک ہزار آدمی تھے جن میں سے عبداللہ بن ابی کے تین سو جنگجو مشورہ نہ ماننے کا بہانہ کر کے واپس چلے گئے اور کہا کہ میری تجویز کو مانا نہیں گیا۔ اس لیے میں آپ کے ساتھ مل کر اہل قریش سے لڑنا نہیں چاہتا۔ کچھ مسلمانوں کا خیال تھا کہ مدینہ کے اندر رہ کر کفار کا مقابلہ کیا جائے لیکن حضرت حمزہؓ جیسے صحابہ اس بات پر مُصر تھے کہ مدینہ سے باہر کھلے میدان میں کفار سے لڑائی کی جائے۔ اس مشورے کو تسلیم کرتے ہوئے آپؐ دو زرہیں پہن کر اور تلوار کمر سے باندھ کر لوگوں کے سامنے تشریف لائے۔

اُحد کے میدان جنگ میں دفاعی منصوبہ کے تحت پچاس ماہر تیر اندازوں کا دستہ اُحد کی اس وادی میں مقرر کیا گیا جہاں عقب سے کفار کے حملے کا خطرہ تھا۔ آپؐ نے ان کو ہدایت کی کہ یہ جگہ خالی نہ چھوڑنا۔ دونوں طرف کے لشکر بڑی دلیری اور شجاعت سے لڑے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار بھاگ رہے ہیں تو وہ صفِ بندی توڑ کر مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ مسلمان لشکر کو اس فاش غلطی کا خمیازہ اس طرح بھگتنا پڑا کہ کفار کے ایک دستے کے سردار خالد بن ولید نے موقع پاتے ہی پلٹ کر عقب سے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمان دوبارہ صف بندی نہ پا کر اور انفرادی طور پر لڑتے لڑتے شہید ہوتے گئے۔ آنحضورؐ کے دو دانت شہید ہوئے اور نبی کریمؐ کی شہادت کی بھی افواہ پھیل گئی جس سے مسلمان بددل ہو کر بھاگنے لگ گئے۔ چند جانثار آپؐ کے ساتھ رہ گئے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کی والدہ محترمہ حضرت ام سلیمؓ اس جنگ میں زخمیوں کو پانی پلاتی رہیں۔ بالآخر جب مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ حضور اکرمؐ حیات ہیں تو انہوں نے دوبارہ پلٹ کر کفار کے لشکر کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کو وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں حضور اکرمؐ کے چچا حضرت حمزہؓ بھی

Marfat.com

شامل تھے۔ان شہداء میں اکثریت انصار کی تھی جن میں 41 خزرج، 24 اوس سے ایک یہودی اور چار مہاجر تھے جنہوں نے جامِ شہادت نوش کیا اور قریش کے 37 آدمی واصل جہنم ہوئے۔

چند اہل مدینہ اپنے شہداء کو میدانِ جنگ سے شہر لے آئے مگر حضور اکرمؐ نے حکم دیا کہ شہید کو ان کے مقام شہادت پر ہی دفن کیا جائے۔ لہذا حضرت حمزہؓ کی قبر کے احاطے میں حضرت مصعب بن عمیرؓ (مسلمانوں کے پہلے سفیر)، حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور حضرت شماس بن عثمانؓ کو دفن کیا گیا۔مہاجرین میں سے یہ چار صحابہ شہادت کے رتبے سے ہمکنار ہوئے باقی 66 شہداء کا تعلق انصار سے تھا جن کے مزار الگ ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت حمزہؓ کی قبر کی زیارت کے لیے آنحضرتؐ کبھی کبھی تشریف لے جایا کرتے اور وہاں سب شہداء کے لیے دعا مغفرت کیا کرتے تھے۔

(خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را)

Marfat.com

غزوہ خندق

تاریخ اسلام میں سب سے مشہور واقعہ جو غزوہ خندق کے نام سے مشہور رہے، شوال 5ھ کا محاصرہ مدینہ تھا، جس میں مدینہ کے مسلمانوں نے اپنے دفاع کے لیے خندق کھودی تھی۔ خیبر کے یہود اور بہت سے قبائل کے گروہ مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف جتھا بندی کر کے چڑھائی کی تھی۔ قرآن نے اس واقعہ کو ''احزاب'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

دراصل 3ھ میں غزوہ احد کی عبرتناک شکست کے بعد قریش مکہ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ایک سال بعد شوال 4ھ میں ہم اہل مدینہ سے پھر لڑنے آئیں گے۔ لیکن احد کے زخموں کو مندمل کرنے کے لیے انہیں ایک سال سے بھی زیادہ کا عرصہ لگ گیا۔ اگلے سال وہ نہ آئے، مگر وہ اہل یہود بنونظیر جن کو مسلمانوں نے ان کی ناپاک حرکتوں کی بنا پر مدینہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا، قریش کو مدینہ پر ساتھ لے کر حملہ کرنے پر ابھارا۔ بنونظیر نے عرب کے دوسرے مسلم دشمن قبائل کو اکٹھا کیا اور ان کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر اُکسایا۔

آنحضرت صلعم نے چند انصار و مہاجرین کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر مدینہ شہر کے مضافات کا چکر لگایا اور پڑاؤ ڈالنے کی جگہ متعین کی۔ اگرچہ قریش دوسرے قبائل کے ساتھ مل کر دس ہزار کی فوج لے کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنا رہے تھے لیکن وہ آنحضور صلعم کی جنگی صلاحیتوں سے اس قدر خوفزدہ تھے کہ انہیں آپؐ کی موجودگی میں مدینہ پر حملہ کرنے کی جسارت نہیں ہو رہی تھی۔

Marfat.com

آپ ؐ کے ایک معزز صحابی حضرت سلمان فارسیؓ نے پیغمبر اسلامؐ کو مشورہ دیا کہ ہمارے ملک فارس میں دشمنوں سے کسی قلعے یا شہر کا دفاع کرنے کے لیے اس کے اردگرد خندق کھود دی جاتی ہے۔ لیکن وہ خندق گہری اور چوڑی ہونی چاہیے تاکہ دشمن کی پیادہ یا سوار فوج اسے پھلانگنے میں کسی بھی طرح کامیاب نہ ہوسکے۔ سلمان فارسیؓ جو بلند قامت اور مضبوط جسم کے انسان تھے، ان کو آنحضورؐ سے خاص قسم کی عقیدت وانسیت تھی۔ انہوں آپؐ کو یہ تجویز بڑی خلوصِ نیت سے پیش کی تھی۔ حضور اکرمؐ نے ان کی یہ تجویز دوسرے صحابہ کے باہمی مشورہ کے بعد تسلیم کرلی۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی یہ تجویز مان لینا بظاہر آسان تھا لیکن اس پر عمل کرنا یعنی خندق کا کھودنا اتنا سہل نہ تھا۔ اس کام میں بظاہر عملی طور پر بہت سی دشواریاں پیش تھیں۔ جہاں شہر کے گرد خندق کھودنا مقصود تھی، سلع پہاڑ کا دامن تھا، زمین پتھریلی تھی اور خندق کھودنے کے لیے خندق کھودنے کے آلات یعنی کدالیں اور پھاوڑے وغیرہ درکار تھے۔ ساڑھے تین میل طویل مدینہ شہر کے شمال مغرب اور کچھ حصہ جنوب میں خندق کھودنے کا پروگرام بنایا گیا۔ خندق کی کھدائی کے لیے آلات بنوقریظہ نے مستعار دے دیئے جو ایک معاہدے کے تحت بیرونی حملہ آوردوں کے خلاف مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنے کے پابند تھے۔ مسلمان رضا کاروں کی تعداد تین ہزار تھی۔ مسلمانوں کی ہر دس دس آدمیوں کی جماعت کو چالیس چالیس ہاتھ لمبی خندق کھودنے کا کام سونپا گیا۔ تین سوٹولیوں نے ہر ایک نے بیس بیس گز یعنی کل چھ ہزار گز یا تقریباً تین میل لمبی خندق کھودی۔

یہ خندق مدینہ کے شمال میں شیخن نامی قلعے سے شروع ہوکر وادی قبا کے نواح میں جا کر ختم ہوتی تھی۔ چنانچہ مدینے کا کچھ حصہ یعنی مشرقی، شمال مشرقی اور جنوب مشرقی حصہ خندق کے احاطے میں نہیں آتا تھا۔ دوسرے مدینہ کے نواح میں موجود کھجوروں کے باغات، پیچ در پیچ گلیاں دشمن کے لیے سدراہ بن سکتی تھیں۔ مسلمانوں کے ماہر تیز انداز بھی کھجوروں کے درختوں میں چھپے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے دشمن کا شہر میں داخل ہونا تقریباً ناممکن تھا۔

اس خندق کی لمبائی تقریباً چھ کلو میٹر (جو آج بھی ایک طویل خندق مانی جاتی ہے)

Marfat.com

گہرائی دس فٹ اور چوڑائی پندرہ فٹ تھی۔ خندق کی دیواریں بالکل عمودی بنائی گئی تھیں تا کہ گھڑ سوار جست لگا کر آسانی سے دوسری طرف نہ پہنچ سکے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے تنہا دس گز چوڑی، پانچ گز گہری خندق کھودی۔ آنحضرت صلعمؐ نے بھی بنفسِ نفیس خندق کھودنے میں اصحابہ کا ساتھ دیا۔ خندق کی کھدائی میں بچے، جوان بوڑھے، امیر وغریب سب نے اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لیا۔ مسلمانوں نے جذبہ ایمانی سے کام لے کر چھ روز کے اندر خندق تیار کر لی۔

عالمِ عرب کی تاریخ میں یہ پہلا جنگی تجربہ تھا۔ قریش اور ان کے سب اتحادی جب دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ پہنچے تو مدینہ کے گرد خندق دیکھ کر دنگ رہ گئے اور ان کے سب منصوبے خاک میں ملتے ہوئے نظر آئے دوسرے لفظوں میں دن کے وقت انہیں تارے نظر آنے لگے۔ ایسا ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان ہمارے مقابلے میں تعداد میں بہت کم ہیں لہذا وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہ ان کی محض خام خیالی تھی۔ اب معاملہ ان کی سوچ کے بالکل اُلٹ ہو چکا تھا۔

اسی دوران جب اہل قریش اور ان کے اتحادیوں نے مدینہ کے گرد پڑاؤ ڈال دیا تو اللہ نے رات کے وقت زبردست آندھی بھیجی۔ ان کے پکے ہوئے کھانوں کے برتن الٹ گئے اور خیمے بھی اکھڑ گئے۔ دوسرے الفاظ میں اللہ نے ان کے قدم ہی اکھاڑ دیئے۔ کفار حوصلہ کھو بیٹھے اور مکہ واپس جانے کی تیاری کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

> ”اے ایمان والوں اللہ کے احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس وقت جب تم پر لشکر کے لشکر چڑھ آئے تھے۔ پھر ہم نے ان پر تند و تیز آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ دیکھتا ہے“ (سورہ احزاب: آیت 9)

جب دس ہزار افراد پر مشتمل مکہ کی فوج دو ہفتے تک خندق کے اس پار معطل و بیکار پڑی رہی تو ان کے سپاہیوں کے لیے غذا کی عدم فراہمی اور مویشیوں کی خوراک میں کمی نے فوج کے سپہ سالار کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ لیکن اس کے مقابلے میں مدینہ میں اشیائے خورد ونوش کی

Marfat.com

کمی نہ تھی اور مسلمانوں کو اس بارے میں کوئی تشویش بھی نہ تھی لیکن خندق کے اس پار ابوسفیان کے سپاہی بھوک سے نڈھال ہونے لگے اس کے مستزاد رات کی بڑھتی ہوئی سردی قریش کے سپاہیوں کو پریشان کرنے لگی، کیونکہ موسم بھی انگڑائی لے چکا تھا۔

قریش کے سپاہی جانتے تھے کہ اگر چند دن بعد شوال کا مہینہ گزر گیا تو وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ جاری نہ رکھ سکیں گے۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ذیقعد اور ذوالحج کے مہینوں میں لڑائی کرنا حرام ہے۔ ان پندرہ دنوں میں جبکہ قریش کی فوج خندق کے دوسری طرف کھڑی تھی تو مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان لڑائی بھی چھڑی، ان لڑائیوں میں قریش کے دو نامور سردار عمر بن عبدو اور نوفل بن مخزومی حضرت علیؓ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر کر خندق میں جا پڑے۔

جنگ کے دوران بھی آنحضورؐ نے اخلاقی اقدار کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ مشرکین کے ایک شخص عمرو بن عبدو کی لاش خندق کے اندر جا گری۔ مشرکین نے عمرو کی لاش واپس لینے کے لیے آپؐ کو دس ہزار دینار کی پیش کش کی، اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ''ہم مردہ فروش نہیں، لاشوں کا سودا کرنا ہمارے لیے جائز نہیں''۔ آپؐ نے عمرو کی لاش بلا قیمت واپس کر دی۔

چونکہ قریش کی عورتوں نے جنگ احد میں مسلمانوں کے جنازوں کا مثلہ کیا تھا (جیسے حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ ہندا نے کیا تھا) لہذا ابوسفیان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں نوفل بن مخزومی کے جنازے کو نہ بگاڑا جائے اور نہ اس کا سر تن سے جدا کیا جائے۔ حضرت علیؓ نے ابو سفیان کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس بات کی اجازت دیدی کہ نوفل بن مخزومی کی لاش جیسی ہے ویسے ہی قریش کے حوالے کر دی جائے۔ حضرت علیؓ سے لڑائی کے دوران عمر بن عبدد ایک گرانقدر زرہ پہنے ہوئے تھا جس پر سونے کے کنڈے لٹک رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے وہ زرہ اُس کے جہنم واصل ہونے کے بعد عمر بن عبدو کی بہن کو بھجوا دی تا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ علیؓ نے اس قیمتی زرہ کے لالچ میں عمرو کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ یہ تھا کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ایثار و جذبہ۔

غزوہ خندق میں آٹھ قریش قتل اور چھ مسلمان شہید ہوئے۔

Marfat.com

آثارِ مفارقت ﷺ

فتح مکہ کے بعد جب اہل عرب نے دین اسلام پر لبیک کہا تو آپؐ کے قول وفعل اور گفتار وکردار میں تبدیلی محسوس کی جانے لگی، جن سے یہ لگ رہا تھا کہ آپؐ جلد ہی اپنے اللہ کے پاس جانے والے ہیں۔ وہ اس طرح کہ آپؐ نے معمول کے برخلاف رمضان 10 ھ میں دس دن کی بجائے بیس دن اعتکاف فرمایا پھر اس سال حضرت جبرائیلؑ نے آپؐ کو دو مرتبہ قرآن پاک کا دورہ کروایا جبکہ ہر سال ایک ہی مرتبہ کرایا کرتے تھے۔آپؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا:۔

''مجھے معلوم نہیں شائد میں اس سال کے بعد اس مقام پر تم لوگوں سے کبھی پھر مل سکوں۔ جمرہ عقبہ کے پاس فرمایا: ''مجھ سے اپنے حج کے اعمال سیکھ لو کیونکہ میں اس سال کے بعد غالباً حج نہ کرسکوں گا اور پھر اسی سال حج کے دن میدان عرفات میں یہ آیت اتری:۔

''الیوم اکملت لکم دینکم'' آج میں نے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت آپؐ پر تمام کردی اور اسلام کو بحثیت دین آپؐ کے لیے پسند کرلیا''۔(المائدہ: آیت 3)

پھر ایام تشریق (ذوالحج 10، 11، 12، 13) میں سورہ النصر مکمل نازل ہوئی۔

''اور جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی اور آپؐ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھا تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے،

Marfat.com

اس سے عفو طلب کیجئے، بے شک وہ بڑا تو یہ قبول کرنے والا ہے''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ سورہ النصر قرآن مجید کی آخری سورت ہے یعنی اس سورت کے بعد کوئی مکمل سورت حضورؐ پر نہیں نازل ہوئی۔ یہ سورت حجتہ الوداع کے موقع پر منیٰ کے مقام پر نازل ہوئی۔ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہؐ اسی (80) روز دنیا میں رہے۔ ابنِ عباسؓ کا بیان ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہؐ آخرت کے لیے محنت اور ریاضت کرنے میں اس قدر شدت کے ساتھ مشغول ہو گئے جیسے اس سے قبل کبھی نہ ہوئے تھے۔

جناب رسول اللہؐ کی عمر مبارک تریسٹھ (63) سال ہو گئی تھی۔ تبلیغِ اسلام کے لیے 23 سال کی زبردست جدوجہد میں وہ کافی تھک گئے تھے۔ حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کرنے کے لیے آپؐ نے مکہ کا طویل سفر کیا۔ اونٹ کی پشت پر بارہ دن مکہ جانے میں اور اتنی ہی مدت واپسی میں صرف ہوتی تھی۔ سفر کے شروع کے ایام میں آپؐ اُحد پہاڑ کے دامن میں شہداء کے مزاروں پر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے لیے رب العزت کی بارگاہ میں دعائے مغفرت فرمائی۔

حجتہ الوداع کے دو ماہ بعد 29 صفر ۱۱ھ پیر کے دن آدھی رات کے وقت آپؐ اپنے خادم ابو رافعؓ کے ہمراہ جنت البقیع کے قبرستان تشریف لے گئے اور اپنے رفقاء، اعزاء و اقرباء کے لیے دیر تک دعاءِ استغفار کرتے رہے۔ واپسی پر راستہ ہی میں شدید سر درد شروع ہو گیا۔ حضورؐ کا معمول تھا کہ ایک ایک دن ہر بیوی کے ہاں قیام فرماتے، یہاں تک کہ بیماری کی حالت میں بھی آپؐ کے اس معمول میں فرق نہ آیا اور باری باری آپؐ ہر بیوی کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔ پانچ دن تک یہ معمول چلتا رہا۔ پھر حالت زیادہ خراب ہو گئی، یہاں تک کہ چلنے پھرنے میں دشواری پیش آنے لگی۔ مجبوراً آپؐ نے ساری ازواجِ مطہراتؓ کو بلایا اور ان سے حضرت عائشہ کے ہاں ٹھہرنے کی اجازت لی کیونکہ حضرت عائشہؓ آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ چنانچہ ساری ازواجِ مطہراتؓ نے بخوشی اجازت دے دی۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباس آپؐ کو سہارا دے کر بڑی دقتوں سے حضرت عائشہؓ کے ہاں لائے۔ دردِ سر کی شدت سے سر میں رومال بندھا ہوا تھا۔

Marfat.com

آپؐ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے حجرے میں ٹھہر گئے۔ حضرت عائشہؓ کے حجرے کا دروازہ مسجدِ نبویؐ کی صفِ اوّل کی جانب کھلتا تھا۔ جب تک طاقت اور ہمت رہی آپؐ نمازوں کی بدستور امامت فرماتے رہے۔

بدھ کے دن جسم کی حرارت میں مزید شدت آ گئی۔ مقامی کہاوت کے مطابق آپؐ نے سات مختلف کنوؤں کا پانی منگوایا اور اس سے غسل کیا، اس سے آپؐ کو کافی افاقہ محسوس کیا۔ چنانچہ آپؐ دو افراد کی مدد سے مسجدِ نبوی تشریف لائے۔ منبر میں بیٹھ کر ایک پُر اثر خطبہ ارشاد فرمایا جسے سن کر صحابہؓ گریہ وزاری کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

> ''میں ابوبکرؓ کی رفاقت اور فیاضی کا ممنون ہوں۔ ان سے بہتر رفیق مجھے کوئی نہیں ملا۔ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنایا لیکن تم ہرگز قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمہیں سختی سے منع کرتا ہوں۔ آپؐ نے جنگ احد کے شہداء کے لیے اللہ کی رحمت کی دعا کی۔ آپؐ نے انصار کا خاص طور پر ذکر فرمایا کہ میرے بعد انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ انصار میرے پناہ دہندہ ہیں۔ وہ میرے میزبان ہیں۔ یہ اپنا فرض انجام دے چکے اب تمہیں ان کا حق ادا کرنا ہے۔ مدینہ منورہ میں دوسرے لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ انصار اپنا کام کر چکے، اب تم کو اپنا کام کرنا ہے۔ اگر کسی کا میں نے کچھ مال لیا ہو تو طلب کرے۔ ایک شخص نے کہا کہ اس کے تین درہم آپؐ کے ذمہ ہیں۔ آپؐ نے فضل بن عباسؓ سے فرمایا انہیں ادا کر دو''

جناب رسول اللہؐ نے مرض کی شدت کے باوجود اپنی وفات سے چار دن قبل (جمعرات) تک مسجدِ نبویؐ میں تمام نمازیں خود ہی پڑھائیں۔ اس روز مغرب کی نماز بھی آپؐ نے پڑھائی (یہ آپؐ کی زندگی کی آخری نماز تھی جو آپؐ نے مسجدِ نبویؐ میں پڑھائی)۔ لیکن عشاء کے وقت مرض میں مزید شدت آ گئی۔ مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی اور حضرت ابوبکر

Marfat.com

صدیقؓ کو کہلوا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کی حیات مبارکہ میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔

وفات سے دو دن قبل ہفتہ کے دن آپؐ نے طبیعت میں قدرے بہتری محسوس کی۔ چنانچہ دو صحابہ کے درمیان چل کر ظہر کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ آپؐ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے تو آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں اور ان کے بازو میں بیٹھ گئے اور آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا ہی میں نماز مکمل کی۔

وفات سے ایک دن قبل اتوار کے دن آپؐ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد فرمادیا۔ پاس جو سات دینار پڑے تھے انہیں صدقہ کر دیا۔

حیاتِ مبارکہ کا آخری دن

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ دوشنبہ کے روز مسلمان نمازِ فجر میں مصروف تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز کی امامت فرما رہے تھے، اچانک آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور نماز میں صحابہ کو صفیں باندھے ہوئے دیکھ کر نظر ڈالی۔ آپؐ نے تبسم فرمایا۔ اس نماز فجر (دوشنبہ) کے بعد آپؐ پر کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔

دن چڑھے چاشت کے وقت آپؐ نے حضرت فاطمہ الزہراؓ کو بلایا اور فرمایا کہ آپؓ ساری خواتینِ عالم کی سیدہ (سردار) ہیں۔ آپؐ نے حسنؓ و حسینؓ کو بلا کر بوسا لیا۔ پھر ازواجِ مطہراتؓ کو بلا کر وعظ و نصیحت فرمائی۔ وقت نزع سے کچھ لمحے قبل آپؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے ہاتھ میں مسواک دیکھ کر مسواک کرنا چاہی۔ مسواک سے فارغ ہوتے ہی آپؐ نے ہاتھ کی انگلی اٹھائی، نگاہ اوپر کی طرف بلند کی، ہونٹوں میں کچھ حرکت ہوئی۔ حضرت عائشہؓ نے کان لگا کر سنا تو آپؐ فرما رہے تھے ''ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر''۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ کی زبان مبارک سے "مع الرفیق الاعلیٰ" کے الفاظ نکلے۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھ لٹک گئے۔ آنکھیں چھت سے جا لگیں اور روح پاکؐ اللہ سے جا ملی۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

Marfat.com

بتاریخ: دوشنبہ۔ بارہ ربیع الاول 11ھ بمطابق 8 جون 632ء بوقتِ چاشت اس دن آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ (63) برس تھی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وصال کے بعد آپ کا جسدِ مبارک خوشبو سے مہکنے لگا، ایسی خوشبو زندگی پھر پہلے کبھی نہ سونگھی تھی۔ آپؐ کے وصال کی خبر پورے مدینہ منورہ میں پھیل گئی۔ لوگ غم سے نڈھال ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ حجرہ مبارک میں تشریف لائے۔ چادر اٹھا کر حضور اکرمؐ کو نہایت ادب واحترام کے ساتھ بوسہ دیا۔

تجہیز و تکفین و تدفین

چونکہ حضور اکرمؐ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے قرابت دار اور میرے گھر والے مجھے غسل دیں، لہٰذا آپؐ کے ارشاد مبارک کی روشنی میں دیگر اصحابہ بوقتِ غسل علیحدہ ہو گئے البتہ انصاریوں میں سے ایک صحابیؓ کو آنحضرتؐ سے قریبی تعلقات کا واسطہ دے کر خصوصی اجازت ملی۔ رسولِ اکرمؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے دونوں فرزند فضلؓ اور قثمؓ آپؐ کے بدن مبارک کو اِدھر اُدھر پلٹاتے، حضرت علیؓ جسم اطہر کو مل مل کر دھوتے تھے۔ آپؐ کو غسل دیتے وقت آپؐ کے کپڑے نہیں اتارے گئے تھے بلکہ آپؐ کے جسد مبارک کو کپڑوں سمیت ہی غسل دیا گیا۔ حضرت اسامہؓ بن زید پانی بہاتے رہے۔ آپؐ کو بیرِ عریس کے پانی سے غسل دیا گیا۔

آپؐ کی وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ تھوڑی دیر تنہا چھوڑ دیا گیا (تاکہ فرشتے حاضری دے سکیں) اس کے بعد سب سے پہلے آپؐ کے خاندان بنی ہاشم کے لوگوں نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد باری باری دس دس صحابہ کرامؓ حجرہ شریف میں داخل ہو کر نمازِ جنازہ پڑھتے رہے۔ پھر مہاجرین نے پھر انصار پھر عورتوں نے پھر غلاموں اور پھر بچوں نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ نمازِ جنازہ میں کوئی امام نہیں تھا۔ نمازِ جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن گزر گیا اور چہارشنبہ (بدھ) کی رات آ گئی۔

غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ جناب رسول اللہ صلعم کے جسدِ مبارک کو دفن کہاں کیا جائے؟ مہاجرین کہنے لگے کہ ان کو مکہ میں دفن کیا جائے، کسی نے بیت المقدس میں

Marfat.com

دفن کرنے کی تجویز پیش کی۔ انصار اس بات پر بضد تھے کہ آپؐ کے جسم الطہر کو مدینہ منورہ ہی میں دفن کیا جائے۔ اسی گفتگو کے دوران حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا:

''میں نے ایک بار رسول اکرم صلعم سے سنا تھا کہ نبیؐ جس مقام پر وفات پاتا ہے، وہیں دفن کیا جاتا ہے''۔

چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ آپؐ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں ہی دفن کیا جائے۔ اس فیصلہ کے بعد حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے آپؐ کا بستر اٹھایا، جس پر آپؐ کی وفات ہوئی تھی اور اس کے نیچے قبر کھودی گئی۔ آپؐ کے جسم مبارک کو حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت قثم بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مل کر قبر مبارک میں اتارا۔ قبر مبارک مدینہ منورہ کے رواج کے مطابق لحدی یعنی بغلی تیار کی گئی تھی۔

اس طرح تدفین مبارک آپؐ کے وصال سے تقریباً 32 گھنٹہ بعد شبِ چہارشنبہ عمل میں آئی۔

Marfat.com

جنت البقیع

یہ مدینہ منورہ کا تاریخی قبرستان ہے۔ جنت البقیع کے علاوہ اس قبرستان کا ذکر بقیعِ غرقد کے نام سے بھی آیا ہے۔ اس جگہ پہلے غرقد (کیکر) کے بہت سے درخت تھے۔ اس لیے آپؐ نے وہ درخت کٹوا دیئے اور اسے مدینہ کے مسلمانوں کی قبور کے لیے مختص کر دیا گیا۔ اس قبرستان میں بہت سے صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت مدفون ہیں جو نبی اکرمؐ کی زندگی مبارک میں یا بعد میں فوت ہوئے۔ ان کے علاوہ تبع تابعین کی کثیر تعداد بھی اسی قبرستان میں مدفون ہے۔ قاضی عیاضؒ، امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اس قبرستان میں دس ہزار جلیل القدر اصحابِ رسولؐ مدفون ہیں جبکہ باقی صحابہ کرامؓ دوسرے ممالک چین، ہندوستان، ترکی، مصر، عراق، شام اور افریقہ کے علاقوں میں مدفون ہیں۔

جنت البقیع میں سب سے پہلے دفن ہونے والی برگزیدہ ہستی حضرت عثمان بن مظعونؓ ہیں۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ آپؐ کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ یہ ایک ایسا مبارک وجود تھا جس کی پیشانی کو رحمتہ اللعلمینؐ نے چوما۔ یہ رشتہ میں آنحضرتؐ کے خالو بھی تھے۔

پہلے جنت البقیع مسجدِ نبویؐ کے مشرق میں ایک فرلانگ کے فاصلہ پر واقع تھا۔ راقم کو یاد ہے کہ مسجدِ نبویؐ کے باب جبرائیلؑ سے نکلنے کے بعد تنگ گلیوں سے گزر کر جانا پڑتا تھا۔ اب کیونکہ سعودی حکومت کے مسجدِ نبویؐ کے توسیعی منصوبے میں یہ قبرستان مسجدِ نبویؐ کے بالکل قریب ہوگیا ہے۔ قبرستان کو وسیع و عریض اونچی جالیوں والی دیوار سے محدود کر دیا گیا۔ جنت

Marfat.com

البقیع کے چاروں طرف زائرین کے لیے اونچا چبوترا فٹ پاتھ جیسا بنا دیا گیا ہے کہ تا کہ زائرین کو جنت البقیع کی قبور کی زیارت کرنے میں آسانی رہے چاہے وہ کسی طرف سے بھی زیارت کرنا چاہیں۔ اس قبرستان کی آخری توسیع شاہ فہد کے زمانہ میں ہوئی۔ اب اس کا رقبہ 1,74,962 مربع میٹر ہے جس کے گرد چار میٹر اونچی اور 1726 میٹر لمبی دیوار بنائی گئی ہے۔

اس سے زیادہ جنت البقیع کی فضلیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آنحضورؐ اس کی زیارت کے لیے خود رات کے آخری حصہ میں تشریف لے جاتے اور اس میں مدفون مسلمانوں کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتے۔ آنحضرتؐ اپنی آخری بیماری سے قبل ماہ صفر کی 30 تاریخ کی شب جنت البقیع تشریف لے گئے تھے۔ قبرستان سے واپسی پر آپؐ کے سر میں شدید درد اٹھا اور بخار میں مبتلا ہو گئے۔ آخر کار اسی بیماری میں بارہ دن بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپؐ نے فرمایا:

> ''مدینہ منورہ میں موت کی تمنا رکھو کیونکہ میں یہاں پر مرنے والے مسلمانوں کی شفاعت کروں گا''۔ (ترمذی)

جنت البقیع فردوسِ بریں کا حصہ ہے۔ یہاں حضور اکرمؐ کے ہزاروں جانثار، ازواجِ مطہراتؓ اور آلِ رسولؐ آرام فرما ہیں۔ عالمِ اسلام کے فقہاء، ہست و بود کے ستارے یہاں مدفون ہیں۔

یہ وہ چمنستان ہے جس میں دنیائے اسلام کا ہر خوبصورت پھول مہکا ہوا نظر آتا ہے۔ تقویٰ وطہارت کے شاہکار، جنت الفردوس کے مکیں اس جگہ مدفون ہیں۔ شہداء کے اجسام جن کے لہو کی خوشبو سے چار سو عشقِ رسولؐ کی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ یہاں وہ ہستیاں بھی محوِ خواب ہیں جن کو آپؐ نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے لحد میں اتارا۔ یہاں ایسی پاکیزہ روحیں اور معصوم ان کھلے پھول بھی محوِ خواب ہیں جن کی وفات پر حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ اس زمین عرشِ بریں میں موتیوں کے دفینے، رحمتوں کے خزینے مدفون ہیں۔ یہ جگہ مرکز ہے انوارِ تجلیات الٰہی کا۔ اسلام کی شمع کے پروانے یہاں آکر اپنی جبینوں کو نہایت ادب سے جھکا دیتے ہیں اور اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتے ہیں کہ انہیں اللہ نے ان اسلام کے شیدائیوں اور شمع رسولؐ کے پروانوں کی آخری آرامگاہ پر حاضری کا موقع عنایت فرمایا۔

اس خطہ زمین کی خاک آبگینوں سے نازک تر ہے۔ یہاں پر اپنے قدم آہستہ آہستہ

Marfat.com

اور احتیاط سے رکھو کہ کہیں نادانستگی میں یا وارفتگی میں ادب کا دامن تار تار نہ ہو جائے۔ اس قطعہ زمین میں کتابِ عشق رسولؐ کے اوراق بکھرے پڑے ہیں جن کے صفحات پر محبتِ رسولؐ کی داستانیں رقم ہیں۔ یہاں پر آسمان دنیا کے وہ ستارے آسودہ خاک ہیں جو عہدِ رسالتؐ میں اپنی تجلیاں دکھا کہ زیر زمین چلے گئے۔ یہاں پر ادب کے وہ مہ پارے مدفون ہیں جنہوں نے دنیا کے بے ادبوں کو ادب کرنا سکھایا۔ یہاں وہ ہستیاں محوِ خواب ہیں جن کے پاؤں کی خاک کے ذرّے آفتاب و ماہتاب سے زیادہ روشن تھے۔

اب ذرا ان ہستیوں کا ذکر جو اس گلستان کا فخر ہیں:۔

اُمُ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عثمانؓ بن عفان ذوالنورین، حضرت رقیہؓ بنتِ رسولؐ، حضرت ام کلثومؓ بنتِ رسولؐ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ بنتِ رسولؐ، اُمُ المومنین حضرت حفصہؓ، اُمُ المومنین حضرت سودہؓ، حضرت ماریہ قبطیہؓ، حضرت حلیمہ سعدیہؓ، حضرت زینب بنتِ رسولؐ، اُمُ المومنین حضرت امِ سلمیٰؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت زینب بنتِ جحش، حضرت ابراہیم بن محمد الرسول اللہؐ، حضرت امام حسنؓ، حضرت امام زینؓ العابدین بن حسینؓ، حضرت امام باقرؒ، حضرت امام جعفرؒ صادق، آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ، حضرت امام مالکؒ، حضرت نافعؒ، جابر بن حیان (تاریخ کے پہلے کیمیاء دان)

مہاجرین میں سب سے پہلے جنت البقیع میں دفن ہونے والے حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے اور انصار مدینہ میں پہلے خوش قسمت صحابی حضرت اسعد بن زرارہؓ ہیں۔ یہاں وہ ہستیاں محوِ خواب ہیں کہ ملائکہ بھی جن کی پاکیزگی وطہارت وتقویٰ کی قسم کھاتے تھے بلکہ ان کی شان میں قرآنِ پاک نے ان کی طہارت اور پاکیزگی کی گواہی دی۔

جنت البقیع کے مغربی دروازے سے (جو اس وقت تقریباً مسجد نبویؐ کے سامنے ہے) تقریباً 45 گز کے فاصلہ پر دائیں جانب حضرت عقیلؓ بن ابی طالب اور حضرت جعفر طیارؓ کی قبریں ہیں۔ ان کی قبور سے آگے تقریباً چھ گز کے فاصلہ پر آٹھ امہات المومنینؓ کی قبور بالترتیب اس طرح ہیں۔ کائنات میں امہات المومنینؓ کا مقام بہت بلند ہے:۔

1۔ اُمُ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

Marfat.com

2۔ اُمّ المومنین حضرت سودہؓ

3۔ اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ

4۔ اُمّ المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ

5۔ اُمّ المومنین حضرت ام سلمیٰؓ

6۔ اُمّ المومنین حضرت جویریہؓ

7۔ اُمّ المومنین حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان

8۔ اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ

اُمّ المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ کی وفات ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔ لہذا وہ مکہ کے مشہور قبرستان جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں۔ جب کہ اُمّ المومنین سیدہ میمونہؓ بنت حارث مکہ کے قریب ایک مقام جس کا نام ''سرف'' ہے وہاں فوت ہوئیں اور انہیں وہیں دفن کیا گیا۔ یہ مقام مکہ سے چھ میل دور ہے۔

امہات المومنین کی قبور سے مغرب کی جانب تقریباً بارہ گز کے فاصلہ پر آنحضورؐ کی چاروں صاحبزادیوں کی قبور موجود ہیں۔

1۔ حضرت زینبؓ

2۔ حضرت ام کلثومؓ

3۔ حضرت رقیہؓ

4۔ حضرت فاطمہؓ الزہرہ

آپؐ کی صاحبزادیوں کی قبور کے جنوبی سمت تقریباً تیس گز کے فاصلہ پر آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ، جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے (عمر 18 ماہ) کی قبر حضرت عثمانؓ بن مظعون کی قبر کے قریب واقع ہے۔

یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے لیے جنت الفردوس کی حوریں مہکتے پھولوں کے ہار لیے منتظر کھڑی ہیں۔ فرشتے استقبال کے لیے قطار باندھے کھڑے ہیں۔ بہشت کے رضوان ان کے مبارک قدموں کو چومنے کے لیے بیتاب ہیں۔

Marfat.com

قبور بناتِ رسولِ مقبولؐ کے تین گز کے فاصلہ پر آپؐ کے اہلِ بیت کی قبور ہیں:۔

1۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب (آنحضورؐ کے چچا)

2۔ حضرت حسنؓ بن علیؓ بن ابو طالب (آنحضورؐ کے نواسے)

3۔ حضرت فاطمۃ الزہرا بنتِ رسول اللہؐ

4۔ محمد بن باقر بن زین العابدینؒ

5۔ حضرت زین العابدینؒ بن حسینؓ بن علیؓ

6۔ سید الشہداء جناب حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک

ابن سعد کی روایت کے مطابق بیان کیا گیا ہے کہ بعد از سانحۂ کربلا یزید بن معاویہ نے حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک اس وقت کے گورنرِ مدینہ عمر بن سعد بن العاص کو ارسال کیا اور ہدایت کی کہ اسے حضرت حسینؓ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمۃؓ الزہرا کی قبر کے قریب دفن کیا جائے (واللہ اعلم)

مرکزی دروازہ کے 60 گز کے فاصلہ پر حضرت امام مالکؒ اور ان کے استادِ محترم اور امام مدینہ شیخ القراء حضرت امام نافعؒ کی قبر مبارک ہے۔ چیچنیا کے امام شاملؒ بھی یہیں دفن ہیں۔

حضرت عثمانؓ بن عفان (ذوالنورین) مسلمانوں کے تیسرے خلفیہ کی قبر بقیع کے آخر میں ۱۴۰ گز کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپؓ کی وفات کے بعد آپؓ کو بقیع کے ملحق یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا بعد میں حضرت معاویہؓ نے اس قبرستان کو بھی بقیع کی توسیع کر کے جنت البقیع میں ہی شامل کیا گیا۔ آپؐ کی دونوں پھوپھیوں حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب اور حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب کی قبور بھی بقیع کے مرکزی دروازے سے شمال کی جانب تقریباً 18 گز کے فاصلہ پر ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ جن سے کئی احادیث مروی ہیں، کی قبر بھی حضرت امام مالکؒ کی قبر سے شمال میں بیرونی دیوار کے قریب ہے۔

ایک دفعہ حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور آپؐ سے فرمایا کہ: آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کریں' اس لیے اکثر آپؐ رات کے پچھلے حصہ میں جنت البقیع تشریف لاتے اور یہاں پر مدفون سب مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کیا کرتے۔

Marfat.com

''ریاض الجنتہ''

مسجدِ نبویؐ کا چپہ چپہ گوشہ گوشہ مقدس ومطہر اور عطر بیز ہواؤں سے مشک بار ہے۔ آج دور نبوتؐ کا سارا شہر مدینہ مسجدِ نبویؐ میں شامل ہو چکا ہے۔ پورے شہر میں وہ کون سی جگہ ہوگی جسے نبیؐ مطہر کے قدم چومنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی ہوگی۔ اس شہر کا ہر ذرہ آفتاب ومہتاب سے بھی زیادہ اپنے آپ کو خوش قسمت تصور کرتا ہے، وہ اس لیے کہ اس کے سینوں پر آفتاب رسالتؐ کے قدم پڑتے رہے۔ ہماری آنکھوں کی پلکیں ان ذروں کو چومنے کے لیے ہمہ وقت بیتاب رہتی ہیں۔

مسجدِ نبویؐ کا وہ حصہ جو روضہ رسولؐ اور منبر مصطفیٰ ﷺ کے درمیان واقع ہے، باقی سب حصوں سے ممتاز اور محترم ہے۔ اس حصے کو نبی آخر الزمانؐ نے ریاض الجنتہ کہا ہے۔ اس مخصوص ٹکڑے کے متعلق رسولِ اکرمؐ کی حدیث مبارکہ ہے کہ:

''مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ'' (میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

یعنی یہ حصہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے جو اس دنیا میں اتارا گیا ہے اور قیامت کے دن یہ ٹکڑا واپس جنت کی طرف اٹھالیا جائے گا۔ اس لیے ریاض الجنتہ کا مقام ومرتبہ ہمارے نزدیک بہت ارفع وافضل ہے۔ اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ زائرین اس حصہ میں نماز

Marfat.com

ادا کرتے اور عبادت کرتے ہوئے یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ جنت کے حصہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔
نبی اکرمؐ کی حدیث مبارکہ کے مطابق مسجد الحرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور مسجدِ نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ گویا کے مسجدِ نبویؐ کا مقام مرتبہ مسجد الحرام کے بعد ہے لیکن مسجدِ نبویؐ میں ریاض الجنتہ کا مقام و مرتبہ کتنا بلند ہے اللہ اور اللہ کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔

ریاض الجنتہ روضتہ الرسولؐ سے منبر تک 22 میٹر طویل اور 15 میٹر چوڑا ہے۔ اس حصہ میں آٹھ ستون ایسے ہیں جن کو مسجد نبویؐ کے باقی ستونوں سے ممتازیت حاصل ہے۔ ان ستونوں کو سنگِ مرمر اور سنہری مینا کاری سے مسجد کے باقی ستونوں سے نمایاں کیا گیا ہے۔ یہ ستون روضہ انورؐ کی مغربی دیوار کے ساتھ ممتاز کر دیئے گئے ہیں جو ریاض الجنتہ کے اندر واقع ہیں۔
ان متبرک ستونوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:۔

ستونِ حنانہ

منبر رسولؐ کے قریب ایک ستون ہے جسے ستون حنانہ کہا جاتا ہے۔ عربی میں حنانہ اس آواز کو کہتے ہیں جب کسی اونٹنی کے بچے کو اپنی ماں سے جدا کر دیا جائے تو وہ اپنی ماں کے فراق میں روتا اور بلکتا ہے، اس آواز کو حنانہ کہتے ہیں۔ دراصل اس ستون کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا، جس کی وجہ سے اس ستون کو ستون حنانہ کا نام دیا گیا، وہ اس طرح کہ منبر رسولؐ کے تیار ہونے سے قبل اس جگہ پر کھڑے ہو کر آپؐ خطبہ دیا کرتے۔ لیکن جب منبر تیار ہو گیا تو آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا شروع کیا تو کھجور کے درخت نے آپؐ کے فراق میں اس طرح رونا چلانا شروع کر دیا جس طرح اونٹنی کا بچہ روتا اور چلاتا ہے۔ اس درخت نے آہ وزاری کے شور سے ساری مسجد کو گویا سر پر اٹھا لیا۔ یہ منظر دیکھ کر آنحضورؐ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اس درخت پر شفقت سے اپنا دستِ مبارک رکھا۔ اس کے بعد اس درخت نے رونا چلانا بند کر دیا۔ آپؐ نے اس کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ قیامت میں تُو میرے ساتھ جنت میں داخل ہو گا۔ اس دلاسے کے بعد اس درخت نے رونا چلانا بند کر دیا۔ جب وہ کھجور کا تنا خشک ہو گیا تو اس کو

Marfat.com

اسی جگہ دفن کر دیا گیا اور اس جگہ ایک ستون کھڑا کر دیا گیا جس کو ستون حنانہ کہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر میں اس درخت کو دلاسا نہ دیتا تو یہ قیامت تک اسی طرح روتا رہتا اور آہ وزاری کرتا رہتا۔ حجاج کرام اور زائرین اس ستون سے خاص عقیدت رکھتے ہیں۔

ستونِ عائشہؓ

روضۂ رسولؐ سے تیسرا ستون، ستون عائشہؓ کہلاتا ہے۔ رسولِ اکرمؐ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں فرمایا تھا کہ اس مسجد میں ایک ایسی متبرک جگہ موجود ہے کہ اگر لوگوں کو اس جگہ کی فضیلت اور نماز پڑھنے کے ثواب کا اندازہ ہو جائے تو یہاں نماز پڑھنے کے لیے قرعہ اندازی کریں اور لمبی لمبی قطاروں میں اپنی باری کا انتظار کریں۔ مگر آپؐ نے اس جگہ کی نشاندہی نہیں فرمائی تھی۔ آپؐ کے وصال کے بعد اصحابہؓ نے حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ وہ اس جگہ کی نشاندہی فرمائیں لیکن آپؓ نے انکار کر دیا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اصرار پر حضرت عائشہؓ نے اس جگہ کی نشاندہی فرما دی۔ اس حدیث کی راوی خود حضرت عائشہؓ ہی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس جگہ اکثر اپنی نمازیں ادا کیا کرتے۔ اس جگہ جو ستون کھڑا کیا گیا ہے وہ حضرت عائشہؓ ہی کے نام سے موسوم ہے۔

ستونِ ابی لبابہؓ

روضۂ رسولؐ کے بالکل سامنے ستونِ ابی لبابہؓ ہے جسے ستونِ توبہ بھی کہتے ہیں۔ اس ستون کی وجہ تسمیہ کچھ اس طرح ہے کہ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مدینہ میں پہلے ہی یہودی کافی تعداد میں آباد تھے۔ مسلمانوں نے ان سے ایک امن معاہدہ طے کیا، لیکن یہودیوں نے معاہدہ کی روح کے مطابق اس امن معاہدہ کی پاسداری نہ کی اور اس معاہدہ کو توڑ دیا، جس کے نتیجہ میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے سخت برہمی کا اظہار فرمایا: اللہ کی طرف سے حکم نازل ہوا کہ امن معاہدہ کی حدیں پامال کرنے والے یہودیوں کو قتل کر دیا جائے۔

ابی لبابہؓ مدینہ کے پرانے رہائشی تھے اور ان کے یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ سے دوستانہ مراسم برقرار تھے۔ ابی لبابہؓ نے یہ خبر جلد ہی یہودیوں کو اس طرح بتائی اور ہاتھ سے گردن

Marfat.com

پر اشارہ کیا کہ اب آپ کے گلے کاٹے جائیں گے۔ بعد میں ابی لبانہؓ کو جلد ہی اپنی اس غلطی کا احساس ہو گیا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اپنی اس غلطی پر وہ اس قدر شرمندہ ہوئے کہ وہ احساسِ ندامت سے زمین میں گڑے جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کا مجرم گردانتے ہوئے مسجدِ نبویؐ میں ایک کھجور کے تنے کے ساتھ خود کو رسیوں سے باندھ لیا اور اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اپنی غلطی کی معافی مانگنی شروع کر دی اور کہا کہ جب تک اللہ مجھے معاف نہیں کرے گا میں اسی طرح اپنے آپ کو رسیوں سے باندھے رکھوں گا۔

کچھ اصحابہ کرامؓ نے آنحضورؐ سے درخواست کی کہ آپؐ ابی لبانہؓ کی معافی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اگر ابی لبانہؓ خود کو باندھنے سے قبل ہی میرے پاس آتا اور اللہ سے اپنی معافی کی درخواست کرتا میں اس کے لیے معافی اور استغفار کی دعا کرتا، اب تو اس نے خود ہی رسیوں سے اپنے آپ کو باندھ لیا ہے، اب یہ معاملہ براہ راست اللہ اور اس کے درمیان ہے اور آپؐ نے اس کے بعد خاموشی اختیار کیے رکھی۔ اس دوران ابی لبانہؓ کی بیوی اور بیٹی آتے اور ان کی نماز اور حوائجِ ضروریہ کے وقت کھول دیتے اور پھر دوبارہ ان کو اسی طرح باندھ دیتے۔

ایک دن نبی اکرمؐ حضرت امِ سلمیٰؓ کے ہاں قیام فرماتے، تہجد کا وقت تھا کہ حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور آپؐ کو ابی لبابہؓ اور چند دوسرے اصحابہ کے متعلق آگاہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ و استغفار قبول کر لی ہے۔ ان کی توبہ قبول ہونے کے متعلق سورہ توبہ (آیت 102:) میں واضح احکامات موجود ہیں۔ آپؐ نے یہ خوشخبری چند اصحابہ کو بتائی کہ اللہ نے ابی لبابہؓ کی غلطی کو معاف کر دیا ہے۔ صحابہ نے یہ بشارت حضرت ابی لبابہؓ کو سنائی اور ان کی رسیوں کو کھولنا چاہا لیکن ابی لبابہؓ نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ آنحضورؐ اپنے دستِ مبارک سے مجھے خود آزاد فرمائیں گے اور میں کسی اور کو اجازت نہیں دونگا کہ میری رسیاں کھولے۔ آنحضورؐ نماز فجر کے وقت مسجد میں تشریف لائے اور خود اپنے دستِ مبارک سے ابی لبابہؓ کی رسیاں کھولیں اور ان کو آزاد کیا۔

بالکل اسی جگہ ایک ستون بنایا گیا جسے ستونِ ابی البابہؓ کہتے ہیں۔ زائرین اس ستون کے پاس دو رکعت نماز ادا کرنے اور توبہ و استغفار کرنے کو باعثِ فضیلت سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

ستونِ سریر

سریر کا مطلب ہے سونے کی جگہ۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرتؐ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔اس جگہ ہی آپؐ کا بستر بچھا ہوتا اور اسی بستر میں آپؐ سو جایا کرتے اس لیے اس ستون کا نام ستونِ سریر ہے۔

ستونِ وفود

اس جگہ مدینہ سے باہر سے آئے ہوئے غیر مسلم یا مسلمان وفود سے آپ ملاقات کیا کرتے اور دینِ اسلام کے متعلق ان کو تبلیغ کیا کرتے۔ اس لیے اس ستون کا نام ستونِ وفود ہے۔

ستونِ حضرت علیؓ

اس جگہ حضرت علیؓ اکثر نماز پڑھا کرتے تھے اور اس جگہ بیٹھ کر سرکار دو جہاںؐ کی پاسبانی فرمایا کرتے۔ آنحضرتؐ جب حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے نکل کر مسجد میں داخل ہوتے تو اس جگہ سے ہو کر گزرتے۔ کچھ اور اصحابہ کرامؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ آ کر بیٹھ جایا کرتے۔ اس ستون کو ستونِ علیؓ کہتے ہیں۔

ستونِ تہجد

یہ ستون اصحاب صفہ کے چبوترے کے سامنے اور حضرت فاطمہؓ کے حجرے کے کونے پر ہے۔ اس جگہ رسولِ اکرمؐ نماز تہجد ادا کیا کرتے تھے۔ (یاد رہے کہ نماز تہجد آنحضرتؐ پر فرض تھی)۔ اس لیے اس ستون کا نام ستون تہجد ہے۔

ستونِ جبرائیلؑ

اس جگہ سے حضرت جبرائیلؑ داخل ہو کر آقائے دو جہاںؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ آج کل یہ ستون روضہ پاکؐ کی حدود کے اندر آنے کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔

Marfat.com

اصحابِ صُفّہ

اصحابِ صفہ وہ پروانے تھے جو شمعِ رسالتؐ کے گرد دن رات منڈلاتے رہتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگیاں دین اسلام کے سیکھنے، اللہ کی عبادت کرنے اور اطاعتِ رسولؐ کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔ اصحابِ صُفہ نے نہ تو اپنی شادیوں، بال بچوں و دولت کے متعلق سوچا اور نہ کسی دنیاوی رغبت کی طرف ان کے دل مائل ہوئے، بس دن رات یادِ الٰہی اور اطاعتِ رسولؐ میں مشغول رہتے۔ اصحابِ صُفہ کی زندگی کا بس ایک ہی مقصد تھا کہ ان کی نگاہیں جناب رسول اللہؐ کے ہونٹوں پر مرکوز رہتیں اور وہ اس چیز کے منتظر رہتے کہ ''نگاہ ناز سے کیا ارشاد ہوتا ہے''۔

مسجد نبویؐ کے مشرقی دروازے باب جبریلؑ سے داخل ہوں تو ساتھ ہی دائیں ہاتھ پر ایک، دوفٹ بلند چبوترا ہے جس پر اصحابِ صُفہ درویشوں کی طرح بیٹھے رہتے، یہیں وہ کھاتے تھے، یہیں پیتے اور اسی چبوترے پر ہی سو رہتے۔ یہیں ان کا اوڑھنا تھا اور یہیں ان کا بچھونا۔ ان اصحابِ صُفہ کی تعداد تین چار سو کے قریب تھی لیکن کتب میں صرف 79 نام مل سکے۔ ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ چند نام جو مل سکے، درج کیے جاتے ہیں:۔

(1) حضرت سلمان فارسیؓ

(2) حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ

(3) حضرت عمار بن یاسرؓ

Marfat.com

(4) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

(5) حضرت مقداد بن الاسودؓ

(6) حضرت خباب بن الارتؓ

(7) حضرت بلال بن رباحؓ

(8) حضرت صہیب بن سنانؓ

(9) حضرت زید بن الخطابؓ (عمر فاروقؓ کے بھائی)

(10) حضرت ابو کبشہؓ

(11) حضرت ابو مرثد العدویؓ

(12) حضرت صفوان بن بیضاءؓ

(13) حضرت ابو عیسیٰ بن جبرؓ

(14) حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ

(15) حضرت مسطح بن اثاثہؓ

(16) حضرت عکاشہ بن محصنؓ

(17) حضرت مسعود بن الربیعؓ

(18) حضرت عمیر بن عوفؓ

(19) حضرت عویم بن ساعدہؓ

(20) حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ

(21) حضرت سالم بن عمیرؓ

(22) حضرت ابوالبشر کعب بن عمروؓ

(23) حضرت خبیب بن یسافؓ

(24) حضرت عبداللہ بن انیسؓ

(25) حضرت ابوذر غفاریؓ

(26) حضرت عتبہ بن مسعودؓ

Marfat.com

(27) حضرت ابوالدرداءؓ

(28) حضرت عبداللہ بن زید الجہنیؓ

(29) حضرت حجاج بن عمرو الاسلمیؓ

(30) حضرت ابو ہریرہ دوسیؓ

(31) حضرت ثوبانؓ (مولیٰ رسول اللہؐ)

(32) حضرت معاذ بن حارث القاریؓ

(33) حضرت سائب بن خلادؓ

(34) حضرت ثابت بن ودیعہؓ

اصحابِ صُفّہ کی جماعت اصحاب رسولؐ کی ایک منفرد جماعت تھی۔ یہ ایک طرح کا دین اسلام کی تبلیغ کا ہراوّل دستہ تھا جنہوں نے مکتبِ رسولؐ سے کسب فیض حاصل کیا اور یہاں سے نکل کر دینا کے ہر کونے میں اسلام کے علم کو بلند کیا۔ ان میں نہ تو کبھی آپس میں جھگڑا ہوتا اور نہ کسی تو تکار کی نوبت آتی۔ یہ اصحاب رسولؐ ایک قوم، ایک قبیلے، ایک شہر یا کسی ایک ملک سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ اصحابِ صُفّہ تو بن بن کی لکڑی تھے۔ ان میں سے کوئی فارس سے آیا تو کوئی بصرہ سے، کوئی حبشہ سے آیا تو کوئی یمن سے لیکن اس کے باوجود وہ ایک تھے، وہ سب ایک دوسرے کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے اور ایک دوسرے پر جان نثار کرنے پر تیار رہتے۔ وہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا حکم ماننے میں سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے۔ اصحابِ صُفّہ وہ اصحاب رسولؐ تھے جن کی تعریف وتوصیف میں قرآن پاک کی آیات نازل ہوئیں۔

اصحابِ صُفّہ کیونکہ نبی اکرمؐ کے حجرہ سے صرف چند ہی قدم پر قیام پذیر تھے، اس لیے وہ ہر وقت دین اسلام سیکھنے میں مصروف رہتے۔ اس وقت صفہ کا چبوترہ صرف ایک طرح کا تھڑا ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک مکمل یونیورسٹی کا درجہ رکھتا تھا۔ اس وقت دن رات وہاں سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں اس طرح آتی تھیں جس طرح شہید کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔

Marfat.com

ان سب کے سرخیل یا (مانیٹر) حضرت ابو ہریرہؓ تھے۔ جو براہِ راست حضرت نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدسؐ سے منسلک رہتے۔ وہی سب اصحابِ صُفّہ کے مدیر اور منتظم تھے، کیونکہ اصحابِ صُفّہ کے لیے تمام تر احکامات رسول دربار رسالت سے جاری ہوتے تھے اور اصحاب صُفّہ کو باخبر رکھنے کے لیے وہ حضرت ابو ہریرہؓ کو دیئے جاتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ ایسے برگزیدہ اصحابِ رسولؐ تھے جن کو تمام صحابہ سے زیادہ احادیثِ نبویؐ حفظ تھیں۔ ان سے مروی احادیث کی تعداد 5374 ہے۔ یہ صرف فیضانِ رسالتؐ تھا کہ ان کو ایک جانثار صحابی کا درجہ حاصل تھا۔ اکثر احادیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی اہمیت کا اندازہ اس تصور سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت ابو ہریرہؓ خود احادیثِ رسولؐ کے جمع کرنے میں وقت صرف نہ کرتے تو شائد ہم تک آج اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا دین اتنا مکمل نہ پہنچ پاتا جو آج ہم تک پہنچا۔ یہ ایک سعادت تھی جو ان کو جناب رسول اللہؐ کی خاص تربیت سے حاصل ہوئی اور یہ فیضانِ رسالتؐ ہی تو تھا کہ وہ اصحابہ کی کثیر جماعت میں سے ایک ممتاز مقام تک پہنچے۔

دراصل اصحابِ صُفّہ وہ لوگ تھے جو مسجدِ نبویؐ کے دروازے کے ساتھ شدید گرمی یا سردی سے بچنے کے لیے ہجرت کے بعد اس چبوترہ پر رہائش پذیر تھے۔ یہ لوگ غریب، نادار اور غریب الوطن تھے جن کو اللہ کے رسولؐ نے اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ دی۔ شروع شروع میں بوقتِ ہجرت ان اصحابِ رسول اللہؐ کی تعداد تقریباً ایک سو سے کچھ زائد تھی۔ مکہ میں ان کے گھر تھے اور قبیلے بھی مگر اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق ان سب کو انہوں نے خیر باد کہہ دیا اور مدینہ منورہ چلے آئے۔ نہ تو ان کو یہ فکر تھا کہ مدینہ میں ہم کہاں رہیں گے، کہاں سوئیں گے، کیا کھائیں گے؟ وہ تو بس دیوانہ وار چلے آئے، آگے اللہ جانے یا اس کا رسولؐ۔ ایک جذبہ تھا جو ان کو آرام دہ گھروں سے کھینچ لایا اور یہاں لا کر ایک تھڑے پر بٹھا دیا۔ اسی میں وہ خوش تھے کہ ان کو دنیا نہیں ملی، دین تو ملا، عاقبت تو سنور گئی۔ نہ جانے بہشت میں کیسے کیسے محل ان کی آمد کے منتظر ہوں گے، نہ جانے کتنی حُوریں ہاتھوں میں گلدستے اور خوبصورت پھولوں کے ہار لیے قطار در قطار کھڑی ہوں گی۔ کتنے فرشتے ان کی راہ تک رہے ہوں گے؟ انہیں آج مسجدِ نبویؐ کی کھجوروں والی چھت کے نیچے سایہ ملا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، کم از کم ان کو اللہ کے محبوبؐ

Marfat.com

کی قربت تو نصیب ہوئی۔ان کو اور کیا چاہیے تھا۔یہی تو ان کی زندگی کا حاصل تھا جو انہوں نے پالیا۔ان کو وہ آرام آغوشِ مادر میں بھی نصیب نہ ہوا ہوگا جو انہیں آغوشِ رسالت ؐ میں ملا۔انہوں نے دنیا کو صرف اس لیے نہیں تیاگ دیا کہ وہ جنت کے محلوں کی طرف حریصانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے یا جنت کی حوروں یا فرشتوں کی طرف سے اھلاً وسھلاً کے استقبالیہ کلمات سننے کے لیے ہمہ تن گوش تھے،نہیں ہرگز نہیں۔اس طرح کی کوئی سوچ بھی ان کے دلوں میں موجود نہیں تھی۔ بس وہ تو فنافی اللہ اور فنافی الرسول ؐ تھے۔ ہر وقت اللہ کے رسول ؐ پر اپنے ماں باپ قربان اور دل و جاں نثار کرنے کی سوچ ان کے دلوں پر غالب رہتی تھی۔ماں باپ،بال بچے تو وہ پہلے ہی عملی طور پر قربان کر ہی آئے۔ان کی ایسی قربانیوں ہی سے یہ دین ہم تک پہنچا۔

اصحابِ صُفّہ تو اس دبستان کے طالب علم تھے جن کی صعوبتوں اور فاقوں سے دنیا میں نہ جانے کتنی یونیورسٹیاں معرضِ وجود میں آئیں، کتنے مدارس اور دینی ادارے کھل گئے جن سے رہتی دنیا تک تا قیامت بے شمار حفاظِ کرام،علمائے دینِ اسلام اور راہِ حق کے شہید پیدا ہوتے رہیں گے۔اصحابِ صُفّہ کو کچھ کھانے کو مل گیا تو کھالیا، کچھ پینے کو مل گیا تو نوش کرلیا۔جنابِ رسولِ اکرم ؐ اپنے متمول صحابہ کو کہتے کہ اپنے گھروں میں جب کھانا تیار کرو تو ایک اصحابِ صُفّہ کا بھی حصہ ڈال لیا کرو اور مسجدِ نبوی سے جاتے ہوئے اپنے صفہ بھائی کو ساتھ اپنے گھر لے جایا کرو۔یہ وہ نایاب گوہر تھے جو کسی بازار میں نہیں بکتے، یہ وہ ہستیاں تھیں جو ہر وقت اپنے رسول ؐ کی خدمت میں حاضر رہتے۔

اصحابِ صُفّہ کو ''کوئی تجارت یا کسی قسم کی خرید و فروخت انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی'' یہ الفاظ اس کتاب کے ہیں جو اللہ کے رسول ؐ پر آسمان سے اتاری گئی۔قرآن پاک نے واضح الفاظ میں ان کے متعلق '' رضی اللہ عنھم فرمایا'' سیما ھم فی وجوھھم '' کے الفاظ ان کے لیے ہی نازل ہوئے۔ان اصحابِ صُفّہ میں حضرت ابوھریرہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، میزبانِ رسول ؐ حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔یہ آفتاب رسالت ؐ کے وہ ماہِ تاباں تھے جن کی کرنوں کی روشنی سے عالمِ اسلام رہتی دنیا تک مستفید ہوتا رہے گا۔ان

Marfat.com

اصحابِ صُفّہ میں کوئی سپہ سالارِ اعلیٰ تھا تو کوئی حافظِ قرآن، کوئی محافظِ حدیثِ رسول تو کوئی دشمنِ اسلام کا دشمن۔ ان میں کوئی مفکرِ اسلام بنا تو کوئی فقیہِ اسلام، یہی وہ درخشاں ستارے تھے جب وہ آسمانِ دنیا پر چمکے تو کفر کے اندھیروں کو سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں ان ستر (70) اصحابِ صُفّہ میں سے تھا جن کے پاس سوائے ایک چادر کے اور کوئی کپڑا نہ تھا۔ جسے ہم گلے میں بھی پہنتے تھے۔ آج بھی اصحابِ صُفّہ کا چبوترا اسی جگہ موجود ہے جس جگہ وہ دورِ رسالت میں تھا۔ بابِ جبریلؑ سے داخل ہوں تو اب بھی اس چبوترے پر جگہ ملنی مشکل ہے۔ جب آپ مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوں تو آپ کی پہلی نظر اس چبوترے پر ہی پڑتی ہے۔ نہ جانے آپ کی اس اچٹتی ہوئی نگاہ نے وہاں پر بیٹھے کتنے ولیوں، مجددوں، قطبوں، ابدالوں اور مجذوبوں کو دیکھ لیا ہوگا؟

ویسے تو مسجد نبویؐ کا گوشہ گوشہ، چپہ چپہ مقدس و مطہر ہے لیکن ''ریاض الجنہ'' کے بعد اصحابِ صُفّہ کے چبوترے کی شان ہی نرالی ہے۔ اس چبوترے کے سامنے بڑے بڑے شاہوں کے تاج و تخت ہیچ ہیں۔ جو عزت یہاں پر بیٹھنے والوں کو ملی وہ کسی تاج و تخت کے وارثوں کے نصیب میں کہاں؟ کیونکہ یہاں پر بیٹھنے والوں کا رابطہ سرکارِ دو جہاںؐ کے واسطہ سے براہِ راست اللہ کے ساتھ ہوتا ہے اور جس کا رابطہ اللہ کے ساتھ ہو جائے، زمین کے تاج و تخت اس کی جوتی کے تلووں کی خاک کے برابر نہیں ہو سکتے۔

جنابِ رسول اللہؐ کے اصحابؓ کے بارے میں قرآن کی گواہی

''اور جو لوگ (آپؐ کے اصحاب) کافروں کے مقابلہ میں تیز اور آپس میں مہربان (رحمدل) ہیں۔ اے مخاطب! آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ، اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں۔ ان کے آثار بوجوہ سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں''
(سورہ الفتح: آیت 29)

Marfat.com

سلطان نورالدین زنگیؒ کا واقعہ

مملکتِ اسلامیہ کے دارالحکومت دمشق میں ایک پر سکون رات میں ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ بادشاہ وقت نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر ذکر اذکار اور نبی اکرمؐ پر درود پڑھنے میں مشغول تھا۔ بعد میں بستر پر گیا، نیند نے آلیا۔ تہجد کے وقت حسبِ معمول آنکھ کھل گئی۔ نماز تہجد ادا کی پھر سو گیا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ بادشاہ اچانک گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ چہرے پر اضطراب کی کیفیت نمایاں تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ استغفار پڑھنے کے بعد کہنے لگا ''میرے جیتے جی کوئی ستائے یہ ہو نہیں سکتا''۔ خواب کا خوفناک منظر بادشاہ کے قلب و ذہن سے محو نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی اکرمؐ اس کے سامنے جلوہ افروز ہیں اور آپؐ دو افراد کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں ''یہ دو آدمی مجھے ستا رہے ہیں، ان کے اس شر کا خاتمہ کر دو''۔

بادشاہ نے فوراً نرم نرم بستر کو خیر باد کہا اور اپنے دانشمند وزیر جمال الدین موصلی کو طلب کیا اور اس کے سامنے خواب میں جو کچھ منظر دیکھا، وزیر کو بیان کر دیا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ ''اب ہم یہاں ایک پل بھی نہیں ٹھہریں گے بلکہ ابھی مدینہ کی طرف جائیں گے، مدینہ جانے کی تیاری کی جائے''۔ وزیر نے شاہی اصطبل سے اچھی نسل کے تیز رفتار گھوڑوں کا انتظام کیا۔ بادشاہ اپنے وزیر اور بیس آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادشاہ کو کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ساتھی ہی نہیں بلکہ شہرِ دمشق کے رہنے والے بھی حیران تھے کہ اچانک سفر

Marfat.com

کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ کسی کو علم نہیں تھا۔

یہ 557ھ (1162ء) کا ذکر ہے۔ اس زمانے میں عمومی طور پر دمشق سے مدینہ کا فاصلہ بیس (20) سے پچیس (25) دنوں میں طے ہوتا تھا لیکن بادشاہ نے تمام راستہ میں اپنے ساتھیوں کو کہیں آرام کرنے نہ دیا۔ بادشاہ نے یہی فاصلہ سولہ (16) دنوں میں طے کر لیا۔ مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے قبل بادشاہ نے غسل کیا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد شہر کے تمام دروازے بند کروا دیئے۔ سیدھا مسجدِ نبویؐ پہنچا۔ ریاض الجنہ میں نفل ادا کیے اور روضہ رسولؐ پر ھدیۂ درود وسلام کے بعد بادشاہ شہر کے حکام سے مخاطب ہوا کہ کل شہر کے تمام باشندوں کی ہماری طرف سے دعوتِ عام ہے۔ مقررہ اوقات میں مدینہ شہر کے سب لوگ دعوت میں شریک ہوئے۔ بادشاہ ہر شخص کو بڑے غور سے دیکھتا رہا، لیکن وہ دو اشخاص نظر نہ آئے جن کی طرف خواب میں آنحضورؐ نے اشارہ کیا تھا۔ طویل القامت حکمراں کے چہرے پر فکر اور پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔ بادشاہ کو کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ بے چینی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ ہمارے پیارے نبیؐ کا خواب میں آکر شر پسند اشخاص کے متعلق بتانا، کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتا۔

بادشاہ نے حکامِ شہر سے استفسار کیا کہ ''کیا سب لوگ دعوت میں آئے''؟ حاکمِ شہر نے واضح کیا کہ صرف دو اشخاص جو مغربی زائرین ہیں اور ایک عرصہ سے یہاں رہائش پذیر ہیں، وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور باقی سارا دن جنت البقیع میں زائرین کو پانی پلاتے رہتے ہیں، وہ نہ تو کسی سے کچھ طلب کرتے ہیں اور نہ کسی سے لے کر کچھ کھاتے ہیں، اس کے علاوہ وہ نہ تو کسی سے ملتے ہیں اور نہ بات کرتے ہیں اور نہ ہی کسی سے صدقات وخیرات لیتے ہیں، ان کی لمبی لمبی داڑھیاں ہیں اور دیکھنے میں نہایت متقی اور درویش لگتے ہیں۔ بس یہی دو اشخاص ہیں جو دعوت میں نہیں آئے۔

بادشاہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ حکم دیا کہ ان کو ہمارے سامنے پیش کیا جائے، ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ جب ان افراد کو بادشاہ کے سامنے لایا گیا تو ان شیطان خصلت انسانوں کو دیکھتے ہی بادشاہ کے دل نے گواہی دی کہ یہ تو وہی دو آدمی ہیں جن کے متعلق نبی اکرمؐ

Marfat.com

نے اشارہ فرمایا تھا۔ بادشاہ نے دونوں افراد سے پوچھا ''تم کہاں کے رہنے والے ہو'' انہوں نے جواب دیا کہ ''ہم مغرب سے ہیں۔ مکہ میں حج کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ حج کے بعد روضۂ رسولؐ پر حاضری دی اور اب یہاں سے واپس جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ یہاں شہر میں مسجد کی ہمسائیگی میں رہ رہے ہیں'' بادشاہ نے پھر پوچھا ''تمہارا قیام کہاں ہے''؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''حجرہ نبویؐ کے قریب ہی ایک کرائے کے مکان میں رہ رہے ہیں''۔

فرمانروائے سلطنت نے ان دونوں اشخاص کو اپنے ماتحتوں کے پاس چھوڑا اور ان کے بتائے ہوئے پتہ پر اس مکان میں چلا گیا جہاں وہ مقیم تھے۔ دیکھنے میں بظاہر کوئی چیز ایسی نہ تھی جس پر اعتراض کیا جا سکے۔ چھوٹے سے مکان میں تھا ہی کیا؟ مختصر سا مسافرانہ سامان، سونے کے لیے ایک چٹائی اور دو چار کھانے پینے کے برتن پڑے ہوئے تھے اور بس! بادشاہ شش و پنج میں پڑ گیا۔ چلتے پھرتے ایک جگہ اس نے چٹائی کے نیچے فرش کچھ لرزتا ہوا محسوس کیا۔ چٹائی ہٹائی تو نیچے ایک چوڑی سل نظر آئی۔ ہدایت پر سل کو سرکایا گیا تو حکمران اور ساتھی حیرت زدہ رہ گئے، بادشاہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سل کے نیچے ایک سرنگ کھدی ہوئی تھی۔ یہ سرنگ نبی اکرمؐ کے روضۂ اطہر کی طرف جا رہی تھی۔ حکمران کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ بادشاہ تیز تیز قدموں سے لوٹا اور حکم دیا کہ ان دونوں شیطان صفت آدمیوں کو پابہ زنجیر میرے سامنے پیش کیا جائے۔ بادشاہ نے ڈانٹ کر پوچھا کہ ''سچ سچ بتاؤ کہ تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آئے ہو''؟

بادشاہ کی گرجدار آواز سے ان کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اب راز کھل چکا تھا۔ دونوں بہروپیے اپنے اصل روپ میں پہچانے جا چکے تھے۔ دونوں نے جواب دیا کہ ''ہم نصرانی ہیں اور مغرب سے آئے ہیں۔ ہمیں اپنی قوم کی طرف سے آپ کے پیغمبرؐ کی لاش (نعوذباللہ) چرانے پر مامور کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر ثواب کا اور کوئی کام نہیں۔ لیکن افسوس جب ہمارا تھوڑا سا کام باقی رہ گیا تھا، ہمیں گرفتار کر لیا گیا''۔

حکمرانِ ملت اسلامیہ کو اب مزید صبر اور سننے کی تاب نہیں تھی۔ ظالم مجرم بھری بزم میں اپنے ناپاک جرم کا اقرار کر چکے تھے۔ فرمانروا نے دونوں مجرموں کی گردنیں روضۂ مبارک

Marfat.com

کے مشرقی سمت کھلنے والی کھڑکی کے سامنے اپنی تلوار سے اڑا دیں۔ اسی پر بس نہیں کیا اور حکم دیا کہ ان کی ناپاک لاشوں کو آگ کے بڑھکتے ہوئے الاؤ میں ڈال دیا جائے۔ دونوں مجرم اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکے تھے۔ حکمران کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ اٹھا، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ بادشاہ نے سسکیوں کے درمیان کہا کہ ''یہ میرے نصیب کہ اس خدمت کے لیے حضورؐ نے اس غلام کو منتخب فرمایا''۔

ایک ناپاک سازش کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ حکمراں نے معمار بلائے اور ہدایت کی کہ روضۂ رسول کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی جائے کہ پانی نکل آئے اور پھر اس خندق کو پگھلائے ہوئے سیسہ سے بھر دیا جائے۔ بادشاہ کے حکم پر فوراً عمل درآمد شروع ہو گیا۔ رحمتِ عالمؐ کے روضۂ انور کے گرد گہری خندق کھودی گئی پھر اس میں پگھلا ہوا سیسہ بھر دیا گیا اور یہ سیسہ پلائی خندق روضۂ رسولؐ کے گرد آج بھی موجود ہے۔ اب کسی شیطان صفت درندہ خصلت انسان کو کبھی ایسی جرات نہیں ہو سکے گی کہ روضۂ رسولؐ کے متعلق ناپاک عزائم سے سوچ سکے۔

آقائے دو جہاںؐ کی خواب میں زیارت اور آپؐ کے حکم پر مدینہ جا کر روضۂ رسولؐ کی حفاظت کرنے کی سعادت جس عظیم مسلمان فرمانروا کو نصیب ہوئی، دنیا اسے سلطان نور الدین زنگیؒ، کے نام سے جانتی ہے۔ انہوں نے اپنے اٹھائیس (28) سالہ دورِ حکومت میں (1146ء تا 1174ء) مغرب کی صلیبی طاقتوں کو پے در پے شکستوں سے دوچار کر کے ان کا سکون تہہ و بالا کر دیا اور ان کے غاصبانہ قبضہ سے مسلمانوں کے قبلۂ اوّل بیت المقدس کی بازیابی کی راہ ہموار کی۔ ان کا عہد بلاشبہ اسلامی تاریخ کا ایک عہد زریں تھا۔ انہوں نے وسیع مملکتِ اسلامیہ کا نظام اتنی عمدگی سے چلایا کہ خلافتِ راشدہ کے دور کی یاد تازہ ہو گئی۔

Marfat.com

آقائے دو جہاں ﷺ
کے والدین

Marfat.com

Marfat.com

آقائے دوجہاں ﷺ کے والدین

اللہ کے گھر خانہ کعبہ کے نزدیک چاہِ زم زم ایک عرصہ سے بند پڑا تھا۔ایک رات حضور اکرمؐ کے دادا عبدالمطلب سو رہے تھے کہ انہیں خواب میں یہ حکم دیا گیا کہ اٹھو اور چاہِ زم زم کی کھدائی کرو۔انہیں خواب میں اس چشمے کا محلِ وقوع بھی بتا دیا گیا تھا۔عبدالمطلب خواب سے بیدار ہوئے اور صبح انہوں نے اپنے واحد بیٹے حارث کو ساتھ لیا اور خانہ کعبہ کے قریب پہنچ کر چاہ زم زم کی جگہ کا خواب کے مطابق تعین کیا اور دونوں باپ بیٹوں نے اس کی کھدائی شروع کر دی۔ عبدالمطلب نے اپنے قبیلے قریش کو بھی اس نیک کام میں شریک ہونے کی دعوت دی لیکن انہوں نے آپ کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔لہٰذا عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کے ساتھ مل کر اس کنویں کی کھدائی کی اور اسے تلاش کر لیا۔ جب کنویں کا پانی نکل آیا تو اہل قریش نے کہا کہ یہ چاہ زم زم اُن کے جدِ امجد حضرت اسماعیلؑ کی ملکیت ہے لہٰذا انہیں بھی اس میں برابر کا حصہ دار بنایا جائے۔حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ جب آپ نے اس کی کھدائی کے وقت میری کوئی مدد نہیں کی تو اب آپ کا اس میں کسی قسم کے حصہ دار بننے کا جواز باقی نہیں رہا۔اس جواب پر قریش عبدالمطلب سے لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ قرعہ نکالا جائے۔قرعہ عبدالمطلب کے نام نکل آیا اور وہی اس کنویں کے منتظمِ اعلیٰ قرار پائے۔

زم زم کی کھدائی کے بعد عبدالمطلب کو احساس ہوا کہ اگر ان کے بیٹے زیادہ ہوتے تو قریش مکہ ان سے لڑائی پر آمادہ نہ ہوتے۔ چنانچہ انہوں نے خانہ کعبہ کے مالک اللہ کے حضور دعا

Marfat.com

کی کہ اگر اللہ ان کو دس بیٹے عطا کرے گا تو وہ ایک بیٹا اس کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ اللہ نے عبدالمطلب کی دعا قبول کر لی اور ان کو دس بیٹے عطا کیے۔ عبدالمطلب نے بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کی تھی کہ "خدایا! اگر تو نے مجھے دس بیٹے عطا فرمائے اور سب کے سب جوان ہو کر میرا ہاتھ بٹانے لگیں تو ایک کو تیرے نام پر قربان کر دوں گا"۔

اللہ نے عبدالمطلب کی یہ آرزو پوری کی۔ ان کے بیٹوں کے نام یہ ہیں:۔

حارث، زبیر، ابو طالب، عبداللہ، حمزہؓ، ابولہب (عبدالعزیٰ)، عیداق، مقوم، صفار اور عباسؓ۔

عبدالمطلب کی چھ بیٹیاں بھی تھیں ان کے نام یہ ہیں:۔

اُم الحکیم، برہ، عاتکہ، صفیہ، اروٰی اور امیمہ۔

عبداللہ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ جب اللہ نے عبدالمطلب کی آرزو پوری کر دی اور سب جوان ہو کر اپنے والد عبدالمطلب کا ہاتھ بٹانے لگے تو ایک دن عبدالمطلب نے سب بیٹوں کو جمع کیا اور انہیں اللہ سے مانی ہوئی اپنی نذر کے متعلق آگاہ کیا۔ سب بیٹے بولے "ابا جان! ہم سب دل و جان سے حاضر ہیں، جس کو چاہیں، آپ قربان کر دیں"۔

اس کے بعد عبدالمطلب نے قرعہ کے لیے سب بیٹوں کے نام لکھے تو قرعہ چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا۔ عبداللہ، عبدالمطلب کے سب سے چہیتے بیٹے تھے اور سب بیٹوں مں وہ سب سے زیادہ محبوب بھی تھے۔ لیکن وہ اپنے رب سے مانی ہوئی نذر سے سرِ مو اعراض نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے چھری پکڑی، عبداللہ کی انگلی پکڑی اور قربان کرنے کے لیے خانہ کعبہ کے قریب چاہِ زم زم کے پاس لے آئے کہ وہاں ہی قربان گاہ تھی۔ جس کو اپنے نذرانے یا منت کو عملی جامہ پہنانا ہوتا وہیں لا کر نذر کرتا۔ یہ خبر پورے خاندانِ قریش اور سارے مکہ میں لوگوں پر بجلی بن کر گری، ہر کوئی ہڑبڑا کر خانہ کعبہ کی طرف دوڑ پڑا۔ سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ سب نے عبدالمطلب سے مطالبہ کیا کہ اسے ہرگز ذبح نہ کیجیے۔

جب ہر طرف سے عبدالمطلب کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور عبداللہ کے ننھیال

Marfat.com

والے اور بھائی بھی آڑے آئے تو وہ شش و پنج میں پڑ گئے۔ وہ بولے ''کہ میں رب سے نذر مان چکا ہوں، اب میں نذر پوری کرنے کا پابند ہوں، آخر میں کیا کروں؟ سب نے کہا کہ عبداللہ کی قربانی کے بدلے اگر کوئی فدیہ دینے کی صورت نکل آئے تو ہم راضی ہیں۔ چنانچہ کافی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ یثرب کے اطراف ایک عرافہ عورت ہے وہ اس مسئلے کا حل بتا سکتی ہے۔ عبدالمطلب کچھ ہمراہی لے کر عرافہ کے پاس یثرب پہنچے اور اس سے اس مسئلے کا حل دریافت کیا ''سب کچھ سن کر اس عورت نے کہا'' دس اونٹ اور عبداللہ کے نام کا قرعہ ڈالو۔ اگر قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے تو بہتر ورنہ ہر دفعہ دس دس اونٹ بڑھاتے رہو، یہاں تک کہ تمہارا رب راضی ہو جائے''۔

عبدالمطلب اور ان کے ہمراہیوں نے مکہ واپس آکر عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی مگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ اس کے بعد دس دس اونٹ بڑھاتے گئے اور قرعہ اندازی کرتے گئے مگر قرعہ عبداللہ کے نام ہی نکلتا رہا۔ اس طرح جب سو اونٹ پورے ہو گئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ اب عبدالمطلب، سب بھائیوں، عبداللہ کے ننھالیوں اور شہر والوں کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے۔ لہٰذا قرعہ کے مطابق عبدالمطلب نے سو اونٹوں کی قربانی کی۔ ہر طرف سے عبداللہ اور عبدالمطلب کو مبارکباد دی جانے لگی۔ اہلِ مکہ نے بھی بیک زبان ہو کر کہا'' مبارک ہو، عبدالمطلب! اللہ نے بیٹے کا فدیہ قبول کر لیا''۔

عبداللہ کو اللہ نے بڑے حسن سے نوازا تھا، اٹھتی ہوئی جوانی تھی۔ اللہ نے جب ان کے عوض سو اونٹوں کی قربانی کو شرف قبولیت عطا کیا تو یہ خبر مکہ کے ہر گھر میں مسرت کے ساتھ سنی گئی۔ بہت سے خاندانوں کی خوبصورت عورتیں ان سے شادی کی خواہشمند تھیں۔ عبداللہ پورے مکہ میں دولہا بننے سے قبل ''دولھا'' بن گئے لیکن عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کی شادی کے لیے قریش کے ایک معزز گھرانے کی خاتون آمنہ کا انتخاب کیا۔ آمنہ اعلیٰ حسب ونسب اور بلند مرتبے والی خاتون تھیں اور پورے خاندان میں افضل ترین خاتون شمار ہوتی تھیں، ان سے عبداللہ کی فوراً شادی ہو گئی۔ شادی کے چند ہی ماہ بعد حضرت عبداللہ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام روانہ ہو گئے۔ وہاں سے واپسی پر یثرب میں قیام کے دوران بیمار پڑ گئے۔ تجارتی

Marfat.com

قافلے والوں نے عبداللہ کو علاج معالجہ کے لیے وہیں چھوڑ دیا اور مکہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ کیونکہ ان کے والد کا ننھیال تھا، اس لیے قافلہ والوں نے سمجھا کہ سفر میں تکلیف اٹھانے کی بجائے یہاں بہتر انداز میں علاج کیا جا سکے گا۔

عبداللہ کے بغیر جب تجارتی قافلہ مکہ پہنچا تو عبدالمطلب نے قافلہ والوں سے اپنے بیٹے عبداللہ کے متعلق دریافت کیا۔ قافلہ والوں نے بتایا کہ عبداللہ بیمار تھا، اس لیے اس کو ہم نے مدینہ ہی میں چھوڑ دیا ہے۔ عبدالمطلب نے فوراً اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا کہ وہ عبداللہ کو یہاں مکہ لے آئے۔ یہاں ہم خود اس کا بہتر انداز میں علاج کریں گے۔ لیکن افسوس! جب حارث اپنے بھائی کی خبر گیری کے لیے مدینہ پہنچا تو پتہ چلا کہ عبداللہ کا انتقال ہو چکا ہے اور اسے بنی نجار کے قبرستان میں دفن کر دیا ہے۔ حارث افسردہ حالت میں مکہ واپس لوٹ گیا۔ اس وقت عبداللہ کا بالکل عالم شباب تھا اور عمر صرف پچیس برس تھی۔

جب حارث یہ اندوہناک خبر لے کر مکہ پہنچے تو دادا کے خاندان کے علاوہ حضرت آمنہؓ کا برا حال تھا۔ ان کو جوانی ہی میں بیس سال کی عمر میں بیوگی کے صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ حارث مدینہ سے واپس کیا آیا وہ تو عبداللہ کی بجائے عبداللہ کی موت کی خبر لایا۔ کسے معلوم تھا کہ شام کے اس سفر میں عبداللہ کی زندگی کی شام ہو جائے گی۔ خبر بڑی دردناک تھی۔ عبداللہ کی موت کی خبر کو جس نے سنا، تڑپ اٹھا۔ عبداللہ نے تو نئی زندگی پائی تھی۔ اُن کی جان بچنے پر سب کو غیر معمولی خوشی تھی۔ اچانک اس کی موت کی خبر سن کر سارا شہر سوگوار ہو گیا۔ بوڑھے باپ پر رنج و غم کا پہاڑ آن گرا۔ صدمے سے دل پاش پاش ہو گیا۔ سوچنے لگے کہ میں عبداللہ کو شام نہ بھیجتا تو اچھا تھا۔ عبداللہ نے ترکہ میں پانچ اونٹ، چند بکریاں اور ایک حبشن لونڈی ام ایمن چھوڑے۔

آمنہؓ کا سہاگ ہی اجڑ گیا۔ دل کی دنیا ویران ہو گئی۔ دل کے سارے ارمان دل ہی میں رہ گئے۔ نہ جانے انہوں نے کتنے خواب دیکھے ہوں گے جو شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ عبداللہ سے اللہ کو جو کام لینا منظور تھا وہ پورا ہو گیا تو اللہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اب کوئی فدیہ یا اونٹوں کی قربانی کام نہیں آ سکتی تھی۔

پھر وہ دن آیا کہ آمنہ نے اپنے خسر عبدالمطلب کو پیغام بھجوایا کہ آ کر پوتے کو دیکھ

Marfat.com

لیں۔ عبدالمطلب دوڑے دوڑے آئے اور اپنے چاند جیسے پوتے کو دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئے۔ پھول جیسے بچے کو گود میں لیا۔ سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر کعبہ لے آئے۔ طواف کیا اور بچے کا نام محمدؐ رکھا۔

عبداللہ کے بڑے بھائی عبدالعزی (ابولہب) کی باندی جس کا نام ثوبیہ تھا، بچہ اس کے حوالے کر دیا۔ بچے کو ثوبیہ کے حوالے کرنے سے قبل بی بی آمنہ نے اپنے جگر گوشے کو تین دن دودھ پلایا۔ پھر ثوبیہ نے محمدؐ کو دودھ پلانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ چند دن گزرنے کے بعد ننھے محمدؐ کو حلیمہ دودھ پلانے لے گئی۔ مکہ کے رواج کے مطابق جب حلیمہ نے محمدؐ کو دودھ پلایا تو کچھ عرصہ بعد وہ بچے کو واپس مکہ اس کے والدہ کے پاس لے آئیں۔ چھ سال کی عمر تک آپؐ اپنی والدہ ہی کے پاس رہے۔ وہ اپنی والدہ کی آنکھوں کا تارا تھے۔ شوہر کی کمی اپنی جگہ لیکن والدہ نے اپنے نورِ نظر لختِ جگر کو اپنی تمناؤں کا سہارا بنا لیا۔ ایک دن حضرت آمنہ کا ارادہ ہوا کہ وہ یثرب جا کر اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرے۔ چنانچہ وہ اپنے یتیم بچے محمدؐ اور اپنی خادمہ ام ایمن کو ساتھ لے کر پانچ سو کلومیٹر کا سفر طے کر کے یثرب پہنچ گئیں۔ یثرب محمدؐ کے دادا عبدالمطلب کا ننھیال بھی تھا۔ لہٰذا ان کی وہاں بنونجار کے قبیلہ والوں نے بہت آؤ بھگت کی۔ حضرت آمنہ نے اپنے بیٹے کو وہ مکان دکھایا جہاں ان کے والد کی وفات ہوئی تھی۔ پھر وہ قبر بھی دکھائی جہاں وہ ابدی نیند سو رہے تھے۔

مدینہ میں ایک ماہ قیام کے بعد حضرت آمنہؓ نے مکہ واپسی کا ارادہ کیا۔ انہوں نے ایک دن یثرب میں اپنے رشتہ داروں کو خدا حافظ کہا اور اپنے صاحبزادے اور ام ایمن کو ساتھ لے کر مکہ کے راستے پر چل پڑے۔ آمنہ کی آنکھوں میں رخصتی کے وقت آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی جب ان کے دل میں اپنے محبوب خاوند کے متعلق خیال آیا کہ کس طرح شادی کے ابتدائی مہینوں میں وہ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ واپسی پر یثرب ٹھہرے اور پھر قدرت کا کرنا کیا ہوا کہ وہ یہیں کے ہو رہے۔ جب کہ اس وقت ان کی عمر صرف پچیس سال تھی۔ یہ بالکل ان کا عنفوانِ شباب تھا، جب وہ اپنی محبوب بیوی کو داغِ مفارقت دے گئے۔

ابھی انہوں نے یثرب سے مکہ جاتے ہوئے 23 میل کا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ''ابوا''

Marfat.com

کے مقام پر آمنہ بیمار پڑ گئیں۔ جسم میں درد کی شدت نے آگے سفر جاری نہ رکھنے پر مجبور کر دیا۔ تینوں مسافروں کا یہ چھوٹا سا قافلہ ایک درخت کے سایہ تلے آرام کرنے کی غرض سے رک گیا۔ آپؐ سے والدہ کی بے چینی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ حالانکہ اس وقت آپؐ چھ سال کے بچے تھے لیکن اس کے باوجود اپنی والدہ کی تکلیف کی شدت کو بخوبی محسوس کر رہے تھے۔ آپؐ کے دل میں طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ دل تھا کہ سنبھلنے نہیں پا رہا تھا۔

آپؐ نے اپنے کھوئے ہوئے حواس کو مجتمع کیا اور اپنی پیاری والدہ سے پوچھا:۔

''پیاری اماں جان! آپ کیسی ہیں''؟ والدہ نے اپنے لختِ جگر کو جو پہلے ہی اپنے باپ کی شفقت سے محروم ہو چکا تھا، مزید پریشان نہیں دیکھنا چاہتی تھی کہا:

''میرے بیٹے میں بہتر ہوں، آپؐ پریشان نہ ہوں'' والدہ نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر پانی مانگا۔ آنحضورؐ نے اپنے ساتھ لائی ہوئی پانی کی چھاگل سے پانی نکال کر والدہ کو پیش کیا۔ پانی پینے کے بعد والدہ نے محبت بھری نظروں سے اپنے لختِ جگر کو دیکھا۔ نہ جانے وہ اس نظر میں اپنے بیٹے کو کوئی پیغام دینا چاہتی تھیں۔ اس ''پیغام'' کو فرمانبردار بیٹا تصور میں بھی لانا نہیں چاہ رہا تھا۔ آپؐ نے اپنی والدہ کا سر مبارک اپنی گود میں لے لیا۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بارش کے موتیوں کی صورت بہہ نکلے جو والدہ کے شانوں پر گر رہے تھے۔ حضرت آمنہؓ کو یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ اپنے آخری سفر پر روانہ ہونے والی ہیں، اب ان کا بچنا مشکل ہے۔ آمنہؓ نے اپنے نورِ نظر لختِ جگر کا ہاتھ اپنے دل پر رکھا اور کہا کہ ''اے بیٹا! اللہ آپؐ کی حفاظت کرے۔ ہر ایک روح کو واپس جانا ہے میں بھی جا رہی ہوں''۔ انہوں نے یہ الفاظ اشعار کی صورت میں کہے۔ یہ الفاظ کہنے کے بعد آمنہؓ کے جسم سے روح آسمانوں کی طرف پرواز کر گئی۔

Marfat.com

حضرت آمنہؓ کی جب گردن ایک طرف ڈھلک گئی تو آپؐ یہ کہتے ہوئے اپنی ماں سے لپٹ گئے ''اماں......اماں......آپ بولتی کیوں نہیں ہیں''؟

''ابوا'' کے گاؤں والوں نے آپؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ کو وہیں دفن کردیا پھر پیچھے مڑ کر لوگوں نے دیکھا آپؐ دفنانے کے بعد قبر سے لپٹ کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے ''ماں......آپ کہاں چلی گئیں، مجھے چھوڑ کے کہاں چلی گئیں''؟ ام ایمن آپؐ کے چہرے سے آنسو پونچھتی رہیں۔ آپؐ کی والدہ ماجدہ کی وفات 576ء میں ہوئی، اس وقت والدہ کی عمر صرف بیس سال اور آپؐ کی عمر چھ سال تھی۔

Marfat.com

Marfat.com

امہات المومنینؓ

''اے نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو''

(سورہ احزاب۔ 32)

Marfat.com

Marfat.com

اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی

خدیجہ نام تھا۔ طاہرہ لقب اور باپ کا نام خویلد، والدہ کا نام فاطمہ بنت زید بن اصم بن ہرم تھا۔ قصیٰ، جو حضرت خدیجہ کے پردادا تھے، حضرت رسولِ اکرمؐ کے بھی جدِ اعلیٰ تھے۔ اس طرح تیسری نسل سے آپ کا شجرہ آنحضورؐ سے جاملتا ہے۔ حضرت خدیجہ کی والدہ فاطمہ آنحضورؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی دور کی رشتے کی بہن (کزن) بھی لگتی تھیں۔ آپ 555ء میں مکہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ عرب کے قریش خاندان کی شریف النفس اور مقدس خاتون تھیں۔ آپ کے والد کا بہت وسیع کاروبار تھا اور مکہ میں بہت بڑے تاجر تھے۔

حضرت خدیجہ کو اپنے والد کے کاروبار سے بہت زیادہ مال و دولت ملا۔ آپ نے محنت اور دیانت سے والد کے چھوڑے ہوئے کاروبار کو وسعت دی۔ گرمیوں کے موسم میں ملک شام اور سرد موسم میں آپ کے تجارتی قافلے یمن جایا کرتے، جن سے بہت زیادہ منافع حاصل ہوتا۔ آنحضورؐ کی زندگی میں آنے سے قبل آپ کی تین شادیاں ہو چکی تھیں اور آپ بیوہ بھی تھیں۔ آپ اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل سے بھی منسوب تھیں لیکن کسی وجہ سے ان سے نکاح نہ ہوا۔ ورقہ بن نوفل اور حضرت خدیجہ اللہ کی واحدانیت کے قائل تھے اور بُت پرست نہ تھے۔ ورقہ بن نوفل بہت بڑے ایک نصرانی عالم تھے اور توریت و انجیل پر عبور رکھتے تھے۔ وہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ عنقریب عرب میں ایک آخری رسول اللہ کی طرف سے آنے والا ہے۔

جب آنحضورؐ پر اللہ نے غارِ حرا میں پہلی وحی بھیجی تو حضرت خدیجہ جو اس وقت آپؐ

Marfat.com

کی زوجہ محترمہ تھیں، آپؐ کو ورقہ بن نوفل ہی کے پاس لے کر گئیں تھیں۔ انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ "محمدؐ اللہ کے آخری نبیؐ ہیں۔ ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہ تو وہی فرشتہ، جبرائیلؑ ہے جو اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا"۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا۔

حضرت خدیجہ کے پہلے خاوند کا نام مالک بن زرارہ تھا اور ابو ہالہ کہ کنیت تھی۔ اس خاوند سے دو بیٹیاں ہالہ اور ہند پیدا ہوئیں۔ اس وجہ سے آپ کی کنیت ام ہند تھی۔ ابو ہالہ کا باپ اپنی قوم میں بڑا شریف خیال کیا جاتا تھا۔ ابو ہالہ کے مرنے کے بعد عتیق ابن عابد اور عتیق کے بعد صیفی ابن امیہ جو حضرت خدیجہ کے ابن عم تھے، نے آپ کی شوہری کا مرتبہ پایا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد صیفی بھی انتقال کر گئے۔ اب حضرت خدیجہ بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ اب آپ نے اپنی توجہ اپنے کاروبار پر دی ہوئی تھی۔

جب آنحضورؐ 25 سال کے ہوئے، اس وقت آپؐ کے پاکیزہ اخلاق، دیانتداری اور سچائی کی مکہ میں کافی شہرت تھی۔ پورے علاقے میں آپؐ صادق اور امین کے لقب سے پہچانے جاتے تھے۔ حضرت خدیجہ کی نگاہیں پہلے ہی ایسے نیک شہرت والے شخص کی متلاشی تھیں۔ انہوں نے ایک دن آپؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپؐ میرا مال تجارت شام لے جایا کریں۔ اس سے قبل آپؐ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام جایا کرتے تھے۔ تجارت کا کسی حد تک تجربہ بھی تھا۔ آپؐ کو جب حضرت خدیجہؓ کا تجارتی قافلہ شام لے جانے کا پیغام ملا تو آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے رجوع کیا۔ وہ بھی حضرت خدیجہ کی تجارتی سرگرمیوں کے متعلق آگاہ تھے۔ انہوں نے آپؐ کو اجازت دے دی اور آپؐ نے خدیجہ کا تجارتی قافلہ شام لے جانے کی ہامی بھر لی۔ اس قافلے میں حضرت خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو ہمراہ کر دیا۔ شام میں حضرت خدیجہ کا سارا تجارتی مال اچھے نرخوں پر فروخت ہوا۔ جب مکہ واپس آ کر آپؐ نے نفع کا حساب کیا تو جتنا نفع پہلے ہوا کرتا تھا اس دفعہ اس سے دگنا تھا۔ حضرت خدیجہ بہت خوش ہوئیں اور جتنی رقم آپ کے لیے مختص کی تھی، وہ آپؐ کو خوشی خوشی ادا کر دی۔

اس دوران حضرت خدیجہ کو آنحضرتؐ کے کافی حالات معلوم ہو چکے تھے اور آپ کی

Marfat.com

نگاہوں میں حضورؐ کی قدر و منزلت بڑھ رہی تھی۔ حضرت خدیجہ کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوا کہ کیوں نہ آپؐ کی خدمت میں شادی کا پیغام بھیجا جائے۔ ایک دن حضرت خدیجہ نے اپنی لونڈی نفیسہ کو آپؐ کی خدمت میں نکاح کا پیغام دے کر بھیجا۔ آپؐ کی طرف سے جب نکاح کا مثبت اشارہ ملا تو حضرت خدیجہ نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بلا بھیجا کیونکہ حضرت خدیجہ کے سرپرست والدِ مکرم فوت ہو چکے تھے اس لیے اس وقت آپ کے سرپرست عمرو بن اسد ہی تھے۔

حالانکہ اس وقت مکہ کے بڑے بڑے رئیس لوگ حضرت خدیجہ سے شادی کے خواہش مند تھے لیکن آپ کے معیار پر سوائے حضرت محمدؐ کے کوئی اور پورا نہ اتر سکا کیونکہ آپؐ اخلاقیات، کردار اور گفتار میں سب سے اعلیٰ وارفع تھے، کوئی بھی مرد آپؐ کے حسنِ کردار کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

جب آپؐ سے شادی کی بات طے پا گئی تو حضور اکرمؐ کی طرف سے شادی کے انتظامات آپؐ کے چچا ابو طالب نے کیے اور حضرت خدیجہ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد نے۔ حضرت حمزہؓ اور ابو طالب کے ہمراہ آپؐ کے خاندان کے تمام اکابرین حضرت خدیجہ کے گھر جمع ہوئے۔ آپؐ کے چچا ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال اور آنحضورؐ کی عمر پچیس سال تھی، حضرت خدیجہ آپؐ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ اس مبارک موقع پر حضرت خدیجہ نے آنحضورؐ کی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کو بطورِ خاص دعوت دے کر بلایا۔ رسمِ شادی کے اختتام پر حضرت خدیجہ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کو 40 بکریاں، ایک اونٹ اور کافی دوسرے قیمتی تحائف دے کر رخصت کیا۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپؐ نے 25 سال ایک مثالی خاوند کی طرح گزارے۔

حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپؐ کے چھ بچے پیدا ہوئے، جن میں دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے:۔

1۔ قاسم بن محمدؐ:

جب حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اس وقت آپؐ کی عمر 29 سال تھی۔ حضرت قاسم

Marfat.com

نے بچپن ہی میں دو سال کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت قاسم ہی کے نام سے آپ ؐ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔

2۔ زینب بنت محمدؐ:

بعثت سے دس سال قبل زینب پیدا ہوئیں۔ اس وقت آپ ؐ کی عمر 30 سال تھی اور وہ 31 سال کی عمر میں 8ھ میں مدینہ میں فوت ہوئیں۔

3۔ رقیہ بنت محمدؐ:

بعثت سے سات سال قبل جب آپ ؐ کی عمر مبارک 33 سال تھی۔ حضرت رقیہ پیدا ہوئیں۔ آپ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا۔ آپ نے 2ھ میں 22 سال کی عمر میں وفات پائی۔ جب آپ ؐ غزوہ بدر سے فاتح بن کر مدینہ میں داخل ہوئے تو اس وقت حضرت رقیہ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دفن کیا جا رہا تھا۔

4۔ حضرت ام کلثوم بنت محمدؐ:

آپ ؐ کی عمر کے 34ویں سال بعثت سے 6 سال قبل ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ آپ کی شادی آپ کی بہن حضرت رقیہ کے فوت ہو جانے کے بعد حضرت عثمانؓ سے ہوئی۔ آپ نے 9ھ میں 28 سال کی عمر میں وفات پائی۔

5۔ فاطمہ بنت محمدؐ:

جب آپ ؐ کی عمر 35 سال تھی تو بعثت سے 5 سال قبل حضرت فاطمہ پیدا ہوئیں۔ آپ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی اور آنحضورؐ کی وفات کے چھ ماہ بعد 11ھ میں 29 سال کی عمر میں وفات پائی۔

6۔ عبداللہ بن محمدؐ:

آپ کا لقب طاہر اور طیب بھی تھا۔ آپ کم سنی میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔
حضرت خدیجہؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ آنحضورؐ کی پہلی زوجہ محترمہ تھیں اور

Marfat.com

آپؓ ہی کو امتِ مسلمہ کی پہلی اُمُّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے تمام مسلمانوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ یقیناً یہ اعزازات کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہیں جن اعزازات سے اللہ نے آپ کو نوازا۔

جب آنحضورؐ کو غارِ حرا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کی ذمہ داری سونپی گئی تو تمام اہل مکہ آپؐ کے دشمن ہو گئے۔ ایسے موقع پر حضرت خدیجہ ہی تھیں جنہوں نے نہ صرف سب سے پہلے اسلام قبول کیا بلکہ اپنے خاوند اور پیغمبرِ اسلامؐ کی ہر طرح سے مالی، اخلاقی او مادی طور پر مدد بھی کی۔ آپ نے اپنی تمام دولت اشاعتِ اسلام کے لیے وقف کر دی۔ آپ نے پچیس سال حضورؐ انور کے ساتھ ایک بہترین زوجہ کی حیثیت سے بسر کیے۔ کئی دفعہ جب جبرائیل اللہ کی طرف سے وحی لے کر آتے تو انہوں نے اللہ کی طرف سے آپ کو سلام بھی پیش کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُللہ تعالیٰ حضرت خدیجہؓ سے کس قدر خوش تھے۔

حضرت خدیجہؓ اپنی اولاد پر مہربان تھیں اور امورِ خانہ داری سے کما حقہ، واقف تھیں۔ گھر کا نظام احسن طریقہ سے چلایا۔ آنحضورؐ کو 25 سالہ زندگی میں کبھی بھی کسی شکایت کا موقع نہ دیا۔ آپؐ کی خدمت حضرت خدیجہؓ کا شعار رہا۔ جو کچھ آپؐ فرماتے بلا کسی پس و پیش آپؓ اس کی تصدیق کرتیں تھیں اور آپؓ کی یہ حالت تمام عمر قائم رہی، بعثت سے قبل بھی اور بعثت کے بعد بھی۔

حضرت خدیجہؓ کے غیر معمولی تعاون کی وجہ سے آپؐ کو کافی حوصلہ ملا۔ نکاح کے بعد سارے کاروبار کا انتظام انہوں نے آپؐ ہی کو سونپ دیا۔ اسی کے پیشِ نظر اللہ نے قرآن میں آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا: الم یجدك یتیماً فاوی ووجدك عائلاً فاغنیٰ (والضحی)

سب اہلِ مکہ نے آپؐ کو اور آپؐ کے خاندان کو شعب ابی طالب میں رہنے پر مجبور کر دیا تو تین سال تک حضرت خدیجہؓ ہی تمام محصورین کا خرچ برداشت کرتی رہیں۔ آپؓ اس وقت بھی صبح و شام حضورؐ کے ساتھ مل کر نماز پڑھتی تھیں جب کہ ابھی مسلمانوں پر نماز فرض نہیں ہوئی تھی۔ جب تک آپؓ زندہ رہیں حضورؐ نے کسی سے شادی نہ کی۔

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

''چار عورتوں کو دنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے: مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون، خدیجہؓ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ''

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے زمین پر چار خط کھینچے اور فرمایا:

''تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''جنتی عورتوں میں سب سے زیادہ افضل چار خواتین ہیں'' خدیجہؓ بنت خویلد، فاطمہؓ بنت محمدؐ، مریمؑ بنت عمران، آسیہؑ بنت مزاہم (اہلیہ فرعون)''

آنحضرتؐ جنتی تعریف حضرت خدیجہؓ کی کیا کرتے، بیویوں میں اور کسی کی اتنی نہ کی۔ ایک بار خدیجہؓ حضورؐ کی تلاش میں نکلیں، یہ وہ زمانہ تھا جب سارا عرب آپؐ کا دشمن ہو چکا تھا۔ راستے میں حضرت جبرائیلؑ آپؓ کو ایک مرد کی صورت میں ملے۔ انہوں نے حضرت خدیجہؓ سے نبی اکرمؐ کے متعلق دریافت کیا، یہ ڈر گئیں کہ کوئی دشمن نہ ہو جو آپؐ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دینا چاہتا ہے۔ گھر پہنچ کر آپؐ سے ملیں تو اس واقعے کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا'' وہ جبرائیل تھے، مجھ سے کہہ گئے ہیں، تم کو ان کا سلام پہنچا دوں اور تمہارے لیے جنت میں ایسا گھر ملنے کی بشارت سنا دوں جو مبارک درخت زیتون سے بنا ہوگا، جس میں شور وشغب، محنت اور تکلیف کا گزر نہ ہوگا۔''

حضرت خدیجہؓ ہجرت سے تین سال قبل 10ن رمضان المبارک (619ء) کو مختصر علالت کے بعد اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ آنحضورؐ نے اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا کیونکہ اسی سال آنحضرت کے چچا حضرت علیؓ کے والد حضرت ابو طالب بھی فوت ہوئے تھے۔ اس وقت ابھی نماز فرض نہیں ہوئی تھی۔ آپؓ کی وفات کے وقت ابھی نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی جاتی تھی۔ آنحضورؐ نے اپنے ہاتھوں سے انہیں قبر میں اتارا۔ آپؓ مکہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت حضرت خدیجہ الکبریٰ کی عمر 65 سال تھی۔ اس وقت آپؓ کی سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی عمر پندرہ سال تھی۔

Marfat.com

آپ ؐکا یہ حال تھا کہ حضرت خدیجہ ؓ کی وفات کے بعد جب تک آپ ؐحضرت خدیجہ ؓ کا ذکر کر کے اُن کی اچھی طرح تعریف نہ کر لیتے، گھر سے باہر تشریف نہ لے جاتے تھے۔ آپ ؐ اپنی دوسری ازواج مطہرات ؓ کے سامنے فرماتے "بخدا، مجھے ان سے بہتر بیوی نہیں ملی، وہ اس وقت ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے۔ انہوں نے میری تصدیق اس وقت کی، جب سب نے مجھے جھٹلایا، اس نے میری مال سے اس وقت مدد کی، جب دوسروں نے محروم رکھا اور اللہ نے مجھے اس سے اولاد جیسی نعمت سے نوازا"۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم جو آپ ؐ کے نابینا صحابی تھے، وہ مسجد نبوی ؐ میں حضرت بلال ؓ کے ساتھ مؤذن تھے۔ حضور ؐ جب مدینہ سے باہر غزوات پر تشریف لے جاتے تو وہ آپ ؐ کی غیر موجودگی میں اللہ کے رسول ؐ کے حکم کے مطابق مسجدِ نبوی ؐ میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے، وہ حضرت خدیجہ ؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ اس لیے آنحضور ؐ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ کا بہت خیال کرتے اور ان کی عزت کرتے۔

Marfat.com

اُمُّ المومنین حضرت سودہؓ

آپ کا نام سودہؓ والد کا نام زمعہ بن قیس اور والدہ کا نام شموس تھا۔ آپ کا پہلا نکاح سکران بن عمرو سے ہوا۔ آپ کے خاوند سکران اور آپ نے اسلام کے ابتدائی ایام میں ہی اکٹھے اسلام قبول کیا اور بعد میں اکٹھے ہی حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ دونوں کا تعلق قریش سے تھا۔

ابن سعد نے لکھا کہ جس زمانہ میں حضرت سودہؓ اپنے پہلے شوہر سکران بن عمرو کے پاس تھیں، آپ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضورؐ آئے اور آپؐ نے اپنے پاؤں سودہ کی گردن پر رکھ دیئے۔ سودہ نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ''بخدا، اگر تو نے واقعی یہ خواب دیکھا ہے تو میں مر جاؤں گا اور اس کے بعد سودہؓ نے پھر ایک رات دیکھا کہ میں تکیہ کے سہارے لیٹی ہوں اور آسمان کا چاند میرے اوپر گر پڑا ہے۔ سودہؓ نے اس خواب کا ذکر بھی اپنے شوہر سکران سے کیا۔ سکران نے کہا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ عنقریب میری وفات ہو جائے گی اور تم میرے بعد نکاح کرو گی اور واقعی چند ہی دن گزرے تھے کہ آپؓ کے خاوند سکران کا مکہ میں انتقال ہو گیا۔

آپؐ حضرت خدیجہؓ کے وصال کے بعد بہت مغموم رہنے لگے تھے۔ آخر آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ 25 سال (ربع صدی) اکٹھے گزارے تھے۔ بچوں کی دیکھ بھال کا بھی مسئلہ تھا۔ والدہ کی وفات کے وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال تھی۔ آپؐ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ (جنت البقیع میں سب سے پہلے دفن ہونے والے) کی بیوی خولہ

Marfat.com

جو رشتہ میں حضرت خدیجہؓ کی بہن تھیں اور حضرت سودہؓ کی قابلِ اعتماد دوست بھی تھیں، ایک دن آپؐ کے پاس آئیں اور کہا ''یارسول اللہ! میں خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ کو بہت ملول دیکھتی ہوں اور آپؐ تنہائی کا شکار بھی رہنے لگے ہیں۔ گھر میں بچیاں بھی ہیں، جن کی نگہداشت کے متعلق آپؐ کو فکر لاحق رہتی ہے'' آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، تم صحیح کہہ رہی ہو''۔ خولہؓ نے پھر کہا ''پھر میں آپ کا کیوں نہ نکاح کروا دوں''؟ آنحضورؐ نے مثبت میں جواب دیا تو حضرت خولہؓ سیدھی اپنی دوست سودہؓ کے ہاں پہنچی اور ان کو خوش خبری سنائی کہ آنحضورؐ آپ سے نکاح کے خواہشمند ہیں'' یہ سن کر سودہؓ بہت خوش ہوئیں مگر خولہؓ کو کہا کہ میرے والد سے بھی دریافت کرلو۔

سب مراحل ہو جانے کے بعد آپ کے والد زمعہ نے آنحضورؐ سے (400) درہم حق مہر کے عوض حضرت سودہؓ کا نکاح پڑھا دیا۔ آپ کے باپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے اپنے ایک رشتہ دار حاطب بن عمرو بن وعبد شمس کو سودہؓ کا ولی بنا دیا۔ اس طرح یہ نکاح بعثت کے دسویں سال انجام پایا۔ اس وقت حضرت سودہؓ کی عمر 55 برس تھی۔ حضرت سودہؓ پہلی خاتون تھیں جو حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ کے نکاح میں آئیں۔

مکہ سے مدینہ ہجرت کے وقت حضرت سودہؓ، حضورؐ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ، ام ایمنؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ بن زید حضرت زیدؓ بن حارث کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ حضرت سودہؓ کا قد نکلتا ہوا تھا، اپنے درازی قد کی وجہ سے دور ہی سے پہچان لی جاتی تھیں، حجتہ الوداع کے موقع پر 10 ھ میں حضرت سودہؓ آنحضورؐ کے ہمراہ تھیں۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ ایک دن سب ازواجِ مطہرات جمع تھیں۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا ''یارسول اللہ! ہم میں سے کون سب سے پہلے آپؐ سے ملے گا''؟ آپؐ نے فرمایا ''جو تم میں سب سے زیادہ بڑے ہاتھ والا ہوگا'' آنحضورؐ کی وفات کے بعد سب ازواجِ مطہرات ایک دوسرے کے ہاتھ ناپا کرتی تھیں۔ قد کی طرح حضرت سودہؓ کے ہاتھ بھی بڑے تھے۔ جب سب سے پہلے ازواجِ رسولؐ میں حضرت زینبؓ بنت جحش کی وفات ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپؐ کی طولِ ہاتھ سے مراد صدقہ دینے والا ہاتھ تھا، جو حضرت زینبؓ کو بہت

Marfat.com

محبوب تھا۔

حضرت سودہؓ بہت باایثار اور سخی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت سودہؓ کے پاس تھیلی میں کچھ درہم بھیجے۔ حضرت سودہؓ نے وہ درہم اسی وقت غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیئے۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت 22ھ میں حضرت سودہؓ انتقال کر گئیں۔ حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپؓ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دفنایا گیا۔ اس وقت آپؓ کی عمر 80 سال تھی۔ آپؓ وہ خاتونِ خانہ نبوتؐ تھیں جنہوں نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ان کے بچوں کو ایک حقیقی ماں کا پیار دیا۔ آپؓ سے پندرہ احادیث بھی مروی ہیں۔

Marfat.com

اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

آپ کا نام عائشہ، ام عبداللہ کنیت، والدِ مکرم کا نام ابو بکرؓ اور والدہ ماجدہ کا نام ام رومان تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت پر آنحضرتؐ سے جا ملتا ہے۔ اُمُّ المومنین کا خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ سمیت سب ازواجِ مطہرات کو ملا۔ جس طرح قرآن پاک میں ارشاد ہے اور اللہ تعالیٰ نے براہِ راست آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:۔ ترجمہ:

''اے نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں'' (سورہ احزاب: آیت 32)

اللہ کے اس ارشاد سے قبل آپ کو ام عبداللہ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ آپ نے ایک بار آنحضورؐ سے عرض کیا کہ'' آپ کی تمام بیویوں نے اپنی سابقہ اولادوں کے نام پر کنیت رکھ لی ہے، میں اپنی کنیت کس کے نام پر رکھوں''؟ آپؐ نے فرمایا'' اپنے بھانجے عبداللہ کے نام پر رکھ لو''۔ چنانچہ اسی دن سے حضرت عائشہؓ کی کنیت ام عبداللہ قرار پائی۔ (عبداللہ آپ کی بہن حضرت اسماء کے صاحبزادے تھے۔ ہجرت کے بعد مہاجرین میں سب سے پہلی پیدائش قبا میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی ہی ہوئی تھی)۔

آپ کا تعلق جس گھرانے سے تھا وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کے والدِ مکرم حضرت ابو بکرؓ صدیق نبی اکرمؐ کے سب سے قریبی ساتھیوں اور سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے۔ آپؐ کے وصال کے بعد پہلے خلیفۂ راشد بننے کی سعادت حضرت ابو بکر صدیقؓ کو

Marfat.com

ہی حاصل ہوئی۔حضرت عائشہؓ پیدائشی مسلمان تھیں۔

آنحضورؐ سے آپ کا نکاح ہجرتِ مدینہ سے دو سال قبل ہوا تھا۔اس وقت آپؓ کی عمر سات سال تھی۔حق مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا۔حضرت عائشہؓ نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک اپنے میکے ہی میں رہیں، دو برس تین ماہ مکے میں اور سات، آٹھ ماہ ہجرت کے بعد مدینہ میں۔ حضرت عائشہؓ کا نکاح جس سادگی سے ہوا، اس کا اندازہ خود ان کی روایت سے ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں ''جب جنابِ رسول اللہؐ نے مجھ سے عقد فرمایا تو میں اپنی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ جب میری والدہ نے مجھے گھر سے باہر نکلنے سے منع فرمایا، اس وقت مجھے نکاح کا حال معلوم نہ تھا''۔اس نکاح کی بشارت آنحضورؐ کو پہلے ہی ہو چکی تھی۔آپؐ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص کوئی چیز ریشم میں لپیٹ کر رکھ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ آپؐ کی ہے۔ آپؐ نے اسے کھولا اس ریشم میں لپٹی ہوئی حضرت عائشہ تھیں۔

جب آپؐ مدینہ پہنچ گئے تو آپؐ نے اپنے اہلِ خانہ کو مکہ سے مدینہ لانے کے لیے زیدؓ بن حارثہ اور اپنے غلام ابو رافعؓ کو بھیجا۔ان دونوں کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے دیئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی ان کے ساتھ عبداللہ بن اریقط کو دو تین اونٹ دے کر روانہ کر دیا اور اپنے بیٹے عبداللہ کو کہلا بھیجا کہ حضرت عائشہؓ بہن اسماء اور اپنی والدہ ام رومان کو مدینہ ساتھ لے آئیں۔مکہ سے یہ سارا قافلہ جس میں حضرت فاطمہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور اُمُّ المومنین حضرت سودہؓ، ام ایمنؓ، اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن ابو بکرؓ کے ہمراہ حضرت ام رومانؓ، عبداللہ، عائشہؓ اور اسماءؓ تھیں۔ جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا اس وقت آنحضورؐ مسجدِ نبویؐ اور اس کے پاس اپنے اہلِ خانہ کے لیے حجرے تیار کروا رہے تھے۔ جب وہ تیار ہو گئے تو ایک مکان میں حضرت سودہؓ اور آپؐ کی صاحبزادیاں ٹھہرا دی گئیں۔حضرت عائشہؓ جن کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ان کی والدہ بنو حارثؓ کے محلہ میں اپنے عزیزوں کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کے گھر میں ٹھہریں۔

ایک دن حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ سے عرض کیا ''اب آپؐ عائشہؓ کو رخصت کیوں نہیں کروا لیتے''؟ آپؐ نے فرمایا ''مہر کی رقم نہ ہونے سے مجبور ہوں''۔حضرت ابو بکرؓ نے اپنے پاس سے مہر کے 500 درہم بطورِ قرض آپؐ کی خدمت میں پیش کیے۔وہی آپؐ نے حضرت

Marfat.com

عائشہؓ کے پاس بھجوا دیے۔ حضرت عائشہؓ کی رخصتی شوال ۱ ھ میں ہوئی۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر 9 سال تھی۔

انصار کی عورتیں دلہن کو رخصت کروانے حضرت ابو بکرؓ کے گھر پہنچیں۔ حضرت عائشہؓ کی والدہ ام رومان نے بیٹی کو آواز دی۔ حضرت عائشہؓ اس وقت اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ والدہ کی آواز پر بھاگی بھاگی آئیں۔ والدہ نے منہ ہاتھ دھلا کر بال سنوارے، کنگھی کی اور پھر آپؓ کو دلہن بنایا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت عائشہؓ کو لینے آنحضرتؐ بھی تشریف لائے۔ اس طرح حضرت عائشہؓ کی رخصتی نہایت سادگی سے عمل میں آئی۔ اہلِ عرب ماہ شوال میں شادی نہ کرتے تھے اور اس مہینے کو منحوس خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی شادی اور رخصتی اسی ماہ میں ہوئی۔ حضرت عائشہؓ اس مہینے شادی کی تقریب زیادہ پسند کرتی تھیں۔ آپؓ فرمایا کرتی تھیں ''میرا نکاح اور رخصتی دونوں ماہِ شوال میں ہوئیں، شوہر کے نزدیک مجھ سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا''؟۔

آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ سے بہت محبت تھی حتیٰ کہ فضل و کمال اور دیگر اوصاف کے اعتبار سے آپؐ کو حضرت عائشہؓ تمام ازواج سے زیادہ محبوب تھیں۔ اس بات کا اندازہ آپؐ کے ارشاد سے ہوسکتا ہے کہ ''الٰہی! جو چیز میرے امکان میں ہے یعنی (مساوات بین الازواج) میں اس میں عدل کرنے کی انتہائی کوشش کروں گا لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (یعنی عائشہؓ کی قدر و محبت) اس کو معاف کرنا'' ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے آپ سے پوچھا ''آپؐ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز کون ہے''؟ فرمایا عائشہؓ پھر پوچھا اور مردوں میں۔ آپؐ نے فرمایا ''عائشہؓ کا باپ''۔

یہی حال حضرت عائشہؓ کا تھا۔ وہ بھی محسنِ کائناتؐ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ چنانچہ بعض دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت عائشہؓ رات کو بیدار ہو جاتیں اور آپؐ کو پاس نہ دیکھتیں تو مضطرب ہو جاتیں۔ بوقتِ وصال آنحضورؐ نے جن کپڑوں میں وصال فرمایا، حضرت عائشہؓ نے بڑی محبت اور چاہت سے انہیں محفوظ رکھا۔ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو آپؐ کا تہبند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ اللہ کی قسم آپؐ نے انہی کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا۔

Marfat.com

حضرت عائشہؓ کی زندگی میں اللہ نے جہاں اتنی خوشیاں دکھائیں کہ آقائے دو جہاںؐ کو آپ سے بے حد محبت تھی وہاں آپ کو چند صبر آزما آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑا۔ لہذا جب آپ آزمائشوں سے کامیاب و کامران ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر قرآن پاک میں کیا اور سورہ نور کی آیات میں آپ کی برأت نازل ہوئی۔ یہ آیات قیامت تک پڑھی جاتی رہیں گی۔ ایسا رُتبہ بھی ہر ایک کے نصیب میں کہاں؟ جب آپ پر تہمت لگائی گئی تو جہاں منافقین کو اس بات کی تشہیر کرنے کا موقع ملا، آپؓ بھی نہایت مغموم ہو گئے اور دن رات پریشان رہنے لگے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی شان میں قرآن پاک کی آیات نازل فرمائیں تو منافقین کے چہروں پر لعنت برسنے لگی اور تمام مسلمانوں کے چہرے کھل اٹھے۔ اللہ جل شانہ نے آپؓ کی پاک دامنی پر حرف نہ آنے دیا اور قرآن پاک میں واضح آیات نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو افك مبین کے الفاظ سے نوازا۔

اس وقت آپ کی والدہ نے حضرت عائشہؓ سے کہا ''بیٹی اٹھو اور اپنے شوہر کے قدم لو' حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ ''میں صرف اپنے اللہ کی شکر گزار ہوں اور کسی کی ممنون نہیں''۔

آپؓ کے والد حضرت ابوبکرؓ کی مالی حیثیت مستحکم تھی، یوں حضرت عائشہؓ کا بچپن خوشحالی میں گزرا۔ آپؓ رخصت ہو کر جس گھر میں آئیں وہاں کوئی محل نہ تھا بلکہ ایک اللہ کے پیغمبر کا گھر تھا، مسجدِ نبویؐ سے ملا ہوا ایک حجرہ جس کا دروازہ مسجدِ نبویؐ کے صحن کی طرف کھلتا تھا۔ یہ حجرہ سات آٹھ ہاتھ لمبا چوڑا تھا۔ اس کی دیواریں مٹی اور گارے کی تھیں۔ کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کی چھت تھی۔ اس چھت پر ایک کمبل پڑا رہتا تھا تاکہ بارش کے پانی سے بچاؤ رہے۔ اس حجرے کی چھت کی اونچائی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر اپنے ہاتھوں سے چھت کو بآسانی چھو سکتا تھا۔ گھر کی کل کائنات میں ایک چارپائی جو کھجور کے پتوں کی رسیوں سے بُنی ہوئی تھی، ایک چٹائی، ایک بستر، آٹا اور کھجوریں رکھنے کے دو مٹکوں، پانی کا برتن اور ایک پیالے پر مشتمل تھا۔ سرورِ کائناتؐ کے گھر کی یہ کل کائنات تھی اور اسی کائنات پر آقائے دو جہاںؐ اور آپؐ کی ازواجِ مطہرات کو فخر تھا۔ آپؐ چاہتے تو رب کائنات آپؐ کے لیے سونے چاندی کے خزانوں کے منہ کھول دیتے، لیکن آپؐ نے فرمایا: ''الفقر و فخری'' یعنی فقر کو فخر قرار دیا۔ یہی آپؐ کی شانِ امارت تھی۔

Marfat.com

حضرت عائشہؓ چونکہ کم عمر تھیں، لہذا گھر کے انتظام میں کبھی کبھار سستی بھی ہو جاتی۔ آٹا گوندھ کر رکھتیں اور بے خبر سو جاتیں، بکری آتی اور کھا جاتی۔ ایک دن آپؓ نے آٹا پیسا اور اس کی ٹکیاں بنائیں، آنحضورؐ کا انتظار کرتے کرتے آپؓ کی آنکھ لگ گئی، پڑوسی کی بکری آئی اور سب کچھ کھا گئی۔ کیونکہ اوائل عمر ہی میں آپؓ کی شادی ہوگئی تھی، کھانا پکانے میں بھی ایسی خاص ماہر نہ تھیں، لیکن آپ گھر کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتی اور خود ہی گھر کی صفائی کرتیں، خود ہی ہاتھ کی چکی سے آٹا پیستیں، گوندھتیں اور روٹی پکاتی تھیں۔ آپؐ کے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوتیں، آنحضورؐ کے بالوں کو دھو کر کنگھا کرتیں، آپؐ کو عطر لگاتیں۔ آپؐ مسواک کا استعمال بہت اہتمام سے کرتے تھے آپؐ کی مسواک کا خاص خیال رکھتیں۔

حضرت عائشہؓ گھر آئے مہمانوں کی خاطر مدارت مین کمی نہ کرتیں۔ بعض اوقات آنحضورؐ کے ساتھ کچھ مہمان آ جاتے تو ان کی میزبانی میں کوئی کسر نہ چھوڑتیں۔ آپؓ نہ صرف گھریلو انتظام کی ذمہ داری کو ادا کرنے کی کوشش کرتیں بلکہ نبی اکرمؐ کے تعلقات کو بھی احسن طریقے س نبھانے کی کوشش کرتیں۔ آنحضورؐ کی چار بیٹیاں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں، ان میں حضرت فاطمہؓ جو کہ ان سب سے چھوٹی تھیں، کے ساتھ رہنے کا زیادہ موقع ملا۔ عمر بھر ان کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ ان کی شادی کے انتظامات میں بھرپور حصہ لیا، آپؓ ان کی بہت تعریف وتوصیف کیا کرتیں۔

صحابہ کرامؓ اکثر آپؐ کے ہاں تحفے اور ہدیے بھیجا کرتے، مگر وہ استعمال سے پہلے ہی ضرورت مندوں کو تقسیم کر دیئے جاتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ حضورؐ گھر تشریف لائے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہؐ، اللہ کے نام کے سوا کچھ نہیں۔ فرمایا: اچھا تو آج میرا روزہ ہے اور پھر حضرت عائشہؓ کا بھی روزہ ہو جاتا۔

حضرت عائشہؓ کا اپنے خاوند سے جو تعلق تھا، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ آپؓ نے کبھی آنحضورؐ کے کسی حکم سے سرِ مو اختلاف نہ کیا۔ آپؓ ہمیشہ آنحضورؐ کی ضرورتوں کا بھرپور خیال رکھتیں اور آپؓ کے آپس کے تعلقات ہمیشہ نہایت خوشگوار رہے۔ حضرت عائشہؓ کو نبی کریمؐ کی راحت وتکلیف اور پسند وناپسند کا بہت خیال رہتا۔ جو بات آپؐ کو ناگوار گزرتی وہ حضرت

Marfat.com

عائشہؓ کو بھی ناپسند ہوتی۔

آپؓ کی محبت کا تعلق یک طرفہ نہیں تھا۔ نبی اکرم آپؓ کی بہت قدر کیا کرتے۔ آپؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے، پیالے میں وہیں منہ رکھ کر پیتے جہاں حضرت عائشہؓ منہ لگاتی تھیں۔ ایک بار ایک پڑوسی نے آپؐ کی دعوت کی اور آپؐ نے پوچھا ''عائشہؓ بھی ہونگی''؟ اس نے جواب دیا، نہیں، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں قبول نہیں کرتا''۔ وہ دوبارہ درخواست لے کر آیا اور آپؐ نے دوبارہ پوچھا۔ وہ حضرت عائشہؓ کے لیے بھی دعوت کا پیغام لے کر آیا تو آپؐ نے اس کی دعوت قبول کر لی۔

حضرت عائشہؓ نے صدیقِ اکبرؓ جیسے باپ کے گھر میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ کم عمری ہی میں رخصت ہو کر آپؓ نبی اکرمؐ کے پاس آ گئی تھیں۔ لہذا با قاعدہ تعلیم کا زمانہ بھی اسی وقت سے شروع ہوتا ہے۔ آپؓ کا قوتِ حافظہ بھی بلا کا تھا۔ آپؓ کو اپنے بچپن کی باتیں اور واقعات عمر بھر یاد رہے۔ جب تک آپؓ کی تسلی نہ ہو جاتی، آپؓ نبی اکرمؐ سے بلا جھجک سوال کرتیں۔ آپؐ نے بھی دین سیکھنے کے لیے حضرت عائشہؓ کی کبھی دل شکنی نہیں کی۔ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی۔ آپؐ کی اس توجہ ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت عائشہؓ آپؐ کے وصال کے بعد کی زندگی میں نہ صرف مدینہ بلکہ پورے عالمِ اسلام کی فقیہہ تھیں۔ اکثر صحابہؓ ئی مسئلہ پیش آتا تو وہ آپؓ سے رجوع کرتے اور وہ مسئلے کو اس طرح وضاحت سے حل کرتیں کہ اصحابہؓ عش عش کر اٹھتے۔

وہ سرمایہ جو نبی کریمؐ کی زندگی کے شب و روز کی صورت میں آپؓ کے ذہن میں نقش ہو چکا تھا، اس سے امت کو فیض یاب کرنے کے کام کی ابتدا آپؓ نے کی۔ اس طرح آپؓ کا حجرہ دنیا میں حدیث شریف کی تعلیم کا پہلا مدرسہ شمار کیا جاتا ہے۔ آنحضورؐ کے وصال کے بعد احادیث کی اشاعت و تبلیغ آپؓ کی زندگی کا مقصد رہی۔ آپؓ نے اس کام کا ایسا حق ادا کیا کہ آپؓ کا شمار پہلے طبقے کے محدثین میں کیا جاتا ہے۔ صرف دو اصحابہ روبہ روایتِ احادیث آپؓ سے آگے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روائتیں سب سے زیادہ (5374) ہیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا درجہ ہے جنہوں نے 2660 احادیث روایت کی ہیں۔ ان کے بعد احادیث کی کتب

Marfat.com

میں 2210 احادیث آپؓ سے منسوب ہیں، ان میں سے 286 احادیث بخاری اور مسلم میں شامل ہیں۔ جب کہ باقی احادیث، احادیث کی دیگر کتب میں موجود ہیں۔ حضرت عائشہؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں دینی علوم پر دسترس کی بنیاد پر قبولِ عام حاصل ہوگیا تھا۔ آپؓ حافظِ قرآن بھی تھیں۔

حضرت امیر معاویہؓ جو کہ کاتبِ وحی بھی تھے، دورانِ خلافت دمشق میں رہتے تھے، اگر کہیں دینی مسئلے میں پھنس جاتے تو خاص طور پر قاصد بھیج کر حضرت عائشہؓ سے مسئلے کا حل معلوم کرواتے۔ ایک دن حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے ایک درباری سے پوچھا کہ لوگوں (عوام الناس) میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اس نے کہا ''امیر المومنین! آپ ہیں''۔ آپؓ نے فرمایا: سچ سچ بتاؤ۔ اس نے کہا اگر ایسا ہے تو اس کا صحیح جواب ''حضرت عائشہؓ'' ہے۔

آپؓ کی درسگاہ سے خود آپؓ کے بھتیجوں (قاسم بن عبداللہ، عبداللہ بن محمدؒ اور ابو سلمہ) بھتیجیوں (حفصہ بنت عبدالرحمٰن اور اسماء بنت عبدالرحمٰن) بھانجوں (عروہ بن زبیر اور قاسم بن زبیر) اور بھانجی عائشہ بنت طلحہ اور شاگردوں میں عمرہ بنت عبدالرحمٰن، صفیہ بنت شیبہ اور معاذہ بنت عبداللہ نے خوب استفادہ کیا۔ شائقینِ علم کے علاوہ عام مسلمان بھی اپنے اپنے سوالات لے کر آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ محرم مرد، عورتیں اور کم عمر لڑکے تو حجرے کے اندر آکر براہِ راست سوالات و مسائل پوچھتے جب کہ دیگر لوگ حجرے کے سامنے مسجدِ نبویؐ میں بیٹھتے جب کہ دروازے پر پردہ پڑا رہتا۔ یہیں سے دینی تعلیم و تلقین اور افتاء کا سلسلہ جاری رہتا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ملائکہ میرے گھر میں آتے جاتے اور میں آنحضرتؐ کے لحاف میں ہوتی اور وحی نازل ہو جاتی۔ حضرت عائشہؓ یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ نے ایک روز فرمایا: ''اے عائشہؓ! یہ جبرائیلؑ تشریف رکھتے ہیں اور تمہیں سلام کہتے ہیں''۔ میں نے اس پر جواب دیا'' وعلیکم السلام و برکتہ'' اللہ گواہ ہے کہ تم میں سے کسی کے بستر پر مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی، سوائے عائشہؓ کے بستر کے''

نمازِ اشراق اگرچہ جنابِ رسول اللہؐ نے جیسا کہ حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے، صرف ایک بار پڑھی تھی لیکن بہت سے صحابہ کرامؓ نے التزام کر لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ

Marfat.com

فرماتی ہیں کہ میں نے اگرچہ رسول اللہؐ کو کبھی نمازِ اشتراق پڑھتے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں، کیونکہ آپؐ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے، گو محض اس وجہ سے خود ان پر عمل نہ فرماتے تھے کہ امت پر کہیں فرض نہ ہو جائے۔

جنابِ رسول اکرمؐ تہجد کی نماز میں سورہ بقرہ، آل عمران اور سورہ نساء پوری تلاوت فرماتے تھے اگر کوئی خوف کی آیت آجاتی تو اللہ سے دعا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے۔ حضرت عائشہؓ ساری ساری رات نمازِ تہجد میں آپؐ کے ساتھ شریک رہتیں۔

فجر کی نماز میں باوجود اس کے کہ وقت کافی ہوتا ہے صرف دو رکعت فرض کی اور دو سنت کی رکھی گئیں جس کی وجہ بظاہر سمجھ نہ آتی تھی۔ حضرت عائشہؓ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا: ''نمازِ فجر میں اس لیے زیادہ رکعتیں نہیں رکھی گئیں کہ اس وقت قرأت طویل کی جاتی ہے''۔

حضرت عمرؓ سے روایت کی گئی ہے کہ عصر اور فجر کی نمازوں کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ بظاہر اس ممانعت کا کوئی سبب معلوم نہ ہوتا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اگر کوئی شخص ٹھیک طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھے تو آفتاب پرست لوگوں کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی۔

آج کل عام طور پر لوگ نفل کی نماز بیٹھ کر ادا کرتے ہیں، کیونکہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے اس کے بابت سوال کیا تو آپؓ نے جواب دیا ''یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہؐ کمزور ہو گئے تھے''۔

امام زہری کا مقولہ ہے: ''اگر تمام مردوں اور امہات المومنینؓ کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم ان سب میں سے زیادہ ہوگا''۔

عروہ بن زبیر بن العوام (آپؓ کے بھانجے، مشہور مورخ) فرماتے ہیں: ''میں نے فقہ، طب اور شاعری میں حضرت عائشہؓ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں: ''ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں

Marfat.com

آئی کہ جس کو ہم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں''۔

حضرت عائشہؓ نے غزوہ اُحد میں (جب کہ آپؐ کی عمر صرف دس سال تھی) بھی غازیوں اور زخمیوں کو کمر پر پانی کا مشکیزہ لادکر پانی پلانے کی خدمت انجام دیتی رہیں۔ کئی جنگوں میں آپؓ حضرت رسولِ اکرمؐ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کو بارگاہِ خداوندی سے نہ صرف عورتوں پر شرفِ فضیلت عنایت ہوا تھا بلکہ وہ اپنے فضائل و کمالات کے لحاظ سے سوائے چند مخصوص صحابہ کرامؓ کے تمام صحابیوںؓ ور صحابیاتؓ سے افضل اور اشرف تھیں۔ علم، فقہ، ذکاوت میں جو امتیازی خصوصیت ان کو میسر تھی اور کسی کو حاصل نہ تھی۔

تاریخ و احادیث کی کتب شاہد ہیں، ان اوصاف میں کوئی بھی آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ کی شریک نہ تھیں۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے: ''عائشہؓ کو دوسری عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جو ''ثرید'' کو عام کھانوں پر'' (آپؐ کو ثرید بہت مرغوب تھا)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ خود فرماتی ہیں کہ دس اوصاف مجھ میں ایسے ہیں کہ جس کی وجہ سے دیگر ازواجِ رسولؐ پر مجھ کو فوقیت و فضیلت حاصل ہے:

1۔ بجز میرے آپؐ کے نکاح میں کوئی بیوی تا کتخدا نہیں آئی۔

2۔ آپؐ کی ازواج میں سے صرف مجھی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ میرے ماں اور باپ دونوں مہاجر ہیں۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میری برأت کی آیات نازل فرمائیں۔

4۔ حضرت جبرائیلؑ میری شکل میں آنحضورؐ کے پاس آئے اور کہا کہ عائشہؓ سے شادی کر لیجیے۔

5۔ میں آپؐ کے سامنے ہوتی تھی اور آپؐ نماز میں مصروف ہوتے تھے۔

6۔ نزولِ وحی کے وقت صرف میں ہی آپؐ کے پاس ہوتی تھی۔

7۔ جب آنحضورؐ کی روح مبارک نے عالم قدس کی طرف پرواز کی اس وقت آپؐ کا سر مبارک میرے سینے پر تھا۔

Marfat.com

8۔ جس شب کو میری باری تھی اسی شب کو رسول اللہؐ نے میرے حجرے میں انتقال فرمایا۔

9۔ میں اور آنحضورؐ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔

10۔ میرے ہی حجرہ کو آنحضرتؐ کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ولادت باسعادت ہجرت سے 9 سال قبل مکہ میں ہوئی اور وفات 58ھ میں حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ آپؓ نے چاروں خلفاء کا دور دیکھا۔ وفات کے وقت آپؓ کی عمر 67 سال تھی جب آنحضرتؐ نے وصال فرمایا اس وقت آپؓ کی عمر 18 برس تھی۔ عمر میں آپ آنحضرتؐ سے 45 سال چھوٹی تھیں، اس کے باوجود آپؓ کی ازدواجی زندگی کے جو نو سال آپؓ نے آنحضورؐ کے ساتھ گزارے، بے مثال تھے۔

انتقال سے پہلے آپؓ نے فرمایا کہ مجھے جنت البقیع میں دفن کرنا جہاں اور ازواج مطہرات مدفون ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سہ شنبہ (منگل) کی رات 17 رمضان المبارک 58ھ میں وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے رات ہی کو دفن کر دینا۔ اسی رات کو بعد از نمازِ عشاء آپؓ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ آپؓ کے بھتیجوں اور بھانجوں حضرت عبداللہ بن زبیر (شہید مکہ) قاسم بن محمدؒ، عبداللہ بن محمدؒ بن عبدالرحمٰن نے آپؓ کو قبر میں اتارا۔ اس طرح اُمّ المومنین فقیہہ امم جو حقیقی معنوں میں مدینہ والوں کی ماں تھیں سب کو یتیم چھوڑ کر عالمِ جاودانی کو سدھار گئیں۔

Marfat.com

اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ

آپؓ کا نام حفصہ تھا۔آپؓ سیدنا عمر بن الخطابؓ کی صاحبزادی تھیں، والدہ کا نام زینب بنت مظعونؓ تھا۔نبوتِ رسولؐ سے تین سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ جب ہجرت سے چھ سال قبل حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو آپ کا قبیلہ بھی ساتھ ہی مسلمان ہوگیا۔

آپؓ کے پہلے خاوند کا نام خنیسؓ بن حزافہ تھا۔آپ کے خاندان کے چھ افراد نے کفرو شرک کے خلاف پہلے معرکہ بدر میں براہِ راست حصہ لیا۔ان کے نام یہ ہیں۔

(1) حضرت عمر فاروقؓ (والد)

(2) زیدؓ بن خطاب (چچا)

(3) عثمانؓ بن مظعون (ماموں) آپ جنت البقیع میں دفن ہونے والے پہلے مسلمان ہیں)

(4) خزامہؓ بن مظعون (ماموں)

(5) عبداللہؓ بن مظعون (مامون)

(6) خنیسؓ بن خزامہ (خاوند)

آپ کے پہلے خاوند خنیسؓ بن خزامہ اولین اسلام لانے والوں میں شامل تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بہت صعوبتیں برداشت کیں۔ پیغمبر اسلامؐ کے حکم پر حبشہ بھی

Marfat.com

ہجرت کی۔ جب آنحضورؐ مدینہ ہجرت کر گئے تو آپ بھی اپنی زوجہ حضرت حفصہؓ کے ساتھ مدینے چلے گئے۔ آپؓ کے خاوند خنیسؓ کو غزوہ بدر میں جسم پر سات زخم آئے۔ حضرت حفصہؓ نے خاوند کی بہت دیکھ بھال کی لیکن وہ بہادر انسان جس نے کفار کے لشکر کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے تھے، جسم پر لگے ہوئے زخموں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور جنگِ بدر کے چند دن بعد شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور جنت البقیع کے قبرستان میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آنحضورؐ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس وقت حضرت حفصہؓ کی عمر 18 سال تھی۔

جوان بیٹی کے بیوہ رہنے پر حضرت عمرؓ بہت مغموم رہنے لگے۔ حضرت حفصہؓ بھی بہت پریشان رہتی تھیں۔ اکثر روزہ رکھتیں اور تلاوتِ قرآن پاک کرتی رہیں۔ باپ سے بیٹی کی پریشانی دیکھی نہ جاتی تھی۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے نکاح کر دینے کا خیال ظاہر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خاموشی اختیار کی۔ یہ بات حضرت عمرؓ کو ناگوار محسوس ہوئی۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کی بیوی حضرت رقیہؓ بنت رسولؐ کا جنگِ بدر کی فتح کے دن وصال ہو چکا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے اپنی بیٹی کے نکاح کی بات کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں ابھی نکاح نہیں کرنا چاہتا۔ مایوس ہو کر حضرت عمرؓ جناب سرورِ کونینؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے ساری صورتِ حال بیان کی۔

اس وقت حضرت عمرؓ اور جنابِ رسالت مآبؐ کے تعلقات ابھی اس نہج پر نہیں تھے کہ اتنی قرابت تک نوبت آتی۔ ادھر حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ آپؐ کے نکاح میں آ چکی تھیں۔ اس لیے آپؐ نے فرمایا ''حفصہؓ کو بہترین خاوند ملے گا جو عثمانؓ سے بہتر ہوگا اور عثمانؓ کو بہترین بیوی ملے گی جو حفصہؓ سے بہتر ہوگی''۔ حضرت عمرؓ نے جب حضورؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنے تو خوش ہو گئے لیکن دل میں خیال آیا کہ ایسے کیونکر ممکن ہوگا؟

جلد ہی آپؐ نے اپنی بیٹی ام کلثومؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی اور حضرت عمرؓ سے خود حفصہؓ سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ پھر حضرت عمرؓ پر آپؐ کی کہی ہوئی یہ بات واضح ہو گئی کہ اس بات کا پسِ منظر کیا تھا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ میرے انکار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت حفصہؓ سے عقد کرنے کے آنحضورؐ خود

Marfat.com

خواہش مند ہیں۔

شعبان 3ھ میں جمعۃ المبارک کے دن آنخضورؐ کا حضرت حفصہؓ سے نکاح ہوگیا۔ اس وقت حضرت حفصہؓ کی عمر 22 سال تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی کو نصیحت کی کہ ''آپؐ کے گھر جا کر خوش رہنا اور اپنا مقابلہ حضرت عائشہؓ سے نہ کرنا، بلاشک وہ تم سے بہتر ہے''۔ حضرت حفصہؓ نے آپؐ کے پاس جا کر ان کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی، قرآن پر بھرپور توجہ دی اور اسے حفظ بھی کر لیا۔ حضرت حفصہؓ سے 60 احادیث روایت کی گئی ہیں جو انہوں نے خود آنحضرتؐ اور اپنے والد حضرت عمرؓ سے سنی تھیں۔

آنحضرتؐ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح حضرت عمرؓ کے خاندان سے رشتے مضبوط کرنے کے لیے کیا تھا۔ ازواجِ مطہراتؓ میں علم اور فہم دین کے لحاظ سے حضرت حفصہؓ کا حضرت عائشہؓ کے بعد نمبر آتا ہے۔ قرآن پاک کا وہ نسخہ جو حضرت زید بن ثابتؓ نے مرتب کیا تھا، وہ آپؓ کے پاس محفوظ رہا۔ حضرت حفصہؓ بڑی عبادت گزار اور مذہب کی پابند تھیں۔ قائم اللیل اور صائم النہار تھیں۔ آخر وقت تک روزہ نہ چھوڑا یہاں تک کہ جس دن آپؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا آپؓ روزے سے تھیں۔ آپؓ نے 45ھ میں 63 برس کی عمر میں وفات پائی۔ فوت ہونے سے قبل اپنے بھائی عبداللہ بن عمرؓ کو وصیت کی کہ میری تمام جائیداد غرباء و مساکین کو تقسیم کر دی جائے۔ مدینہ کے حاکم مروان بن حکم نے آپؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپؓ کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اور عاصم بن عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے صائم بن عبداللہ نے آپؓ کے جسم اطہر کو قبر میں اتارا اور آپؓ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ آنخضورؐ کی وفات کے بعد آپؓ 34 سال حیات رہیں اور آنخضورؐ کے ساتھ آپؓ کا ازدواجی عرصہ آٹھ سال تھا۔ اس وقت حضرت معاویہؓ کا دورِ خلافت تھا۔

Marfat.com

اُمُّ المومنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ

آپؓ ہجری سال سے سترہ سال قبل پیدا ہوئیں۔ آپؓ کے خاوند عبداللہ بن جحش تھے۔ آپؓ کا نام زینب بنت خزیمہ اور ام المساکین آپؓ کا لقب تھا۔ آپؓ کے پہلے خاوند غزوہ احد میں 3ھ میں شہید ہوئے۔ خاوند کی شہادت کے بعد کئی لوگوں نے آپؓ سے شادی کی خواہش ظاہر کی لیکن آپؓ نے انکار کر دیا۔

3ھ رمضان میں آپؓ کا نکاح آنحضرتؐ سے ہوا۔ حق مہر 400 درہم قرار پایا۔ آپؓ آنحضرتؐ سے شادی اور اسلام قبول کرنے سے قبل بھی فیاضی کی وجہ سے ام المساکین کہلاتی تھیں۔ کبھی کوئی سائل آپؓ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں گیا۔ آپؓ کا حجرہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے متصل تھا۔ آپؓ اُمُّ المومنین حضرت میمونہؓ کی رضاعی بہن تھیں۔ بیماری کی وجہ سے ربیع الاوّل 4ھ میں فوت ہوئیں۔ آپؓ کا آنحضورؐ سے ازدواجی رشتہ تقریباً سات ماہ رہا۔ وفات کے وقت آپؓ کی عمر تیس سال تھی۔

آنحضرتؐ کی زندگی مین جن ازواجِ مطہراتؓ نے وفات پائی، آپؓ دوسری بیوی تھیں۔ اس سے قبل حضرت خدیجہؓ مکہ میں ہجرت سے تین سال قبل وفات پا چکی تھیں۔ آپؓ کی نمازِ جنازہ آنحضرتؐ نے خود پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ آپؓ اپنی زندگی میں بہت صدقہ خیرات کرنے والی اور مساکین پر مہربان تھیں اسی لیے آپؓ ام المساکین مشہور تھیں۔

Marfat.com

اُمُّ المومنین حضرت ام سلمہؓ

آپؓ کا اصل نام ہند ہے۔ آپؓ بنو امیہ کی بیٹی تھیں اور آپؓ اپنی کنیت کی وجہ سے ہی مشہور ہوئیں۔ آپؓ کا نسب اس طرح ہے۔ ام سلمہؓ بنت بنو امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ ماں کا نام عاتکہ بنت عامر تھا۔ آپؓ رشتے میں آنحضورؐ کی کزن بھی تھیں۔ آپؓ کا قریش خاندان کے قبیلہ مخزوم سے تعلق تھا۔ آپؓ کے والد بنو امیہ اپنے قبیلے کے سردار اور بہت دولت مند آدمی تھے۔ اہلِ عرب بنو امیہ سے اچھی طرح متعارف تھے۔

ام سلمہ بعثت سے نو سال قبل پیدا ہوئیں۔ آپؓ کا نکاح عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا جو آپؓ کے چچیرے بھائی تھے۔ آپ دونوں ان خوش قسمت لوگوں میں شامل تھے جو آغاز سے ہی اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ جس طرح اسلام قبول کرنے میں دونوں میاں بیوی دوش بدوش تھے، اس طرح ہجرت میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ ہجرت حبشہ میں بیس مردوں کے ساتھ چار خواتین بھی شامل تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ رقیہؓ بنت رسول اللہؐ اور بنو سلمہ کے ساتھ ام سلمہؓ تھیں۔ حبشہ سے واپس آ کر جب آپؓ نے مدینہ ہجرت کر جانے کا فیصلہ کیا تو آپ فرماتی ہیں کہ:

> ''ابو سلمہ کے پاس ایک ہی اونٹ تھا۔ ابو سلمہ نے بیٹے اور مجھے سوار کر دیا اور مدینہ کے سفر پر چل پڑے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ بنو مغیرہ نے جو میرے میکے کے لوگ تھے، انہوں نے ہم کو دیکھ لیا اور ابو سلمہ سے

Marfat.com

مزاحمت کی کہ ہم اپنی بیٹی کو مدینہ نہیں جانے دیں گے۔ ابو سلمہ سے نکیل چھین لی اور مجھے اپنے ساتھ لے چلے۔ اتنے میں میرے خاوند ابو سلمہ کے قبیلے کے لوگ آ گئے اور انہوں نے میرے بیٹے سلمہ کو ان سے چھین لیا۔ اب میں، میرا شوہر اور بیٹا تینوں ایک دوسرے سے جُدا جُدا تھے۔ صدمے سے میرا برا حال تھا''۔

کیوں کہ ہجرت کا حکم ہو چکا تھا، اس لیے ابو سلمہ تو مدینہ پہنچ گئے۔ پیچھے میں تنہا رہ گئی۔ اسی طرح پورا سال بیت گیا۔

ایک دن بنو مغیرہ کے ایک شخص نے، جو میرا عزیز تھا، نے میری پریشانی دیکھ کر ترس کھایا اور بنو مغیرہ کو اکٹھا کر کے کہا:

''آپ لوگ اس مسکین کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے جس کو آپ نے اس کے لختِ جگر اور شوہر سے جدا کر دیا ہے''؟

اس نے یہ بات کچھ ایسے مؤثر انداز سے کہی کہ میرے میکے والوں کو مجھ پر رحم آ گیا اور انہوں نے مجھے مدینہ اپنے خاوند کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ یہ سن کر میرے سسرال والوں نے میرے بیٹے سلمہ کو میرے پاس بھیج دیا۔ میں نے خوشی خوشی اونٹ پر کجاوہ کسا اور بیٹے سلمہ کو گود میں لے کر سوار ہو گئی۔ میں بالکل تنہا تھی۔ راستے میں ایک مقام پر عثمان بن طلحہ ملے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ کوئی ہے؟ میں نے کہا: ''میں صرف اپنے بچے کے ساتھ اکیلی ہوں''۔ انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آگے آگے چل پڑے۔ راستے میں جب کہیں مجھے رکنا پڑتا تو وہ کسی درخت کی آڑ میں ہو جاتے، چلنے کا وقت ہوتا تو میرے اونٹ کی مہار پکڑ کر چل دیتے۔ مدینہ پہنچنے تک ہمارا سفر اسی طرح گزرا۔ مدینہ کے قریب قبا کی بستی سے گزر ہوا۔ عثمان بن طلحہ نے مجھ سے کہا کہ تیرا خاوند اسی بستی میں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہیں قبا میں ہی ابو سلمہ سے ملاقات ہوئی۔ عثمان بن طلحہ مجھے ابو سلمہ کے حوالے کر کے مکہ واپس چلے گئے۔

حضرت ام سلمہؓ پر عثمان بن طلحہ کی اس ہمدردی کا اثر تمام عمر رہا۔ وہ لوگوں کے سامنے اکثر عثمان بن طلحہ کی تعریف کیا کرتیں اور فرمایا کرتی تھیں ''میں نے عثمان بن طلحہؓ سے زیادہ ساتھ

Marfat.com

دینے والا شریف آدمی نہیں دیکھا''۔

آپؓ کے والد ابو امیہ قریش کے نہایت معزز اور معروف شخص تھے۔ ہجرت کے زمانہ میں جب آپؓ قبا کی بستی میں داخل ہوئیں تو لوگ میرا حالِ سفر پوچھتے اور میرے باپ کا نام سن کر یقین نہ کرتے کہ آپؓ نے کس طرح تن تنہا سفر اختیار کیا جب کہ شریف خواتین اس زمانے میں بھی اس طرح تنہا نکلنے سے پرہیز کرتی تھیں۔ وہ اس لیے کہ آپؓ کے دل میں اسلام کا درد اور جذبہ تھا اور اللہ کے حکم کی پابندی فرض سمجھتی تھیں۔

آپؓ کے خاوند ابو سلمہ شوقِ جہاد کی خاطر غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ میدان جنگ میں ان کے ہم نام سلمہ خشمی کا تیر بازو میں پیوست ہوگیا۔ زخم کافی گہرا اور مہلک تھا۔ زخم صحیح طور پر مندمل نہ ہوسکا اور اسی زخم کی وجہ سے غزوہ احد کے آٹھ ماہ بعد 9 جمادالثانی 4 ھ کو فوت ہوئے۔ تیمارداری میں ام سلمہؓ نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حضرت ام سلمہؓ خاوند کی وفات کی خبر سن کر خود آنحضرتؐ کے پاس آئیں۔ آپؐ خود ان کے گھر تشریف لے گئے۔ آپؐ نے صبر اور برداشت کی تلقین کی اور فرمایا ''ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور کہو'' اے اللہ! مجھے ان سے بہتر انؓ کا جانشین دے'' آپؐ نے بڑے اہتمام کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی، جس میں آپؐ نے نو (9) تکبیریں کہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔ وفات کے وقت ابو سلمہؓ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ رسولِ اکرمؐ نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھیں بند کیں اور دعائے مغفرت فرمائی۔ عدت کا عرصہ گزر جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان کی غربت اور کسمپرسی کے خیال سے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت ام سلمہؓ نے انکار کردیا۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنی لیے نکاح کا پیغام دیا، آپؓ نے ان کو بھی انکار کردیا۔ حضورؐ نے بحکم الٰہی حضرت عمرؓ کے ذریعے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اب ام سلمہؓ کو یہ جرات نہ تھی کہ تعمیلِ ارشاد سے انحراف کرتیں۔ آپؓ نے اپنے بیٹے سے کہا: ''اے عمر اٹھو اور رسول اللہؐ سے میرا نکاح کردو'' شوال 4 ھ میں آپؓ کا نکاح رسول اللہؐ سے ہوا۔ اس وقت حضرت ام سلمہ کی عمر 26 سال اور آنحضرتؐ کی عمر مبارک 56 سال تھی۔

احمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ ایک بار ام سلمہؓ نے اپنے پہلے شوہر ابو سلمہ سے کہا:

Marfat.com

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر جنت نصیب ہو اور اس کی بیوہ اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ اس عورت کو بھی شوہر کے ساتھ جنت میں جگہ دیتا ہے۔ یہی صورت مرد کے لیے ہے، تو آؤ ہم تم معاہدہ کرلیں۔ نہ تم ہمارے بعد نکاح کرنا نہ میں تمہارے بعد نکاح کروں گی'' یہ سن کر ابو سلمہؓ نے جواب دیا ''تم میری اطاعت کروگی''؟ ام سلمہؓ نے کہا ''مجھے تمہاری اطاعت میں ہی خوشی ہے''۔ ابو سلمہؓ نے کہا ''تو جب میں مر جاؤں تو میرے بعد تم نکاح کرلینا''۔ پھر ابو سلمہؓ نے دعا مانگی ''یا اللہ! میرے بعد ام سلمہؓ کو مجھ سے بہتر جانشین عطا فرما''۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب ابو سلمہؓ وفات پا گئے تو میں اپنے دل میں کہتی تھی ''ابو سلمہؓ سے بہتر کون ہوگا''؟ اس کے کچھ ہی دنوں بعد آنحضرتؐ سے میرا نکاح ہو گیا اور مجھے اپنے دل میں اٹھے ہوئے سوال کا خوبصورت جواب مل گیا۔ آنحضورؐ نے ام سلمہؓ کو دو چکیاں، دو مشکیزے، ایک چمڑے کا تکیہ عنایت فرمایا۔ یہی سامان دوسری ازواج کو عطا ہوا تھا۔

حضرت ام سلمہؓ کے واقعاتِ نکاح میں یہ واقعہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے کہ آپؓ جس دن بیاہ کر آنحضرتؐ کے گھر تشریف لائیں، اسی دن آپؓ نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا۔ چند ماہ قبل ہی حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کا وصال ہو چکا تھا۔ رخصتی کے بعد حضرت ام سلمہؓ انہی کے گھر لائی گئیں۔ گھر میں ہر ضروری چیز موجود تھی۔ آپؓ نے کھانا خود ہی تیار کیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے کچھ جو لیے، چربی نکال کر اور جو پیس کر کھانا تیار کیا۔ یہ تھا وہ کھانا جو جناب رسالتمآبؐ اور ان کی نئی شریکِ حیات نے شبِ عروسی میں تناول فرمایا۔

6ھ میں جب مسلمانوں کا اہل مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ ہوا تو یہ صلح کئی ساتھیوں کو، جو 1500 کی تعداد میں آپؐ کے ساتھ تھے، ناگوار گزری۔ کیوں کہ وہ حج کعبہ اور قربانی کرنے کی تیاری کر کے آئے تھے لیکن صلح حدیبیہ میں کفارِ مکہ کے ساتھ یہ شرط تھی کہ اس سال آپؐ واپس چلے جائیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ شرائطِ صلح بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں، اس لیے ان میں عام طور پر شکستہ دلی پھیلی ہوئی تھی۔ آپؐ کے تین بار حکم دینے پر بھی کوئی شخص تعمیلِ ارشاد پر آمادہ نہ ہوا۔ آپؐ اپنے خیمے میں آئے اور حضرت اُمّ سلمہؓ جو آپؐ کے ساتھ تھیں، سے صورت حال بیان فرمائی۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: ''آپؐ کسی سے کچھ نہ فرمائے، باہر نکل کر خود

Marfat.com

قربانی کیجیے اور احرام اتارنے کے لیے سر کے بال منڈوا دیجیے''۔ آپؐ نے حضرت اُمّ سلمہؓ کے مشورے پر عمل کیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ آپؐ اپنے فرمان پر خود عمل پیرا ہیں تو سب نے قربانیاں کیں اور سر منڈوا کر احرام اتارا۔

آپؐ کے آخری ایام میں جب علالت طول پکڑ گئی اور آپؐ حضرت عائشہ کے حجرہ میں منتقل ہو گئے تو ام سلمہؓ آپؐ کی خیریت دریافت کرنے اکثر آیا کرتیں۔ ایک دن آپؐ کی طبیعت زیادہ مضمحل ہوئی تو دیکھ کر ضبط نہ کرسکیں، بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ آپؐ نے سختی سے منع فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔

5ھ میں جب بنو قریظہ کے محاصرہ میں یہود سے گفتگو کرنے کے لیے بارگاہِ نبوت سے حضرت ابولبابہؓ بھیجے گئے تو حضرت ابولبابہؓ نے ان سے گفتگو کے دوران ہاتھ کے اشارہ سے یہودیوں کو بتلایا کہ تم قتل کیے جاؤ گے بعد میں وہ اس کو افشائے راز سمجھ کر اتنے نادم ہوئے کہ مسجدِ نبویؐ کے ستون سے خود کو باندھ دیا۔ کئی دنوں تک اپنے آپ کو اسی حال میں رکھا۔ ایک دن فجر کے وقت جنابِ رسالت مآبؐ حضرت ام سلمہؓ کے مکان سے مسکراتے ہوئے اٹھے تو آپؓ بولیں ''اللہ آپؐ کو ہمیشہ ہنسائے، اس وقت ہنسی کا کیا سبب ہے''؟ آپؐ نے فرمایا ''ابو لبابہؓ کی توبہ قبول ہوگئی''۔ حضرت ام سلمہؓ نے آپؐ سے اجازت چاہی کہ ان کو خوشخبری سنا دیں''؟ فرمایا ''ہاں، اگر چاہو''۔ آپؐ کا حجرہ مسجدِ نبویؐ سے اتنا قریب تھا کہ اگر گھر سے آواز دیں تو مسجد میں سنی جا سکتی تھی۔ آپؐ نے اجازت پا کر اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوئیں اور پکار کر کہا ''ابولبابہؓ، مبارک ہو، تمہاری توبہ قبول ہوگئی''۔ تو پھر کیا تھا، یہ آواز کانوں میں پہنچتے ہی تمام اہلِ مدینہ اکٹھے ہو گئے اور سب اس بات سے خوش تھے کہ اللہ نے ابولبابہؓ کی توبہ قبول کر لی۔ سب نے بہت مسرت کا اظہار کیا۔

حضرت ام سلمہؓ کی زندگی زہد اور تقویٰ کا بہترین نمونہ تھی۔ ہر مہینہ سوموار، جمعرات اور جمعہ کے دن روزہ رکھتیں، دین کے معاملے میں امر و نہی کا بہت خیال رکھتیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ام سلمہؓ گھر میں نبی اکرمؐ کے ساتھ تشریف فرما تھیں کہ حضرت جبرائیلؑ آپؐ کے صحابی حضرت داحیہ کلبیؓ کی شکل میں حاضر

Marfat.com

ہوئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے ان سے بات بھی کی۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہؐ نے ام سلمہؓ سے پوچھا ''جانتی ہو یہ کون تھے''؟ انہوں نے کہا داحیہ کلبیؓ تھے، آپؐ نے فرمایا ''وہ جبرائیل تھے''۔

آپؓ نے بتھائے محبت آنحضرتؐ کے موئے مبارک تبرکاً اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی لوگوں کو زیارت سے مستفیض فرماتیں۔ روایت ہے کہ صحابہ اکرمؓ میں سے کسی کو تکلیف یا رنج پہنچتا تو ایک پیالہ میں پانی میں موئے مبارک ڈال کر حرکت دیتی اور اس کی برکت سے تکلیف دور ہو جاتی۔

ازواج مطہرات میں فضل وکمال کے اعتبار سے حضرت عائشہؓ کے بعد آپؓ کا ہی درجہ تھا۔

حضرت ام سلمہؓ خوبروئی اور کمالِ عقل وفراست میں کمال کا درجہ رکھتی تھیں۔ آپؓ نے حضرت فاطمۃ الزہرؓا اور خود جنابِ رسول اللہؐ سے احادیث روایت کی ہیں۔ کتب احادیث میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی احادیث کی تعداد 378 ہے۔

حضرت ام سلمہؓ نے 62ھ میں واقعہ کربلا کے بعد یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت میں فات پائی۔ اس وقت آپؓ کی عمر 84 برس تھی۔ قاعدہ تھا کہ حاکمِ مدینہ جنازہ کی نماز پڑھاتا تھا۔ س زمانہ میں ولید بن عتبہ مدینہ منورہ کا والی تھا، مگر حضرت سلمہؓ کی وصیت کی وجہ سے آپؓ کا نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے خود نہ آیا۔ والی مدینہ کے بجائے حضرت ابو ہریرہؓ نے آپؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی کیوں کہ سب صحابہ میں فضل وکمال، قدر ومنزلت کے اعتبار سے اس وقت مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ جلیل القدر صحابیٔ رسولؐ حضرت ابو ہریرہؓ ہی تھے۔ سب سے زیادہ احادیث حضرت ابو ہریرہؓ نے ہی روایت کیں۔ اس لیے آپؓ حضرت ابو ہریرہؓ کی قدر ومنزلت سے بخوبی واقف تھیں۔

Marfat.com

اُمُّ المومنین حضرت زینبؓ

سیدہ زینبؓ کے والد کا نا جحش تھا۔ آپ کا تعلق خاندان اسدیہ سے تھا جو اسد بن خزیمہ سے منسوب ہے اور والدہ قریش کے قبیلہ بنی ہاشم سے تھیں جو عبدالمطلب کی بیٹی امیمہ کی بیٹی تھیں۔ اس طرح زینبؓ کی والدہ حضور اکرمؐ کی پھوپھی تھیں۔ آپؓ ہجرتِ مدینہ سے تیس سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ سیدہ زینبؓ کو اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ایمان کی نعمت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس لحاظ سے آپ سابقوں الاولون میں سے ہیں۔
حضرت زینبؓ کا پیدائشی نام برا تھا، جب آپؓ نے اسلام قبول کیا تو آنحضورؐ نے آپؓ کا نام بدل کر زینبؓ رکھ دیا۔ جب رسولِ اکرمؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو سیدہ زینبؓ بھی اپنے خاندان والوں کے ساتھ مدینہ پہنچیں۔ رشتے کی قرابت کی بنا پر آپؓ حضورؐ کی کفالت اور سرپرستی میں رہیں۔

حضرت زیدؓ باپ کی طرف سے قبیلہ بنی کلب اور ماں کی طرف سے قبیلہ بنی طے کے چشم و چراغ تھے۔ یہ دونوں قبیلے عرب کے معزز قبائل میں شمار ہوتے تھے۔ زید بچپن میں ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گئے۔ ڈاکوؤں نے عرب کے مشہور میلے عکاظ میں انہیں غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا۔ خریدنے والے سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ وہ انہیں 400 درہم میں خرید کر مکہ لے آئے اور اپنی پھوپھی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب حضرت خدیجہؓ کی شادی حضورِ اکرمؐ سے ہوئی تو آپؐ نے اس ہونہار لڑکے کے اطوار و خصائل دیکھ کر اسے اپنے لیے

Marfat.com

مانگ لیا۔ اس وقت زیدؓ کی عمر 8 سال تھی۔ بعد میں آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ اس اعلان کے بعد لوگ انہیں زیدؓ بن محمدؐ کہہ کر پکارنے لگے۔

جب رسولِ اکرمؐ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو سیدہ زینب بھی ہجرت کر کے وہاں آ گئیں۔ آپؐ نے زید بن حارثہ کے لیے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ وہ بولیں "یا رسول اللہؐ انہیں میں اپنے لیے پسند نہیں کرتی۔ میں قریش خاندان کی ایک بیوہ ہوں" آپؐ نے سمجھا بجھا کر سیدہ زینبؓ کی شادی حضرت زیدؓ سے 4ھ میں کر دی۔ شادی تو ہو گئی لیکن زینبؓ اپنے دل سے اس احساس کو نہ مٹا سکیں کہ زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام اور ان کے خاندان ہی کا پروردہ ہے۔ اور وہ خود اعلیٰ خاندانِ قریش سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی احساس اور سوچ کی وجہ سے انہوں نے حضرت زیدؓ کو عائلی زندگی میں اپنے برابر نہ سمجھا۔ یہ صورت حال دونوں میاں بیوی کے درمیان تلخیاں اور شکر رنجیاں پیدا کرتی رہی۔ حضرت زیدؓ نے بارہا اپنے محسن و مربیؐ کی خدمتِ اقدس میں ان تلخ اور ناگوار حالات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ "زینبؓ مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ ان کو طلاق دے دوں" لیکن آپؐ نے ہمیشہ صبر و تحمل اور اپنی بیوی سے حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی۔

جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے "اے نبیؐ یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص (زید) سے کہہ رہے تھے، جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو"

(سورہ احزاب: آیت 37)

آخر کار میاں بیوی کی باہمی شکر رنجیاں اپنا رنگ لا کر رہیں۔ آپؐ کی کوئی تلقین کوئی نصیحت ان کے درمیان فاصلوں کو مٹا نہ سکی۔ حضرت زیدؓ نے تنگ آ کر شادی کے ایک سال بعد 5ھ میں سیدہ زینبؓ کو طلاق دے دی۔ طلاق کے اس واقعہ نے اللہ کے نبیؐ کو سخت رنجیدہ کیا کیوں کہ آپؐ نے ہی زور دے کر یہ رشتہ کرایا تھا۔

اس سے قبل جن دنوں حضرت زیدؓ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے متعلق سوچ رہے تھے، انہی دنوں عالمِ بالا سے حضورؐ کو اشارہ مل رہا تھا کہ اس طلاق کے بعد آپؐ کو سیدہ زینبؓ سے نکاح کرنا ہوگا، تا کہ لے پالک کی قدیم جاہلانہ اور غیر منصفانہ رسم پر ایسی کاری ضرب لگے جس

Marfat.com

کے نتیجہ میں اسلامی معاشرہ اس غیر حقیقت پسندانہ رواج کے زہریلے اور شر انگیز اثرات سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔ اسلامی معاشرے میں منہ بولے بیٹے اور حقیقی بیٹے کو برابر کا درجہ نہیں دیا گیا۔ چنانچہ فرمانِ خداوندی جاری ہوا:۔

> ''اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا ہے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم (لوگ) اپنے منہ سے نکال دیتے ہو، مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ بات ہے''۔

(سورہ احزاب: آیت 4،5)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ پہلے لوگ زیدؓ کو زید بن محمدؐ کہتے تھے لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان کو زیدؓ بن حارثہ ہی کہنے لگ گئے۔

ربّ العٰلمین کی واضح ہدایت کی روشنی میں آنحضورؐ نے سیدہ زینبؓ کو اپنی طرف سے نکاح کا پیغام بھیجنے کا فیصلہ کیا اور آپؐ نے یہ خدمت حضرت زیدؓ بن حارثہ ہی کے سپرد کی۔ جب زینب کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہؐ نے فرمایا: ''زید، تم سے زیادہ مجھے کسی پر اعتماد نہیں، لہذا تم زینب کے پاس جاؤ اور میری طرف سے ان کو نکاح کا پیغام پہنچا دو'' آپؐ کے ارشاد کے مطابق زیدؓ حضرت زینب کے پاس پہنچے اور نہایت ادب سے کہا:۔

> ''زینب تمہیں بشارت ہو کہ رسول اللہ تمہارا ذکر فرماتے ہیں اور نکاح کا پیغام دیتے ہیں''۔

یہ سن کر زینبؓ بولیں ''میں اس وقت تک کچھ نہ کہوں گی جب تک استخارے کے ذریعے اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں''۔ یہ کہہ کر وہ مصلیٰ پر کھڑی ہوگئیں اور نماز پڑھنے لگیں۔

ایک طرف اللہ کی یہ نیک، عبادت گزار، شب بیدار بندی، جس کے اس وقت آسمانوں میں تذکرے ہو رہے تھے، اپنے معبودِ حقیقی سے اپنے مستقبل کے بارے میں عجز و نیاز کے ساتھ اس کے حضور کھڑی راہنمائی کے لیے درخواست گزار تھی تو دوسری طرف اسی دربار الٰہی

Marfat.com

سے اس کے استخارے کے جواب میں جناب رسول اللہ پر وحی کے ذریعے یہ آیت نازل ہو رہی تھی:۔

''جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا (یعنی جب اس کی عدت پوری ہو گئی) تو اے پیارے نبیؐ، ہم نے اس مطلقہ خاتون کا نکاح آپؐ سے کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے''۔ (سورہ احزاب: آیت 37، 38)

اس آیت قرآنی کے نازل ہونے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نبیؐ کی خوش قسمتی پر تو کسی مومن کو شک ہو ہی نہیں سکتا، قربان جائیں اس بزرگ ہستی پر جس کو بارگاہ الٰہی سے براہ راست آنحضورؐ کی زوجہ محترمہ اور امت مسلمہ کی اُمُّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ بشارت ایک صاحب ایمان خاتون کے لیے سب سے عظیم خوشخبری تھی کہ اس کا نکاح خود خالقِ ارض و سماء نے اپنے محبوب ترین نبیؐ کے ساتھ کرنے کا اعلان وحی کے ذریعے کیا۔ یہ اعلان قیامت تک منبروں اور محرابوں سے گونجنے والا اور نمازوں میں تلاوت کیا جانے والا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت زینبؓ کو مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی کے نزول کی خبر ملی تو وہ تشکر کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے مولائے حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئیں۔ سیدہ زینبؓ کے حقیقی بھتیجے محمد بن عبداللہ بن جحش اپنی پھوپھی (زینبؓ) کا بیان روایت کرتے ہیں، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ ''جب نکاح کی بشارت لے کر میرے پاس قاصد آیا تو میں نے فرطِ جذبات سے دو ماہ کے روزوں کی نذر مان لی، جو میں نے اُن دنوں میں رکھے جب حضورؐ مدینہ منورہ سے باہر سفر میں گئے ہوئے ہوتے اور میں گھر پر ہی مقیم رہتی (حضورؐ کا سیدہ زینبؓ سے نکاح ذیقعد 5ھ میں ہوا)

سیدہ زینبؓ کے حضورؐ کے ساتھ نکاح کی جہاں یہ خصوصیت ہے کہ یہ نکاح زمین پر نہیں عالمِ بالا میں منعقد ہوا، اسی طرح اس کی نمایاں خصوصت یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے اس انوکھی شادی کا ولیمہ بھی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بڑے وسیع پیمانے پر کیا، جس کی تفصیل امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے دی ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں ''رسول اللہ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کا ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا اُمُّ المومنینؓ سیدہ زینبؓ بن جحش کا کیا۔ اس موقع پر آپؐ نے ایک بکری ذبح

Marfat.com

کر کے دعوتِ ولیمہ کی'' ولیمہ میں گوشت روٹی کا انتظام کیا گیا تھا جو مہمانوں نے شکم سیر ہو کر کھایا۔

اسی ولیمہ کے بعد ہی آیتِ حجاب نازل ہوئی۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ کھانے کے بعد لوگ باتوں میں مشغول ہو جاتے تھے۔ آپ ؐ حضرت زینب ؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ ان بیٹھے ہوئے لوگوں کے سبب سے آپ ؐ بار بار آتے، پھر چلے جاتے اور اخلاقاً کچھ نہ فرماتے۔ اس موقع پر اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:۔

''اے ایمان والو! نبی ؐ کے گھر نہ آؤ مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کا اِذن دیا جائے۔ اس کے برتنوں پر نظر ڈالے بغیر (آسکتے ہو)، لیکن جب تک دعوت دی جائے تو آجاؤ اور جب (کھانا) کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ کیوں کہ تمہارا یہ فعل نبی ؐ کو تکلیف دیتا ہے اور وہ تم سے بہ سبب شرم کے کچھ نہیں کہتا مگر اللہ کو حق بات کہنے سے کوئی شرم نہیں اور جب تم ان سے (نبی ؐ کی بیویوں سے) کچھ مانگو تو ان سے پردہ کی آڑ سے مانگو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسول ؐ کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے''۔

(سورہ احزاب: آیت 53)

''تم خواہ کوئی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔ ازواج نبی ؐ کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھانجے، ان کی میل جول کی عورتیں اور ان کے مملوک گھروں میں آئیں۔ اے عورتو! تمہیں اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا چاہیے، اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے''۔

(سورہ احزاب: آیات 54، 55)

Marfat.com

اس واضح حکم خداوندی کے بعد اُمُ المومنین سیدہ زینبؓ اور دوسری امہات المومنین کے حجروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیئے گئے اور چونکہ فخرِ موجوداتؐ کا کاشانہ اقدس امت کے لیے نمونے کا مثالی گھر تھا اس لیے تمام مسلمانوں کے گھروں کے دروازوں پر پردے لٹک گئے تو گویا یہ اعلانِ عام تھا۔ اب نبیؐ اور عام مسلمانوں کے گھروں میں محرم رشتے داروں کے سوا کسی اور کو (بلا اجازت) اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

سیدہ زینبؓ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کی پیدائش کے وقت آپؐ کی عمر 21 سال تھی۔ وہ آپؐ کے سامنے پلیں، بڑھیں اور جوان ہوئیں۔ ہجرت کر کے مدینہ آئیں، آپؐ کی سرپرستی اور کفالت میں رہیں۔ آپؐ نے خود زور دے کر ان کے خاندان والوں کی ناپسندیدگی کے باوجود ان کی شادی اپنے آزادہ کردہ غلام زیدؓ بن حارث سے کی پھر جب ایک سال بعد ان کا نبھاہ نہ ہو سکا تو بات طلاق پر ختم ہوئی۔ اس کے بعد آپؐ نے ارشاد خداوندی کے مطابق حضرت زینبؓ سے شادی کی۔ آپؐ کی یہ شادی ذیقعد 5 ھ میں ہوئی۔ اس وقت سیدہ زینبؓ کی عمر 36 سال اور آپؐ کی 57 سال تھی۔ رہائش کے لیے انہیں مسجدِ نبویؐ کے قریب شمالی سمت مکان کا بندوبست کروا دیا۔ حضورؐ نے سیدہ زینبؓ سے یہ نکاح اپنی پسند اور اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا بلکہ یہ نکاح خدائے عزوجل نے اپنی مثبت اور ہمہ گیر سکیم کے تحت کیا تھا۔ اس لیے اس پر کیے جانے والے اعتراضات کے مدلل جوابات اور وضاحتیں دینے کا ذمہ بھی خود لیا۔ بارگاہِ خداوندی سے یہ اعلان کیا گیا:۔

''لوگو! محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے''۔

(سورہ احزاب: آیت 40)

اُمُ المومنین حضرت زینبؓ نہایت دیندار، پرہیز گار اور حق گو خاتون تھیں۔ ان کے اوصاف کا اعتراف آنحضورؐ خود بھی کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ زینبؓ کثرت سے عبادت کرنے والی اور اپنے اللہ سے ڈرنے والی ہیں''۔ آپؓ دوسری ازواجِ مطہرات کے مقابلہ میں اپنے خصوصی اعزازات فخریہ بیان کیا کرتیں تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ

Marfat.com

میں حضورؐ کی پھوپھی زاد ہوں اوروں کا نکاح ان کے سرپرستوں اور ولیوں نے کیا مگر میرا نکاح میرے مولائے حقیقی نے اپنے محبوب رسولؐ کے ساتھ کیا۔ یہ ایسا نکاح ہے جس کا اعلان اللہ نے وحی کے ذریعے اپنی آخری کتاب میں کیا۔ تمام ازواجِ مطہرات میں سے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ جو حضورؐ کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی تھیں، فرماتی ہیں کہ تمام ازواج مطہرات میں میری ہمسری کا دعویٰ حضرت زینبؓ کو ہی تھا اور وہ اپنے دعوے میں حق بجانب بھی تھیں۔

جنابِ رسول اللہؐ بالعموم ہر روز نمازِ عصر کے بعد تمام ازواج کے ہاں چکر لگایا کرتے اور کبھی کبھی حضرت زینبؓ بنت جحش کے ہاں زیادہ دیر تک بیٹھتے۔ سیدہ زینبؓ تقریباً پانچ سال کا شانہ نبوتؐ میں آفتابِ رسالتؐ سے براہ راست فیض یاب ہوتی رہیں۔ سیدہ زینبؓ نے 10ھ میں دوسری تمام ازواج کے ساتھ آنحضورؐ کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا۔ آنحضورؐ کے وصال کے بعد آپ نو (9) سال حیات رہیں۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت ۲۰ھ میں آپؓ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت آپؐ کی عمر 50 سال تھی۔ اُمّ المومنین نے وصیت فرمائی تھی کہ میری میت رسول اللہؐ کے تابوت میں رکھ کر قبرستان لے جائی جائے۔ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ آپؓ پہلی خاتون تھیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد تابوتِ نبویؐ پر اٹھائی گئیں۔ اُمّ المومنین کا جب جنازہ اٹھا تو کندھا دینے والوں میں ان کے روحانی بیٹوں کا ایک جم غفیر تھا۔ اُمّ المومنین کے جنازے کے ساتھ امیر المومنین حضرت عمرؓ ساتھ چل رہے تھے۔ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن کے وقت حضرت عمرؓ نے ازواجِ مطہرات سے دریافت کیا کہ حضرت زینبؓ کو قبر میں کون اتارے گا۔ جواب آیا کہ جو اِن کی زندگی میں ان کے پاس آتے جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق قبر کے پاس سے لوگوں کو ہٹا دیا گیا۔ پھر اُمّ المومنین کے بھتیجوں اور بھانجوں میں محمدؐ بن عبداللہ، اسامہ بن زیدؓ اور محمد بن طلحہؓ نے قبر میں اتارا۔ اُمّ المومنین حضرت زینبؓ ازواجِ مطہرات میں سے پہلی زوجۂ رسولؐ تھیں جنہوں نے آنحضرتؐ کے وصال کے بعد وصال فرمایا۔

Marfat.com

اُمُّ المومنین حضرت جویریہؓ

آپؓ کا نام جویریہ تھا، والد کا نام حارث بن ابی ضرار تھا جو بنو مُصطلق قبیلہ کے سردار تھے۔ غزوۂ بنو مصطلق 5 ھ میں لڑی گئی۔ اس میں سات سو مسلمانوں نے حصہ لیا۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور کافی مالِ غنیمت کے علاوہ ایک سو سے زائد قیدی بھی پکڑے گئے جن میں قبیلہ کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ بھی شامل تھیں۔ مدینہ پہنچ کر جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی، حضرت جویریہ ثابتؓ بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ حضرت جویریہ سردار کی بیٹی تھیں، نہایت نازک مزاج، خوبرو اور نازک اندام تھیں۔ آپؓ کی بیس سال کی عمر تھی۔ آپ کا پہلا خاوند مسافع بن صفوان لڑائی میں مارا گیا تھا۔ آپؓ کو ثابتؓ بن قیس کے ساتھ لونڈی بن کر رہنا گوارا نہ تھا۔ مدد کے لیے جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مبتلائے مصیبت ہوں، میں خود کو آزاد کرانا چاہتی ہوں، کسی طرح آپؐ میری مدد فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا، ''کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تمہارا جزیہ دے کر تم سے نکاح کرلوں''؟ جویریہ نے کہا ''بہتر ہے، میں راضی ہوں''۔ آپؐ نے جزیہ کی رقم دے کر جویریہ سے نکاح کرلیا۔

اس سے قبل آپؓ کا نام برّہ تھا۔ شادی کے بعد آپؐ نے برّہ نام تبدیل کر کے جویریہ رکھ دیا۔ حق مہر کے بدلے جویریہ نے اپنے تمام سو قیدیوں کی رہائی کی شرط رکھی۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی جویریہ نے آنحضورؐ سے نکاح کرلیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اب ہمارے پیغمبرؐ سے رشتہ داری ہوگئی ہے لہذا ان کے سب قیدی آزاد کر

Marfat.com

دیے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت جویریہؓ کو اس خصوصیت پر مستحقِ تحسین قرار دیتی ہیں اور فرماتی ہیں ''میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے زیادہ اپنی قوم کے لیے وجہ برکت نہیں دیکھا''۔

جناب رسول اللہؐ کے نکاح میں آنے کے کچھ دن بعد قبیلے کا سردار حارث بن ابی ضرار کئی اونٹوں پر مال و اسباب لاد کر اپنی بیٹی جویریہ کی رہائی کے لیے مدینہ روانہ ہوا۔ راستے میں مدینہ کے قرب و جوار میں وادی عقیق میں اپنے اونٹ چرنے کے لیے چھوڑ دیے، ان میں سے دو اونٹ اس کو بہت پسند تھے، اس لیے ان کو وادی عقیق کی کسی گھاٹی میں چھپا دیا جس کی کسی کو بھی خبر نہ تھی۔ مدینہ پہنچ کر آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا'' آپؐ میری بیٹی کو قید کر لائے ہیں، اس کا فدیہ مجھ سے لے لیں اور اس کو آزاد کر دیں۔ حارث کو ابھی یہ علم نہ تھا کہ اس کی بیٹی آپؐ کے حرم میں داخل ہو چکی ہے۔ حارث ساتھ لائے مال و اسباب سے لدے ہوئے اونٹ آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

آپؐ نے دریافت فرمایا'' وہ دو اونٹ کہاں ہیں جن کو عقیق کی گھاٹیوں میں چھپا آئے ہو''؟ حارث آپؐ کی زبان مبارک سے یہ سن کر بہت حیران ہوا کہ ان اونٹوں کے متعلق تو سوائے اللہ کسی کو علم نہیں تھا۔ حارث پر اس اطلاع کا بڑا اثر ہوا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد اس کے تمام قبیلہ کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور حضرت جویریہؓ سے نکاح کرنے کا مقصد بھی آپ کا یہی تھا جو اللہ نے پورا کر دیا۔

اب حارث کو معلوم ہوا کہ جس بیٹی کو اس نے چھڑانے کے لیے اتنی زحمت اٹھائی وہ تو حرم نبویؐ کی رونق بن چکی ہے۔ وہ بہت خوش ہوا اور بڑی مسرت کے ساتھ اپنی بیٹی سے مل کر ہنسی خوشی اپنے قبیلہ میں واپس چلا گیا۔

حضرت جویریہؓ سے آپؐ کا نکاح 5ھ میں ہوا، اس وقت حضرت جویریہؓ کی عمر بیس سال اور آپؐ کی 58 سال تھی۔ حضرت جویریہؓ فرماتی ہیں کہ لڑائی سے تین دن قبل میں نے خواب دیکھا کہ مدینہ سے چاند نکل کر اس کی گود میں آ گیا۔ جب آنحضورؐ سے شادی ہوئی تو اس خواب کی حقیقت کا پتہ چلا۔

حضرت جویریہؓ پر کشش شکل کی مالک تھیں، نہایت عبادت گزار اور نماز روزے کی

Marfat.com

پابند تھیں۔ ایک دفعہ آنحضورؐ صبح کی نماز کے لیے مسجد نبویؐ جانے لگے تو آپؓ کو جائے نماز پر نماز اور تسبیحات میں مصروف پایا۔ آپؐ بوقتِ چاشت گھر واپس تشریف لائے تو حضرت جویریہؓ اسی طرح مشغول عبادت تھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم عبادت میں بہت مشقت کرتی ہو، کیا میں تمہیں ایسے کلمے نہ سکھا دوں جن کا زبان سے ادا کر لینا تمہاری نفل عبادت سے ترجیح رکھتا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ کلمات تعلیم فرمائے۔

سبحان اللهِ و بحمده عدد خلقبه و رضا نفسه وزنه عرشه و
مدد كلمته (مسلم)

اُمّ المومنین حضرت جویریہؓ نے ربیع الاوّل کے مہینہ میں 50ھ میں 65 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس وقت حضرت معاویہؓ خلیفہ تھے اور مروان بن حکم مدینہ کے والی نے آپؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ آپؓ بہت فضل و کمال والی خاتون تھیں۔ چند احادیث بھی آنحضرتؐ سے روایت کی ہیں۔

Marfat.com

اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ

آپ کا نام رملہ اور اُمِّ حبیبہ کنیت تھی۔ آپ مسلمانوں کے دشمنِ ثانی ابوسفیان کی بیٹی معاویہؓ کی بہن تھیں۔ والدہ کا نام صفیہ بنت العاص تھا جو حضرت عثمانؓ کی سگی پھوپھی تھیں۔ آپؓ بعثتِ نبویؐ سے 17 سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔

آپ کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش بن رباب سے ہوا جو بنی اسد بن خزیمہ کے خاندان سے تھے۔ اُمِّ حبیبہ نے اپنے شوہر عبید اللہ کے ساتھ اوائل ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور مکہ میں مسلمانوں پر کفار کی سختی کی وجہ سے آنحضرتؐ نے آپ کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ یہاں پہنچ کر عبید اللہ کے صلب سے اُن کی لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی، جس کے نام سے آپ کی کنیت اُمِّ حبیبہؓ مشہور ہوگئی۔ بدقسمتی سے عبید اللہ بن جحش نے اسلام ترک کر کے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ عبید اللہ بن جحش آنحضورؐ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب بنت جحش کا بھائی تھا۔ اس واقعہ سے چند دل قبل اُمِّ حبیبہؓ نے خواب میں اپنے شوہر عبید اللہ کا نہایت جحش کا بھائی تھا۔ اس واقعہ سے چند دن قبل اُمِّ حبیبہؓ نے خواب میں اپنے شوہر عبید اللہ کا نہایت بدصورت چہرہ دیکھا۔ صبح ہوئی تو عبید اللہ نے کہا کہ میں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ یہ سن کر آپ بہت پریشان ہوگئیں۔ آپ نے اسے بہت برا بھلا کہا اور ملامت بھی کی اور اس سے اپنے رات والے خواب کا بھی ذکر کیا لیکن عبید اللہ کو بدقسمتی نے گھیر لیا تھا۔ اس پر حضرت اُمِّ حبیبہ کی لعنت ملامت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ راہِ راست سے بھٹکنے والے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کچھ عرصہ بعد کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے

Marfat.com

ہلاک ہو گیا۔

اب اُمّ حبیبہ اپنی بیٹی حبیبہ کے ساتھ تنہا پردیس میں بیوگی کے دن کاٹ رہی تھی۔ جب عدت پوری ہوگئی تو آنحضورؐ نے حبشہ کے نجاشی بادشاہ کے پاس عمر بن امیہ کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میرا نکاح اُمّ حبیبہ سے کر دیا جائے۔ عمر بن امیہ کے پہنچتے ہی نجاشی نے اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے حضرت اُمّ حبیبہ کے پاس آنحضورؐ کا پیغام پہنچایا اور یہ کہلا دیا کہ آنحضرتؐ نے مجھ کو نکاح کے لیے لکھا ہے، تم اپنا کوئی وکیل مقرر کر دو تا کہ یہ تقریبِ نکاح انجام پائے۔

آپؓ اپنے کمرے کے کونے میں نہایت مغموم و پریشان بیٹھی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ آپؓ دروازے پر گئیں۔ درواہ کھٹکھٹانے والی لڑکی نے بتایا کہ مجھے بادشاہ وقت نجاشی نے آپ کی خدمت بھیجا ہے اور ان کے ذریعے آنحضورؐ نے آپؓ سے نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ نے لڑکی ابرہہ کی زبان سے جب یہ آپؐ کی طرف سے دعوتِ نکاح کے الفاظ سنے تو انتہائی خوش ہوئیں۔ فرطِ مسرت سے ابرہہ سے کہا کہ:

''یہ الفاظ تین دفعہ دہراؤ۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا''

آپؓ نے ابرہہ کو خوشخبری سنانے کے نتیجہ میں خود اپنے ہاتھوں میں پہنے ہوئے کنگن، گلے کا نکلس، طلائی انگوٹھی تحفۃً پیش کیے۔ جب ابرہہ پیغام دے کر نجاشی کے پاس واپس پہنچی تو اس نے بتایا کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے آنحضورؐ سے نکاح کی پیشکش کو قبول کیا ہے اور خوشی میں مجھے یہ تحائف بھی دیئے ہیں۔ نجاشی نے ابرہہ کو کہا کہ یہ تحائف حضرت اُمّ حبیبہ کو واپس کر آؤ۔

تقریب نکاح سرانجام پانے کے لیے حضرت اُمّ حبیبہ نے خالد بن سعیدؓ کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ جب شام ہوئی نجاشی نے مکہ سے آئے ہوئے تمام مسلمانوں کو تقریبِ نکاح میں شرکت کے لیے دعوت دی جن میں آنحضورؐ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی موجود تھے۔ نجاشی نے 400 طلائی دینار مہر سے خود نکاح پڑھایا۔ جب رسمِ نکاح سے فراغت ہوئی تو تمام حاضرین اٹھ کر جانے لگے تو نجاشی نے سب کو روک لیا اور کہا کہ تمام انبیاء کی سنت ہے کہ نکاح کے بعد کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پھر سب مدعوئین نے کھانا کھایا۔ یہ نکاح 6ھ

Marfat.com

میں ہوا۔ اس وقت حضرت اُمّ حبیبہ کی عمر 37 سال اور آپ ؐ کی عمر 59 سال تھی۔ حضرت اُمّ حبیبہ نے حق مہر کے 400 دینار میں سے پچاس طلائی مثقال ابرہہ کو خوشی سے دیئے۔ ابرہہ نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، جب آپ مدینہ جائیں تو حضورِ اکرمؐ سے میرا اسلام کہنا۔

نکاح کے بعد حضرت اُمّ حبیبہؓ بحری جہاز میں بیٹھ کر عازمِ مدینہ ہوئیں۔ جب آپ مدینہ پہنچیں تو آنحضورؐ غزوہ خیبر میں فتح کے بعد واپس آئے تھے۔ آپؐ نے بڑھ کر اُمّ حبیبہؓ کا استقبال کیا۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے آپؐ کی خدمت میں نجاشی کی لونڈی ابرہہ کا سلام پیش کیا۔ آپؐ نے ابرہہ کے سلام کے جواب میں ''و علیه السلام و رحمته الله و بر کته'' کہا۔ آپؓ نے نکاح کی تقریب کی تفصیل سے آنحضورؐ کو آگاہ فرمایا۔

ایک دفعہ ابوسفیان مکہ سے تجدیدِ عہد حدیبیہ کے سلسلہ میں آنحضورؐ سے ملاقات کرنے کی خاطر مدینہ آئے۔ ابوسفیان سیدھے اپنی بیٹی اُمّ حبیبہؓ کے گھر گئے۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ نے چھ سال سے اپنے باپ کو نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ گھر میں آنحضورؐ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو اُمّ حبیبہؓ نے آپؐ کا بستر اکٹھا کر کے پرے رکھ دیا۔ ابوسفیان نے بیٹی کو مخاطب ہو کر حیرانی سے دریافت کیا کہ کیا بستر مجھ سے اچھا ہے یا بستر اس قابل نہیں کہ میں بستر پر بیٹھ سکوں؟ اُمّ حبیبہؓ نے فرمایا:

> ''یہ رسول اللہؐ کا بستر ہے اور آپ ابھی مشرک ہیں، اس لیے آپ ناپاک ہیں۔ آنحضورؐ کے پاک بستر پر نہیں بیٹھ سکتے''۔

ابوسفیان نے قدرے درشتگی میں کہا تم میرے بعد بہت بدل گئی ہو۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ نہایت عبادت گزار اور اللہ سے ڈرنے والے خاتون تھیں۔ تقویٰ اور طہارت آپؓ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ فرماتی ہیں کہ آنحضورؐ سے سنا ہے کہ:

> ''جو شخص 12 رکعت نفل روزانہ پڑھے گا، اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا''۔

آپؐ کے ارشاد کے بعد آپؓ ہمیشہ ان رکعتوں کو پڑھا کرتی تھیں۔

فتح مکہ کے بعد ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ جب حضرت اُمّ حبیبہؓ نے یہ خبر سنی

Marfat.com

کہ آپ کا باپ اور بھائی معاویہ دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں تو آپؓ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہو گئیں۔ آپؓ کے بھائی معاویہؓ بعد میں کاتب وحی بھی تھے اور حضرت حسنؓ کی خلافت کے بعد خلیفہ بھی بنے۔ آپؓ نے چار سال آنحضورؐ کے ساتھ گزارے۔ آپؐ کے وصال کے بعد حضرت اُمّ حبیبہؓ 33 سال زندہ رہیں اور 44ھ میں 73 سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ اس وقت آپؓ کے بھائی معاویہؓ مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔

Marfat.com

اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ

آپ کا نام صفیہ تھا، والد کا نام اخطب اور والدہ کا نام بَرّہ تھا۔ والد یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے بڑے معزز سردار تھے۔ آپ کی والدہ برّہ سموان کی بیٹی تھیں جو سارے عرب میں اپنی شجاعت اور دلیری کی وجہ سے مشہور تھے۔ 4ھ میں مسلمانوں نے ان کی شرانگیزیوں کی وجہ سے مدینہ سے بے دخل کر دیا تھا اور یہ قبیلہ خیبر میں جا کر آباد ہو گیا۔ حضرت صفیہ آنحضرتؐ کی مدینہ آمد (ہجرت) سے دس سال قبل مدینہ ہی میں پیدا ہوئیں۔ حضرت صفیہ کا شجرہ نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کے چچا تھے۔ اس تعلق کو حضرت صفیہ بڑے فخریہ انداز سے کہا کرتی تھیں۔

حضرت صفیہؓ کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا جو ایک مشہور شاعر اور سردار تھا۔ اس سے طلاق ہو جانے کے بعد آپ کا عقد کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا۔ آپ کا دوسرا خاوند کنانہ خیبر میں قلعہ القموص کا سردار تھا اور اپنے خاندان کے ساتھ قلعہ ہی میں رہائش پذیر تھا۔ غزوہ خیبر جو ۷ھ میں لڑی گئی تھی، جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور القموص جیسے مضبوط قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ کنانہ بن الحقیق قلعہ ہی میں مارا گیا اور اس کے تمام اہل و عیال جو قلعہ میں پناہ لیے ہوئے تھے، مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے جن میں حضرت صفیہؓ بھی شامل تھیں۔ اس لڑائی میں یہودیوں کے نامی گرامی سردار مارے گئے جن میں حضرت صفیہؓ کا شوہر، بھائی اور باپ شامل تھے۔ اس لیے اسیران جنگ میں حضرت صفیہؓ کی حالت بہت زیادہ قابلِ رحم

Marfat.com

تھی۔

جب جنگ کے خاتمہ پر اموالِ غنیمت کی تقسیم ہونے لگی تو آپؐ کے ایک صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ نے آپؐ کی خدمت میں ایک لونڈی کی ضرورت کا اظہار کیا (یاد رہے کہ حضرت جبرائیل جب کبھی آنحضورؐ کی خدمت میں انسانی شکل میں حاضر ہوتے تو حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں ہی آتے تھے، اس لیے محفل میں بیٹھے ہوئے حاضرین کو یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ہماری محفل میں حضرت جبرائیل بھی موجود ہیں۔ آپؐ نے دحیہ کلبیؓ کو اسیروں میں سے انتخاب کی اجازت دے دی۔ دحیہ کلبیؓ کی نظر انتخاب حضرت صفیہؓ پر پڑی۔

حضرت صفیہؓ کیوں کہ ایک اونچے اور ذی وقار قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں اس لیے صحابہ نے گزارش کی کہ حضرت صفیہ آپؐ کے لیے مناسب ہے۔ آپؐ نے صحابہ کا یہ مشورہ قبول کیا اور دحیہ کلبیؓ کو دوسری لونڈی عنایت فرما کر حضرت صفیہؓ کو پہلے آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت صفیہؓ کی آزادی ہی حق مہر قرار پائی۔ اُس وقت آپؐ کی عمر 59 سال اور حضرت صفیہؓ سترہ برس کی تھیں۔ یہ 7ھ کا واقعہ ہے۔ نکاح کے بعد خیبر سے روانگی ہوئی تو راستہ میں مقام صہبا میں رسمِ عروسی ادا کی گئی اور وہیں دعوتِ ولیمہ بھی ہوئی۔ صہبا سے چلنے لگے تو آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو اپنے اونٹ پر سوار کیا اور اپنی عبا اتار کر ان پر پردہ کیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ صفیہؓ ازواجِ مطہرات میں داخل ہو گئی ہیں۔

جب آپؐ مدینہ پہنچے تو حضرت صفیہؓ کو اپنے ایک انصار صحابی حضرت حارثؓ بن نعمان کے ایک مکان میں ٹھہرایا۔ حضرت حارث بن نعمان آپؐ کے بڑے جانثار صحابی تھے اور اللہ نے انہیں مال و اسباب اور دولت بھی کافی دی تھی۔ ایسے موقعوں پر حضورؐ کے کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور آپؐ کی ہر طرح کی ضرورت کا خاص خیال رکھتے تھے۔

حضرت حفصہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت جویریہؓ، حضرت صفیہؓ کو دیکھنے کے لیے تشریف لائیں۔ حضرت صفیہؓ کے حسن و جمال کو دیکھ کر سب انصاری خواتین نے تعریف کی۔ حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ کو دیکھ کر جانے لگیں تو پیچھے پیچھے حضرت نبی اکرمؐ بھی تھے۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''عائشہؓ تم نے صفیہؓ کو کیسا پایا''؟ بولیں ''یہودیہ ہے''۔ آپؐ نے

Marfat.com

فرمایا ''ایسا نہ کہو، وہ مسلمان ہوگئی ہے اور اس کا اسلام بہتر ہے، اب وہ یہودیہ نہیں رہی''۔

حضرت صفیہؓ بہت زیرک، صابر اور حلیم الطبع خاتون تھیں۔ جس وقت قلعہ القموص فتح ہوا اور خیبر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا تو حضرت صفیہؓ اور ان کی چچا زاد بہن کو حضرت بلالؓ اپنے ساتھ لے کر آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ راستہ میں قلعہ قموص کے اندر ہی یہودیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ بہت نازک موقع تھا۔ ایسے دلخراش منظر میں بڑے بڑے مضبوط دل بھی ہل جاتے ہیں، جبکہ ان لاشوں میں صفیہؓ کے شوہر اسلام بن مشکم، باپ اور بھائی کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت صفیہؓ نے صبر کے دامن کو واقعہ کی نزاکت سے مضبوطی سے تھامے رکھا لیکن ان کی چچا زاد یہ منظر برداشت نہ کرسکیں اور چیخنے لگ گئی، لیکن حضرت صفیہؓ کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی اور حالات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور سب کچھ صبر و رضا سے سہہ گئیں۔

اسلام کا تقدس حاصل ہو جانے کے بعد آپؓ کو یہودیت کا طعنہ بہت دلخراش محسوس ہوتا تھا۔ ایک دفعہ آپؐ کے ساتھ سفر میں دوسری ازواجِ مطہرات بھی ہمراہ تھیں۔ اتفاق سے حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہوگیا، آپؓ بہت گھبرائیں اور بے اختیار رونے لگ گئیں۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو خود تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے ان کے آنسو پونچھنے لگے مگر صفیہؓ کی گریہ وزاری میں اضافہ ہوگیا۔ آپؐ نے حضرت زینبؓ بنت جحش سے فرمایا ''زینب تمہارے پاس دو اونٹ ہیں، تم ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو'' حضرت زینبؓ بولیں ''کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں''؟ یہ بات آنحضورؐ کو بہت ناگوار گزری اور آپؐ اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ حضرت زینبؓ بن جحش سے دو تین ماہ تک بات کرنا بند کر دی اور پھر حضرت عائشہؓ نے بمشکل معاف کروایا۔

ایک بار آپؐ تشریف لائے تو حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں۔ آپؐ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، تو انہوں نے کہا ''عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ وہ تمام ازواجِ رسولؐ میں افضل ہیں کیوں کہ وہ بیوی ہونے کے علاوہ آپؐ کی چچا زاد بھی ہیں۔ آنحضرتؐ نے آپؓ کی دلجوئی کے لیے فرمایا: تم نے کیوں نہ کہا کہ ''میرے باپ ہارونؑ، میرے چچا موسیٰؑ اور شوہر محمدؐ ہیں اور تینوں ہی اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اس لیے تم لوگ مجھ سے کیوں کر افضل ہو سکتی ہو۔ اس طرح

Marfat.com

تم ان سے کچھ کم افضل نہیں ہو"۔

ایک دفعہ آپؓ کی ایک لونڈی نے خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ حضرت صفیہؓ میں ابھی تک یہودیت کی بو آتی ہے کیوں کہ اب بھی "ہفتہ" کے دن کو دوست رکھتی ہیں اور یہودیوں سے ابھی تک پہلے کی طرح تعلقات استوار رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت عمران الزامات کی تصدیق کے لیے خود اُمُ المومنین حضرت صفیہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وضاحت چاہی۔ حضرت صفیہؓ نے جواب دیا "جب سے مجھے اللہ نے "ہفتہ" کے بدلہ "جمعۃ المبارک" کا دن عنایت فرمایا تو مجھے ہفتہ کے دن کو دوست رکھنے کی ضرورت نہیں اور یہودیوں میں میری جن سے قرابت داری ہے ان سے مجھے تعلق رکھنا پڑتا ہے"۔ حضرت عمرؓ حضرت صفیہؓ کے جواب سے مطمئن ہو کر واپس تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپؓ نے اس کو لونڈی کو بُلا کر پوچھا کہ "تجھے اس بات پر کس نے آمادہ کیا"؟ لونڈی نے کہا "شیطان نے" یہ سن کر حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس کے بعد لونڈی کو آزاد کر دیا۔

آپؓ بے انتہا صبر کرنے والی متقی، اللہ سے ڈرنے والی اور فیاض تھیں۔ آپ کے دل میں دوسروں کے لیے ہمدردی کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ آپؓ دینی تعلیمات اور علمی خصوصیات کا مخزن تھیں۔ مدینہ کے باہر سے خواتین آپؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل دریافت کرنے آیا کرتی تھیں۔

ایک دن حضورؐ کی علالت کے یام میں آپؓ پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضورؐ سے فرمایا کہ: "آپ کی جگہ میں بیمار ہو جاتی" حضرت صفیہؓ نے جب یہ بات کہی تو پاس بیٹھی ہوئی ازواجِ مطہرات نے ایک دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا "وہ سچی ہے اور یہ بات اس نے دل سے کہی ہے"۔

حضرت صفیہؓ نے آپؐ کے ساتھ چار سال گزارے۔ جب آنحضورؐ کا وصال ہوا تو حضرت صفیہؓ کی عمر 21 سال تھی۔ اس کے بعد آپؓ مزید 39 سال تک حیات رہیں۔ 50ھ میں حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ اس وقت آپؓ کی عمر 60 سال تھی۔

Marfat.com

اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ

حضرت میمونہ حارث بن حزن کی بیٹی تھیں۔ آپ بعثتِ نبویؐ سے سولہ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی والدہ کا نام ہند تھا۔ آپ کا پہلا نکاح مسعود بن عمر سے ہوا جس نے بعد میں آپ کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد دوسرا نکاح ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہوا جس نے ۷ ھ میں وفات پائی۔

آپ کے والد حارث کی 16 بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑی بیٹی ام الفضلؓ حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی زوجہ تھیں۔ ام الفضل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی والدہ تھیں۔ دوسری بیٹی ام سلمہ آپؐ کے دوسرے چچا حضرت حمزہؓ کی زوجہ تھیں۔ حارث کی ایک اور بیٹی لبابہ حضرت خالد بن ولید کی والدہ تھیں۔ اسماء حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی زوجہ تھیں۔

حضرت میمونہؓ کا دوسرا خاوند فوت ہونے کے بعد آپؓ کی خواہش تھی کہ آنحضرتؐ سے نکاح کیا جائے۔ آپؓ نے اس خواہش کا اظہار اپنی بڑی بہن ام الفضلؓ سے کیا۔ ام الفضلؓ نے اس خواہش کا اظہار اپنے خاوند اور حضور اکرمؐ کے چچا حضرت عباسؓ سے کیا۔ حضرت عباسؓ نے یہ پیشکش آنحضورؐ کی خدمت میں پیش کی جسے آپؐ نے قبول فرمایا۔ آنحضرت صلعم جب ذیقعد 7ھ میں مدینہ منورہ سے مکہ کی غرض سے عمرہ روانہ ہوئے تو حضرت جعفر بن ابن طالبؓ کو حضرت میمونہؓ کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا۔ جب یہ پیغام حضرت میمونہؓ کے پاس پہنچا تو اس وقت وہ ایک اونٹ پر سوار تھیں جس پر کچھ سامان بھی لدا ہوا تھا۔ حضرت میمونہؓ نے خوشی سے وہ

Marfat.com

اونٹ بمعہ سامان اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا۔

صلح حدیبیہ کے مطابق تقریباً پانچ سو صحابہ کے ساتھ آپ ؐ عمرہ کرنے جارہے تھے۔ آپ ؐ نے عمرے کا احرام باندھا ہوا تھا۔ مکہ سے دس میل پہلے آپ ؐ کا قیام تھا۔ حضرت میمونہ کو حضور ؐ کے خادم ابورافع ''سرف'' ہی میں لے آئے تھے۔ حضرت میمونہؓ نے حضرت عباسؓ کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ عمرہ کے احرام کی شکل میں بعوض 500 درہم حق مہر آپ ؐ کا حضرت میمونہؓ سے نکاح ہوا۔ آپ ؐ نے پانچ سو درہم حضرت عباسؓ کے ہاتھ حضرت میمونہؓ کو بھجوادیئے۔ جب آپ عمرہ سے فارغ ہوئے تو واپسی مقام ''سرف'' پر رسم عروسی ادا ہوئی وہیں دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کیا گیا۔ حضرت میمونہؓ کے اس نکاح کے نتیجہ میں قریش کے کافی نامی گرامی لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے جن میں حضرت خالدؓ بن ولید بھی شامل تھے۔

حضرت میمونہؓ نے ساڑھے تین سال آنحضرت ؐ کے ساتھ گزارے۔ آنحضور ؐ کے وصال کے بعد آپ ۴۰ سال حیات رہیں اور 51ھ میں 80 سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ آپؓ سے روایت کی گئی احادیث کی تعداد 76 ہے۔ جس طرح حضرت میمونہؓ حضور ؐ کے نکاح میں آخر میں آئیں، اس طرح آپؓ کی وفات بھی آخر میں سب ازواج مطہرات کے بعد ہوئی۔ آپؓ کو دین کی تعلیم سکھانے اور تبلیغ دین سے بہت شغف تھا۔ آپؓ کے بھتیجے حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی آپؓ کے شاگرد ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد ہے کہ حضرت میمونہؓ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی تھیں۔

Marfat.com

اُمّ المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ

حضرت ماریہ قبطیہؓ بنت شمعون کا تعلق شمالی مصر کے شہر اسکندریہ سے تھا۔ آپؓ کا تعلق مصر کے عیسائی بادشاہ مقوقس کے دربار سے تھا۔ 6ھ میں جب حضورؐ نے دین اسلام کی تبلیغ و نشر و اشاعت کے لیے مختلف حکمرانوں کو دعوت کے خطوط بھیجے تو واپسی پر مقوقس نے آپؐ کی خدمت میں حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین، ایک خچر، ایک گدھا اور بیش قیمت درباری ملبوسات بطورِ تحفہ بھیجے۔ حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین نے مدینہ داخلے سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت ماریہ اور اس کی بہن بہت خوبصورت تھیں۔ آپؐ نے ماریہ قبطیہ سے شادی کر لی اور سیرین کو اپنے ایک صحابی حسن بن ثابتؓ کے پاس بھیج دیا۔

ماریہ قبطیہ کا والد شمعون مصر کی ایک نسل قبطی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور ماریہ کی والدہ یونانی النسل تھیں۔ شادی حضور اکرمؐ سے 7ھ میں انجام پائی۔ آپؐ نے ماریہؓ کو اُس مکان میں رکھا جس میں حضرت صفیہؓ رہا کرتی تھیں اور یہ مکان قبا میں واقع تھا۔ حضرت ماریہؓ کے بطن سے 9ھ میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔ آپؐ نے اپنے بیٹے کا نام اپنے جدامجد حضرت ابراہیمؑ کے نام پر رکھا۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت ماریہؓ دوسری زوجہ تھیں، جن سے آپؐ کی اولاد پیدا ہوئی۔ بچپن ہی میں حضرت ابراہیمؓ سخت بیمار ہو گئے اور اسی بیماری کی حالت میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس وقت حضرت ابراہیمؓ کی عمر 18 ماہ تھی۔ ان کی وفات پر آنحضرتؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دونوں میاں بیوی بہت روئے۔ صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے دریافت

Marfat.com

کیا کہ حضرت ابراہیمؑ تو جنت کے مکین ہیں پھر آپؐ روتے کیوں ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: ''یہ انسانیت کا تقاضہ ہے۔ حضرت ابراہیمؓ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اسی سال آپؐ کی سب سے بڑی بیٹی حضرت زینبؓ نے بھی وفات پائی۔

حضرت ماریہؓ نے تین سال حضورؐ کے ساتھ گزارے۔ آنحضرتؐ کے وصال کے 5 سال بعد محرم 16ھ میں آپؓ نے وفات پائی۔ دوسرے خلفیہ راشد حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپؓ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اس وقت آپؓ کی عمر 28 سال تھی۔

دونوں خلفائے راشدین اور سب صحابہ اکرمؓ دوسری امہات المومنین کی طرح آپؓ کے ساتھ بہت عزت و تکریم سے پیش آتے تھے۔

Marfat.com

حضور ﷺ کی اولاد

Marfat.com

Marfat.com

نبی اکرمؐ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جن میں سے دو بیٹے حضرت قاسمؓ اور حضرت عبداللہؓ آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیمؓ آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپؐ کی چاروں بیٹیاں حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئیں۔

حضرت قاسمؓ

حضرت قاسمؓ بعثت سے 11 سال قبل پیدا ہوئے۔ اس وقت آپؐ کی عمر 29 سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر 44 سال تھی۔ حضرت قاسم دو سال کی عمر میں بچپن ہی میں فوت ہو گئے اور مکہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ آپؐ کے پہلے بیٹے حضرت قاسمؓ ہی کی وجہ سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ اس کنیت کو آپؐ بہت پسند کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ

حضرت خدیجہؓ کی اولاد میں عبداللہ آپؐ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپؓ حضرت فاطمہؓ کے بعد پیدا ہوئے۔ عبداللہ صرف تین ماہ زندہ رہے۔ طاہر اور طیب آپؓ کے لقب تھے۔ آپؓ کو بھی مکہ میں جنت المعلیٰ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

حضرت ابراہیمؓ

حضرت ابراہیمؓ آپؐ کی آخری زوجہ محترمہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے 8ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آنحضورؐ نے ان کا نام جدالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے نام پر رکھا۔ ساتویں دن آپؐ نے عقیقہ کیا اور دعوت کا اہتمام کیا اور خیرات بھی کی۔ آپؓ کی پیدائش پر آپؐ نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ حضرت ابراہیمؓ اٹھارہ ماہ زندہ رہے۔ ان کی وفات پر آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ حضرت ابراہیمؓ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپؓ کی وفات 9ھ میں ہوئی۔ آپؐ کی لختِ جگر حضرت ام کلثومؓ بھی اسی سال فوت ہوئیں۔

سیدنا ابراہیمؓ سرکارِ دو جہاںؐ کے نورِ چشم محبوب رب العلمین کے لختِ جگر تھے۔ حضورؐ نے آپؓ کے انتقال پر فرمایا ''میرے بیٹے کو جنت البقیع میں عثمان بن مظعونؓ کے احاطے میں

Marfat.com

دفن کرو، آپ ؐ نے یہ بھی خوشخبری سنائی کہ میرے بیٹے ابراہیمؓ کے لیے جنت میں ایک آیا ہو گی جو اس کے شیر خواری کے ایام پورے کرے گی۔ رحمتِ کون و مکان ؐ نے اپنے دستِ مبارک سے سیدنا ابراہیمؓ کی قبر پر مٹی ڈالی اور پانی چھڑکا۔ یہ پانی ابرِ رحمت تھا۔ حضرت فضل بن عباسؓ اور اسامہ بن زیدؓ نے ابراہیمؓ کو قبر میں اتارا۔

Marfat.com

حضرت زینبؓ

آپ کا نام زینبؓ تھا۔آپؓ آنحضورؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔آپؓ بعثت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں۔اس وقت آنحضورؐ کی عمر 30 سال تھی۔آپؓ کی شادی کم سنی میں آپؓ کے خالہ زاد ابوالعاص سے ہوئی جو آپؓ کی والدہ حضرت خدیجہؓ کی حقیقی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے۔

اشاعتِ اسلام کے ساتھ کفار کی مخالفت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔قریش کے چند لوگوں نے ابوالعاص کو مجبور کیا کہ وہ حضورؐ کی بیٹی زینبؓ کو طلاق دے دے لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرتؐ کی قرابت کو اچھا سمجھتے تھے۔نبوتؐ کے تیرھویں سال جب آنحضرتؐ مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو حضرت زینبؓ اپنے سسرال میں ہی تھی۔

2ھ میں غزوہ بدر میں آپؐ کے داماد ابوالعاص نے مشرکین مکہ طرف سے لڑائی میں حصہ لیا اور جنگ کے خاتمہ پر وہ مسلمانوں کے قیدی بنا لیے گئے۔اس کی خبر جب اہلِ مکہ کو ملی تو اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔حضرت زینبؓ نے اپنے دیور عمر بن ربیع کو وہ بیش قیمت ہار دے کر بھیجا جو آپؓ کی والدہ نے جہیز میں تحفہ دیا تھا۔یہ ایک قیمتی یمنی ہار تھا۔ قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں آپؐ کی خدمت میں جب وہ ہار پیش کیا گیا تو آپؐ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے اور حضرت خدیجہؓ کی یاد تازہ ہو گئی۔پھر آپؐ نے اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ مناسب خیال کرو تو میری بیٹی زینبؓ کے شوہر کو رہا کر دو اور اس کا اس کی والدہ

Marfat.com

کی طرف سے میں جہیز میں دیا ہوا یمنی ہار بھی واپس کر دو۔ چنانچہ ابوالعاص رہا کر دیئے گئے اور وہ یمنی ہار بھی واپس کر دیا گیا۔ سب قیدی فدیہ پر چھوڑے گئے تھے اور یہ شانِ نبوت کے خلاف تھا ابوالعاص دامادِ رسولؐ ہونے کی بنا پر کوئی فدیہ لیے بغیر چھوڑا جاتا۔ اس لیے کہ ابوالعاص کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینبؓ دخترِ رسولؐ کو مدینہ بھیج دیں۔

(ذرا تصور کریں ایک باپؐ اور بیٹی کا معاملہ ہے۔ مخالف سمت سے داماد قیدی بنالیا جاتا ہے۔ باپؐ کے دل کی حالت کیا ہوگی جب بیٹی کی ماں بھی زندہ نہیں اور ایک اور لختِ جگر حضرت رقیہ انہی دنوں فوت ہو جاتی ہیں۔ اس وقت باپ کی بڑی بیٹی کے دل پر کیا بیت رہی ہوگی؟) (مصنف کے تاثرات)

حضرت زینبؓ کو مکہ سے مدینہ لانے کے لیے آپؐ کے داماد ابوالعاص کے ہمراہ زید بن حارثہؓ کو روانہ کیا اور ہدایت کی تم ایک مقام ''بطن'' میں ٹھہر جانا اور حضرت زینبؓ کا وہاں انتظار کرنا۔ ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت زینبؓ مقام ''بطن'' آ گئیں، وہاں سے زید بن حارثہ اِن کو لے کر مدینہ روانہ ہو گئے، جب حضرت زینبؓ مدینہ تشریف لے گئیں تو ابوالعاص بہت مغموم رہنے لگے۔ ایک دن مکہ میں لوگوں کے ساتھ حساب کتاب صاف کر کے مدینہ آ گئے اور دولتِ اسلام سے سرفراز ہو گئے۔

جب حضرت ابوالعاص مشرف بہ اسلام ہو کر محرم 7 ھ میں مدینہ پہنچے تو آنحضورؐ نے حضرت زینبؓ کو بعقدِ اوّل کی طرف رجوع کروا دیا یعنی تجدیدِ نکاح نہ کی اور پہلے والا نکاح ہی قائم رکھا۔ کیوں کہ اس وقت سورہ براۃ کا نزول نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تک مسلمان عورتیں اپنے شوہروں کے پاس اسلام لانے کے بعد بلا تجدید نکاح ان کی زوجیت میں آ جایا کرتی تھیں۔

حضرت ابوالعاص کے صلب سے حضرت زینبؓ کی دو اولادیں پیدا ہوئیں، ایک بیٹا علی اور بیٹی امامہ۔ حضرت زینبؓ، حضرت ابوالعاصؓ کے اسلام قبول کرنے کے تقریباً پندرہ ماہ تک زندہ رہیں۔ حضرت زینبؓ رسول اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ میں 8 ھ میں عازم فردوس بریں ہوئیں۔ حضرت اُمّ ایمنؓ، اُمّ المومنین حضرت سودہؓ، اُمّ المومنین ام سلمہؓ اور ام عطیہؓ غسل میں شریک

Marfat.com

ہوئیں۔ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ میں زینبؓ بنتِ رسولؐ کے غسل میں شریک تھی۔ غسل کا طریقہ آپؐ خود بتلاتے جاتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ''ہر عضو کو تین بار غسل دو، اس کے بعد کافور لگاؤ۔ حضور اکرمؐ نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر کر دینا۔ جب وہ غسل سے فارغ ہو گئیں تو آنحضرتؐ کو مطلع کیا تو آپؐ اپنا تہبند عنایت کیا اور فرمایا کہ اس کو کفن کے اندر پہنا دو۔ آنحضرتؐ نے نمازِ جنازہ پڑھائی ور حضرت ابو العاصؓ نے قبر میں اتارا۔ آپؓ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت حضرت زینبؓ کی عمر 31 سال تھی۔

حضرت زینبؓ کے انتقال کے تھوڑے دن بعد حضرت ابو العاصؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔

Marfat.com

حضرت رُقیہؓ

حضرت رقیہ آنحضرتؐ کی دوسری بیٹی تھیں۔ آپؐ بعثتِ رسالتؐ سے سات سال قبل پیدا ہوئیں۔ حضرت رقیہؓ اپنی بڑی بہن حضرت زینبؓ سے تین سال چھوٹی تھیں، اس وقت آنحضورؐ کی عمر 33 سال تھی۔

حضرت رقیہؓ کا پہلا نکاح ابولہب (عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب) کے بیٹے عُتبہ سے ہو چکا تھا۔ جب آنحضرتؐ کو شرفِ نبوتؐ عطا ہوا تو کفارِ قریش آپؐ کی مخالفت پر اتر آئے۔ انہوں نے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے آپؐ کے داماد اور حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص سے کہا کہ وہ آپؐ کی بیٹی حضرت زینبؓ کو طلاق دے دے۔ ابوالعاص نے ان کا کہا ماننے سے انکار کر دیا اور ابوالعاص کے کورے جواب سے وہ اپنا منہ لٹکائے پھر رہے تھے۔ پھر انہوں نے ابولہب کو کہا کہ وہ آنحضورؐ کی دوسری بیٹی حضرت رقیہ جو اس کے بیٹے عُتبہ کے عقد میں آ چکی تھی لیکن ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی، زور دے کر کہا کہ اسے طلاق دے دے۔ اس کے بعد عتبہ کے والد اور اس کی والدہ ام جمیل نے اپنے بیٹے کو سختی سے کہا کہ وہ اگر رقیہ کو طلاق نہیں دے گا تو ہم اس کو اپنا منہ نہیں دکھائیں گے اور اس سے عمر بھر کے لیے قطع تعلق کر لیں گے۔ لہٰذا اپنے والدین کے کہنے پر عتبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی۔

اس حقیقت کے علاوہ ایک اور مستند روایت یہ بھی ہے کہ ان دنوں اللہ کی طرف سے آنحضورؐ پر ''سورہ تبت یدا ابی لہب'' کا نزول ہوا، جس میں ابولہب کی بیوی ام جمیل کو لعن طعن

Marfat.com

کے علاوہ ہاتھ ٹوٹنے کا ذکر بھی موجود تھا۔ اس غصے کی پاداش میں اس نے اور اس کے خاوند ابی لہب نے بیٹے پر زور دیا کہ وہ آنحضورؐ کی بیٹی کو طلاق دے دے ورنہ ہم تمام زندگی تمہارے (اپنے بیٹے عتبہ) ساتھ اٹھنا بیٹھنا حرام کر لیں گے۔ اپنے والدین کی خوشی کی خاطر عتبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ عتبہ سے ابھی نکاح ہوا تھا اور رخصتی ابھی عمل میں نہیں آئی تھی۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے جب اسلام قبول کر لیا تو آنحضرتؐ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ کفارِ مکہ کی سختیوں اور اذیتوں کی وجہ سے آنحضرتؐ کی خواہش کے مطابق حضرت عثمانؓ سالِ نبوت میں اپنی زوجہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس پر آنحضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا کہ ''حضرت لوطؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کفار کی ایذا رسانی کی وجہ سے اپنی زوجہ کے ہمراہ اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر دیارِ غیر میں ہجرت کی''۔ کچھ عرصہ حبشہ میں ٹھہرنے کے بعد آپؓ واپس مکہ آئے لیکن حالات مسلمانوں کے لیے پہلے سے بھی بدتر تھے اور مکہ میں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور پھر دوبارہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ حبشہ چلے گئے۔ پھر کچھ عرصہ حبشہ میں قیام کرنے کے بعد واپس مکہ آئے اور پھر کچھ عرصہ بعد اپنے اہلِ وعیال کو ساتھ لے کر مدینہ ہجرت کر گئے۔

حبشہ میں قیام کے دوران ان کے صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے۔ عبداللہ کے نام سے ہی حضرت عثمانؓ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ عبداللہ کی عمر ابھی 6 سال تھی کہ وہ بیمار پڑ گئے اور اسی بیماری کی وجہ سے جمادی الاوّل 4ھ میں وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نبی اکرمؐ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمانؓ نے ان کو قبر میں اتارا۔ اس کے بعد حضرت رقیہؓ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔

2ھ میں حضرت رقیہؓ کی صحت بہت خراب ہوگئی۔ انہی دنوں آنحضورؐ صحابہ کے ساتھ غزوہ بدر کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ حضرت رقیہؓ کی حالت ایسی نہ تھی کہ اُن کو تن تنہا چھوڑا جاتا۔ آنحضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا اور خود اپنے جانثار صحابہ کے ساتھ بدر کی طرف چلے گئے۔

Marfat.com

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ہجرت کو ایک سات ماہ گزر چکے تھے۔ اسی بیماری میں آپ ؐ کی لختِ جگر حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوگیا۔ عین اُس وقت جب کہ جنت البقیع میں ان کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی، زیدؓ بن حارث فتح بدر کی خوشخبری لے کر مدینہ میں داخل ہوئے۔ وہ تاریخی فتح کا دن 17 رمضان 2ھ کا تھا۔

ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ؐ نے اپنی لختِ جگر کی خالقِ حقیقی سے ملنے کی خبر سنی تو آپ ؐ نے فرمایا ''عثمان بن مظعونؓ پہلے جا چکے، اب تم بھی ان سے جا ملو''۔ عثمان بن مظعونؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بہنوئی تھے اور وہ جنت البقیع میں دفن ہونے والے پہلے مہاجر تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ اپنی بہن رقیہؓ کی قبر پر بیٹھ کر جب رو رہی تھیں تو آپ ؐ اپنی چادر کے کناروں سے ان کے آنسو پونچھتے رہے اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔ وفات کے وقت حضرت رقیہؓ کی عمر 22 سال تھی۔

Marfat.com

حضرت ام کلثومؓ

حضرت ام کلثومؓ آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ کی تیسری صاحبزادی تھیں۔ آپ حضرت رقیہؓ سے چھوٹی اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے بڑی تھیں۔ آپ مکہ میں بعثت سے پہلے پیدا ہوئیں۔ اس وقت آنحضرتؐ کی عمر مبارک تیس سال تھی۔

جب آنحضرتؐ ہجرت کرکے مدینہ شریف لے گئے تو اس وقت اپنے اہل و عیال کو مکہ چھوڑ گئے تھے۔ بعد میں آنحضرتؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور اپنے غلام ابورافعؓ کو مکہ بھیجا کہ وہ میرے اہل و عیال کو مکہ سے مدینہ لے آئیں۔ چنانچہ یہ دونوں مکہ سے ام المومنین حضرت سودہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور فاطمۃ الزہراؓ کو ساتھ لے کر مدینہ آ گئے۔

۲ھ میں حضرت رقیہ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت عثمانؓ ان کی وفات کے بعد بہت زیادہ مغموم و پریشان رہنے لگے۔ ایک دن آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا ”اے عثمانؓ! میں تمہیں غم و الم میں مبتلا پاتا ہوں، اس کی کیا وجہ ہے؟“ حضرت عثمانؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ”یا رسول اللہ، غمگین و پریشان نہ ہوؤں تو کیا کروں، مجھ پر وہ مصیبت پڑی جو کبھی کسی پر نہ پڑی ہوگی۔ آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ کا انتقال ہوگیا، ان کی وفات سے جیسے میری کمر ٹوٹ گئی۔ آپؐ سے جو رشتۂ قرابت وابستہ تھا، منقطع ہوگیا ہے“۔ ابھی ان کی گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ آنحضورؐ نے فرمایا ”مجھے جبرئیل نے اللہ کی بارگاہ سے یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں اپنی بیٹی ام کلثومؓ کو اسی مہر پر جو رقیہ کا تھا، تمہارے عقد میں دوں“۔

Marfat.com

جب غزوۂ بدر کے ایام میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ تم میری بیٹی حفصہؓ سے عقد کرلو، لیکن حضرت عثمانؓ نے تامّل کیا اور خاموشی اختیار کی، اس لیے کہ وہ سُن چکے تھے کہ آنحضورؐ کا حضرت حفصہؓ سے عقد کرنے کا خیال ہے۔ اپنی پریشانی کی صورت حال حضرت عمرؓ نے آنحضورؐ کی خدمت میں بیان کی ''تو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: ''حفصہؓ کا نکاح ایسے شخص سے نہ ہو جائے جو عثمانؓ سے بہتر ہے اور عثمانؓ کو ایسی بیوی نہ دی جائے جو حفصہؓ سے بہتر ہے''۔ پھر آپؐ نے حضرت حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لے لیا اور حضرت عثمانؓ کا عقد اپنی بیٹی حضرت ام کلثومؓ سے کر دیا۔ یہ نکاح ربیع الاوّل 3ھ میں ہوا اور رُخصتی دو ماہ بعد جمادی الثانی میں عمل میں آئی۔

شادی کے 6 سال گزرنے کے بعد حضرت امّ کلثومؓ نے شعبان 9ھ میں انتقال فرمایا۔ گویا آپؐ کی تینوں بیٹیاں آپؐ کی زندگی میں فوت ہوئیں۔ اِن سے قبل حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ وفات پا چکی تھیں۔ انصار کی عورتوں نے ام کلثومؓ کو غسل دیا۔ آنحضرتؐ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنتُ البقیع کے قبرستان میں دفن کی گئیں۔ حضرت ابوطلحہؓ، حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت اُسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اتارا۔ اُس وقت حضرت ام کلثومؓ کی عمر 28 سال تھی۔ حضرت اُمّ کلثومؓ کے انتقال کے بعد آنحضورؐ نے فرمایا ''اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں سب لڑکیاں یکے بعد دیگرے (ہر لڑکی کے انتقال کے بعد) عثمانؓ کے عقد میں دیتا''۔

Marfat.com

حضرت فاطمۃ الزّہراؓ

آپ کا نام فاطمہ اور زہرا لقب تھا۔ آپ آنحضورؐ کی چار بیٹیوں میں سے سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ والدہ ماجدہ کا نام حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ بنت خویلد تھا۔ زہرا کے علاوہ طاہرہ، مطاہرہ اور بتول بھی آپ کے القاب تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت بعثت سے پانچ سال قبل ہوئی۔ اُس وقت آنحضورؐ کی عمر مبارک 35 سال تھی۔ یہ وہ مبارک زمانہ تھا جس میں قریش خانہ کعبہ کی تعمیر نو کر رہے تھے۔ اور اِس میں حجرِ اسود نصب کرنے کی سعادت بھی حضورؐ کے حصّہ میں آئی۔

حضرت فاطمہؓ بچپن ہی سے بہت سنجیدہ اور سادگی کو پسند فرماتی تھیں۔ کہیں آنا جانا بھی آپ کو اتنا پسند نہ تھا۔ زیادہ تر اپنی والدہ محترمہ کے پاس بیٹھی رہتیں۔ آپ کی سادگی اور کم گوئی کی وجہ سے آنحضور بھی آپ کو بتول (تارک الدنیا) کہا کرتے۔ چونکہ آپ اپنے والدِ محترم آنحضرتؐ سے صورت و سیرت میں بہت مشابہت رکھتی تھیں، اس لیے آپ کو زاکیہ اور راضیہ کے القاب بھی دیے گئے تھے۔

جس وقت آنحضرتؐ کو اللہ کی طرف سے مکہ سے مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم ہوا تو آپؐ اپنے اہلِ خانہ کے لیے رہائش کے انتظامات کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اسی اثنا میں آپؐ نے اپنے غلام زید بن حارثؓ کو ابو رافعؓ کے ساتھ مکہ سے اپنے اہل و عیال کو مدینہ لانے کے لیے بھیج دیا۔ زید بن حارثہ کے ساتھ جنابِ رسولِ اکرمؐ کی زوجہ محترمہ حضرت سودہؓ، آنحضورؐ کی

Marfat.com

دونوں بیٹیاں حضرت امِ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ، ام ایمنؓ اور اُن کے بیٹے اسامہ بن زیدؓ بھی مدینہ پہنچے (یاد رہے کہ آپؐ کی دوسری دو بیٹیاں حضرت زینبؓ مکہ ہی میں اپنے خاوند ابوالعاص کے پاس مقیم تھیں اور حضرت رقیہؓ اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت حبشہ کے سلسلہ میں حبشہ میں تھیں)۔

جب حضرت فاطمہؓ اپنے والدِ محترم کے پاس مدینہ پہنچیں تو آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ لوگوں کی طرف سے آپ کی شادی کے لیے پیغامات آنا شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ سے فاطمہؓ سے عقد کرنے کی استدعا کی۔ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا:

"حکمِ الٰہی کا انتظار کرو"۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ فاطمہؓ کے ساتھ نکاح کے لیے پیغام دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی پیغام دیا اور اُن کو بھی آستانۂ نبوت سے وہی جواب ملا جو حضرت ابوبکرؓ کو ملا تھا۔ پھر حضرت علیؓ کو لوگوں نے آمادہ کیا۔ جب حضرت علیؓ نے یہ پیغام دیا تو آپؐ نے اُن کی استدعا کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا۔ آنحضرتؐ نے اس کا ذکر حضرت فاطمہؓ سے کیا تو جواب میں حضرت فاطمہؓ خاموش رہیں۔ آنحضورؐ نے یہ سمجھ لیا کہ یہ خاموشی ایک طرح کی رضامندی ہے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنا داماد بنانے کی خوشخبری سنا دی اور کہا کہ نکاح کی تیاری کرو۔

حضرت علیؓ نے شادی کے لیے اپنا اونٹ اور کچھ مال واسباب فروخت کر دیا، جس کی کل قیمت 480 درہم ملی تھی۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک زرہ بھی تھی جس کی مالیت بھی 480 درہم سے زائد نہ تھی۔ وہی زرہ بعوض مہر دے دی گئی۔ حضرت علیؓ سے فاطمہؓ کا نکاح محرم 2ھ میں کر دیا گیا۔ اُس وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر 19 سال اور حضرتِ علیؓ کی عمر 25 سال تھی۔ آپؓ کی رخصتی ساڑھے 9 ماہ بعد عمل میں آئی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ شادی کے لیے ولیمہ بھی ضروری ہے۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ میرے پاس ایک بھیڑ ہے اُس کو ذبح کر کے ولیمہ کر لیا جائے۔ اس طرح انصار کے ایک قبیلہ نے بھی اپنی حسب استطاعت حضرت علیؓ کی شادی کے لیے ولیمہ کا انتظام کر دیا۔

Marfat.com

جب حضرت فاطمہؓ اپنے والدِ مکرم کے گھر سے رخصت ہو رہی تھیں تو اُمِ ایمنؓ حضرت فاطمہؓ کے ہمراہ تھیں۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ:

"میرے منتظر رہنا" تھوڑی دیر بعد آنحضورؐ تشریف لائے تو آپؐ نے دروازہ کھلوایا اور فرمایا کہ "علیؓ تشریف رکھتے ہیں؟" اُمِ ایمنؓ نے جواب دیا کہ "ہیں" آپؐ اندر تشریف لے آیئے۔ آپؐ نے اُمِ ایمنؓ کو دعائے خیر سے سرفراز فرمایا۔ آپؐ پھر اندر تشریف لے گئے اور پانی طلب کیا۔ آپؐ نے وہ پانی حضرت علیؓ کو بُلا کر اُن کے دونوں شانوں، بازوؤں اور سینہ پر چھڑکا۔ پھر آپؐ نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ کو بلایا تو وہ شرم وحیا سے جھجکتی ہوئی آنحضرتؐ کے پاس آئیں، آپؐ نے اُن پر بھی پانی چھڑکا اور اپنی بیٹی کو فرمایا "اے فاطمہؓ، میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان میں ایک بہترین شخص سے کی ہے"۔ پھر آپؐ نے دعائے خیر فرمائی۔

آپؐ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں نقشی تخت، ایک چمڑے کا تکیہ (جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی) ایک پیالہ، مشکیزہ، دوعدد چکیاں، جائے نماز اور دو چادریں عنایت فرمائیں۔

حضرت فاطمہؓ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

حضرت حسنؓ شادی کے دوسرے سال شعبان 3ھ میں پیدا ہوئے، حضرت حسینؓ شعبان 4ھ میں اور حضرت محسنؓ 5ھ میں پیدا ہوئے جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ پہلی بیٹی حضرت رقیہؓ تھیں جو بچپن ہی میں فوت ہوئیں۔ پھر حضرت زینبؓ اور ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔ آنحضرتؐ کو اپنے سب نواسوں اور نواسیوں سے بہت محبت تھی۔ آنحضرتؐ کی صاحبزادیوں میں سے یہ شرف صرف حضرت فاطمہؓ کو ہی حاصل ہوا کہ اُن سے آپؐ کی نسل باقی رہی اور اللہ تعالیٰ نے کفارِ قریش کا منہ سورہ کوثر کو نازل کر کے بند کر دیا، جس میں یہ واضح ارشاد فرمایا گیا کہ "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ" (بے شک آپؐ کا دشمن ہی بے اولاد ہے)۔

عبدالرحمٰن ابن نعیم ابی سعید الخیری سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا

Marfat.com

''فاطمہؓ سیّدۃُ النِساء اھلِ والجنۃ یعنی'' فاطمہ تمام جنت کی عورتوں کی سردار ہیں''۔ اسی سلسلہ میں حضرت ابنِ عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

''جنت کی عورتوں کی سردار مریمؑ بنت عمران، پھر فاطمہؓ بنت محمدؐ، پھر خدیجہؓ اور پھر آسیہ (فرعون کی بیوی) ہیں''۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ صداقت اور راست گوئی میں بھی حضرت فاطمہؓ کا کوئی جواب نہ تھا، میں نے فاطمہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا لیکن اُن کے والد آنحضرتؐ البتہ مستثنیٰ ہیں''۔

رسولِ اکرمؐ جب بھی سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی بیٹی فاطمہؓ کے گھر جاتے اور سفر سے واپسی پر بھی سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے گھر ہی تشریف لاتے۔ حضرت فاطمہؓ کے ساتھ جس قدر محبت رسول اللہ کو تھی اتنی اور کسی اولاد کے ساتھ نہ تھی حالانکہ آپؓ کی بعض بہنیں آپ سے زیادہ تیز فہم اور خوبصورت تھیں لیکن آنحضرت کو فاطمہؓ سے زیادہ پیار تھا۔ حضرت فاطمہؓ اگرچہ رسولؐ اللہ کی محبوب ترین اولاد تھیں لیکن آپؐ نے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں اٹھایا۔ جنابِ رسولؐ نے فاطمہؓ سے فرمایا ''تمہاری رضامندی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور تمہارے غیض وغضب سے وہ غضبناک ہوتا ہے''۔

حضرت فاطمہؓ اپنے تمام مشاغلِ حیات میں رسولؐ اللہ کی تقلید کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عادات و خصائل، اٹھتے بیٹھتے، طرزِ گفتگو اور لب و لہجہ میں آنحضرتؐ کے مشابہہ فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت فاطمہؓ جب رسولؐ اللہ کے پاس آتیں تو آنحضرتؐ اگر محفل میں بیٹھے ہوتے تو کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنے برابر بٹھاتے۔ حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رفتار و گفتار، قول و کردار میں فاطمہؓ رسولؐ اللہ کا بہترین نمونہ تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کی صورت بھی آنحضرتؐ سے بہت ملتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میری آنکھوں نے رسولؐ اللہ کے بعد فاطمہؓ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

''فاطمہؓ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، جو اُس کو ناراض کرے گا، وہ مجھ کو

Marfat.com

ناراض کرے گا'' اور جس نے آنحضرت کو ناراض کیا گویا اُس نے اللہ کو ناراض کیا۔

ایک مرتبہ اچانک حضرت فاطمہؓ کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی۔ آنحضرتؐ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آنحضورؐ نے فرمایا:

''بیٹی تم کیسی ہو؟'' حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا ''مجھے تکلیف ہے، لیکن اس تکلیف میں مزید اضافہ یہ ہے کہ میرے گھر میں کھانے کو کوئی چیز نہیں ہے'' آنحضورؐ نے فرمایا ''بیٹی تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ ''خواتینِ عالم کی سردار بنو''؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا ''مریمؑ بنت عمران کا کیا مرتبہ ہے؟'' آپؐ نے فرمایا ''وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں اور تم اپنے زمانہ کی اور خدا کی قسم، مَیں نے تمہاری شادی دنیا کے ایک بہترین انسان سے کی ہے''۔

حضرت فاطمہؓ نہایت متقی، پرہیزگار اور دیندار خاتون تھیں۔ آپؓ کی زندگی کا تمام تر حصّہ زہد و قناعت میں گزرا۔ صبر و رضا، تحمّل اور شرم و حیا کی آپ بہترین مثال تھیں۔ دنیاوی تکالیف و مصائب کا آپ کو ذرا بھی خیال نہ ہوتا تھا۔ آپ کی زندگی جس عسرت و تنگی میں بسر ہوئی اُس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے گھر کا تمام کام خود کرتی تھیں۔ روزانہ کی محنت و مشقت کا یہ عالم تھا کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ مشک بھر بھر کر لانے سے کمر و سینہ میں نشان پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دینے اور چولھا جلانے سے کپڑے میلے ہو جاتے۔

اللہ نے مسلمانوں کو وہ دن بھی دکھائے کہ چاروں طرف فتوحات ہو رہی تھیں۔ مدینہ میں مالِ غنیمت کے خزانوں کے انبار لگ جاتے۔ سیّدہ عالم کا اس میں کچھ حصّہ تھا یا نہیں؟ اس کا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ ایک دن حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا:

''آج کل دربارِ نبوّت میں بہت سے قیدی آئے ہوئے ہیں، تم جاؤ اور آنحضرتؐ سے ایک خادم مانگ لو'' پھر آپ اپنے والدِ محترمؐ آقائے

Marfat.com

دو جہاں اور سب انبیاء کے سردار کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔
آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا ''فاطمہؓ! کیا حال ہے، کیسے آئیں، کیا کوئی کام ہے''؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا، ''کوئی کام نہیں، صرف سلام کے لیے حاضر ہوئی ہوں''۔ حضرت فاطمہؓ حضورؐ کی خدمت میں آداب و سلام کر کے اپنے گھر واپس آگئیں۔ جن باتوں کے اظہار کی ضرورت تھی اور جس کام سے آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں، شرم کے مارے اُس کا اظہار نہ کیا۔ جب گھر واپس آئیں تو حضرت علیؓ نے پوچھا ''جس کام کے لیے گئی تھیں، کیا کر کے آئیں؟'' آپؓ نے جواب دیا ''میں سلام کر کے چلی آئی، میری شرم و حیا نے اجازت نہ دی کہ میرے لبوں پر کوئی سوال آتا''۔

اُس کے بعد ایک دن آنحضرتؐ حضرت علیؓ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے جب آنحضورؐ کو اپنے گھر میں دیکھا تو تعظیماً استقبال کے لیے بڑھے۔ آنحضرتؐ نے اُن دونوں کو روکا اور فرمایا:

''آپ نے جس چیز کی ضرورت ظاہر کی تھی اور جس کے تم خواہش مند تھے، اُس سے بہتر ایک چیز میں تم کو بتاتا ہوں'' اُن دونوں نے عرض کیا ''جی ہاں، فرمایئے'' آپؐ نے فرمایا ''ہر نماز کے بعد دس دس بار ''سبحان اللہ والحمد للہ اور اللہ اکبر'' پڑھا کرو اور سوتے وقت سبحان اللہ والحمد للہ 33,33 بار اور اللہ اکبر 34 بار پڑھ کر دَم کر لیا کرو، یہی تمہارے لیے بہترین خادم ہیں''

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ

''ہم دونوں میں آپ کس کو زیادہ محبوب رکھتے ہیں''؟ آپؐ نے فرمایا تم سے زیادہ فاطمہؓ محبوب ہے اور فاطمہؓ سے زیادہ تم عزیز ہو''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضورؐ کے وصال سے قبل مَیں حضورؐ

Marfat.com

کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ تشریف لائیں۔ آپؐ نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا، پھر آپؐ نے فاطمہؓ کے کان میں کچھ فرمایا، وہ رونے لگیں، پھر دوبارہ کان میں آپؐ نے کچھ فرمایا، وہ ہنسنے لگیں۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور مجھ (عائشہؓ) سے رہا نہ گیا۔ میں نے فاطمہؓ سے پوچھا "یہ کیا بات ہے"؟ فاطمہؓ نے جواب دیا کہ "میں ہرگز اپنے باپؐ کا راز فاش نہیں کروں گی"۔ جب جناب رسولؐ اللہ کا وصال ہو گیا تو میں نے فاطمہؓ سے اس دن کا حوالہ دے کر پوچھا کہ ایک ہی وقت میں رونے اور ہنسنے کا سبب کیا تھا۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا "چونکہ آنحضرتؐ اس عالم سے تشریف لے جا چکے ہیں، اس لیے اب میں کہے دیتی ہوں"۔

"پہلی مرتبہ جب میں رونے لگ گئی تھی، آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ جبرائیلؑ سال میں ایک مرتبہ قرآن شریف کا دور کرواتے تھے، اِس سال خلاف معمول انہوں نے دو دفعہ قرآن پاک کا دور کروایا۔ اِس سے قیاس ہوتا تھا کہ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے اور تم میرے اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے مجھے ملو گی۔ اِس پر میں رونے لگی۔ پھر آپؐ نے فرمایا "کیا تم اِس کو پسند نہیں کرتی کہ تم دنیا کی عورتوں کی سردار بنو" میں یہ سُن کر ہنسنے لگی۔

جب آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر صحابہ کرامؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو صبر و رضا کی تلقین کرنے لگے تو آپ نے حضرت انسؓ سے پوچھا "کیا تم رسولؐ اللہ کو دفن کر آئے ہو"؟ انہوں نے عرض کیا "جی ہاں"۔ آپ نے فرمایا تمہارے دل نے یہ کیسے گوارا کیا کہ آپ لوگوں نے منوں خاک کے نیچے آنحضرتؐ کو دبا دیا"۔ پھر جب آپ آنحضور کی قبر مبارک پر تشریف لے گئیں تو آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور ایک مُشتِ خاک قبر شریف سے لے کر

Marfat.com

آنکھوں سے لگائی اور فی البدیہہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

''کیا چاہیے اُس شخص کو جو خاکِ مزار مبارک آنحضرت سونگھے، اس پر لازم ہے پھر وہ تمام عمر کوئی خوشبو نہ سونگھے۔ مجھ پر جو مصیبتیں پڑیں اگر وہ دِنوں پر پڑتیں تو وہ رات ہو جاتے''۔

اُمّ المسلمین حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جس وقت حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی اُس وقت حضرت علیؓ گھر میں تشریف نہیں رکھتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے مجھے بلایا اور فرمایا:

''پانی کا انتظام کردو، مَیں غُسل کروں گی، صاف اور عُمدہ کپڑے نکال دو، پہنوں گی''۔ چنانچہ مَیں نے غُسل کے لیے پانی کا انتظام کروادیا اور صاف ستھرے کپڑے نکال دیے۔ اِس کے بعد آپ نے اچھی طرح غُسل کیا اور کپڑے پہنے۔ پھر فرمایا ''میرا بستر کردو، مَیں لیٹوں گی''۔ مَیں نے بستر کردیا، وہ قبلہ رُو ہوکر لیٹ گئیں اور مجھ سے فرمایا ''اَب مفارقت کا وقت قریب ہے، میں غُسل کرچکی ہوں، اِس لیے مکرر غُسل کی ضرورت نہیں اور نہ اب میرا بدن کھولا جائے، چنانچہ اِس کے بعد آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملیں۔

آپؓ کے انتقال کرجانے کی اطلاع جب حضرت علیؓ کو ملی وہ گھر تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے اِسی غسل پر اکتفا کیا اور اُن کو دفن کردیا۔ آپؓ کا انتقال آنحضرتؐ کے وصال سے چھ ماہ بعد 3 رمضان المبارک 11ھ میں ہوا۔ حضرت نبی کریمؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت عباسؓ نے قبر میں اُتارا۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 29 سال تھی۔

Marfat.com

اصحابی کالنجوم

عشرہ مبشرہؓ

فرمانِ نبویؐ:

''ابوبکرؓ جنت میں ہے، عمرؓ جنت میں ہے، عثمانؓ جنت میں ہے، علیؓ جنت میں ہے، زبیرؓ جنت میں ہے، طلحہؓ جنت میں ہے، عبدالرحمان بن عوفؓ جنت میں ہے، سعد بن ابی وقاصؓ جنت میں ہے سعیدؓ بن زید جنت میں ہے اور ابوعبید بن الجراحؓ جنت میں ہے''۔

(بروایت عبدالرحمانؓ بن عوف ترمذی۔ ابنِ ماجہ)

''صحابہ کی جماعت میں سے مہاجر اور انصار افضل ہیں، مہاجر اور انصار میں سے مہاجر افضل ہیں اور مہاجرین (صحابہ) میں سے عشرہ مبشرہ کو فضلیت حاصل ہے''۔

(مشکوۃ۔ فضائل صحابہؓ)

☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق ؓ

آپ کا اصل نام عبداللہ، ابوبکر کنیت اور صدیق لقب تھا۔ آپ کے والد قبیلۂ قریش کی شاخ تیم سے تعلق رکھتے تھے جن کا نام عثمان ابوقحافہ بن عامر تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام امّ الخیر سلمٰی بنت صخر تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کو ابن ابی قحافہ کہا جاتا تھا۔ آپ کے خاندان کے پاس خون بہا اور تاوان کی رقم تعین کرنے کی ذمہ داری تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کے واقعہ معراج کو سُن کر فوراً یقین کرلیا اور اِس واقعے کی تصدیق بھی کی اور اس واقعے کی صداقت میں کسی شک وشُبے کا اظہار بھی نہ کیا، اس وجہ سے دربارِ رسالتؐ سے حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق" کا لقب عطا ہوا اور یہ لقب آپ کے نام کا حصّہ بن گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق عام الفیل کے اڑھائی برس بعد پیدا ہوئے۔ آپ آنحضورؐ سے اڑھائی برس چھوٹے تھے۔ دوسرے الفاظ میں آپ ہجرتِ مدینہ سے پچاس سال چھ ماہ پہلے اس دنیا میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ کے والد اور والدہ دونوں اصحابِ رسولؐ تھے اور یہ آپ کے خاندان کی خصوصیت ہے کہ چار پشتوں نے عہدِ رسالتؐ دیکھا اور آنحضرتؐ کا فیضِ صحبت حاصل کیا۔

اسلام قبول کرنے کے وقت آپ چالیس ہزار درہم کے سرمائے کے تاجر تھے۔ تجارت کے سلسلہ میں مختلف مقامات کی آمد و رفت کے باعث مکہ سے باہر کے بہت سے لوگ آپ سے بخوبی واقف تھے۔ آپ نے پہلا سفر اٹھارہ سال کی عمر میں کیا، بصرہ، شام اور یمن

Marfat.com

جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور یہ کاروبار خوب نفع آور ثابت ہوا۔ اس وجہ سے آپ بہت دولتمند تھے۔

حضرت خدیجہؓ نے وحی نبوّت کے آغاز کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق فرمایا کہ وہ فقراء و مساکین کے دستگیر ہیں، صلہٗ رحمی کرتے ہیں، حق کی راہ میں جو لوگ مصائب جھیلتے ہیں اُن کے مددگار رہتے ہیں اور مہمان نواز ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایامِ جاہلیت میں ہی اپنے اوپر شراب حرام کرلی تھی۔ شروع ہی سے آنحضورؐ کے ساتھ آپ کے تعلقات دوستانہ تھے۔ رشتے میں آپ حضورؐ کے چچازاد بھائی بھی تھے۔ صبح و شام دونوں وقت آنحضورؐ کے مکان پر ضرور تشریف لاتے اور یہ دستور مکی زندگی میں بعداز بعثت مزید پختہ ہوگیا۔

مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے، بچوں میں حضرت علیؓ اور عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا۔ ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ساری دولت، قوت، طاقت اور قابلیت یہاں تک کہ اپنی اولاد بھی دینِ حق کی راہ میں وقف کردی۔ قبولِ اسلام کے بعد آپ کی تمام زندگی دینِ اسلام کے لیے اطاعت و استقامت سے لبریز ہے۔ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ اور آپؐ کے صحابہ نے مکہ میں کفار کے ہاتھوں جو مصائب برداشت کیے، حضرت ابوبکرؓ بھی اپنی عظمت وجلالت اور اثر و رسوخ کے باوجود اس سے پوری طرح محفوظ نہ تھے۔

مسلمانوں کے لیے جب دن بدن کفار کی طرف سے مصائب میں اضافہ ہوتا گیا تو آنحضورؐ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ دو مرتبہ مسلمان قافلوں کی شکل میں ہجرت کر کے حبشہ گئے۔ پہلی مرتبہ گیارہ مرد اور چار عورتیں اور دوسری مرتبہ اَسّی سے زائد افراد حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی براستہ یمن حبشہ جانے کے لیے چل پڑے۔ ابھی پانچ منزلیں ہی طے کی تھیں کہ راستے میں ایک قبیلے کے سردار سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے پوچھا ''کہاں کا قصد ہے''؟ آپ بولے ہماری قوم نے ہمیں نکال دیا ہے، ارادہ ہے کہ کہیں الگ جا کر عبادت کریں''۔ سردار نے کہا ''تم جیسا شخص نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے اور وہ آپ کو مکہ واپس لے آیا۔ آپ مکہ ہی میں رہے یہاں تک کہ ہجرتِ مدینہ کا وقت

Marfat.com

آ گیا۔ آنحضرتؐ نے جب صحابہؓ کو ہجرتِ مدینہ کی اجازت دی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضورؐ سے اجازت طلب کی (بخاری)۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ''تم ابھی ٹھہرو کیونکہ امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مِل جائے''۔ آخر آپ کو مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم مِل گیا۔

نبی کریمؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت کرتے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی اپنا رفیقِ سفر بنانے کے لیے منتخب فرمایا۔ اِس اہم واقعے کا ذکر قرآن پاک کی سورۂ انفال کی آیت 30 اور سورہ توبہ آیت 40 میں بھی آیا ہے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد آپ نے چند دن بعد اپنے گھر والوں زوجہ امِ رومانؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت اسماءؓ اور بیٹے عبداللہ کو بھی بلا لیا۔ آپ کے والد ابو قحافہؓ مکہ ہی میں رہے اور اُن کے بیٹے عبدالرحمٰن نے غزوہ بدر اور احد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصّہ بھی لیا اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔

مدینہ میں مواخات میں حضرت خارجہ بن زید آپ کے انصاری بھائی بنے جو بعد میں آپ کے خسر بھی ہو گئے۔ مدینہ میں آنحضورؐ نے جو سب سے پہلے مسجد تعمیر کروائی اُس کی زمین دو یتیم بچوں سہلؓ اور سہیلؓ کی ملکیت تھی۔ ہر چند کہ انہوں نے اسے خانہ خدا کے لیے کسی صلہ کے بغیر پیش کر دی تھی لیکن نبی اکرمؐ نے اُس قطعۂ زمین کی قیمت دلوائی جو کہ دس درہم مقرر ہوئی۔ یہ رقم اُن پانچ ہزار درہم میں سے ادا ہوئی جو حضرت ابوبکرؓ مکہ سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

مسلمانوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مخصوص حیثیت اس سے اور نمایاں ہو گئی جب انہوں نے اپنی لختِ جگر حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضورؐ سے کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت نبی اکرمؐ کے ہر جگہ ہمرکاب رہے۔ غارِ ثور سے لے کر تمام غزوات تک آپ نے آنحضورؐ کا ہمیشہ خندہ پیشانی سے ساتھ دیا۔ بالفاظ دیگر وہ حضورؐ کی زندگی میں ہر شعبہ میں اُن کے مشیرِ خاص تھے۔ صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلا نام حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کا تھا۔ رمضان 8ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو مکہ میں آنحضورؐ جب قصویٰ اونٹنی پر بیٹھ کر شہر میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ بھی حضورؐ کے ساتھ اُسی اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ 9ھ میں امیرِ حج مقرر ہوئے اور آنحضرتؐ کی آخری بیماری کے دوران آپ ہی نے مسجدِ نبوی میں 17 نمازوں کی آنحضورؐ کے حکم سے امامت فرمائی۔

Marfat.com

آنحضورؐ کے وصال کے بعد جب فتنہ کھڑا ہوا اور انصار خلافت کے حصول کے لیے ضِد اور اصرار کرنے لگے تو آپ نے انصارِ مدینہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اے انصار مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں'' درحقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم نہیں کرسکتا۔ پھر مہاجر اپنے تقدّمِ اسلام رسولِ اکرمؐ سے خاندانی تعلقات کے باعث آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ یہ دیکھو ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور عمر بن الخطابؓ ہیں، اِن میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو۔

لیکن حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ نے اس پر پیش دستی کر کے خود حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا کہ خدا کی قسم، ہم یہ امر آپ سے ہٹ کر کسی پر نہیں ڈال سکتے۔ آپ مہاجرین میں سب سے افضل اور رسولؐ اللہ کی نماز کے خلیفہ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کو سب نے ایک مستحسن فیصلہ سے تعبیر کیا اور پھر تمام حاضرین آپ کی بیعت پر ٹوٹ پڑے۔ دوسرے روز جب مسجدِ نبویؐ میں بیعتِ عام ہوئی تو آپ نے منبر پر بیٹھ کر اپنے لائحۂ عمل کا جس طرح اظہار کیا وہ تاریخِ اسلام میں خطابت کا ایک گرانقدر نمونہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

''لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم لوگوں سے اپنے آپ کو بہتر خیال نہیں کرتا۔ اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو اور اگر بُرا کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ صدق امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تم میں سے کمزور میرے نزدیک اس وقت طاقتور ہے جب تک میں اس کا حق نہ لوٹا دوں اور قوی آدمی میرے نزدیک بہت ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اُس سے دوسروں کا حق نہ دلوا دوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اُس کو خدا ذلیل وخوار کردیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جائے، خدا وہاں مصائب کو عام کردیتا ہے۔ میری اطاعت اُس وقت کرو جب میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں''۔

آپ نے اپنے دورِ خلافت میں زکوٰۃ جو کہ اسلام کا ایک ستون ہے، کے حصول کے لیے خصوصی طور پر عاملین مقرر فرمائے۔ ایک مرتبہ آپ نے جہاد پر روانہ ہونے والے لشکر کے سامنے تقریر کی جو جنگی حکمتِ عملی کی ایک گراں بہا وصیت ہے۔ آپ نے فرمایا ''بے شک تم ایک

Marfat.com

ایسی قوم کو پاؤ گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے وقف کر رکھا ہے تو ایسے لوگوں کو چھوڑ دینا اور تمہیں دس وصیتیں کرتا ہوں کہ عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو برباد نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے سوا بے کار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، غبن نہ کرنا اور نہ ہی بزدل ہونا"۔

حضرت ابوبکرؓ تقویٰ، اعلیٰ فہم و فراست اور دوررس بصیرت آگاہی کی وجہ سے آپ تمام مہاجرین و انصار میں محترم و مکرم تھے۔ دوسرے الفاظ میں آپ نبی اکرمؐ کے بعد تمام امتِ مسلمہ میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ آنحضرتؐ پر تمام لوگوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور آپ نے آنحضورؐ کی ہر بات کی تصدیق کی۔ آپ حد درجہ متقی اور پرہیزگار تھے۔ شراب نوشی جیسی لعنت کو آپ نے اسلام لانے سے بہت پہلے ہی اپنے قریب نہ آنے دیا۔

آپ نے باغیوں کا قلع قمع کیا۔ عراق کو فتح کر کے اسلامی ریاست میں شامل کیا۔ شام کے کئی شہروں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ لشکرِ اسامہؓ کی روانگی اور منکرینِ زکوٰۃ کی سرکوبی آپ کے دورِ خلافت کا طرۂ امتیاز ہیں۔

قرآن مجید ابتدائے عہدِ نبوت ہی سے نہایت اہتمام کے ساتھ لکھا جاتا تھا اور اس کی ترتیب بھی حضورِ اکرمؐ تلقینِ الٰہی کے مطابق کرتے جاتے تھے اور فرما دیا کرتے تھے کہ فلاں آیت یا سورہ کو فلاں جگہ رکھو۔ آنحضورؐ کے دور میں قرآنِ پاک لکھنے والوں میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت خالد بن سعیدؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن سعدؓ اور حضرت معاویہ بن سفیانؓ تھے۔ بہت سے صحابہ کرامؓ پورے قرآنِ پاک کے حافظ بھی تھے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ بھی قرآنِ پاک کی حافظہ تھیں۔ قرآن مجید چمڑے کے اوراق، اونٹ کے شانے کی چوڑی ہڈیوں اور کھجور کی چھال پر لکھا ہوا تھا اور حفاظ کو نبی کریمؐ کی بتائی ہوئی ترتیب بھی من و عن یاد تھی۔ حضرت عمرؓ کی تحریک سے حضرت ابوبکرؓ نے پورے قرآن مجید کو ایک مجموعے میں پھر سے لکھوا کر محفوظ کر لیا اور خلیفۂ وقت کے ارشاد کے تحت زید بن ثابتؓ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے مصدقہ شہادتیں لے لے کر سارے قرآنِ پاک کو ایک کتاب کی صورت میں لکھا۔

Marfat.com

"الکتاب" کی یہ صورت جو عہدِ نبوّت کے مسودات کے مطابق اور حفّاظ کی مستند شہادتوں کے ساتھ مرتّب ہوئی تھی، حضرت ابوبکرؓ کی زندگی تک آپ کے پاس، پھر حضرت عمرؓ کے پاس اور پھر اُمُّ المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس ایک سرکاری نسخے اور امانت کی حیثیت سے محفوظ رہی۔

حضرت عائشہؓ کی بیوگی کو دو ہی سال ہوئے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دورِ خلافت ختم ہوگیا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو داغِ یتیمی بھی برداشت کرنا پڑا۔ حضرت ابوبکرؓ پندرہ روز علیل رہ کر یومِ دوشنبہ (پیر) گزار کر منگل کو رات کو 22 جمادی الثانی 13ھ (23 اگست 634ء) کو فوت ہوئے اور حضور نبی کریمؐ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ نزع کے وقت جب آپ شفیق باپ کی خدمت میں حاضر تھیں حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو کچھ جائداد سپرد کی جس میں دوسری اولاد کا حصّہ بھی تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "کیا تم جائداد اپنے بہن بھائیوں کو دے دو گی"؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا "بسر و چشم"۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی زندگی میں مختلف اوقات میں پانچ شادیاں کیں۔ ان کی پہلی بیوی قتیلہ بنت عبدالعزّیٰ تھیں، جن سے حضرت عبداللہ اور حضرت اسماء پیدا ہوئے۔ آپ کی یہ بیوی مسلمان نہیں ہوئی بلکہ آپ سے علیحدگی اختیار کر کے مکہ میں دوسری شادی کر لی۔ دوسری بیوی قبیلہ کنانہ کی امِ رومان تھیں، جن سے حضرت عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عائشہؓ پیدا ہوئے۔ تیسری شریکِ حیات قبیلہ بنو کلب کی ایک خاتون امِ بکر تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ چوتھی بیوی حضرت اسمأ بنت عمیس تھیں (یہ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی بیوی تھیں جو بیوہ ہوگئی تھیں) ان سے محمدؓ بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ پانچویں بیوی مدینہ کے انصار سے حبیبہؓ بنت خارجہ تھیں۔ اُن سے آپ کی ایک بیٹی ام کلثوم آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

جنابِ رسولؐ اللہ کے وصال کے بعد آپ کا دورِ خلافت صرف دو سال تین ماہ اور گیارہ دن رہا۔ حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسولؐ اللہ کے فراق کا صدمہ آپ سے برداشت نہ ہوا، ہر روز لاغر اور نحیف ہوتے چلے گئے۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل ارشاد فرمایا "بیت

Marfat.com

المال کے وظیفہ کا حساب کیا جائے، جو میں نے آج تک وصول کیا ہے''۔ حساب کیا گیا اور معلوم ہوا کہ کل چھ ہزار درہم ادا کیے گئے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''میری زمین فروخت کر کے تمام رقم ادا کر دی جائے۔ اُسی وقت زمین فروخت کی گئی اور رسولؐ اللہ کے یارِ غار کو بیت المال کے بار سے سبکدوش کر دیا گیا۔ آپ نے آخری لمحات میں حضرت عمرؓ کو فرمایا ''اے عمرؓ''، کسی بھی مصیبت کی وجہ سے دینِ اسلام کی خدمت اور حکمِ ربانی کی تعمیل کو کل پر ملتوی نہ کرنا''۔

انتقال کے روز دریافت فرمایا ''آنحضرتؐ نے کس روز رحلت فرمائی تھی'' لوگوں نے کہا ''دوشنبہ'' (پیر کے روز)۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا ''میری بھی آرزو یہی ہے کہ میں آج رخصت ہو جاؤں، اگر اللہ اُسے پورا کر دے تو میری قبر آنحضورؐ کی مرقدِ مبارک کے پاس بنائی جائے''۔

جب آپ پر نزع کا عالم طاری ہوا تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے "رَبِّ تَوَفَّنِی مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِی بِالصّٰلِحِیْنَ" (مجھے اے اللہ مسلمان اٹھا اور اپنے نیک بندوں میں شامل کر)۔

جب روحِ قدس نے عالمِ بالا کی طرف پرواز کی 22 جمادی الثانی 13ھ تاریخ تھی، دو شنبہ کا دن، مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت اور عمر 63 سال تھی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماءِ بنت عمیسؓ نے غسل دیا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر پانی بہاتے جاتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جناب رسولؐ اکرم کی مرقد مبارک کے ساتھ قبر تیار کی گئی۔ حضرت عمرؓ، طلحہؓ، عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسی اسلام کی عظیم ہستیوں نے میّتِ پاک کو آغوشِ لحد میں اُتارا اور ایک ایسی برگزیدہ شخصیت جو رسولؐ دو جہاں کے بعد ساری امتِ مسلمہ میں سب سے زیادہ مقبول، بزرگوار، قابلِ احترام اور صالح شخصیت تھی ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ

''صحابہ کرام کی مقدس جماعت کا ایک ایک فرد آنحضورؐ کا مرید ہے لیکن سیّدنا فاروق اعظم حضورؐ اکرم کی مراد ہیں کیونکہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو اپنے اللہ سے خود مانگ کر لیا تھا''

یہ وہ الفاظ ہیں جو برِ صغیر کے مایہ ناز خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی عظمت و شان بیان کرتے ہوئے کہے تھے۔ آنحضورؐ نے بارگاہِ خداوندی میں یہ دعا مانگی تھی کہ ''اے خداوند کریم! عمر بن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن خطاب دونوں میں سے جسے تو عزیز رکھتا ہے، اُس کے ذریعے اسلام کی دستگیری فرما'' اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کی دعا کو اس طرح قبول فرمایا کہ عمر بن خطاب کو چند ہی دنوں بعد آنحضورؐ کے قدموں میں حاضر کر دیا۔

امیر المومنین حضرت سیّدنا عمر فاروقؓ عام الفیل کے 16 ویں سال میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام خطاب تھا اور قریش خاندان کی شاخ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں آنحضورؐ سے جا ملتا ہے۔ جب آنحضورؐ نے اعلانِ نبوّت فرمایا تو اس وقت حضرت عمر فاروقؓ کی عمر 26 سال تھی۔ آپ اعلانِ نبوّت کے 6 سال بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم مخزومی تھا۔ آپ کی کنیت آپ کی ممتاز بیٹی حضرت حفصہؓ (اُمّ المومنین) کی مناسبت سے ہے۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ اپنے دورِ جوانی میں دوڑتے گھوڑے پر اُچک کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ گورے، اونچے اور لحیم شحیم آدمی تھے۔ عرب کے تاریخی میلے عکاظ میں دنگل کشتی بھی لڑا کرتے تھے۔ کسی دوسرے قبیلے سے امن یا جنگ میں کوئی گفت وشنید کرنی ہوتی تو شہر کی طرف سے نمائندہ بن کر آپ ہی جاتے۔ بعد میں جب آنحضرتؐ نے مدینہ میں اسلامی فلاحی ریاست قائم فرمائی تو آپ اسی خدمت پر بحال رہے۔ حضرت عمرؓ کے ہاں 9 لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، جن میں حضرت عبداللہ سب سے ممتاز عالم فاضل اور متقی گزرے ہیں اور آپ کی ایک دخترِ نیک اختر حضرت حفصہؓ آنحضورؐ کے نکاح میں آکر اُمّ المومنین جیسے ممتاز لقب سے سرفراز ہوئیں۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمر اپنے گھر سے تلوار حمائل کیے غصے سے آگ بگولا ہوتے ہوئے نکلے۔ راستہ میں قبیلہ بنوزہرا کا ایک شخص ملا۔ اُس نے پوچھا ''اے عمر کہاں کا ارادہ ہے''؟ کہنے لگے ''اسلام کے بانی حضرت محمدؐ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے جارہا ہوں'' انہوں نے کہا ''ایسا کرنے پر بنی ہاشم اور بنی زہرا سے تم کیسے بچ سکو گے''؟ عمر نے کہا کہ اِس کا مطلب ہے کہ تم بھی اپنے دین کو چھوڑ چکے ہو۔ بنوزہرا کے اِس شخص نے کہا کہ میں تم کو اِس سے بھی زیادہ تعجب کی بات بتاتا ہوں کہ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی بھی سلام قبول کر چکے ہیں۔ عمر پہلے سے بھی زیادہ غضبناک ہوکر سیدھے اپنی بہن فاطمہ کے گھر پہنچے اور مار پیٹ شروع کر دی۔ بہن اور بہنوئی دونوں کو زخمی کر دیا مگر جب دیکھا کہ وہ اسلام کی حقانیت پر ڈٹے ہوئے ہیں تو ٹھنڈے ہوگئے اور وہ کتاب مانگی جسے وہ اُس وقت پڑھ رہے تھے۔ بہن نے کہا کہ تم نجس ہو پہلے غسل یا وضو کرو پھر اس پاک کلام کو ہاتھ لگاؤ''۔

ایک طرف حضور اکرمؐ کی حضرت عمر کے اسلام لانے کی دعا اور دوسری طرف بہن اور بہنوئی کا اسلام پر مضبوط عقیدہ عمر کے قلب وذہن کو متاثر کیے جارہا تھا کہ سورہ طٰہٰ کی اس آیت پر نظر پڑی

(بے شک مَیں ہی اللہ ہوں اور کوئی دوسرا میرے سوا معبود نہیں، اس لیے تم میری ہی یاد میں نماز پڑھو'' (آیت 14)

Marfat.com

اس کے پڑھنے کے بعد آپ کا جسم پانی پانی ہونے لگا اور بہن کے سامنے حضور اکرمؐ کے دربار میں حاضری کی خواہش ظاہر کی۔ آنحضورؐ اُس وقت حضرت ارقمؓ کے مکان میں اپنے دوسرے جانثار صحابہ کے ساتھ مقیم تھے۔ اُن دنوں بیت ارقم اسلامی تبلیغ کا مرکز بن چکا تھا۔ آپ کی بہن اور بہنوئی حضرت عمرؓ کو لے کر دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہونے کے لیے چل دیے۔ دروازے سے داخل ہوئے۔ آپ کی مبارک محفل میں وہاں حضرت حمزہؓ، حضرت طلحہؓ اور دوسرے صحابہ بھی موجود تھے۔ حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ تین دِن قبل ہی مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ اگر عمرؓ اچھے ارادے سے آئے ہیں تو ٹھیک ورنہ وہ آج بچ کر نہیں جاسکیں گے۔ عین اُس وقت آپؐ کے اوپر وحی کی کیفیت طاری تھی۔ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا ''عمر کو اندر آنے دو'' چنانچہ وہاں داخل ہوتے ہی عمر پر اک کپکپی سی طاری ہوگئی، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آپؓ نے ادب سے عرض کیا ''خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے اور سر جھکانے کو حاضر ہوا ہوں'' آپ کا یہ کہنا تھا کہ فضا میں ہر جانب صدائے مرحبا گونج اٹھی۔ نعرۂ اللہ اکبر کی صدا گونجی۔ حضرتؐ نے بڑھ کر گلے سے لگایا اور سب حاضرین نے مبارک باد دی۔ اس زور اور بلند آواز سے نعرۂ تکبیر و رسالت بلند ہوا کہ حرم شریف اور مکّہ مکرمہ کے تمام گلی کوچوں میں یہ آواز سُنی گئی۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ نبوت کے چھٹے سال کا ہے۔ اس سے حالات میں جو تبدیلی آئی، اِس کا ذکر معروف صحابیِ رسولؐ حضرت عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے یوں بیان کیا گیا ہے:

''حضرت عمرؓ جب اسلام لے آئے تو قریش سے لڑے، یہاں تک کہ کعبہ میں جاکر نماز پڑھی اور اُن کے ساتھ ہم نے بھی نماز ادا کی، جبکہ اس سے قبل ایسا کرنا ممکن نہ تھا''۔ جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا، اُس وقت مکہ میں 45 مرد اور 21 عورتیں اسلام قبول کر چکی تھیں (ابن سعد) اس کے بعد ایسی تبدیلی دیکھنے میں آئی کہ مسلمان علی الاعلان خانہ کعبہ جاکر عبادت کرنے لگے۔ دربارِ رسالت کی طرف سے آپ کو 'فاروق' کا لقب عطا ہوا اور آپ عمرؓ سے عمر فاروق کہلائے جانے لگے۔

ایک دن جناب رسولِ اکرمؐ نے فرمایا ''میرے دو آسمانی وزیر ہیں، حضرت جبرائیلؑ

Marfat.com

اور حضرت میکائیلؑ اور دو زمینی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ'' اسی ضمن میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ''ہر ایک نبی کے دو وزیر ہوتے ہیں، میرے دو وزیر اور دو ساتھی ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو رسولؐ اللہ نے تین بار اُن کے سینے پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور تین بار دعا مانگی کہ یا اللہ! اِن کے سینہ میں جس قدر کینہ ہے، اُس کو ایمان سے بدل دے''۔

حضرت عمرؓ تین بہن بھائی تھے۔ دوسرے بھائی زیدؓ بن خطاب اور بہن فاطمہؓ بنت خطاب۔ یہ دونوں حضرت عمر سے قبل اسلام لا چکے تھے۔ یہ بہن فاطمہؓ وہی ہیں جو آپ کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنی۔ اُن کے شوہر سعید بن زیدؓ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ کے بھائی زید آپ سے بڑے تھے اور آپ سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ جنگِ یمامہ میں شہادت کے مرتبہ پر سرفراز ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے 9 بیٹے اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئے۔ سب سے بڑے بیٹے عبداللہ تھے۔ بیٹیوں میں حضرت حفصہؓ اُمّ المومنین تھیں۔ عبدالرحمٰن الاکبر اور عبداللہ حضرت حفصہؓ کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ کی والدہ کا نام زینب تھا۔ عبداللہ بعثت کے تین سال بعد پیدا ہوئے، اپنے والد کے ساتھ بچپن میں ہی اسلام لائے۔ مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت عبداللہ کی عمر دس سال تھی۔ غزوہ بدر اور اُحد میں کم عمری کی وجہ سے اُنہیں آنحضورؐ نے لڑائی میں شرکت کی اجازت نہ دی، تاہم جنگِ خندق میں اجازت مل گئی، اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔

محمد بن سعید داؤد بن الحصین اوزہری دونوں سے یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ حضرت عمرؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے پر حضرت جرائیلؑ نے آکر یہ مژدہ سُنایا ''اے محمدؐ آسمان کے مکینوں کو عمرؓ کے حلقۂ بگوشِ اسلام ہونے کا بڑا شدید انتظار تھا'' اس حدیث کو عبداللہ بن عباسؓ نے بھی روایت کیا ہے (ابنِ ماجہ)

عقبہ بن عامر سے روایت ہے، رسولِ اکرمؐ نے فرمایا ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے''۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے رسولؐ اللہ نے فرمایا ''میں جنت میں

Marfat.com

داخل ہوا تو مَیں نے سونے کا محل دیکھا، میں نے (فرشتوں) سے پوچھا یہ محل کس کا ہے''؟ فرشتوں نے کہا، ایک نوجوان قریش کا۔ میں نے بطورِ تحقیق پھر پوچھا کہ ''وہ قریشی نوجوان کون ہے''؟ فرشتوں نے کہا ''وہ عمرؓ بن خطاب ہیں'' (ترمذی)

سیدنا فاروقِ اعظم جس طرح قبولِ اسلام سے قبل معزز، محترم ایک متحرک اور سرگرم انسان تھے، یہی حال اسلام قبول کرنے کے بعد بھی قائم و دائم رہا۔ اِن کی سوچ کی اصابت، رائے کی پختگی اور فکر و نظر میں مزید نکھار اور حُسن پیدا ہوا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعدد بار حضرت عمرؓ کی رائے کو صائب اور درست قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں 28 مقامات پر آپ کی رائے پر اپنی مہر تصدیق ثبت کی۔ سورہ احزاب میں پردے کا حُکم آپ ہی کی منشا سے نازل ہوا اور نماز سے قبل اذان کی ابتدا بھی آپ ہی کی مرضی اور مشورے سے ہوئی۔

خاندانِ نبوّت سے آپ کا دوہرا تعلق اس طرح قائم ہوا کہ آپ کی صاحبزادی سیّدہ حفصہؓ جنابِ رسول اللہ کے رشتۂ ازدواج میں آ کر اُمُّ المومنین کے رتبے سے سرفراز ہوئیں اور پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے درخواست کر کے ان کی بیٹی اِمِّ کلثوم کا رشتہ اپنے لیے مانگ لیا اور فرمایا کہ میں یہ رشتہ محض رسول اللہؐ کے خاندان سے قربت حاصل کرنے کی غرض سے کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے جنابِ رسولؐ اللہ سے سُنا ہے کہ ''قیامت کے دن تمام نسبی، سببی اور سُسرالی رشتہ داریاں میری نسبی اور سسرالی رشتہ داریوں کے سوا ٹوٹ جائیں گی'' (صحیح الجامع، حدیث 4564) آپ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ ''میرا نبیؐ سے سببی تعلق بھی تھا اور نسبی بھی، میں چاہتا ہوں کہ اُن کے ساتھ سسرالی تعلق بھی قائم ہو جائے''۔ حضرت علیؓ نے سیّدہ اُمِّ کلثومؓ کا نکاح امیر المومنین سیّدنا عمرؓ سے کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے سیدہ ام کلثومؓ کو چالیس ہزار درہم حق مہر ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اُمِّ کلثومؓ سے آپ کو ایک فرزند زید اور بیٹی رقیّہ عطا فرمائی۔

آخری ایام میں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اوّل کی صحت زیادہ کمزور ہو گئی تو اُن کو اپنے جانشین کی فکر لاحق ہوئی کہ کہیں میرے بعد مسلمان کسی فتنہ و فساد میں نہ اُلجھ جائیں۔

Marfat.com

آپ نے اہل الرائے صحابہ کا مشورہ حاصل کرنا چاہا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور پوچھا ''عمرؓ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے''؟ انہوں نے عرض کیا ''آپ اُن کی نسبت جتنی بھی اچھی رائے قائم کرلیں، میرے نزدیک وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہیں، ہاں اُن میں کسی قدر تشدّد ضرور ہے''۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب دیا کہ ''اُن کی سختی اِس لیے تھی کہ میں نرم دل واقع ہوا تھا، جب اُن پر ذمہ داری پڑ جائے گی تو وہ از خود نرم ہو جائیں گے''۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عثمانؓ کو طلب فرمایا اور اُن سے حضرت عمرؓ کے بارے میں رائے دریافت کی۔ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ ''آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں'' دوبارہ استفسار پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا ''میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور اُن کی مثال ہم لوگوں میں کوئی نہیں'' پھر آپ نے حضرت سعید بن زیدؓ سے یہی استفسار کیا تو انہوں نے بھی حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مختلف رائے نہ دی۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عثمانؓ کو طلب فرمایا کہ عہد نامۂ خلافت لکھیے۔ ابھی چند سطریں ہی لکھی تھیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیے کہ ''میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں''۔ تھوڑی دیر کے بعد ''حضرت ابوبکر صدیق'' کو جب ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے فرمایا ''جو کچھ لکھا ہے مجھے پڑھ کر سناؤ''۔ حضرت عثمانؓ نے ساری عبارت پڑھ کر سنائی تو حضرت ابوبکرؓ بے ساختہ ''اللہ اکبر'' پکار اٹھے اور کہا ''خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے'' (الفاروق)

وصیّت نامہ تیار ہو گیا تو حضرت عثمانؓ اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجدِ نبویؐ میں بھیج دیا تاکہ دوسرے مسلمانوں کو آگاہ فرمادیں۔ پھر آپ نے خود مسلمانوں کو فرمایا کہ ''کیا تم اس شخص کو قبول کرو گے جسے میں تم پر خلیفہ مقرر کروں۔ خدا کی قسم، میں نے غور وفکر میں ذرہ برابر کمی نہیں کی۔ اس کے علاوہ میں نے اپنے قریبی عزیز کو بھی تجویز نہیں کیا۔ میں عمر بن خطابؓ کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں، جو کچھ میں نے فیصلہ کیا ہے، اِسے تسلیم کرلو''۔

اس طرح 22 جمادی الثانی 13 ھ کو حضرت عمر فاروقؓ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ مقرر ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 52 سال تھی۔ آپ کے جلال اور رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ آپ

Marfat.com

کے اسلام لانے سے قبل مسلمان چھپ کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپ نے اعلان فرمادیا کہ ''آج سے خانہ کعبہ میں نماز ادا کی جایا کرے گی، اب میں مسلمان ہوگیا ہوں اور اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ کعبہ میں نماز ادا کرنے آیا ہوں جس نے اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ کرانا ہو، وہ میرے مقابلے کے لیے آجائے'' کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ حضرت عمرؓ کو دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے سے روک سکے۔ حضرت عمرؓ بہادری، دلیری، جرأت اور شجاعت میں بے نظیر تھے۔ نبی آخرالزمانؐ نے آپ کے متعلق فرمایا ''جس راستے سے عمر گزر جائے، اس راستے سے شیطان بھی نہیں گزرتا''۔ حضرت عمرؓ سے 539 احادیث روایت کی گئی ہیں۔

آپ کے ساڑھے دس سالہ دورِ خلافت میں ایک وسیع سلطنت قائم ہوئی۔ قادسیہ، حمص، بیت المقدس، یرموک، شام، عراق، آذربائیجان، طبرستان، خراسان، آرمینیہ اور فارس کے علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہوگئے۔ آپ نے سنِ ہجری کا آغاز کیا، بیت المال، محکمۂ قضا، پولیس قائم کیے۔ مہمانوں کے لیے عمارات، سرائیں اور چوکیاں تعمیر کروائیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں دس حج کیے، اس لیے میرِ حجاج ہمیشہ خود اور حجاج کی خبرگیری اور آرام و آسائش کی سہولیات کی خودنگرانی کرتے۔ تمام مفتوحہ ممالک میں کثرت سے مساجد تعمیر کروائیں حضرت موسیٰ اشعریؓ کو جو کوفے کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لیے مسجدیں تعمیر کی جائیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ کو بھی اسی قسم کے احکامات بھیجے۔ شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر شہر میں ایک ایک بڑی مسجد تعمیر کی جائے، چنانچہ یہ مساجد آج بھی جامع مساجد عمر کے نام سے مشہور ہیں۔ محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مساجد تعمیر کی گئیں۔

آپ نے مسجدِ نبوی کو بھی وسعت دی۔ آنحضرتؐ کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ صرف اس وقت کے لیے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا تھا، اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ 17ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کو وسیع کرنا چاہا تو ازواجِ مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں، ڈھا کر مسجد کو

Marfat.com

وسعت دی گئی۔ پہلے والے طول کو 100 گز سے 140 گز کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد سے قبل مسجدِ نبویؐ میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا، اس کی ابتدا بھی حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں ہوئی۔

26 ذی الحجہ 23ھ کو چہار شنبہ (بدھ) کے دن آپ مسجدِ نبویؐ میں نماز فجر کی امامت کر رہے تھے ابھی آپ نے سورہ فاتحہ کے بعد سورہِ یوسف کی تلاوت شروع کر دی اور سورہ یوسف کی آیت 84 و بیضت عنیہ مِن الْحُزْنِ فھُوَ کظیم (اور اُس (حضرت یعقوبؑ) کی آنکھیں بوجہ رنج و غم سفید ہو چکی تھیں اور وہ غم کو دبائے ہوئے تھے) پر پہنچے تو ایک ایرانی نژاد مجوسی فیروز ابولولوہ نے نماز کی پہلی صف میں گھس کر حضرت عمرؓ پر خنجر سے چھ وار کیے، جس سے آپ گر پڑے، اس کے بعد اُس نے اور نمازیوں پر حملہ کیا اور تیرہ افراد کو زخمی کر دیا۔ اس دوران ایک عراقی نے اُس پر کپڑا ڈال دیا، جس میں اُلجھ جانے کے بعد اُس نے اُسی وقت خودکشی کر لی (تاریخ الخلفاء)۔

حضرت عمرؓ کو شانے پہلو اور ناف کے نیچے زخم آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دو بہت ہی چھوٹی سورتوں کے ساتھ نماز فجر پڑھائی اور امیر المومنین کو اُن کے مکان میں لائے۔ انتہائی زخمی حالت میں بھی آپ بار بار پوچھتے رہے کہ کیا میں نے نماز پڑھ لی، کیا میں نے نماز کی تکمیل کر لی؟ آپ کی خواہش اور دلی حسرت تھی کہ وہ نمازِ فجر مکمل کر لیتے۔

جب آپ نے جان لیا کہ اب مجھے رختِ سفر باندھنا ہوگا تو آپ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور فرمایا میں اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ''حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیرؓ بن العوامؓ اور حضرت طلحہؓ میں سے کسی ایک کو اپنا امیر چُن لینا کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو حضورؐ نے جنت کی بشارت دی ہے یعنی (عشرہ مبشّرہ میں سے ہیں)۔

طبیبوں نے آپ کا علاج کرنا چاہا لیکن آپ کی آنتیں کٹ گئی تھیں۔ آپ نے ایک غیر مسلم کے ہاتھوں زخمی ہونے کے باوجود بسترِ مرگ پر لیٹے ہوئے وصیّت کی کہ غیر مسلم رعیّت کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ آپ نے دریافت کیا کہ ''میرا قاتل کون تھا''؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ''فیروز'' اس پر آپ نے فرمایا ''الحمدُ للہ'' میں کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل نہیں ہوا''۔ چار

Marfat.com

پانچ روز تک آپ علاجِ بسیار کے باوجود جانبر نہ ہو سکے۔ اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ مرقدِ رسولؐ اللہ اور منبر کے درمیان ریاض الجنہ میں ادا کی گئی جو حضرت صُہیبِ رومیؓ نے پڑھائی۔

حضرت عمرؓ نے آخری گھڑیوں میں اپنے صاحبزادے عبداللہ کو طلب کیا، وہ حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا ''تم ابھی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے التماس کرو، عمر چاہتا ہے اُسے اپنے دو رفیقوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت دی جائے'' عبداللہ بن عمرؓ نے یہ پیغام حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہنچایا تو وہ بے حد دردمند ہوئیں اور فرمایا ''میں نے یہ جگہ اپنے لیے محفوظ رکھ چھوڑی تھی، مگر آج میں عمرؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں''۔ جب بیٹے نے واپس جا کر باپ کو حضرت عائشہؓ کی منظوری کی اطلاع دی تو آپ بے حد خوش ہوئے اور اس آخری آرزو کی مقبولیت پر شکر ادا کرنے لگے۔ اتوار کے دن یکم محرم 24ھ کو حضرت صہیب رومیؓ نے نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اُتارا اور دنیائے اسلام کے اس درخشندہ ترین آفتاب کو آقائے دو جہاںؐ کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے لٹا دیا گیا۔ آپ کا دورِ خلافت دس سال 6 ماہ پر محیط تھا اور عمر 61 سال تھی۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورِ اکرمؐ کی زندگی کے آخری ایام میں اپنی گود میں تین چاند اترنے کا جو خواب دیکھا تھا، آج اس خواب کی تکمیل ہوگئی۔ حضرت رسولِ اکرمؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اب حضرت عمر فاروقؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں دفن ہوگئے۔ اب حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تین چاند اکٹھے آرام فرما ہیں۔ ساری کائنات میں تو روشنی ایک چاند کی ہی کافی ہوتی ہے، اور جس جگہ تین چاند اکٹھے جلوہ افروز ہوں اُس دھرتی کا کیا کہنا؟ سبحان اللہ۔

ایک مغربی مورخ کا خراجِ تحسین تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے ''اگر ایک عمرؓ اور پیدا ہو جاتا تو پوری دنیا اسلام کے پرچم تلے آجاتی''۔

Marfat.com

حضرت عثمان غنیؓ

آپ کا نام عثمان تھا، والد کا نام عفان۔ آپ کا شجرۂ نسب عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔ آپ خاندانِ قریش کی مشہور شاخ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں آنحضورؐ سے مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ اروی اور نانی اُم الحکیم البیضاء بنت عبدالمطلب، جو آنحضورؐ کی سگی پھوپھی تھیں، آپؐ کے والدِ محترم کی توام بہن تھیں۔ حضرت عثمانؓ کی ولادت عام الفیل سے 6 سال بعد ہوئی یعنی حضرت عثمانؓ جنابِ رسول اللہ سے چھ سال چھوٹے تھے۔ آپ نے زمانۂ جاہلیت میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ اسی لیے آنحضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو کتابتِ وحی پر مامور فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ آپ آنحضورؐ کے لکھنے پڑھنے کے امور بھی سرانجام دیتے۔ آپ شروع ہی سے بڑے نرم دل اور سلیم الطبّع تھے۔ زمانۂ جاہلیّت میں بھی شرم وحیا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔

آغازِ جوانی ہی میں آپ نے معززینِ قریش کی طرح تجارت کے پیشے کو اختیار کیا اور اپنی صداقت، دیانت، امانت اور راستبازی کی بدولت تجارت میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ آپ مکہ میں ایک ممتاز، معزز اور دولتمند تاجر کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔ سخاوت میں بھی آپ کسی سے پیچھے نہیں تھے اس لیے آپ 'غنی' کے لقب سے پہچانے جاتے تھے۔ آپ کے پاس اونٹوں اور گھوڑوں کی تعداد سیکڑوں ہزاروں تک تھی۔ کاروبارِ تجارت بہت وسیع تھا۔ زیادہ تر آپ کپڑے کے کاروبار سے منسلک تھے۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے آپ کے شروع ہی سے کافی گہرے مراسم تھے اور انہی کی تبلیغ و تحریک پر آپ نے اسلام قبول کیا۔ ایک دن حضرت عثمانؓ حضرت ابوبکرؓ سے ملنے کے لیے اُن کے پاس تشریف لائے تو باتوں باتوں میں حضرت ابوبکرؓ نے دینِ اسلام کی خصوصیات بیان کرنی شروع کر دیں۔ یہ باتیں حضرت عثمانؓ کے دل میں اثر کر گئیں۔ پھر دونوں احباب بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہونے کے لیے اُٹھے ہی تھے دیکھا کہ سامنے سرکارِ دوعالمؐ خود تشریف لا رہے ہیں۔ وہیں پر حضرت عثمانؓ نے کلمہ پڑھا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کا اپنا قول ہے: ''اِنّی لرابعٌ اربعةُ الاِسلام'' (میں اسلام قبول کرنے والے چار میں سے چوتھا ہوں)۔ ابن اسحاق کے مطابق حضرت عثمانؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے پہلے شخص تھے۔

ابنِ سعد نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اسلام قبول کرنے پر آپ کے چچا حکم بن العاص نے آپ کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور کہا ''تم نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر کے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے جب تک تم اِس نئے مذہب کو نہیں چھوڑو گے میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا''۔ یہ سُن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا ''چچا! خدا کی قسم میں مذہب اسلام کو کبھی نہیں چھوڑوں گا اور اس دولت سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گا'' چنانچہ جب حکم بن العاص نے آپ کو اسلام پر مستحکم اور مستقل مزاج پایا تو مجبور ہو کر آپ کو قید سے آزاد کر دیا۔

آنحضورؐ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت رقیّہ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے بعثت کے تیسرے سال کیا۔ اس وقت حضرت رقیّہ کی عمر دس سال اور حضرت عثمانؓ کی 36 سال تھی۔ حضرت عثمانؓ سے آنحضورؐ کی یہ قرابت بہت قریبی اور اونچی تھی۔ حضرت عثمانؓ ددھیال کی طرف سے آنحضورؐ کے بھتیجے اور ننھیال کی طرف سے بھانجے تھے۔ اُن کی نانی اُمِ حکیم عبدالمطلب کی صاحبزادی، حضرت عبداللہ اور ابوطالب کی حقیقی بہن اور آنحضورؐ کی سگی پھوپھی تھیں۔

حضرت عثمانؓ کے والد عفّان بنوامیّہ کے رئیس تھے۔ اِن کی ایک صاحبزادی قریش کے رئیس ابوسفیان کے نکاح میں تھیں جن کا نام ہند تھا، انہیں کے بطن سے اُمُّ المومنین حضرت اُمِ حبیبہؓ پیدا ہوئیں۔ ان حالات پر نظر رکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ رشتہ نہ صرف رسولِ اکرمؐ

Marfat.com

اور حضرت رقیہؓ کی خوشنودی کا باعث ہوا بلکہ پہلے رشتے سے بھی ہزار درجہ بہتر تھا۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حضرت رقیہ کا عقد اتنا بابرکت تھا کہ مکہ میں عام طور پر لوگ کہا کرتے کہ ''بہترین جوڑا جو کسی انسان نے دیکھا، حضرت رقیہؓ اور اُن کے خاوند عثمانؓ کا ہے''۔

حضورِ اکرمؐ کی دعوتِ توحید کی جیسے جیسے اشاعت زیادہ ہونے لگی۔ ویسے ویسے کفارِ مکہ کے مظالم میں اضافہ ہوتا گیا۔ رحمتِ عالمؐ نے جب شمعِ توحید کے اِن پروانوں پر کفر و شرک کے سرغنوں کے بے انتہا مظالم دیکھے تو سرکارِ عالمؐ نے اپنے جانثار غلاموں کو اجازت دے دی کہ ظلم و ستم کی اس بستی سے ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں کیونکہ وہاں کے بادشاہ نجاشی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بڑا رحم دل اور انصاف پسند ہے۔ چنانچہ بعثت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں مہاجرین کا پہلا قافلہ اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر حبشہ جیسے دور افتادہ ملک کی طرف روانہ ہوا تا کہ وہاں پُرامن فضا میں اپنے ربِّ کریم کی عبادت کر سکیں۔ یہ قافلہ بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھا۔ اس قافلہ کے سالارِ اعلیٰ حضرت عثمانؓ بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ بنتِ رسولؐ اللہ آپ کے ساتھ تھیں۔ سرکارِ دو عالمؐ نے اسی جوڑے کے بارے میں فرمایا ''ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی''۔ حضرت رقیہ کی خدمت گزاری کے لیے حضرت امِ ایمن بھی ساتھ تھیں (ضیاء النبی)

حضور رحمتِ عالمؐ ہجرت کے بعد اپنے اصحاب کی خیریت کی اطلاع کے منتظر رہا کرتے تھے۔ حبشہ میں ان لوگوں کو مکّہ کے مقابلہ میں امن و عافیت میسّر آئی۔ چند ماہ بعد وہاں یہ اطلاع پہنچی کہ اہلِ مکّہ نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اب وہاں مکمل امن و امان ہے۔ اس پر چند لوگوں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ بھی واپس آنے والوں میں شامل تھے۔ لیکن واپسی کے بعد اہلِ مکہ کے بارے میں اطلاع غلط ثابت ہوئی اور کفار نے اِن لوگوں سے پہلے سے بھی زیادہ مظالم شروع کر دیے۔ نبی اکرمؐ نے انہیں دوبارہ ہجرت کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اس دفعہ کئی دوسرے مسلمان بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے اور اِن کی تعداد تراسی (83) ہو گئی۔ بعد میں جب تمام مسلمانوں کو ہجرتِ مدینہ کا حکم ہو گیا تو حضرت عثمانؓ اس سعادت سے بھی بہرہ مند ہوئے اور ذوالہجرتین کرنے والے بن گئے۔ اس طرح حضرت

Marfat.com

عثمانؓ ذوالہجرتین کے لقب کے ساتھ ساتھ بعد میں حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت ام کلثوم بنت رسولؐ سے نکاح کر کے ذوالنورین کے لقب سے بھی سرفراز ہوئے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ کے ہمراہ بعثت 5 تا بعثت 12 تقریباً آٹھ سال حبشہ میں قیام فرمایا۔ تقریباً 11 بعثت میں جب حضرت رقیہؓ کی عمر 18 سال تھی، اُن کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اُس وقت بچّے کے نانا حضرت رسولِ اکرمؐ پاس نہ تھے۔ حضرت رقیہؓ نے مبارک مولود کا نام اپنے دادا عبداللہ بن عبدالمطلب کے نام پر عبداللہ رکھا۔ نانا نے اپنے پیارے نواسے کو ڈیڑھ سال بعد دیکھا۔ حضرت عثمانؓ کی کنیت ابوعبداللہ اسی بیٹے کی مناسبت سے ہے۔

دس بعثت میں حضرت رقیہؓ کا سترھواں سال تھا۔ اُن کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہؓ نے ماہِ رمضان میں مکہ میں وفات پائی۔ بیٹی حضرت رقیہؓ کو اس سانحہ کی خبر، کیونکہ وہ پردیس میں حبشہ میں مقیم تھیں، بڑی دیر میں ہوئی۔ پردیس میں ماں کا داغِ مفارقت بہت ہی روح فرسا تھا۔

دوسری مرتبہ حضرت عثمانؓ نے اللہ کی راہ میں اپنے وطنِ عزیز کو اس وقت چھوڑا جب رسولؐ اللہ نے مدینے کو ہجرت کی۔ یہاں آنحضرتؐ نے حضرت حسّان بن ثابتؓ انصاری کے بھائی اوس بن ثابتؓ سے اُن کی مواخات کرادی۔ حضرت حسّان بن ثابتؓ تو شاعرِ دربارِ رسالتؐ تھے۔ شاعری اُن کو ورثے میں ملی تھی۔ حضرت حسّان کو حضرت عثمانؓ سے بڑا انس تھا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت پر بڑا دردناک مرثیہ لکھا تھا اور وہ خود تمام عمر اس سانحۂ عظیم پر مغموم رہے۔

حضرت عثمانؓ بڑے مالدار تاجر، حددرجہ فیاض اور سخی تھے۔ اُن کا مال ہمیشہ دینِ اسلام کے رفاعی کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ آپ خصوصاً غزوات کے موقع پر بہت مدد کرتے۔ مدینہ میں پینے کے پانی کی قلت تھی۔ حضرت عثمانؓ نے ''بیئرِ رومہ'' جو ایک یہودی کی ملکیت تھا، خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردیا۔ یہودی آخر یہودی تھا اُس نے اس کنویں کی قیمت بیس ہزار درہم طلب کی، جو آپ نے فوراً ادا کردیا۔ آنحضورؐ نے بیئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرنے والے شخص کے لیے پہلے ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔ بعد میں حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے لیے اور بھی کنویں کھدوائے۔

Marfat.com

بیرِ اریس وہ کنواں تھا، جس میں آنحضرتؐ کی انگوٹھی جو یکے بعد دیگرے آنحضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ہاتھوں کی زینت بنی رہی تھی، اب حضرت عثمانؓ کے پاس تھی، وہ انگوٹھی اتفاقاً حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے اس کنویں میں گر پڑی۔ اُس انگوٹھی کو تلاش کرنے کے لیے کنویں کا سارا پانی نکالا گیا لیکن وہ انگوٹھی نہ ملی۔ حضرت عثمانؓ کو اس انگوٹھی کے گُم ہونے کا ساری عمر افسوس رہا۔

عہدِ نبویؐ میں جب نمازیوں کی کثرت کے باعث جب مسجدِ نبویؐ کی توسیع کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عثمانؓ نے مسجد کے ملحقہ زمین کا ایک قطعہ خرید کر وقف کر دیا۔

آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں 29ھ میں بھی مسجدِ نبویؐ کی توسیع کروائی۔ توسیع کا کام دس ماہ تک جاری رہا، جس میں پتھر، چُونا اور اینٹ استعمال کی گئی۔ اس بار مسجد بہت خوبصورت بنی۔ اس توسیع کے ساتھ ہی مسجد کا طول 160 گز اور عرض 150 گز کر دیا گیا۔

غزوہ تبوک قحط سالی کے زمانے میں پیش آیا۔ اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے بڑھ چڑھ کر مالی امداد فرمائی۔ حضرت عثمانؓ نے سامانِ رسد کے لیے ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار خدمتِ نبویؐ میں پیش کیے۔ آنحضرتؐ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے "آج کے بعد عثمانؓ کچھ بھی کاروبار کریں اُن کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔

حضرت عثمانؓ نے عہدِ نبویؐ کی تمام غزوات میں حصّہ لیا۔ صرف غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت رقیّہ بنتِ رسولؐ بیمار تھیں۔ آنحضرتؐ نے اُن کی تیمارداری کے لیے آپ کو مدینہ ہی میں حضرت رقیّہ کے پاس رہنے کا حکم دیا اور کہا کہ تم جنگ میں ہی شریک سمجھے جاؤ گے تمہیں اِس کا اجر اور مالِ غنیمت کا حصہ ملے گا۔ لیکن برضائے الٰہی ماہ رمضان المبارک 2ھ میں حضرت رقیّہ کا انتقال ہو گیا۔ جب زیدؓ بن حارث غزوہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ میں داخل ہو رہے تھے تو عین اُس وقت جنت البقیع میں حضرت رقیّہ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ جب آپؐ مدینہ پہنچے تو اپنی لختِ جگر کے وصال پُر ملال کی خبر سُنی تو آپؐ نے حضرت رقیّہ کی چھوٹی بہن حضرت فاطمہؓ جو قبر کے پاس بیٹھی اور رو رہی تھیں، اپنی چادر کے کناروں سے اُن کے آنسو پونچھے۔ اُس وقت حضرت رقیّہ کی عمر 22 سال تھی۔

Marfat.com

حضرت عثمانؓ، خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اُن کے مُشیر تھے اور کاتب کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ عمرؓ کے دورِ خلافت میں وہ مجلسِ شوریٰ کے ممتاز ارکان میں شامل رہے۔ حضرت عثمانؓ کا درجۂ فضیلت سب صحابہ کرام میں تسلیم شدہ تھا۔ امام ترمذیؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بیعتِ رضوان کے موقع پر حضرت عثمانؓ رسولؐ اللہ کی جانب سے مکہ معظمہ میں ایلچی بن کر گئے، چنانچہ جس وقت صحابہ نے رسولؐ اللہ سے بیعتِ رضوان کی، رسولؐ اللہ نے فرمایا "چونکہ حضرت عثمانؓ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے کام کے لیے گئے ہوئے ہیں، میں خود اُن کی طرف سے بیعت کرتا ہوں"۔ یہ ارشاد فرما کر آپؐ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا دستِ مبارک تمام لوگوں اور جانوں سے کس قدر افضل اور بَرتر ہے۔

بنتِ رسولؐ حضرت رقیّہ حبشہ میں قیام کے دوران جب اٹھارہ سال کی تھیں کہ اللہ نے انہیں ایک صاحبزادے سے نوازا، اُس کا نام عبداللہ بن عثمان تھا۔ حبشہ کے بعد حضرت عثمانؓ نے اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ مدینہ، ہجرت کی تو 2ھ میں بدر کی لڑائی کے وقت مدینہ میں حضرت رقیّہ وفات پا گئیں۔ اُس وقت اُن کے لختِ جگر عبداللہ کی عمر چار سال تھی کہ اُس کی والدہ اپنے لختِ جگر کو داغِ یتیمی دے کر اللہ کو پیاری ہوئیں تو معصوم عبداللہ تقریباً 9 ماہ تک اپنی خالہ اُمِ کلثومؓ اور شفیق ناناؐ کے سایۂ عاطفت میں آ گئے۔ جب ربیع الثانی 3ھ میں بنتِ رسول حضرت کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا تو وہ نکاح کے تین ماہ بعد رخصت ہو کر اپنے سُسرال حضرت عثمانؓ کے گھر آ گئیں تو حضرت عبداللہ بھی اپنے والدِ محترم کے مکان میں اُن کے پاس آ گئے۔ حضرت عبداللہ کی سگی خالہ جو اَب اُن کی ماں بھی تھیں، نے ننھے عبداللہ کی تربیّت میں پوری پوری توجہ دی اور اُس کو اپنی سگی ماں کی کمی کسی طرح محسوس نہ ہونے دی۔ نانا بھی جب اپنی بیٹی کے ہاں آتے تو اپنے یتیم و معصوم نواسے کو پیار سے اپنی گود میں اٹھا لیتے اور اپنے مبارک ہونٹ عبداللہ کے معصوم چہرے پر رکھ دیتے۔ اُس وقت آپؐ کے دوسرے نواسے حضرت حسنؓ ابھی ایک سال کے تھے اور حضرت حسینؓ تو ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے آنحضورؐ کے شفقت و پیار کا وافر حصّہ حضرت عبداللہ ہی کے حصّہ میں آیا۔ عبداللہ اپنی عمر کے چھٹے سال میں قدم رکھ چکا تھا۔ نانا اُس کو اُنگلی

Marfat.com

سے پکڑ کر مدینہ کی گلیوں بازاروں میں لیے گھومتے رہتے۔ جمادی الثانی 4ھ میں ننھا عبداللہ مرغیوں اور اُس کے چوزوں سے کھیل رہا تھا کہ ناگاہ ایک مُرغ نے عبداللہ کی آنکھ میں چونچ ماردی، کچھ ہی دیر بعد چہرے پر وَرم آگیا اور اٹھکھیلیاں کرتا ہوا بچہ بستر پر آپڑا۔ کافی علاج معالجہ کے بعد جب حالت زیادہ خراب ہوئی تو سب کو معصوم بچے کی زندگی کی فکر لاحق ہوئی۔ لحہ بالحہ آس یاس میں تبدیل ہوتی جارہی تھی، یہاں تک کہ بچے پر نزع کی کیفیت شروع ہوگئی۔ حضرتِ ام کلثومؓ نے آنحضرتؐ کو بلا بھیجا۔ حضورِ اکرمؐ چند صحابہ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے گھر تشریف لائے۔ نواسے کو نانا کی مبارک گود میں لٹا دیا گیا۔ عبداللہ کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے عبداللہ نے امانت اس ہستی کو واپس لوٹا دی جس سے وہ چھ سال قبل مُستعار لے کر آیا تھا۔ یہ رُوح فرسا کیفیت آپؐ سے دیکھی نہ گئی اور بے ساختہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ شفیق نانا بہت مغموم ہوگئے۔ آپؐ کا چہیتا نواسہ آپؐ کی گود میں پڑے پڑے داغِ مفارقت دے گیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد معصوم جان کا جنازہ اٹھایا گیا۔ آپؐ نے خود اُس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ والدِ مکرّم نے خود قبر میں اُتر کر اپنے لختِ جگر کو ''جنت البقیع'' میں اُس مبارک بستی والوں کے حوالے کیا جہاں اُس کی والدہ محترمہ آرام فرما تھیں۔ اس طرح آنحضورؐ کو اولاد کا دوسرا داغ برضائے الٰہی برداشت کرنا پڑا۔

حضرت عمرؓ جب ظالم مجوسی ابولُولُو کے مہلک خنجر سے زخمی ہوگئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کا چراغ ٹمٹماتا ہوا نظر آنے لگا تو صحابہ کرامؓ نے اُن کے سامنے اُن کے جانشین کا مسئلہ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''اگر آج امین الاُمّت ابوعبیدہ بن الجراحؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں اپنا جانشین مقرر کردیتا لیکن موجودہ صورت میں اس منصب کا حقدار اُن لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں سمجھتا، جن سے آنحضرتؐ اپنی وفات تک راضی رہے'' اور پھر حضرت عمرؓ نے عشرہ مبشّرہ میں سے مندرجہ ذیل چھ اصحاب کی ایک مجلس قائم کردی۔

حضرت علیؓ، عثمانؓ، زبیر بن العوامؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ آپ نے ان حضرات کو حکم دیا کہ وہ اُن کی وفات کے بعد آپس میں مشورہ کرکے کسی ایک کو امیرالمومنین منتخب کرلیں اس دوران میں نمازیں حضرت صُہیب رومیؓ پڑھائیں گے۔ حضرت

Marfat.com

عبدالرحمٰن بن عوف مسلسل تین دن تک شہر کے دانشوروں اورلشکرِ اسلام کے سپہ سالاروں سے مِل کر مشورہ کیا اور جب انہیں یقین ہوگیا کہ اکثریت کی رائے میں اس ذمہ دار منصب کے اہل حضرت عثمانؓ ہیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مسجدِ نبویؐ میں آ کر حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا اور سب سے پہلے خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔

خلافتِ عثمانی جو بارہ سال کے عرصہ پر محیط ہے، اِس میں ایسی عظیم الشان فتوحات اتنی سرعت کے ساتھ ہوئیں جن کی نظیر اس سے پیشتر تاریخ میں نہیں ملتی۔ یقیناً ان فتوحات کا سہرا اُن کے عہد کے مایہ ناز سپہ سالاروں حضرت ولید بن عقبہ، حضرت سعید بن العاص، حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے سر تھا۔ آپ کے دور میں مملکتِ اسلامیہ کی حدود ایک طرف سندھ سے لے کر اُندلس تک جا پہنچیں۔ اِس کے علاوہ ایک عظیم الشان بحری بیڑہ تیار کیا گیا جس کے امیر البحر حضرت معاویہ تھے اِس سے پیشتر اسلامی فوج کے پاس ایک کشتی بھی نہ تھی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خلافتِ عثمان اہلِ اسلام کے لیے فتح وظفر کا ایک درخشاں باب ثابت ہوئی۔

آپ کے عہدِ خلافت میں تہذیب وتمدّن، صنعت وحرفت، تجارت اور علوم وفنون کو ترقی ہوئی۔ دولت وثروت اور فارغ البالی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ صحابہ کرامؓ نے مدینہ اور ملحقہ وادیوں میں خوبصورت عمارات تعمیر کروائیں۔ سلطنتِ اسلامیہ کے بڑے بڑے تجارتی شہروں میں قدیم بازاروں کے علاوہ نئے بازار اور منڈیاں بھی بنائی گئیں۔ اہلِ مکّہ اور مدینہ حجاز سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پہنچ گئے۔

سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ جو خلافتِ عثمان میں سرانجام پایا وہ عالمِ اسلام کو ایک مصحف اور قرأت پر جمع کرنا تھا۔ قرآن مجید کو لکھوا کر تمام مملکتِ اسلامیہ میں شائع کرنا اور ایک ہی قرأت پر تمام عالمِ اسلام کو متفق کر دینا خلافت عثمان کا قابلِ تعریف کارنامہ ہے۔ اسی کارنامے کی بنا پر امت میں آپ کا لقب 'جامع القرآن' مشہور رہا۔

مصدقہ روایات کے مطابق حضرت عثمانؓ نے اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ مصحف کی سات نقلیں تیار کروائیں اور مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، شام، بحرین، بصرہ، کوفہ اور

Marfat.com

مصر میں ایک ایک نُسخہ محفوظ کروایا۔ اِن میں چار نُسخے اس وقت دنیا میں محفوظ ہیں۔

1۔ حجرہ نبوی ﷺ کا نُسخہ؛

2۔ استنبول

3۔ کتاب خانہ مصریہ (قاہرہ)

4۔ کتاب خانہ ماسکو

حضرت عثمانؓ کے بارہ سالہ دورِ خلافت کا نصف عرصہ نہایت پُرسکون رہا۔ فتوحات کی کثرت کے سبب مالِ غنیمت اور محاصل میں اضافہ ہوا۔ تجارت اور زراعت کو ترقی ملی۔ لیکن آپ کے آخری سالوں میں باغیوں نے سَر اُٹھایا اور آپ پر دہ، وہ الزامات لگائے جن کا حقیقت سے دور تک کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ حقیقت میں حضرت عمرؓ جیسے مضبوط خلیفہ کے بعد حضرت عثمانؓ جیسے نرم دل خلیفہ کی نرم پالیسی اس تباہ کُن فتنہ وفساد کی آگ کو پھیلنے سے نہ روک سکی۔ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسی چیزوں پر اظہارِ خفگی کیا کہ اگر وہی غلطیاں حضرت عمرؓ سے سرزد ہوتیں تو لوگ ناراض نہ ہوتے اور چشم پوشی سے کام لیتے، لیکن حضرت عثمانؓ کے نرم رویّوں اور پالیسیوں کی وجہ سے آپ کو وہ دن دیکھنے پڑے جن کی توقع نہ تھی۔

حضرتِ عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی جو آگ بھڑکائی جارہی تھی، اِس کے مراکز کوفہ، بصرہ اور سب سے سرگرم مصر میں تھے۔ 35ھ کے آخر میں شرپسندوں نے مدینہ کا رُخ کیا۔ اُن دنوں حج کی وجہ سے مدینہ تقریباً خالی تھا۔ ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت ان باغیوں نے پہلے تو امیرالمومنین کا مسجدِ نبویؐ میں آنا جانا دشوار بنادیا اور پھر آپ کی رہائش کا محاصرہ کرلیا جو مختلف روایات کے مطابق کم وبیش چالیس دن جاری رہا۔ اس دوران امیرالمومنین نے کئی بار مکان کی چھت پر سے باغیوں کو خطاب بھی فرمایا۔ آنحضورؐ کے ساتھ اپنی نیازمندی اور رشتہ داری کے حوالے دیئے، اسلام کی خاطر اپنی خدمات یاد دلائیں لیکن ان پر آپ کی کسی بھی بات کا اثر نہ ہوا۔ کئی صحابہؓ نے آپ کو مدینہ منورہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جانے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے اپنی جوارِ رسولؐ سے جدائی کو کسی صورت گوارا نہ کیا۔ آپ کی حفاظت کے لیے بعض اکابر صحابہ نے اپنے نوجوان فرزندوں کو آپ کی قیام گاہ کے باہر مقرر کردیا۔ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت

Marfat.com

عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ انہیں نوجوانوں میں سے تھے۔ اِن کے علاوہ ایک جمِ غفیر آپ کے پاس موجود تھا۔ لوگوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ امیرالمومنین اُنہیں باغیوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت دیں، لیکن آپ نے منع کر دیا۔ آپ کو امت میں خونریزی اور خانہ جنگی گوارا نہ تھی۔ آخر میں یہاں تک حالت آ پہنچی کہ امیرالمومنین کا پانی تک بند کر دیا گیا۔ آپ کو پتھر مارے گئے لیکن آپ نے صبر واستقلال کا دامن نہ چھوڑا اور سارے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اپنی ذاتیات کے لیے آنحضورؐ کے پیارے شہر مدینۃ النبی کی حرمت پر آنچ نہ آنے دی۔

آپ کی آنحضرتؐ کی پیش گوئی کے مطابق اپنی شہادت کا یقین ہو چکا تھا۔ آخری شب حضرت عثمانؓ کو خواب میں آنحضورؐ کی زیارت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا ''اے عثمان! ہمارے ساتھ روزہ افطار کرنا'' آخر کار چند باغی 18 ذوالحج 35ھ کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پچھلی دیوار پھلانگ کر گھر میں زبردستی داخل ہو گئے اور رسولؐ اللہ کے تیسرے خلیفہ، دو دفعہ آپ کی دامادی کا شرف حاصل کرنے والے اور ذوالنورین کا لقب پانے والی ہستی کو اُس وقت شہید کر دیا جب وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر 82 سال تھی۔

صد افسوس کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کا شیرازہ تار تار ہو کر رہ گیا اور وہی متحدہ قوت جو دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں صرف ہوئی تھی، ایک دوسرے کے خلاف ہی صرف ہونے لگی۔

18 ذوالحج 35ھ بروز جمعہ آپ نے شہادت پائی اور شنبہ کی شب کو مابین مغرب وعشاء آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

تاشقند شہر میں واقع مسجد ہشت امام مشہور جامع مسجد ہے۔ مسجد کے ملحق خوبصورت عمارت کے اندر مسلمانوں کی زیارت کے لیے مصحفِ عثمانی رکھا گیا ہے۔ یہ عمارت ایک بڑے شاندار کمرے اور برآمدے پر مشتمل ہے جس میں قیمتی اور خوبصورت لکڑی کا کام کیا گیا ہے۔ ہال میں ایک طرف درمیان میں ایک آہنی اور لکڑی کے صندوق میں وہ مصحفِ قرآن محفوظ ہے جو حضرت عثمانؓ پر بلوائیوں کی طرف سے قاتلانہ حملہ کے وقت زیرِ تلاوت تھا اور قرآن پاک کے

Marfat.com

پہلے پارے سورہ البقرہ کی آیت 137 ...... پر خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں۔ مصدقہ روایات کے مطابق یہ مصحف حضرت عثمانؓ کے داماد کے ذریعے اس علاقے میں پہنچا۔ 54ھ میں حضرت سعید نے سمرقند فتح کیا تھا اور انہی کی وساطت سے اس خطہ میں اسلام پھیلنا شروع ہوا اور یہ مصحف بھی انہی کے ذریعے اس خطہ میں پہنچا۔ مصنف کو اپنے قیامِ تاشقند کے دوران اس مقدس مصحف کی کئی مرتبہ زیارت کرنے کی سعادت ملی۔

Marfat.com

حضرت علیؓ

آپ کا نام علیؓ کنیت ابوالحسن وابوتراب لقب حیدر اور شیر خدا تھا۔ والدہ ماجدہ نے آپ کا نام اسد (شیر) رکھا، اسی وجہ سے آپ کو اسد اللہ (شیرِ خدا) کہا جاتا ہے۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ فاطمہ بنت اسد تھیں۔ آپ کے والد حضور اکرمؐ کے سگے چچا تھے اور حضرت علیؓ کی والدہ ابوطالب کی چچازاد تھیں، اس لیے حضرت علی دونوں طرف سے ہاشمی تھے۔ حضرت علیؓ کی ولادت 13 رجب 30 عام الفیل بعثت سے دس سال اور ہجرت نبویؐ سے 23 سال قبل جمعۃ المبارک کے دن مکہ معظّمہ میں ہوئی۔

ابوطالب مکہ کے ذی اثر اور باوقار لوگوں میں سے تھے۔ آنحضرتؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی وفات کے بعد آپؐ نے اُنہی کی آغوش میں پرورش پائی۔ ابوطالب ہی نے آپؐ کو تجارت کے معزّز پیشے سے روشناس کرایا۔ حضرت خدیجہؓ سے آنحضورؐ کے نکاح کا خطبہ بھی انہی نے پڑھایا۔ بعثتِ نبویؐ کے بعد جب آپؐ نے اعلانِ نبوّت فرمایا تو ابوطالب نے ہی قدم قدم پر آپؐ کی حمایت ونصرت کا فریضہ سرانجام دیا، اور دشمنوں کے ظلم وستم سے آپؐ کو بچائے رکھا۔ آپؐ کی حمائت کے جُرم میں آنحضورؐ اور آپ کے خاندان کو شعبِ ابی طالب میں تین سال تک محصُور رکھا گیا۔

حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد کو اسلام قبول کرنے اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپؓ کی والدہ نے بھی خلوص اور دلسوزی کے ساتھ

Marfat.com

آنحضورؐ کی سرپرستی اور حمائت کی۔ جب آپ مدینہ آئیں تو حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ بنتِ رسولؐ کی شادی ہوئی۔ آپ نہایت نیک مزاج اور شریف خصلت خاتون تھیں۔ جناب رسول اللہ اُن کی تعریف کیا کرتے اور نہایت ادب کے ساتھ پیش آتے۔ اُن کی وفات کے بعد آپؐ نے فرمایا ''ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ مجھ پر کوئی مہربان نہ تھا۔ آنحضرتؐ اکثر اُن کے گھر آرام فرماتے اور خاص طور پر اُن کی خیریت معلوم کرنے تشریف لایا کرتے۔ جب انہوں نے وفات پائی تو حضورؐ نے انہیں اپنی قمیض مبارک کا کفن پہنایا اور اُن کی میّت کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا ''اے میری ماں، اللہ آپ پر رحم کرے، آپ میری ماں کے بعد ماں تھیں، آپ خود بھوکی رہتی تھیں مگر مجھے کھلاتی تھیں، آپ کو خود لباس کی ضرورت ہوتی لیکن آپ مجھے پہناتی تھیں''۔

گویا کہ حضرت علیؓ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ دونوں ہی سرورِ کونینؐ کے مربی و محسن تھے۔ حضرت علیؓ آپؐ کے چچا کے بیٹے اور آپؐ کی لختِ جگر سیدہ فاطمۃُ الزہرا کے شوہرِ نامدار تھے۔ حضرت ابو طالب کی کثیر العیالی اور تنگ دستی دیکھ کر حضور اکرمؐ نے اُن کا بوجھ ہلکا کرنے کی یہ تجویز سوچی کہ حضرت علیؓ ذرا سیانے ہوئے تو اُن کو اپنی کفالت میں لے لیا اور چار پانچ برس کی عمر سے ہی حضورؐ کے دامنِ اقدسؐ سے وابستہ ہو گئے اور آغوشِ نبوّت میں پرورش اور ہر طرح کی تربیّت حاصل کی۔ حضرت خدیجہ بھی حضرت علیؓ سے محبت کرتی تھیں، وہ اِن کو نہلاتیں، کپڑے بدلتیں، قیمتی اور اچھا لباس پہناتیں اور اعلیٰ درجے کے تحفے دیا کرتی تھیں۔

بعثتِ نبویؐ کے بعد جن خوش نصیبوں کو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا اور حضور اکرمؐ کی آواز پر لبیک کہا اُن میں خواتین میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، مردوں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ، آزاد کردہ غلاموں میں زید بن حارثہؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ تھے۔ اُس وقت حضرت علی کی عمر صرف دس سال تھی۔

ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد حضرت علیؓ نے حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کر دی۔ ایک دن آپ کے والد ابو طالب نے انہیں نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا ''بیٹا یہ کیسا دین ہے جس پر تو چل رہا ہے''؟ انہوں نے کہا ''ابا جان! میں اللہ اور اُس کے رسولؐ پر

Marfat.com

ایمان لایا ہوں، اُن کی تصدیق کی ہے اور اُن کے ساتھ نماز پڑھی ہے''۔ ابو طالب نے کہا ''محمدؐ تمہیں بھلائی کے سوا کبھی کسی چیز کی طرف نہیں بلائیں گے، تم اُن کے ساتھ لگے رہو''۔

تفسیر ابنِ کثیر اور بعض دوسری کتابوں میں روایت ہے کہ 4 ن کے آغاز میں جب آیت وَانْذِرْ عشیر تكَ الْاَقْرَبِيْن (اور اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو خدا کا خوف دلایئے) نازل ہوئی تو حضورؐ نے چند دن بعد بنو ہاشم کو کھانے پر دعوت دی۔ انتالیس چالیس آدمی مدعو تھے۔ آپ نے حضرت علیؓ کو اس مقصد کے لیے دعوت کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے کم سنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا۔ جب سب کھانے سے فارغ ہو چکے تو حضورِ اکرمؐ نے کھڑے ہو کر ایک تقریر کی، جس میں فرمایا کہ ''مَیں آپ کو ایسی بات کی طرف دعوت دیتا ہوں جو دُنیوی اور اُخروی فلاح کی ضمانت دیتی ہے اور مَیں نہیں چاہتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص اپنی قوم کے لیے ایسا بیش قیمت تحفہ لایا ہو۔ آپ میں سے کون میری اس دعوت کو قبول کرتا ہے اور میرا بھائی اور ساتھی بنتا ہے''۔

حضورؐ کی تقریر سُن کر سب لوگ خاموش رہے لیکن حضرت علیؓ نے اُٹھ کر عرض کیا ''اگر چہ میری عُمر کم ہے تاہم مَیں آپؐ کا ساتھ دوں گا'' اُن کی یہ بات سُن کر دوسرے لوگ ہنسنے لگے اُس وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف 13 سال تھی۔

حضورؐ تبلیغِ حق کے لیے لوگوں کے عام اجتماعات میں تشریف لے جاتے تھے تو حضرت علیؓ کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔ 7 ن میں میں مشرکینِ مکّہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعبِ ابی طالب میں محصور کیا تو حضرت علیؓ بھی حضورؐ کی حمایت میں اپنے والدین اور دوسرے اقرباء کے ساتھ تین برس تک ہولناک مصائب و آلام جھیلتے رہے، 10 ن میں یہ محاصرہ ختم ہوا تو چند ہی ماہ بعد آپ کے شفیق باپ کا سایہ سَر سے اٹھ گیا تاہم حضورؐ کی مشفقانہ سرپرستی نے اُنہیں باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ حضرت علیؓ کی عمر اُس وقت سترہ سال تھی۔ حضرت ابو طالب کی وفات کے دو ہی ماہ بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملیں۔ اس کے بعد مشرکین کی طرف سے آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کے لیے حالات سخت سے سخت تر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ 13 ن کو اللہ کی طرف سے آپؐ کو ہجرتِ مدینہ کا حکم ملا۔

Marfat.com

اللہ کے حکم کے مطابق آنحضورؐ جب مدینہ کے لیے عازمِ سفر ہوئے تو آپؐ اہلِ مکہ کی امانتیں واپس کرنے کی ذمہ داری حضرت علیؓ کو سونپی اور اپنے گھر سے نکلتے وقت اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو اپنی حضرموتی چادر اوڑھا کر لٹا دیا۔ حضور اکرمؐ اطمینان سے مشرکینِ مکّہ کے سروں میں خاک اور آنکھوں میں دُھول ڈالتے ہوئے اُن کے درمیان سے نکل گئے۔ صبح ہوئی اور کاشانۂ اقدسؐ کے گرد گھیراؤ کرنے والے کفار نے حضور اکرمؐ کی بجائے حضرت علیؓ کو بستر سے اٹھتے ہوئے دیکھا تو وہ سب ٹپٹا کر رہ گئے۔ اُن کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ حضرت علیؓ ہیں۔ اُنہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا ''محمدؐ کہاں ہیں''؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا ''میں کیا بتا سکتا ہوں، تم لوگوں نے اُنہیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کیا اور وہ نکل گئے''۔

سرورِ عالمؐ مکہ سے ہجرت کے بعد چند دن قبا میں قیام فرمایا۔ ابھی آپؐ قبا ہی میں تھے کہ تین دن بعد حضرت علیؓ بھی ہجرت کر کے آپؐ کی خدمتِ اقدسؐ میں قبا آملے۔ وادیٔ قبا میں میزبانِ رسولؐ حضرت کلثومؓ بن الہدم نے حضرت علیؓ کو مہمان بنایا۔ جب حضرت علیؓ قبا پہنچے تو پیدل سفر کرنے کی وجہ سے اُن کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ آنحضورؐ جب قبا سے مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت علیؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے۔ پھر جب کچھ ہی دنوں بعد مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کا آغاز ہوا تو سب صحابہ کے شانہ بشانہ حضرت علیؓ نے بھی اُس کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کے بعد حضورِ اکرمؐ نے مہاجرین و انصار کے درمیان مؤاخات کا رشتہ قائم کروایا۔ اس پر آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا اور اپنے ساتھ رکھا۔

2ھ میں آنحضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ آپؐ نے اپنی صاحبزادی سیّدہ فاطمۃ الزہرؓ سے اُن کا نکاح کر دیا۔ اس سے قبل حضرت فاطمہؓ سے نکاح کی خواہش کا اور بھی متعدد شرفائے صحابہ کرام نے اظہار کیا تھا لیکن آپؐ نے حضرت علیؓ کو منتخب فرمایا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ وہ بولے، ایک گھوڑے اور زرہ کے سوا کچھ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے البتہ زرہ فروخت کر دو۔ حضرت علیؓ نے زرہ کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ 480 درہم میں فروخت کر دیا اور قیمت لا کر آنحضورؐ کے سامنے پیش کر دی۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں اور

Marfat.com

آپؐ نے خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر اُن کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا نکاح محرم 2ھ میں ہوا۔ اُس وقت حضرت علیؓ کی عمر 25 سال اور حضرت فاطمہؓ 19 سال کی تھیں۔ تاہم حضرت فاطمہ کی رُخصتی ساڑھے 9 ماہ بعد عمل میں آئی۔ حضورِ اکرمؐ نے حضرت فاطمہؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا ''میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان کے بہترین شخص سے کی ہے''۔ حضرت علیؓ اِس سے قبل آنحضورؐ کے ساتھ ہی رہتے تھے مگر اب ایک نئے مکان کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ حارث بن نعمانؓ کا مکان اُن کی رہائش بنا۔ والدِ محترم کی طرف سے اپنی بیٹی کے جہیز میں جو اشیاء دی گئیں وہ یہ تھیں: 1- مصری کپڑے کا ایک بستر جس میں اُون بھری ہوئی تھی۔ 2- ایک منقش پلنگ۔ 3- چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ 4- مٹی کا ایک گھڑا 5- ایک مشکیزہ 6- ایک پیالہ 7- ایک چکی 8- ایک جائے نماز 9- دو چادریں 10- چاندی کے دو بازو بند۔

(سنن ابن ماجہ 1119، مسند احمد)

یہی چیزیں زندگی بھر حضرت فاطمہؓ کی رفیق رہیں۔ حضرت علیؓ اِن میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔ اس شادی کے بعد دعوت ولیمہ ہوئی، جس میں مہمانوں کو کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور شوربہ پیش کیا گیا۔ اس زمانے کے اعتبار سے یہ ایک پُر تکلف ضیافت تھی۔

جب آنحضرتؐ مدینہ تشریف لے گئے تو مشرکین مکہ کے غیظ و غضب میں مزید اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے اسلام کو مکمل طور پر ختم کرنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیے اور جب مشرکینِ مکہ کے ساتھ غزوات کا آغاز ہوا تو بدر ہو یا اُحد، خندق ہو یا خیبر ہر غزوہ میں حضرت علیؓ نے شمشیر بکف اور سرفروشی کے جوہر دکھائے۔ کفار کے خلاف 2ھ میں معرکہ غزوہ بدر میں آنحضرتؐ نے ایک عَلَم حضرت علیؓ کو عطا فرمایا۔ آپ نے ہر جنگ میں جوانمردی اور بہادری سے مقابلہ کر کے کئی نامی گرامی اسلام کے دشمنوں کو واصلِ جہنم کیا۔ جنگ اُحد میں آپ کے جسم پر سولہ زخم آئے۔

9ھ میں حضورِ اکرمؐ جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا

Marfat.com

جانشین مقرر فرمایا۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر سرورِ عالمؐ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔ اسی اثناء میں سورہ براۃ نازل ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ مکہ جا کر حج کے اجتماع میں یہ سورہ لوگوں کو سنائیں۔ حضرت علیؓ نے مکہ جا کر یہ سورہ لوگوں کو سُنائی اور حضورؐ کے ارشاد کے مطابق یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور مشرکوں کے ساتھ تمام معاہدے آج سے چار ماہ بعد ختم ہو جائیں گے۔

حجۃ الوداع سے کچھ عرصہ قبل حضورِ اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو یمن کے ایک مشہور قبیلہ کی طرف اسلام کی تبلیغ کے لیے بھیجا۔ حضرت علیؓ یمن گئے تو اس انداز سے لوگوں کو دعوتِ توحید دی کہ وہ بلا تامّل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ 10ھ میں حضرت علیؓ یمن سے آ کر ہی مکہ میں حجۃ الوداع میں شرکت کے لیے آئے حجۃ الوداع سے واپسی کے سفر میں حضورؐ نے ایک مقام پر قیام فرمایا۔ یہاں پر تمام صحابہ کے سامنے ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں دوسرے ارشادات کے علاوہ یہ بھی فرمایا ''جس کا میں مولا ہوں علی بھی اُس کا مولا ہے، الٰہی! جو علیؓ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علیؓ سے عداوت رکھے، تو بھی اس سے عداوت رکھ''۔ بعض علماء نے ان روایتوں پر تنقید کی ہے، لیکن علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرۃ النبیؐ'' میں انہیں صحیح تسلیم کیا ہے۔ ویسے بھی حضرت علیؓ اصحابِ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں اور آپ کے فضائل و عظمت کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں۔

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع (10ھ) کے بعد حضورؐ نے حضرت علیؓ کو 300 سوار دے کر یمن ہی کے ایک اور قبیلہ کی طرف اسلام کی حقانیت کو تسلیم کروانے کے لیے بھیجا لیکن قبیلہ والوں نے پہلے سخت مزاحمت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علیؓ نے ایک ہی ہلّے میں اُن کے کس بل نکال دیے۔ جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اُن کے دو معززین حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت علیؓ جب یمن سے واپس آئے تو حضورِ اکرمؐ کی علالت کا آغاز ہو چکا تھا۔ چند دن بعد 12 ربیع الاوّل 11ھ کو آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں

Marfat.com

چلا گیا۔ سب مسلمانوں کی طرح حضرتِ علیؓ کے لیے یہ ایک عظیم صدمہ تھا لیکن سب نے بڑے صبر و تحمل سے اسے برداشت کیا کیونکہ رسول خدا بھی تمام عمر صبر و رضا کی ہی تلقین کرتے رہے تھے۔ مسندِ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت علیؓ نے جَسدِ اطہر کو غُسل دیا، حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ، اُن کے دونوں بیٹوں قثم بن عباسؓ اور فضل بن عباسؓ نے حضورؐ کے جسدِ اقدس کو سینے سے لگا رکھا تھا۔ جب قبر مبارک تیار ہوگئی تو حضرت علیؓ نے فضل بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ مل کر حضورؐ کے جسدِ پاک کو قبر میں اُتارا۔

حضورِ اکرمؐ کے وصال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ 29 سال حیات رہے۔ اس عرصہ میں اُن کی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز آئے۔ صرف 6 ماہ بعد ہی آپؓ کی زوجہ محترمہ خاتونِ جنت، جگر گوشۂ رسولؐ حضرت فاطمۃ الزہراؓ آپ کا ساتھ چھوڑ گئیں۔ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت علیؓ نے مسلمانوں کے پہلے خلیفہ اور یارِ غارِ ثور حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے ادوارِ خلافت میں اُن کا بھرپور ساتھ دیا اور ہر طرح تعاون کیا۔ کارِ مشاورت میں آپ نے اُن کی کُھلے دل سے مدد کی۔ لیکن آخر وہی ہوا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آپ جب خلیفہ چُنے گئے تو آپ کا دورِ خلافت صرف پانچ سال تک رہا۔ اس مختصر عرصہ میں آپ کو بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ جنگ جمل، جس کی سالارِ اعلیٰ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ تھیں اور جنگِ صفین میں آپ کو بادلِ نخواستہ ''اپنوں'' ہی کے مقابل صف آرا ہونا پڑا۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا کہ ''یا حضرت علیؓ! آپ کے دورِ خلافت سے قبل تینوں خلفائے راشدین کا دَور آپ کے دور سے بہت بہتر تھا، لیکن آپ کا دَور بڑا بے سکون اور غیر اطمینان بخش رہا، آخر ایسا کیوں''؟ آپ نے برجستہ جواب دیا ''پہلے خلفاء کے ہم لوگ مشیر تھے جبکہ ہمارے مشیر آپ جیسے لوگ ہیں، اس لیے مجھے یہ دن دیکھنے پڑے''

حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت علیؓ اُن کو مخلصانہ مشورے دیتے رہے۔ اُن بزرگوں کے ساتھ حضرت علیؓ کے تعلقِ خاطر کی کیفیت ایسی تھی کہ حضرت علیؓ نے اپنے تینوں صاحبزادوں کے نام جو دوسری ازواج میں سے تھے، ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے۔ ابوبکر جو لیلیٰ بنتِ مسعود کے بطن سے تھے اور عثمان جو اُمّ البنین کے بطن سے تھے، سیدنا حسینؓ کے ساتھ

Marfat.com

میدانِ کربلا میں شہادت کے مرتبے سے سرفراز ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کے آخری ایّام میں جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کرلیا تو حضرت علیؓ نے اپنے دونوں بڑے فرزندوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو دوسرے جوانوں کے ساتھ اُن کی حفاظت پر مامور فرمایا لیکن باغی دوسری طرف سے دیوار پھاند کر مکان کے اندر گھس گئے اور حضرت عثمانؓ کو بے دردی سے شہید کردیا۔

35ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی لیکن پھر بھی حضرت علیؓ نے حوصلہ اور صبر کا دامن نہ چھوڑا اور تمام مشکلات کا دیوانہ وار ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آپ نے خلافتِ راشدہ کی کشتی کو گردابِ بلا سے نکالنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اتنی زبردست مشکلات میں گھر جانے کے بعد اگر کوئی شخص اور ہوتا تو ہمت ہار دیتا مگر یہ دنوں کو فوجوں کی کمان کرنے والا رات کو خدائے برحق کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا اور اللہ کی اعانت کا طلبگار ہوتا۔ کہیں کوفہ کی عدالتوں میں مقدمات کے فیصلے سنائے جا رہے ہیں تو کہیں اسلام کے شیدائیوں کی محفل میں علم و حکمت کے خزانے لٹائے جا رہے ہیں۔

جنگ جمل کے بعد آپ کا دورِ خلافت امیر معاویہ کے ساتھ لڑائیوں میں صرف ہوا۔ اس لیے تو کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی خطا کھائی تو اپنوں سے، سامنے سے آنے والے کا مقابلہ تو جیسے تیسے کیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی پیچھے سے وار کرے تو ایک انسان کہاں تک ہاتھ پاؤں مارے گا۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کی فوجوں کے درمیان عرصہ تک خونریز جھڑپیں ہوتی رہیں، بعد میں کسی حد تک امن تو قائم ہوگیا لیکن خوارج کے فرقے نے جنم لے لیا جو حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ سب کا دشمن تھا۔ حضرت علیؓ نے شروع شروع میں ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ فساد کیا تو حضرت علیؓ نے پوری قوت سے اُن کی سرکوبی کی اور نہروان کی لڑائی میں اُنہیں عبرتناک شکست دے کر اُن کے ساتھ کفار کا سا معاملہ کیا۔ اس گروہ کو صحابہ واجب القتل سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر انہیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان لوگوں نے قرآن کی وہ آیات جو کفار

Marfat.com

کے لیے نازل ہوئی تھیں۔ مسلمانوں یعنی ''اپنوں پر'' (خوارج) منطبق کر دیں۔

امیر المومنین حضرت علیؓ نے انتظامی ضروریات کے پیشِ نظر دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کیا تو دارامارات کی بجائے ایک میدان میں خیمہ لگا کر قیام کیا اور فرمایا ''عُمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ہی عالی شان محلوں کو نظرِ حقارت سے دیکھا، مجھے بھی اِن کی حاجت نہیں آپ نے بعد میں ایک معمولی مکان کو اپنا مسکن بنایا۔ دروازے پر نہ کوئی دربان تھا اور نہ کوئی ڈنڈا بردار۔ وقت کا خلیفۃ المسلمین ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزارتا تھا۔

آپ نے اپنی زندگی میں کئی شادیاں کیں، جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱- حضرت فاطمۃ الزہراؓ: حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ سے آپ کی ازدواجی زندگی کا عرصہ 9 سال پر محیط ہے۔ جب تک حضرت فاطمہؓ آپ کے ساتھ رہیں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت فاطمہؓ سے تین بیٹے حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت محسنؓ پیدا ہوئے۔ حضرت محسن بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ دو بیٹیاں حضرت زینبؓ اور امِ کلثومؓ تھیں۔

۲- خوالہ بنت جعفر حنیفہ: ایک بیٹا محمد پیدا ہوا۔

۳- ام البنین بنت حزام: عباس، عثمان، جعفر اور عبداللہ پیدا ہوئے۔

۴- امِ حبیب بنتِ ربیعہ: بیٹا عمر اور بیٹی رقیہ پیدا ہوئیں۔

۵- لیلیٰ بنت مسعود: دو بیٹے محمد اصغر اور عبیداللہ پیدا ہوئے۔

۶- اسماء بنت خثیمہ: دو بیٹے یحییٰ اور عون پیدا ہوئے۔

۷- سعیدہ بنت عروہ بنت مسعود ثقفی: ام الحسن اور بیٹی رملہ پیدا ہوئے۔

19 رمضان 40ھ کی صبح نمازِ فجر کے وقت ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے عین اُس وقت زہر آلود تلوار سے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا جب آپ کوفہ کی مسجد کے محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور ربُ العزت کے حضور سربسجدہ تھے۔ زخم کا علاج کیا گیا مگر 21 رمضان المبارک 40ھ میں جمعہ کی شب یہ ماہ تاباں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ آپ کے پسران حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے نماز جنازہ کے بعد بیرون کوفہ نجف میں سپرد لحد کیا۔ اُس وقت آپ

Marfat.com

کی عمر 63 سال تھی۔

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ چار سال 9 ماہ آٹھ دن خلیفۃ المسلمین رہے۔ آپ قرآن پاک کے حافظ تھے اور اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول سے بخوبی واقف تھے، گویا تفسیرِ قرآن میں آپ مرتبہ کمال پر تھے۔ حضرت علیؓ کا اپنا قول ہے "مگر وہ فہم جو اللہ کسی کو قرآن میں دے، وہ میرے پاس ہے"۔ علم حدیث میں بھی وہ ارشاداتِ نبویؐ کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ سے 586 احادیث روایت کی گئی ہیں۔ تقریر و خطابت میں اپنی مثال آپ تھے۔ فنِ نحو کی ایجاد کا سہرا بھی حضرت علیؓ کے سر ہے۔ نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ کے متعلق فرمایا کہ "میں علم و حکمت کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہے"۔

فخرِ موجودات آنحضرتؐ کے حضرت علیؓ کے متعلق فرمودات

"علیؓ کو تین باتیں ایسی ملیں کہ کسی کو بھی نہیں ملیں یہاں تک کہ خود مجھے بھی نہیں ملیں:

1- تمہیں میرے جیسا خُسر دیا گیا اور یہ بات مجھے نصیب نہیں ہوئی، مجھے تمہارے ایسا خسر نہیں ملا۔

2- تمہیں میری بیٹی ایسی صدیقہ ملی اور مجھے نہ ملی۔

3- حسنؓ و حسینؓ تمہارے صُلب سے پیدا ہوئے، مجھے ایسے فرزند نصیب نہیں ہوئے لیکن تم سب مجھ سے ہو اور مَیں تم لوگوں سے۔

"علیؓ کے متعلق میری پانچ خواہشیں ایسی پوری ہوئیں جو مجھے دنیا و مافیھا سے بڑھ کر محبوب ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ قیامت میں خداوند عالم کے حضور علیؓ میرے ساتھ ہوں گے۔ دوسری بات یہ کہ علَم اُن کے ہاتھوں میں ہوگا۔ آدم اور اولادِ آدم سب کے سب اُس کے سایہ تلے ہوں گے۔ تیسری بات یہ کہ علیؓ حوضِ کوثر کے بیچ بیچ ہوں گے اور میری امت میں سے جسے پہچانتے ہوں گے اسے سیراب کریں گے۔ چوتھی بات یہ کہ میرا کفن و دفن علیؓ کریں گے حضوری پروردگار کی پہلی منزل تک پہنچائیں گے۔ پانچویں بات یہ کہ علیؓ کے متعلق مجھے کوئی خوف نہیں کہ وہ عفت کے بعد بدکاری اور ایمان کے بعد کفر کو اختیار کریں گے"۔

ایک روز نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو سینہ سے لگایا، اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا، آپ کی

Marfat.com

آنکھوں سے آنسو رُخساروں تک بہہ رہے تھے، پھر آپؐ نے علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بلند آواز سے فرمایا ''اے مسلمانو! یہ مہاجرین و انصار کا رئیس ہے، یہ میرا بھائی ہے، میرے چچا کا بیٹا، میرا داماد ہے، میرا خون ہے، میرا پوست ہے، یہ میرے جگر گوشوں حسنؓ و حسینؓ کا باپ ہے، یہ خدا کا شیر اور اُس کی زمین پر اُس کی تلوار ہے۔ جو لوگ اِسے دُشمن رکھیں اِن پر خدا کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت، خداوند عالم اُس کا دُشمن ہے۔

Marfat.com

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ

آپ کا نام عامر کنیت ابوعبیدہ اور لقب ''امین الامت'' تھا۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ مگر دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت میں فہر پر آنحضرتؐ سے مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ امیمہ بنت غنم بن بن جابر فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کی والدہ بھی حلقۂ بگوش اسلام ہو چکی تھیں۔ آپ کے والد کا پیشہ تجارت تھا۔

جب آفتابِ رسالت طلوع ہوا تو آپ کی عمر 27 سال تھی۔ حضورِ اکرمؐ کے دارِ ارقم میں پناہ گزیں ہونے سے پیشتر آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تبلیغ پر حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ اکٹھے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

قبولِ اسلام کے بعد قریشِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر دو مرتبہ ہجرت کر کے آپ حبشہ چلے گئے۔ آخری دفعہ سب صحابہ کے ساتھ ہجرت فرما کر رسولِ اکرمؐ کے فرمان کے مطابق مدینہ چلے گئے۔ مؤاخات میں آنحضورؐ نے آپ کا حضرت معاذ بن جبلؓ کے بیٹے حضرت سعد بن معاذؓ سے بھائی چارہ کروا دیا۔

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے کے بعد مشرکینِ قریش نے مسلمانوں کو سکون سے بیٹھنے نہ دیا اور چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رکھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رمضان 2ھ میں مسلمان مجبور ہو کر بدر کے میدان میں کفار کے مقابل صف آرا ہوئے۔ یہ حق و باطل کا عظیم الشان معرکہ تھا

Marfat.com

جس میں 313 مسلمانوں نے حِصّہ لیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ بھی اس معرکہ میں نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے۔ آپ کے والد جو مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کفّار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تھے، آپ کے قبول اسلام کی وجہ سے آپ کے سخت دشمن بن گئے تھے۔ دورانِ لڑائی انہوں نے آپ کو تاک تاک کر نشانہ بنایا مگر آپ نے ہر بار اُن سے درگزر فرمایا۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آرہے تو بالآخر اسلامی حمیت نسبی تعلق پر غالب آگئی اور ایک ہی وار سے اپنے والد کا کام تمام کر دیا۔ حقیقت میں یہ اسلامی جوش اور مذہبی وابستگی کی نہایت سچّی مثال تھی، جس میں اپنے خونی رشتہ دار، ماں باپ، بہن بھائی غرضیکہ تمام رشتہ دار ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں۔ قرآن نے اللہ کے راستے میں اس سے لاتعلقی کی تعریف ان الفاظ میں کی: ترجمہ

''جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، تم اُن کو خدا اور اُس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے، خواہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر کی لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیضِ غیبی سے اُن کی مدد کی ہے'' (سورہ مُجادِلہ آیت 22)

غزوۂ احد میں مشرکینِ مکّہ کے اچانک حملے سے آنحضورؐ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا اور زرہ کی دو کڑیاں آپؐ کے رخسار مبارک میں گھُس گئیں جس سے آنحضورؐ کو سخت تکلیف پہنچی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کڑیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا جس سے اِن کے اپنے دو دانت بھی شہید ہو گئے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے غزوہ خندق اور بنوقریظہ کے ساتھ لڑائی میں نمایاں حصہ لیا۔ ربیع الثانی 6ھ میں آنحضورؐ نے آپ کو بنوثعلبہ کی سرکوبی پر مامور کیا۔ آپ 40 آدمیوں کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے رات کے اندھیرے میں بنوثعلبہ پر چھاپہ مارا، وہ لوگ مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لاکر پہاڑوں میں جا چھپے۔ حضرت ابوعبیدہؓ مالِ غنیمت میں بنوثعلبہ کے مویشی ہانک کر مدینہ لے آئے۔ اِسی سال ماہ ذیقعد میں آپ بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے اور جو معاہدہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان طے پایا تھا، اُس پر آپ نے بطورِ گواہ دستخط کیے۔ پھر 7ھ

Marfat.com

میں غزوۂ خیبر میں آپؓ رسول اللہ کے ہمراہ رہے اور اُس کی فتح میں نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا۔

جمادی الثانی 8ھ میں آنحضورؐ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو 300 مجاہدین کے ساتھ ذات السلاسل کی جانب روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ دُشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے تو انہوں نے وہاں سے دربارِ رسالت مآبؐ میں مزید کمک بھیجنے کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو علیحدہ علَم مرحمت فرما کر 200 مجاہدین کے ساتھ حضرت عمرو بن العاصؓ کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ اس فوجی دستے کی اہمیّت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ایسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔

8ھ میں مکہ فتح ہوا، پھر حنین اور طائف کے معرکے وقوع میں آئے۔ اِن سب معرکوں میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نہایت جانبازی کے جذبہ سے سرشار ہمیشہ پیش پیش رہے۔ جنگی مہمّات کے علاوہ حضرت ابوعبیدہؓ کو دربارِ رسالت سے دوسری اہم خدمات بھی سپرد ہوئیں مثلاً 9ھ میں جب اہل نجران کے ساتھ ایک عہد نامہ طے پایا اور وہ اسے لے کر وطن واپس جانے لگے تو انہوں نے آنحضورؐ سے درخواست کی کہ اُن کے ہمراہ کسی ایسے شخص کو بھیجیں جو قرآن و سنت میں تعلیم دے۔ آنحضرتؐ نے ابوعبیدہؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ''یہ اس اُمت کے امین ہیں، اِن کو تمہارے ساتھ کرتا ہوں۔ اِس طرح آپ کو دربارِ نبوّت سے ''امینُ الامّت'' کا خطاب عطا ہوا۔ یہ درحقیقت ایک بڑے اعزاز کی بات ہے۔

جب 10ھ میں جنابِ رسول اللہ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے۔ اس سفر سے واپسی کے تقریباً تین ماہ بعد آنحضرتؐ کا وصال ہوا اور پھر خلافت کا جھگڑا پیدا ہوگیا لیکن صلحائے امّت کی کوششوں سے یہ بہت جلد فرو ہوگیا۔ اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے حضرت ابوعبیدہؓ کی کوششیں بھی کسی سے کم نہ تھیں۔ آپ نے کھڑے ہوکر انصار کو مخاطب کر کے فرمایا ''اے گروہِ انصار، تم نے ہجرت کے وقت سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا، اِس لیے تم ہی سب سے پہلے اختلافات کے بانی نہ بن جاؤ''۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اس مجمع میں موجود تھے۔ آپ نے خود اُن کا نام پیش کر کے فرمایا ''دیکھو یہ عُمر بن الخطابؓ ہیں جن کی نسبت رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اُن کی ذات سے اللہ نے دین کو معزز کیا اور یہ دیکھو یہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہیں جن کو بارگاہِ نبوّت سے ''امین الاُمّت'' کا خطاب عطا کیا گیا ہے۔ اِن دونوں ہستیوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو لیکن ان دونوں بزرگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں اپنے استحقاق سے نہ صرف انکار کیا بلکہ آگے بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کر لی۔ اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد 12ھ میں اصحابہؓ کبار کے مشورہ پر شام پر کئی اطراف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو حمص پر، حضرت یزید بن سفیانؓ کو دمشق پر، حضرت شرجیل بن حُسنہؓ کو اُردن اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو فلسطین پر مامور فرمایا اور سب کو ہدایت فرمائی کہ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ اِن سب کے سالارِ اعظم (کمانڈر انچیف) ہوں گے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام میں جو مختلف اصلاحات جاری فرمائیں اُن میں اکثر حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کے ہاتھ سے عمل میں آئیں۔ 18ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو آپ نے مسلمانوں کی خوراک کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے شام سے 4000 اونٹ غلّے سے لدے ہوئے مدینہ بھجوائے۔ اشاعتِ اسلام میں بھی آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ عرب کے کئی قبائل جو عیسائیت قبول کر کے مدت سے شام میں آباد ہو گئے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ کی کوششوں سے اسلام لائے۔ بعض شامی اور رومی عیسائی بھی آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر حلقۂ بگوشِ اسلام ہوئے۔

18ھ میں ملک شام میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی تو حضرت ابوعبیدہؓ بھی اُس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس چیز کا جب حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو کسی طرح سے وہاں سے نکالنے کی ترکیب سوچی۔ حضرت عمرؓ نے ایک خط لکھ کر ایک قاصد کے ذریعے حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس شام کی طرف روانہ کیا، خط میں لکھا تھا ''مجھے آپ کی ضرورت

Marfat.com

ہے اگر آپ کو یہ خط شام کو ملے تو صبح سے پہلے نکل کھڑے ہونا اور اگر صبح کو ملے تو شام سے قبل وہاں سے نکل جانا اور میری طرف چلے آؤ''۔

جب قاصد خط لے کر آپ کے پاس پہنچا تو آپ سمجھ گئے کہ حضرت عمرؓ کیا چاہتے ہیں۔آپ نے جواباً قاصد کو لکھ دیا کہ ''میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے کیوں جلد از جلد بلانا چاہتے ہیں۔اس وقت میں مسلم فوج کے ساتھ ہوں، اُن سے اپنے آپ کو جدا نہیں کرنا چاہتا، اگر اللہ چاہے تو مجھے یہاں ہی رہنے دیں'' خط جب حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو پڑھنے کے بعد حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔لوگوں نے پوچھا ''یا حضرت! ابو عبیدہؓ فوت ہو گئے کیا؟'' آپ نے جواب دیا کہ نہیں ''موت اُن کے قریب ہے'' چند دن بعد حضرت ابو عبیدہؓ جابیا کی طرف چلے گئے۔

جونہی آپ جابیا پہنچے آپ نے اپنی سپاہ کو بڑی پر اثر تقریر کی۔آپ نے فرمایا ''نماز روزہ حج ادا کرتے رہنا'' آپ نے عمرہ اور صدقہ کے بارے بھی تلقین کی۔پھر معاذ بن جبلؓ کو اپنا جانشین بنایا اور کہا کہ وہ نمازیں پڑھائیں۔

اسی سال 18ھ میں آپ کی طبیعت نہ سنبھل سکی اور شدتِ مرض میں نماز پڑھتے ہوئے آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔اُس وقت آپ کی عمر 58 سال تھی۔آپ کو جابیا ہی میں دفن کر دیا گیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ کی پوری زندگی زہد و تقویٰ اور بے نیازی کی ایک ایسی مثال تھی جس کی نظیر شاذ و نادر ہی ملے گی۔اِن کی نگاہ میں دنیا اور اس کی نعمتیں پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔حضرت عمرؓ جب ابولولو کے خنجر سے شدید زخمی ہو گئے، تین دن بعد بسترِ مرگ پر پڑے تھے تو آپ کی جانشینی کا مسئلہ پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ''آج حضرت عبیدہؓ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں اُن کو اپنا جانشین نامزد کرتا اور اُنہیں خلیفہ بناتا اور اُن کے خلیفہ بنانے میں کسی سے مشورہ نہ کرتا۔اگر اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھ سے بازپرس ہوتی تو کہہ دیتا ''مَیں نے اللہ کے 'امین' اور اُس کے رسولؐ کے 'امین' کو خلیفہ بنایا'۔افسوس کہ وہ آج ہم میں نہیں ہیں''۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا مقام خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کی نگاہ میں کس قدر بلند تھا

Marfat.com

اور حضورِ اکرمؐ نے آپ کو ''امینُ الاُمّت'' کا خطاب عنایت فرمایا اور آپ کو اُن خوش نصیب اصحابہ میں شامل فرمایا جن کو آپؐ نے اُن کی زندگی ہی میں جنت الفردوس کی خوشخبری سُنا دی تھی۔اُن دس خوش نصیب اصحابہ کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

آپ کا نام سعد اور کنیت ابواسحٰق تھی۔ والد کا نام مالک کنیت ابو وقاص اور والدہ کا نام حمنہ تھا۔ آپ کا قریش کے قبیلہ بنو زہرا سے تعلق تھا۔ آپ اعلان نبوّت سے 12 سال قبل پیدا ہوئے۔ جب آپ کی عمر 17 سال تھی تو صدائے توحید آپ کے کانوں میں پڑی۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے اور خلعتِ ایمانی سے مشرّف ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ساتویں ایمان لانے والے ہیں۔

حضرت سعدؓ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ کی والدہ بہت ناراض ہوئیں۔ انہوں نے غصّے سے کہا کہ یہ کیسا مذہب ہے جو تو نے اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ کر اپنا لیا ہے۔ اُس نے کہا کہ جب تک یہ مذہب نہیں چھوٹے گا، میں مرنے تک نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔ حضرت سعد نے کہا کہ میں یہ مذہب ہرگز نہیں چھوڑوں گا لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہی اور دِن بدن کمزور ہوتی چلی گئی۔ سعد تھوڑی دیر کے بعد اپنی والدہ کے پاس جاتے اور کہتے کہ اماں جان! کچھ کھانے کے لیے لاؤں، لیکن وہ مسلسل انکار کرتی رہی۔ جب وہ کسی بھی طرح نہ مانی تو آپ نے اپنی والدہ کو مخاطب ہو کر کہا ''اگر تیری ہزار جانیں ہوں اور تیرے کھانے پینے کے بائیکاٹ کی وجہ سے ایک ایک جان نکلتی رہے تو میں پھر بھی تیری ایک جان کے لیے بھی اسلام نہیں چھوڑوں گا'' (یعنی اپنے دین پر ثابت قدم رہوں گا)۔ جب والدہ نے آپ کی ہٹ دھرمی دیکھی کہ یہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تو خود ہی کھانا شروع کر دیا۔

Marfat.com

اسی واقعہ کے پیشِ نظر قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ترجمہ
''ہم نے ہر انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی
نصیحت کی ہے ہاں اگر وہ یہ کوشش کریں کہ آپ میرے ساتھ اُسے
شریک کرلیں جس کا آپ کو علم نہیں تو اُن کا کہنا نہ مانئے''

(سورہ عنکبوت آیت 8)

حضرت سعد سابقون الاوّلون میں سے تھے۔ آپ قبولِ اسلام سے لے کر ہجرتِ مدینہ تک مکہ میں ہی مقیم رہے۔ اِس عرصہ میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں روا رکھی گئیں۔ آپ نے خندہ پیشانی سے اسلام کی راہ میں سب مصائب برداشت کئے۔

آپ کفّار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران و سنسان گھاٹیوں میں چلے جاتے اور خدائے وحدت کی عبادت میں مصروف رہتے۔ ایک دفعہ ایک گھاٹی میں آپ چند صحابہ کے ساتھ مصروفِ عبادت تھے کہ اتفاقاً کفّار کی ایک جماعت اُدھر آنکلی اور اسلام کا مذاق اڑانے لگی۔ حضرت سعد کی دینی غیرت یہ مذاق برداشت نہ کرسکی اور قریب پڑی ہوئی اونٹ کی ہڈی اٹھا کر ایک مشرک کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ مورخین کے نزدیک یہ اسلام کی حمایت میں پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعدؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

مکّہ میں کفار کے ظلم وستم جب حد سے بڑھ گئے تو آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا۔ حضرت سعدؓ نے بھی اس حکمِ رسولؐ کے مطابق مدینہ کی راہ لی اور وہاں اپنے بھائی عتبہ بن وقاص کے ہاں قیام کیا۔ یہاں مدینہ پہنچ کر بھی کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو آرام وسکون سے نہ بیٹھنے دیا۔ مسلمانوں کو قریش کی حملہ آوری کا خطرہ سر پر تلوار کی طرح لٹکتا رہتا تھا۔ آنحضرتؐ نے اِن خطرات کے پیشِ نظر حضرت عبیدہ بن الحارث کو ساٹھ سواروں کے ساتھ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے بھیجا۔ اس جتھے میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ شامل تھے۔ یہ مجاہدین جب دورہ کرتے ہوئے رابغ کے مقام پر پہنچے تو اُن کا سامنا قریش کی ایک جمعیت سے ہوا جو ابوسفیان کی زیرِ امارت وہاں موجود تھی۔ چونکہ مسلمانوں کا مقصد صرف کفار کی جاسوسی کرنا تھا اس لیے کوئی جنگ نہ ہوئی تاہم حضرت سعدؓ نے ایک تیر چلا دیا۔ مورخین کے نزدیک یہ اسلام کا پہلا

Marfat.com

تیر تھا جو راہِ خدا میں چلایا گیا۔ اسی طرح معرکۂ بدر میں بھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جرأت اور شجاعت کے جوہر دکھائے اور کفار کے سرخیل سعید بن العاص کو واصلِ جہنم کیا۔

شوال 3ھ میں غزوۂ اُحد پیش آیا۔ اس جنگ میں تیراندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور کفار کے اچانک حملہ سے اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مگر سعد بن ابی وقاصؓ اُن صحابہ کی صف میں تھے جو آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بڑے ماہر تیرانداز تھے۔ اس لیے جب کفار کا نرغہ ہوا تو آنحضرتؐ حضرت سعدؓ کو تیر نکال کر دیتے جاتے اور فرماتے ''اے سعد، یہ لو تیر اور چلاؤ میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں'' آپ واحد صحابیؓ رسولؐ تھے جن کو آنحضرتؐ نے ایسے مخاطب کیا۔

اسی طرح غزوۂ خندق، غزوۂ حنین اور غزوہ تبوک میں بھی حضرت سعدؓ نے دشمنِ اسلام کے خلاف اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ فتح مکہ کے روز بھی آپ آنحضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ جب 10ھ میں آنحضورؐ نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو بھی حضرت سعدؓ آپؐ کے ساتھ رہے۔ لیکن مکہ پہنچ کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بہت بیمار ہو گئے یہاں تک کہ آپ کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ آنحضرتؐ عیادت کو تشریف لائے تو حضرت سعدؓ رو رہے تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا ''سعدؓ روتے کیوں ہو؟'' عرض کیا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ اس سرزمین کی خاک نصیب ہو گی جس کو خدا اور اُس کے رسولؐ کی محبت میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ چکا ہوں'' آنحضرتؐ نے حضرت سعدؓ کو تسلی دی اور اُن کے دل پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی ''اے اللہ! سعد کو صحت عطا کر، سعد کو صحت عطا کر، سعد کو صحت عطا کر''۔

آنحضرتؐ کی دعا نے حضرت سعدؓ کو صحت عطا کر کے ایک نئی زندگی دی، ساتھ ہی آنحضورؐ نے بشارت سنائی ''اے سعدؓ، تم اُس وقت تک نہیں مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری کو نفع نہ پہنچے۔'' آپؐ کی یہ پیش گوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی جن میں عجم قوم کو آپ کے ہاتھوں نقصان پہنچا اور عرب قوم نے تاریخی فائدہ اٹھایا۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کثرتِ رائے سے خلیفہ بنے تو حضرت سعدؓ نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور بلاتکلف خلیفۂ اوّل کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ نے دو برس سے کچھ زائد عرصہ کی خلافت کے بعد داعیٔ حق کو لبیک کہا اور حضرت عمر فاروقؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی۔

حضرت عمرؓ نے خلافت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی عراق کی مہم پر توجہ فرمائی اور حضرت ابوعبیدہؓ کو لشکر جرار دے کر اُس طرف روانہ کیا۔ وہاں ایک معرکے میں انہوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد ایک جگہ مسلمانوں کو شکست اور معمولی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے کمک دے کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اُن کی مدد کے لیے بھیجا۔ حضرت سعدؓ نے شراف میں اپنی فوج کا جائزہ لیا جو کم و بیش تیس ہزار تھی۔ دربارِ خلافت سے حضرت عمرؓ نے حکم بھیجا کہ آگے بڑھ کر قادسیہ پر اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیں کہ پُشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دُشمن کا ملک چنانچہ حضرت سعدؓ نے ایسا ہی کیا۔

جب رُستم کی فوجیں قادسیہ پہنچیں تو حضرت سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیے کہ دُشمن کی نقل و حرکت کو ہر وقت مطلع کرتے رہیں۔ رُستم کو چونکہ مسلمانوں کا پورا تجربہ تھا اس لیے جنگ سے بچنے کے لیے حیلے بہانے ڈھونڈتا تھا۔ اُس نے ایک دفعہ صلح کی کوشش کی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اُس کے پاس گئے لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی۔ رُستم کو ناکامی ہوئی تو اُس نے غضبناک ہو کر کہا "آفتاب و ماہتاب کی قسم کل صبح طلوع ہونے سے پہلے میں تم لوگوں کو خاک میں ملا دوں گا"۔ حضرت مغیرہ لاحول ولاقوۃ کہتے ہوئے لوٹ آئے۔ حضرت سعدؓ نے تمام حالات سُن کر اور جائزہ لے کر نہایت جوش و خروش کے ساتھ تیاری کا حکم دے دیا اور اگلے دن پوری قوت سے حملہ کردیا۔ رُستم کی سپاہ کے ساتھ تین دن مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ چوتھے دن حضرت سعدؓ کی بینظیر جنگی حکمت عملی اور غازیانِ اسلام کی جرأت و استقامت کے بدلے اللہ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا۔ آپ نے اپنی بہترین حکمت عملی سے رُستم کو ناکوں چنے چبوائے۔

قادسیہ کی جنگ نے ایرانیوں کی قوت بہت کمزور کردی اس لیے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ ٹِک سکے۔ مسلمان اُن کو شکست دے کر ایران کے پایۂ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے۔ بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر

Marfat.com

حملے سے روکنے کے لیے دریائے دجلہ کا پُل توڑ دیا۔ مسلمان فوج دجلہ کے کنارے پر پہنچی تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے اللہ کا نام لے کر اپنا گھوڑا دریائے دجلہ میں ڈال دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اُتر گئی اور نہایت اطمینان کے ساتھ دریا کے پار پہنچ گئی۔ ایرانی دور سے حیرت واستعجاب کے ساتھ یہ منظر دیکھتے رہے اور جب مسلمان کنارے پر پہنچ گئے تو دیواں آمدند، دیواں آمدند، کہہ کر بھاگ نکلے۔ ایران کا بادشاہ یزدگرد پایۂ تخت چھوڑ کر بھاگ نکلا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ صفر 16ھ میں فاتحانہ مدائن میں داخل ہو گئے۔

جمعۃ المبارک کے دن ایوانِ کسریٰ میں تختِ شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کی جس کی امامت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کرائی۔ **یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمینِ ایران میں پڑھا گیا۔**

مدائن کے خزانے میں صدیوں کی جمع شدہ دولت اور زرو جواہر کے ذخائر اور سلاطینِ عجم کے نادرۂ روزگار کے عجائبات اور نایاب یادگاریں جمع تھیں۔ یہ تمام تاریخی نوادرات حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ بھجوا دیے۔

ایرانی سلطنت کی دھجیاں بکھیرنے کے بعد حضرت سعدؓ ایک عرصہ وہاں مدائن میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران آپ نے محسوس کیا کہ یہاں کی آب وہوا نے اہلِ عرب کے رنگ و روپ کو کافی حد تک بدل دیا ہے۔ آپ نے اس صورت حال سے حضرت عمرؓ کو مطلع کیا۔ دربارِ خلافت سے حکم ملا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کر کے ایک نیا شہر بسائیں۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزوں جگہ کا انتخاب کر کے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی بنیاد رکھی۔

حضرت سعدؓ کا گھر چونکہ کوفہ شہر کے وسط میں تھا اس لیے بے ہنگم شور شرابے کے باعث باہمی گفتگو کرنا بھی دشوار ہو گیا۔ آپ نے اس زحمت سے بچنے کے لیے گھر کے صحن کے سامنے ڈیوڑھی بنوا کر اُس میں ایک پھاٹک لگوا دیا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ کو جب اس ڈیوڑھی اور پھاٹک کی خبر پہنچی تو اہلِ حاجت کی تکلیف کے پیشِ نظر حضرت محمدؓ بن مسلم کو حکم دیا کہ کوفہ جا کر

Marfat.com

اس ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ اِس حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت سعدؓ نے اپنے امیر کی اطاعت شعاری کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے ایک مثال قائم کی اور خلیفہ کے حکم کے سامنے منہ سے اُف تک نہ کی۔

اُنہی دنوں اہل کوفہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ حضرت سعدؓ نماز اچھی نہیں پڑھاتے۔ فاروقِ اعظم نے اِس کی تحقیق کروائی اور الزام ثابت نہ ہو سکا۔ تاہم حضرت عمرؓ نے ایک جماعت کی مخالفت کے پیشِ نظر حضرت سعدؓ کو اس منصب سے سبکدوش کرنا ہی مناسب خیال کیا۔ حضرت سعدؓ نے گو امیر المومنین کے فیصلے کو تسلیم کر کے اطاعت شعاری کا ایک اور ثبوت دیا تاہم آپ کو اپنے اوپر ایسے الزامات کے قائم ہونے کا افسوس ضرور ہوا۔

آپ فرمایا کرتے تھے "مَیں عرب میں پہلا شخص ہوں جس نے راہِ خدا میں پہلی دفعہ تیراندازی کی ہے۔ ہم لوگ رسولؐ اللہ کے ساتھ درختوں کے سوکھے پتے کھا کھا کر لڑتے تھے لیکن خُدا کی شان کہ آج بنو اسد پیدا ہوئے ہیں جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھاتا"

حضرت سعدؓ نے اس معزولی کے بعد مدینہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی، یہاں تک کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں اُن کے خلاف جب فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی آپ کی عزلت نشینی میں خلل نہ ڈال سکا۔ آخر جب مُفسدین نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو آپ اپنے گوشۂ تنہائی سے نکلے اور اُن کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب کچھ کامیابی نہ ہوئی تو خاموش ہو کر گھر واپس آ گئے۔

حضرت سعدؓ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر وادیٔ عقیق میں اپنے لیے ایک گھر تعمیر کروایا جس میں آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔ آخری عمر میں جسمانی طور پر کمزور ہو گئے اور آنکھوں کی بینائی بھی جاتی رہی۔ اسی حالت میں آپ نے 55ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ والیٔ مدینہ مروان بن حکم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر 80 سال تھی۔ عشرہ مُبشرہ میں سب سے آخر میں آپ ہی کا انتقال ہوا۔ آپ کی قبر حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پاس ہے۔ آپ نے اپنی قبر کی جگہ میخیں گاڑ کر خود متعین کی تھی۔ آپ

Marfat.com

نے اپنے بیٹے کو وصیّت کی تھی کہ صندوق میں وہ جُبّہ پڑا ہوا ہے اُسے نکال کر مجھے کفن دینا۔ آپ نے وہ جُبّہ غزوۂ بدر میں پہنا تھا اور سنبھال کر رکھ چھوڑا تھا۔

حضورِ پاکؐ نے آپ کے حق میں دعا کی تھی کہ اے اللہ سعدؓ جب بھی تجھ سے دعا کرے، قبول فرما۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد صحابہ اور تابعین میں سے سیکڑوں میں تھی۔ آپ اُن چھ لوگوں میں شامل تھے جن کو حضرت عمرؓ نے اپنی جانشینی کے لیے نامزد کیا تھا۔ آپ کو حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں نہاوند، کوفہ اور نجد کا گورنر بھی مقرر کیا گیا تھا۔

آپ کے مصحفِ اخلاق میں خشیتِ الٰہی، حُبّ رسولؐ، زہد و تقویٰ اور خاکساری آپ کی زندگی کے روشن باب تھے۔ خوفِ خدا اور عبادت گزاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے آخری حصّہ میں مسجدِ نبویؐ میں آکر عبادت کیا کرتے تھے۔ جناب رسولؐ اللہ کے ساتھ محبت و جانثاری کا اندازہ اسی بات سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ہم کاب رہے۔ سفر میں عموماً آپ خود شوق سے سرورِ کائنات کے خیمہ اقدس کا پہرہ دیا کرتے۔

مورخین کے مطابق ایک دفعہ رسولِؐ خدا کسی غزوہ سے واپس مدینہ تشریف لارہے تھے کہ رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا۔ یہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا۔ حضورِ اکرمؐ رات کو دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے ''کاش میرے اصحاب میں سے کوئی مردِ صالح آج پہرہ دیتا''۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابھی ارشادِ مبارک ختم نہیں ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے میں آئی۔ سرورِ کونینؐ نے خیمہ کے اندر سے پوچھا کون ہے؟ عرض کیا ''سعد بن ابی وقاصؓ'' ''فرمایا تم کیسے آئے؟'' عرض کی ''خود بخود دِل میں خیال آیا کہ آج رسولؐ اللہ کی حفاظت کرنا چاہیے، چنانچہ اس فرض کو انجام دینے چلا آیا''۔ آنحضرتؐ اس جانثاری سے بہت خوش ہوئے اور اُنہیں دعا دی۔

یہ وہ خوش قسمت صحابی تھے جن کے بارے میں نبی اکرمؐ نے فرمایا:

''فِدَاکَ اَبِی وَ اُمِّی'' یعنی مرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں''۔

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

اللہ کے محبوب کا شہر مدینہ ایک روز پرسکون خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک اُس کی گھاٹیوں کے پیچھے سے گردوغبار کی گہری گھٹا اُٹھی اور ایسے لگ رہا تھا کہ یہ گھٹا مدینہ کے اطراف آسمان کو ڈھانپ لے گی۔ یہ گرد آہستہ آہستہ مدینہ کے گلی کوچوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھا۔ لوگوں نے سمجھا جیسے کوئی طوفان آ گیا ہے۔ جلد ہی اُس گرد کے طوفان کے پیچھے ایک شور سنائی دیا جو ایک لمبے چوڑے قافلے کے آنے کی خبر دے رہا تھا۔ جب وہ قافلہ شہر کے اندر داخل ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ سامان سے لدے 700 اونٹ مدینہ منورہ کی گلیوں میں رواں دواں ہیں۔

اس بہت بڑے قافلے کے شور کی آوازیں جب کان میں پڑیں تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سوال کیا کہ یہ مدینہ میں کیا ہو رہا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ قافلہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہے جو ملک شام سے مال تجارت لے کر آیا ہے۔ لوگوں سے اُم المومنینؓ نے دوبارہ دریافت کیا کہ کیا قافلہ اتنا بڑا ہے؟ لوگوں نے کہا، ہاں اُمُ المومنین یہ قافلہ بہت بڑا ہے اور سات سو اونٹوں پر مشتمل ہے۔

آپ کو تجارت میں اس قدر منافع ہوتا کہ خود حیران ہو جاتے۔ آپ کہا کرتے ''میرا اپنے بارے میں خیال ہے اگر میں پتھر اٹھاتا ہوں تو اُس کے نیچے سونا اور چاندی پاتا ہوں'' آپ کو مال و دولت جمع کرنے کی خواہش کبھی نہ پیدا ہوئی اور نہ ہی کبھی اپنے مالِ تجارت کی ذخیرہ اندوزی کی۔ اگر سودے میں کوئی کسی قسم کا عیب ہوتا تو خریدار کو صاف صاف بتا دیتے۔ آپ کے

Marfat.com

تجارتی قافلے مصر و شام سے کپڑا اور اناج بیما ستے ہر وہ چیز مدینہ لے کر آتے، جس کی جزیرۂ عرب میں ضرورت ہوتی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا اصل نام عبد عمر اور کنیت ابو محمد تھی۔ والد کا نام عوف تھا اور والدہ کا نام شفا تھا۔ آپ دونوں قریش خاندان کے قبیلہ زہری سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: عبدالرحمٰن بن عوف بن حارث بن کلاب بن مرۃ الزہری۔ آپ کی پیدائش عام الفیل کے دس سال بعد ہوئی۔ حضرت ابو بکرؓ کی تبلیغ پر دارِ ارقم میں داخل ہوئے اور ابتدائے دعوت ہی میں آپ نے آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر خلعتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے۔ آنحضرتؐ نے آپ کا نیا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ آپ اُن آٹھ افراد میں سے ایک تھے جو 'سابقون الاولون' میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے قابل دوست حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بات پر کسی قسم کے شک و شبہ کا اظہار نہ کیا اور جلد ہی جناب صدیق اکبرؓ کی ہمراہی میں دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر کلمۂ توحید پڑھا۔ اُس وقت آپ کی عمر تیس سال سے تجاوز کر چکی تھی۔

آپ کی تمام زندگی ایک حقیقی مومن کا بہترین نمونہ تھی، یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے آپ کو ان دس جلیل القدر صحابہ میں شامل فرمایا جن کو اُن کی زندگی میں ہی جنت کی بشارت دی گئی۔ آپ کا شمار حضرت عمرؓ کے نامزد کردہ اُن اصحابِ شوریٰ میں بھی ہے جن سے نبی اکرمؐ بوقتِ وصال راضی تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے رہے۔ آنحضرتؐ نے جب مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا کہا تو آپ اُن میں شامل تھے۔ ایک افواہ پر آپ واپس مکہ آئے تو خبر جھوٹی ثابت ہونے پر دوبارہ حبشہ چلے گئے پھر کچھ عرصہ بعد واپس آ کر حضورؐ کے فرمان کے مطابق مدینہ ہجرت کی۔

آنحضور صلعم نے مدینہ میں حضرت سعد بن ربیعہؓ کو آپ کا دینی بھائی بنایا۔ حضرت سعد مدینہ کے ایک دولتمند اور صاحبِ ثروت آدمی تھے۔ اُن کے مدینہ کے اطراف میں دو باغ تھے اور دو ہی بیویاں تھیں۔ انہوں نے کہا کہ "میں آپ کو ایک باغ دیتا ہوں اور ایک بیوی بھی

Marfat.com

جس کو آپ پسند کریں، طلاق دے کر آپ سے عقد کروا دیتا ہوں، آپ کی کیا رائے ہے''؟ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا، ''بھائی اللہ آپ کے مال اور اہل وعیال میں برکت دے، یہاں سے بازار کس طرف ہے''؟

آپ بازار گئے تو کچھ سامان خریدا اور لا کر بیچ دیا۔ اس میں بہت منافع ہوا۔ پھر آپ کا کاروبار اللہ کی برکت سے بہت وسیع ہو گیا۔ لیکن آپ نے مال و دولت سے کبھی دل نہ لگایا اور نہ کبھی ذخیرہ اندوزی کی۔ اس مشہور واقعہ کے راوی حضرت انسؓ بن مالک ہیں۔

جب رسولِ اکرمؐ نے غزوہ تبوک کا ارادہ فرمایا تو اس موقع پر مال کی ضرورت افراد کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھی کیونکہ تعداد اور تیاری کے اعتبار سے روم کا لشکر بہت بڑا تھا، جن کا مسلمانوں کو سامنا تھا۔ اُدھر مدینہ میں خشک سالی بھی تھی، تبوک کا سفر بھی سات سو میل طویل تھا اور زادِ راہ قلیل تھا۔ سواریاں اس قدر کم تھیں کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد حضورؐ سے ملتمس تھی کہ آنحضورؐ انہیں ساتھ لے چلیں مگر سواریوں کی کمی آڑے آ رہی تھی۔ لہٰذا جو لوگ واپس ہوئے تو اُن کی آنکھیں اشکبار اور دل فگار تھے کہ اُن کے پاس کچھ نہیں جو وہ خرچ کر سکیں۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر اس لشکر کو 'جیش العسرہ' کہا گیا۔ اس موقع پر آپؐ نے اپنے اصحابہ کو نفاقِ فی سبیل اللہ کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے بھاگ کر آپ کی آواز پر لبیک کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ صدقہ کرنے والوں میں سب سے آگے تھے۔ آپ نے دو سو اوقیہ سونا اللہ کی راہ میں نچھاور کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اتنے بڑے مال کو دیکھ کر نبی اکرمؐ سے عرض کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنے اہلِ خانہ کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ رسول اللہؐ نے عبدالرحمٰنؓ سے دریافت کیا ''عبدالرحمٰن کیا اہلِ خانہ کے لیے کچھ چھوڑا؟'' حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جواب دیا ''ہاں رسول اللہؐ میں نے جو خرچ کیا اُس سے زیادہ اور بہتر مال اُن کے لیے چھوڑا ہے''۔ رسول اللہؐ نے پوچھا، کتنا؟ آپ نے جواب دیا ''جس رزق کا خیر اور اجر کا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے وعدہ فرمایا ہے''۔

ایک بار آپ نے چالیس ہزار دینار کی زمین خریدی اور ساری کی ساری بنی زہرہ، اپنے اہل، امہات المومنینؓ، فقراء و مساکین میں تقسیم کر دی۔ ایک دفعہ لشکرِ اسلام کے لیے پانچ

Marfat.com

سو گھوڑے فراہم کیے اور پھر ایک روز 1500 سواریاں پیش کیں۔ اپنی وفات سے قبل آپ نے 50 ہزار دینار فی سبیل اللہ تقسیم کرنے کی وصیت فرمائی اور بدری صحابہ کے لیے ہر ایک کو چار ہزار دینار دینے کی وصیت فرمائی، حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی ذاتی دولت ثروت کے باوجود یہ حصہ یہ کہتے ہوئے وصول کیا کہ عبدالرحمٰنؓ کا مال حلال اور خیر و برکت والا ہے اور اِس کا لقمہ بھی باعثِ برکت و عافیت ہے۔

اس قدر صدقہ و خیرات، عطا و بخشش اور جود و سخا کے باوجود بوقتِ وفات جناب عبدالرحمٰنؓ نے اپنے ورثاء کے لیے ایک ہزار اونٹ، دو ہزار گھوڑے اور تین ہزار بکریاں ترکے میں چھوڑیں۔ آپ کی چار بیویاں تھیں صرف ان چار خواتین کا آٹھواں حصہ 80 ہزار دینار فی کس تھا۔ اگر آپ اپنی دولت سے نصرت دیں، بھائی بندوں اور غرباء و مساکین کی معاونت نہ کرتے تو یہ دولت کبھی بھی آپ کے لیے اطمینانِ قلب اور فرحتِ نفس کا باعث نہ بنتی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ہمیشہ اس دولت سے خائف رہتے تھے۔ ایک روز آپ کے سامنے افطار کا کھانا رکھا گیا، کھانے پر آپ کی نظر پڑی تو آپ رو پڑے اور کہا ''حضرت مصعبؓ بن عُمیر غزوہ اُحد میں شہید ہوئے تو وہ مجھ سے بہتر تھے۔ اُنہیں ایک چادر میں کفنایا گیا۔ اگر اُن کا سر ڈھانپا جاتا تو اُن کے پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر مبارک ننگا ہو جاتا۔

حضرت حمزہؓ شہید ہوئے وہ بھی مجھ سے بہتر تھے، اُن کے کفن کے لیے بھی ایک چادر کے سوا کچھ نہ ملا۔ ایک دفعہ ایک دوست نے دعوت کی، سامنے پر تکلف کھانا پڑا ہوا تھا، آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جب دریافت کیا گیا تو فرمایا جب جنابِ رسولؐ اللہ کا وصال ہوا تو آپؐ اور آپؐ کے اہلِ خانہ نے جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی تھی۔

اتنے مال دار ہونے کے باوجود آپ کے ذہن میں تکبر اور غرور کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہاں تک کہ آپ کے بارے میں کہا گیا کہ اگر کوئی اجنبی شخص آپ کو دیکھ لیتا اور آپ اپنے ملازمین میں بیٹھے ہوتے تو وہ آپ کو پہچان نہ سکتا۔ آپ اپنی جہادی زندگی میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ آپ نے تمام غزوات میں حصہ لیا۔ غزوہ اُحد کے روز آپ کے جسم پر بیس زخم آئے۔ ان زخموں میں سے ایک زخم اتنا شدید تھا کہ آپ کی ایک ٹانگ کو کاٹنا پڑا اور آپ نے باقی زندگی

Marfat.com

ایک ٹانگ پر بسر کی، اُس روز آپ کے کچھ دانت بھی ٹوٹ گئے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی ذاتی صفت اِس وقت عیاں ہوتی ہے جب حضرت عُمر فاروقؓ کے جسم سے روح کا رشتہ منقطع ہونے والا تھا اور خلیفہ نے حضورؐ کے صحابہ میں سے 6 کو منتخب کیا کہ اپنے میں سے نئے خلیفہ کا انتخاب کرلیں تو سب کی نظرِ انتخاب آپ پر پڑی۔ اس موقع پر عبدالرحمٰن نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم، اگر چھری لے کر میرے حلق پر رکھ دی جائے، پھر اِس کو پھیر دیا جائے، تو یہ چیز مجھے خلافت سے زیادہ پسند ہے۔ جناب عبدالرحمٰن نے اس موقعہ پر حضرت عثمانؓ کا نام تجویز کیا اور باقی حضرات نے بھی آپ کے انتخاب کی تائید کی۔

32ھ میں جب آپ کی روح عالمِ بالا کی طرف رختِ سفر باندھ رہی تھی تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے چاہا کہ آپ کو ایسا شرف اور اعزاز بخشا جائے جو آپ کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا کہ اگر وہ پسند فرمائیں تو انہیں اُن کے بھائی کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ اُس وقت آپ بسترِ مرگ پر تھے۔ حضرت عائشہؓ کی طرف سے پیغام موصول ہوا ''آپ کو آنحضورؐ اور حضرت شیخینؓ کے پہلو میں میرے حجرے کے اندر دفن کیا جائے''؟ مگر وہ مسلمان شخص جس کی اسلام نے بہترین تربیت کی تھی، اس بات سے حیا کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو جنابِ رسولؐ اللہ اور جناب شیخینؓ کے برابر تصور کرے۔ آپ نے جواب دیا کہ ''حضرت عثمان بن مظعونؓ سے میرا عہد تھا کہ ہم ایک دوسرے کے پہلو میں دفن ہوں گے۔''

یہ وہ برگزیدہ ہستی ہے، جس کا جنازہ حضرت عائشہؓ نے پڑھا اور ساتھ ہی فرمایا کہ ''اِن کا جنازہ میرے گھر کے سامنے سے گزارہ جائے''۔ آپ کی وصیّت کے مطابق آپ کو حضرت عثمانؓ بن مظعون کی قبر کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے وہاں میخ ٹھونک کر قبر کی جگہ پہلے ہی مختص کر چھوڑی تھی۔ آپ کو یہ اطمینان تھا کہ آنحضورؐ نے اُن کے بارے میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ اور یہ اللہ کا وعدہ بھی آپ نے سُن اور قرآن میں پڑھ رکھا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى

Marfat.com

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(جولوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے نہ دکھ دیتے ہیں، اُن کا اجر پھر اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں)

(البقرہ-262)

جنابِ رسولِ اکرمؐ نے ایک سفر کے دوران آپ کی اقتدا میں نماز بھی ادا فرمائی۔ اتنا عظیم مرتبہ شائد ہی کسی اور صحابی کو ملا ہو۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواجِ مطہرات کی نگرانی و محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکو کار ہوگا۔ چنانچہ یہ فرضِ مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمٰن سے متعلق تھا۔ وہ سفرِ حج کے موقع پر امہاۃ المومنینؓ کو سفرِ حج کے دوران ساتھ لے جاتے اور ہر طرح خیال کرتے۔ آپ کو اپنی عصمت و عفت کے باعث امہات المومنینؓ کی خدمت اور حفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو اُن کا مخصوص طرۂ امتیاز ہے۔ آپ کی روحِ اطہر نے 73 برس تک سرائے فانی کی سیر کی۔ 3i ھ میں داعیٔ حق کو لبیک کہا۔ حضرت عثمانؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اُمہات المومنینؓ کے لیے ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔

Marfat.com

حضرت زُبیر بن العوامؓ

آپ کا زبیر نام تھا۔ ابوعبداللہ کنیت اور 'حواریٔ رسولؐ' لقب تھا۔ والد کا نام عوام اور والدہ ماجدہ کا نام حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب جو حضور اکرمؐ کی پھوپھی تھیں۔ آپ کو حواریٔ رسولؐ کا لقب دربارِ رسالتؐ سے ملا تھا۔ حضورِ اکرمؐ تاجدارِ مدینہؐ نے فرمایا تھا کہ ہر نبی کا حواری ہوتا ہے، میرے حواری حضرت زبیر بن العوام ہیں۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ''جنت میں حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ میرے ہمسائے ہوں گے''۔

آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''میرے صحابہ کی جماعت میں سے مہاجرین اور انصار افضل ہیں۔ مہاجرین اور انصار میں سے مہاجرین افضل ہیں اور مہاجرین میں عشرہ مبشّرہ کو فضیلت حاصل ہے۔ حضرت زبیر اُن خوش قسمت دس صحابہ کبار میں شامل ہیں آنحضورؐ نے جن کو دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری سے نوازا۔ آپؐ نے فرمایا:

''ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں، ابوعبیدہ بن الجراح جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں''۔

(ترمذی۔ابن ماجہ) بروایت عبدالرحمٰن بن عوف

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دربارِ رسالتؐ میں آپ کتنے بلند مرتبہ پر فائز تھے اور آنحضورؐ کی نگاہ اور دل میں آپ کی کس قدر عزت تھی۔ رشتے میں آپ حضورِ اکرمؐ کے پھوپھی زاد

Marfat.com

تھے۔آپ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں آنحضورؐ سے مِل جاتا ہے۔ بچپن میں ہی آپ والد کے سایہ سے محروم ہوگئے۔آپ قریش خاندان کے قبیلہ اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن سے ہی آپ کی والدہ حضرت صفیہؓ کی ابتدائی تربیت نے آپ کو عالی حوصلہ، اولوالعزم، محبت اور جفاکشی کا درس دیا۔انہوں نے عملی طور پر آپ کو آلاتِ حربی سے مکمل روشناس کرایا۔آپ مکہ میں بہترین شہسوار اور بہادری میں ایک مقام رکھتے تھے۔

حضرت زبیر ہجرت سے 28 سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی سال تھا، جس میں آنحضورؐ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ پندرہ برس کی عُمر میں نورِ ایمان سے منور ہوئے۔اُس وقت آپ ساتویں شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔اس طرح آپ پہلے دس آدمیوں میں شامل ہیں جو اسلام میں داخل ہوئے۔

جب آپ نے اِسلام قبول کیا تو والدہ اور چچا بہت ناراض ہوئے۔خویلد کے بیٹے نوفل حضرت زبیر کے چچا تھے۔ والد کی وفات کے بعد آپ اُس کی سرپرستی میں آ گئے۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اُس نے آپ پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیے۔اُس نے کہا کہ تم اپنے باپ دادا کے پرانے دین پر واپس آجاؤ لیکن آپ پر کیونکہ اسلام کی حقانیت واضح ہوچکی تھی، آپ اسلام پر ثابت قدم رہے۔آپ کا چچا آپ کو دری میں بند کر کے جلتی ہوئی آگ کے قریب لے جاتا اور کہتا کہ اسلام چھوڑ دو لیکن آپ اسلام کی سربلندی سے کہاں پھرنے والے تھے۔

ایک دفعہ مکہ میں افواہ پھیل گئی کہ آنحضورؐ کو نعوذ باللہ شہید کر دیا گیا۔آپ تلوار نیام سے نکال کر شہر میں انتقام لینے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے حضورِاکرمؐ کے گھر تشریف لے گئے۔ جب آپ کو دیکھا تو دل کو سکون ہوا۔حضورؐ نے پوچھا ''خیر تو ہے''؟ پھر آپ نے بتایا کہ 'میں نے آپؐ کے متعلق یہ جھوٹی افواہ سُنی تھی کہ آپؐ شہید ہوگئے'۔حضورؐ نے فرمایا کہ ''فِداہُ اُمّی وابی'' (میرے ماں باپ آپ پر قُربان ہوں) میں الحمدُ لِلّٰہ خیریت سے ہوں۔

اس طرح آپ پہلے صحابی ہیں جن کو آنحضورؐ نے ''فداہُ اُمّی وَ اَبی'' کہہ کر پکارا۔ دوسرے صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں، وہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

جب مکہ میں قریش نے ظلم کی انتہا کر دی تو آنحضورؐ نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت

Marfat.com

کرنے کا حکم دیا۔ حبشہ ہجرت کرنے والوں کی پہلی جماعت میں حضرت زبیرؓ بھی شامل تھے۔ اسی گروہ میں حضرت عثمانؓ اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ بنتِ رسول بھی شامل تھیں۔ آپ حبشہ سے مکہ جلد ہی واپس آئے اور تجارت شروع کر دی۔

جب آنحضورؐ حضرت صدیقِ اکبرؓ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جا رہے تھے تو راستہ میں ایک جگہ حضرت زبیرؓ سے ملاقات ہوئی۔ اُس وقت آپ ملک شام سے تجارت کر کے واپس مکہ آ رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے حضور اکرمؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کچھ ملبوسات بھی دیے۔

شام سے مکہ واپس آ کر آپ بھی اپنی والدہ صفیہؓ جو اُس وقت مسلمان ہو چکی تھیں اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کو ہمراہ لے کر مدینہ آ گئے۔ مدینہ میں آپ حضرت طلحہ بن عبیدؓ کے ساتھ رشتۂ مؤاخات میں اسلامی بھائی بنائے گئے۔ انہوں نے حضرت زبیرؓ کو مکان کے لیے ایک قطعۂ زمین کچھ کھجوروں کے درخت بھی دیے۔ جب آپ نے مکہ سے ہجرت کی تو آپ کی عمر 28 سال تھی۔

جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آباد ہو گئے تو کچھ عرصہ مہاجروں کے ہاں اتفاقاً کسی بچے کی پیدائش نہ ہوئی۔ یہود جو مدینہ میں مسلمانوں سے حسد کرنے لگے تھے، یہ مشہور کر دیا کہ ہم نے جادو کر دیا ہے اس لیے مہاجرین کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہو رہی۔ اللہ کی قدرت دیکھیے ہجرت کے پہلے سال کے آخر میں حضرت زبیرؓ کے گھر حضرت اسماء کے بطن سے اللہ نے ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ زبیر خوشی خوشی نومولود کو آنحضورؐ کی خدمت میں لے گئے۔ آپؐ نے اپنے والد کے نام سے اس خوبصورت بچے کا نام عبداللہ رکھا اور اپنے منہ میں کھجور چبا کر بچے کے منہ میں ڈالی۔ یہ پہلی ولادت باسعادت تھی جو ہجرت کے بعد اسلام میں ہوئی۔ اُس وقت حضرت زبیرؓ قبا میں مقیم تھے۔

حضرت زبیرؓ نے ہر غزوہ میں ایک ممتاز حیثیت سے شرکت کی اور ہمیشہ بے جگری سے لڑے۔ آپ کی شجاعت کے واقعات تاریخِ جہادِ اسلامی کے روشن اور تابندہ نقوش کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ آپ نے میدان بدر میں سر پر زرد رنگ کی پگڑی پہن رکھی تھی

Marfat.com

اور دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ آپ کی تلوار کی چمک سے کفار کی آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی مدد کے لیے تین ہزار فرشتے بھی بھیجے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اِن فرشتوں نے بھی زرد رنگ کی پگڑیاں پہن کر مسلمانوں کی لڑائی میں مدد کی۔ آپ اتنے بہادر تھے کہ دونوں ہاتھوں سے پھرتی سے تلوار چلانا جانتے تھے اور تلوار چلاتے وقت گھوڑے کو اپنی ٹانگوں سے گرفت میں رکھتے۔

7ھ میں غزوۂ خیبر کے آغاز سے قبل حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ کے ساتھ یہود کے قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعہ کی چوٹی سے ایک یہودی نے جھانک کر پوچھا، تم کون ہو؟ حضرت علیؓ نے کہا میں علی بن ابی طالب ہوں۔ یہودی نے کہا اُس کتاب کی قسم جو موسیٰ پر نازل کی گئی، تم لوگ بلند ہوئے۔ اس کے بعد مرحب کا بھائی یاسر یہ کہتے ہوئے نکلا 'کون ہے جو میرا مقابلہ کرے گا؟'' اُس کے اِس چیلنج پر حضرت زبیرؓ میدان میں اُترے۔ اِس پر اُن کی والدہ حضرت صفیہؓ نے کہا 'یارسول اللہ! میرا بیٹا قتل کیا جائے گا'؟ آپ ﷺ نے فرمایا 'نہیں' بلکہ تمہارا بیٹا اُسے قتل کرے گا۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے مرحب کے بھائی یاسر کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ یہودی مسلمانوں کا حملہ نہ روک سکے اور آہستہ آہستہ یہودی قلعے سے فرار ہو گئے اور مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

21ھ میں جب حضرت عمر بن العاصؓ نے خلیفہ حضرت عمرؓ کے حکم پر مصر پر فوج کشی کی تو انہوں نے آگے بڑھ کر فسطاط قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ حکومتِ مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ مصریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لیے حضرت عُمر بن العاصؓ نے خلیفہ کو خط لکھ کر دارالخلافہ سے مزید فوجیں مانگ لیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت زبیر بن العوامؓ کو دس ہزار سپاہیوں کی فوج دے کر مصر بھیجا۔

عمر بن العاصؓ نے حضرت زُبیرؓ کو اُن کے مرتبے کے لحاظ سے افسر بنایا۔ کامل سات ماہ تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ایک دن زبیرؓ ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ بعد میں بعض اور صحابہ نے اُن کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر اُن لوگوں نے بہت بلند آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ میں گھس آئے، بدحواس ہو کر قلعہ کے

Marfat.com

پیچھے سے بھاگ نکلے۔ حضرت زبیرؓ نے قلعہ میں اُتر کر قلعہ کا پھاٹک کھول دیا اور اُس کے ساتھ ہی اسلامی فوج قلعہ میں داخل ہوگئی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر فرمانروائے مصر مقوقس نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

حضرت عمرؓ اپنے آخری لمحات میں بسترِ مرگ پر تھے۔ اُن کے جانشین کے لیے جب اُن کے پاس مطالبہ پیش ہوا تو آپ نے ایک کمیٹی تشکیل دی انہوں نے کہا کہ عشرہ مبشرہ میں سے جو لوگ زندہ ہیں، وہ اپنے میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں۔ اُس وقت عشرہ مبشرہ میں سے سات صحابہ کرام حیات تھے۔ آپ نے اُن میں سے اپنے رشتہ دار بہنوئی حضرت سعید بن زیدؓ کو انتہائی تقویٰ سے خارج کر دیا۔ باقی یعنی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں سے کہا کہ اِن میں آپ باتفاق رائے اپنا خلیفہ منتخب کرلیں۔ لہٰذا اتفاق رائے سے حضرت عثمانؓ خلیفہ چُنے گئے۔

پھر جن دنوں خلیفہ وقت حضرت عثمانؓ کو شہید کیا گیا، اُمُ المومنین حضرت عائشہؓ مکہ عمرہ ادا کرنے تشریف لے گئی تھیں۔ واپسی پر ابھی راستہ ہی میں تھیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی خلافت کی خبر ملی تو حضرت عثمانؓ کی شہادت پر بہت افسردہ ہوگئیں اور مکہ واپس چلی گئیں۔ مدینہ سے حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ بھی بغرضِ عمرہ مکہ چلے گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے اور اُن کو خلیفۂ وقت کے ہاتھوں گرفتاری کے مطالبہ پر حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ 30 ہزار کا لشکر لے کر عراق روانہ ہوگئے۔ جب حضرت علیؓ کو اس کی خبر ملی تو آپ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے چل پڑے، راستے میں حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ کی روانگیٔ بصرہ کی اطلاع ملی۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کے ساتھ بصرہ آئیں۔ حضرت علیؓ تین دن بیرونِ شہر ٹھہر گئے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے صلح کی کوشش کی گئی۔ اُمّ المومنین اونٹ (جمل) پر بیٹھ کر میدان میں پہنچیں۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت علیؓ نے خطبہ دیا اور ایک مرتبہ پھر لوگوں کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن کسی طرح کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ اس جنگ میں ہزاروں آدمی مارے گئے۔ جس اونٹ پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں اُس کے چاروں پاؤں کاٹے

Marfat.com

گئے۔ سب سے پہلے حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو اُن کی بہن حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور اُن کی خیر خیریت دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا۔ بعد میں حضرت عائشہؓ کو اپنی غلط منصوبہ بندی کا احساس ہوا۔ جب درمیانِ جنگ حضرت زُبیرؓ پر حقیقت واضح ہوئی تو وہ بصرہ سے روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک شخص جو خوارج سے تھا، ساتھ ہو لیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ واپس جانا چاہتا ہوں۔ راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آیا، آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ وہ شخص جس کا نام عمر ابن جرمُوز تھا، نے اقامت کہی، جب آپ سجدے میں گئے تو اُسی حالت میں اُس نامراد نے حواریٔ رسولؐ حضرت زبیرؓ کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ وادیٔ ابساع میں پیش آیا جو بصرہ کے قریب تھی۔ وہ واپس جا کر حضرت علیؓ سے مل کر بقول اُس کے، داد وصول کرنا چاہتا تھا۔ بصرہ میں خیمہ سے باہر اُس نے حضرت زبیرؓ کی شمشیر اور زرہ پیش کرنی چاہی، جب اُس کو اندازہ ہوا کہ حضرت علیؓ اُس کی اِس حرکت پر بہت ناراض ہو رہے ہیں تو ابنِ جرموز وہاں سے بھاگ نکلا اور جا کر خودکشی کر لی۔ جب لوگوں نے حضرت زُبیرؓ کی تلوار حضرت علیؓ کو پیش کی تو آپ نے تلوار پکڑ کر اُس کو بوسہ دیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کی اجتماعی نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کو بصرہ کے قریب دفن کر دیا گیا۔ یہ واقعہ 36ھ میں پیش آیا اُس وقت آپ کی عمر 64 سال تھی۔

حضرت زبیر بن العوامؓ کے حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے بطنِ مبارک سے پانچ صاحبزادے عبداللہ، عُروہ، مُنذر، عاصم، مہاجر اور تین صاحبزادیاں خدیجہ، اُمُّ الحسن اور عائشہ پیدا ہوئے۔

Marfat.com

حضرت طلحہؓ

آپ کا نام طلحہؓ کنیت ابو محمد اور والد کا نام عبیداللہ تھا۔ آپ مکہ میں قریش خاندان کے قبیلہ تمیم میں ہجرت مدینہ سے 28 سال قبل پیدا ہوئے۔ والدہ کا نام سبا بنت عبداللہ تھا۔ نبی اکرمؐ آپ کا لقب غزوہ احد میں ''خیر'' اور جنگ حنین میں ''جواد'' رکھا۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے، طلحہؓ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ بن کعب یعنی ساتویں پشت میں ان کا سلسلۂ نسب جناب نبی اکرمؐ سے جا ملتا ہے۔

آپ پندرہ سال کے نوجوان ہی تھے کہ بغرضِ تجارت بصرہ چلے گئے، وہاں قیام کیا اور دورانِ قیام جائداد کی خرید و فروخت کا کاروبار کرنے لگے۔ ایک دن آپ بازار میں گھوم رہے تھے کسی سے پتہ چلا ایک عیسائی راہب کسی مکہ شہر کے رہنے والے کی تلاش میں ہے۔ آپ اُس سے ملے اور ملاقات کرنے کی وجہ دریافت کی۔ اُس نے کہا کہ ہماری اپنی مذہبی کتابوں کے مطابق جس نبی کے ظہور کے بارے میں خبر دی گئی ہے اُس کے ظہور ہونے کا وقت آ گیا ہے اور اُس کا تعلق بھی عرب کے شہر مکّہ سے ہوگا۔

اس راہب کی یہ بات سُن کر طلحہؓ کو فکر لاحق ہوئی کہ وہ اُس پیغمبرؐ کے قافلہ میں شامل ہونے سے کہیں رہ نہ جائے کیونکہ یہ ہدایت و رحمت اور نجات کا قافلہ ہے۔ آپ نے جب یہ سُنا تو دل میں ایک عجیب سی بے چینی رہنے لگی۔ جلدی جلدی بصرہ سے اپنا کاروبار سمیٹا اور مکہ واپس آ گئے۔ مکہ میں گھوم پھر معلوم ہوا کہ لوگ ہر جگہ اُس وحی کے بارے میں باتیں کرتے رہتے ہیں

Marfat.com

جو حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی تھی۔ طلحہؓ نے اس بارے میں اپنے گھر والوں سے ذکر کیا تو انہوں نے بھی یہی بتایا کہ محمدؐ بن عبداللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ نے اس بات کی مزید تصدیق کے لیے حضرت ابوبکرؓ سے رابطہ کیا۔ پتہ چلا کہ وہ کچھ دن قبل اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ سفر سے واپس آئے ہیں اور ایک وفادار دوست کی طرح حضرت محمدؐ کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر اُن کا پورا پورا ساتھ دے رہے ہیں۔

حضرت طلحہؓ نے دل میں سوچا کہ میں بچپن سے لے کر اب تک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت محمدؐ کو جانتا ہوں، اللہ کی قسم یہ دونوں کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتے۔ حضرت محمدؐ اپنی عمر کے چالیسویں برس کو پہنچ چکے ہیں اور ہم نے اس عرصہ میں اُنہیں ایک دفعہ بھی جھوٹ بولتے نہیں سنا، کیا وہ آج اللہ کے بارے میں جھوٹ کہیں گے کہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور میرے اوپر وحی نازل کی ہے؟

حضرت طلحہؓ فوراً حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی طرف چل پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ اور طلحہؓ کے درمیان اس موضوع پر بات چھڑ گئی جو آج کل شہر میں ہر ایک کی زبان پر بحث کا موجب بنا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت طلحہؓ کو ساتھ لیا اور رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہاں پر حضرت طلحہؓ مسلمان ہو کر قافلۂ ایمانی میں شامل ہو گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ آپ مکہ کے بہت بڑے مالدار، دولت مند اور رئیس تھے۔ آپ کا کاروبار بہت وسیع تھا، شہر میں کافی جائیداد تھی اور کئی ملازم آپ کے ہاں کام کرتے تھے۔ جب اُن کے خاندان اور اہلِ قریش کو آپ کے اسلام قبول کرنے کے متعلق معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کو نوفل بن خویلد کے حوالے کر دیا جس کو "قریش کا شیر" کہا جاتا تھا۔ اُس نے آپ کے ہاتھ پیچھے باندھ کر سزائیں دینی شروع کر دیں۔ حضرت طلحہؓ کو سزاؤں میں مبتلا کیے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ قریش کو اپنے کیے ہوئے پر شرمندگی کا احساس ہوا اور آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ اَلسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونْ میں سے تھے۔

جب حضور اکرمؐ نے مسلمانوں کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا تو حضرت طلحہؓ بھی مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر جنابِ رسول اللہ کے ساتھ سوائے غزوہ بدر کے ہر غزوہ میں شریک رہے۔ غزوہ بدر میں آپ شریک نہ ہو سکے کہ آنحضرتؐ نے آپ اور حضرت سعید بن زیدؓ کو

Marfat.com

مدینہ سے باہر کسی مہم پر بھیجا ہوا تھا۔ جب آپ اس مہم سے واپس آئے تو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کا افسوس ظاہر کیا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جنگ میں لڑنے والوں کی طرح آپ کو پورا پورا اجر ملے گا۔ بلکہ رسول اللہؐ نے انہیں بھی مالِ غنیمت میں دوسرے بدری صحابہؓ کے برابر حصہ کا حقدار ٹھہرایا۔

پھر جب غزوۂ احد میں حضرت طلحہؓ نے کفارِ قریش کا بے جگری سے مقابلہ کیا، حالانکہ 9 صحابہ آپؐ کی حفاظت پر مامور تھے، کفار نے اُن میں سے سات کو شہید کر دیا۔ حضرت طلحہؓ نے اُدھر نظر ڈالی جہاں آنحضورؐ کھڑے تھے، دیکھا کہ آپؐ کفار کے حملہ آوروں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ حضرت طلحہؓ پھرتی سے رسولِ اکرمؐ کی طرف بھاگ کر پہنچے اور دشمنوں کے وار اپنی کمر پر سہنے شروع کر دیے اور اپنے جسم کو جناب نبی اکرمؐ پر ڈھال بنائے رکھا۔ ابنِ قیمیہ کی تلوار کے واروں کو اپنے ہاتھ پر روکتے رہے۔ تلوار کے زخموں سے آپ کا ہاتھ شل ہو گیا۔ ایک کافر نے حضورِ اکرمؐ پر تیر کا نشانہ بنایا تو حضرت طلحہؓ کی ہاتھ کی انگلی کٹ گئی۔ آپ اپنے بائیں ہاتھ اور سینے سے حضورؐ کو سہارا دیئے ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ دائیں ہاتھ سے تلوار بھی چلا رہے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب بھی کبھی گھر میں اُحد کے روز کا ذکر کیا جاتا تو حضرت ابوبکرؓ فرماتے کہ یہ پورے کا پورا دن حضرت طلحہؓ کے نام ہے۔ میں پہلا شخص تھا جو نبی اکرمؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے مجھے اور ابوعبیدہ بن الجراحؓ سے فرمایا ''اپنے بھائی کی حالت کو دیکھو''۔ ہم نے دیکھا تو طلحہؓ کے جسم پر 80 کے قریب زخم تھے۔ ان کی ایک انگلی بھی کٹ گئی۔ پھر ہم نے اُن کی مرہم پٹی کی۔

آپؐ اُحد کے بعد مسجدِ نبویؐ واپس آئے اور منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ ''طلحہؓ بن عبید نے اپنی قربانی پیش کر دی، جو اِس سرزمین پر کسی ''زندہ شہید'' کو دیکھنا چاہتا ہو، وہ طلحہؓ کو دیکھ لے''
حضرت طلحہؓ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ حضرت طلحہؓ بہت زیادہ دولتمند اور اہلِ ثروت مسلمانوں میں سے تھے۔ آپ کی ساری دولت دین کی خدمت کے لیے وقف تھی۔ حضرت طلحہؓ اس دولت سے بے حساب خرچ کرتے تھے اور اللہ بھی آپ کی دولت کو بے حساب بڑھاتا تھا۔ دربارِ نبوتؐ سے آپ کو ''سخی'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ جنابِ

Marfat.com

رسول اللہؐ نے بے انتہا جود وسخا کی بنا پر آپ کو 'طلحہ الخیر'، 'طلحہ الجوذ' اور 'طلحہ الفیاض' جیسے القاب سے نوازا۔

آپ کی دولت سے ایک مرتبہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ ہو جاتی، اللہ اُس کو کئی گنا بڑھا کر واپس کرتا۔ آپ کی اہلیہ سعدیٰ بنت عوف بیان کرتی ہیں کہ ایک روز میں نے طلحہؓ کو بہت غمگین دیکھا تو اُن سے دریافت کیا کہ آپ اتنے غمگین کیوں ہیں؟ حضرت طلحہؓ فرمانے لگے۔ میرے پاس جو مال ہے، وہ بہت زیادہ ہو گیا ہے، یہاں تک کہ اُس نے مجھے تکلیف اور پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے"۔ میں نے اُن سے کہا پھر کیا ہوا، اُس کو آپ تقسیم کر دیں'۔ اِس کے بعد وہ اٹھے اور لوگوں کو بُلا کر تقسیم کرنے لگ گئے۔ یہاں تک کہ اُس دولت میں سے ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ اُن کی جودوستی کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں "میں نے طلحہؓ بن عبیداللہ کے علاوہ کسی آدمی کو نہیں دیکھا جو بغیر مانگے اس قدر مال عطا کرتا ہو"۔ حضرت طلحہؓ اپنے اہل وعیال اور اقربا کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والوں میں سے تھے۔ آپ اِن لوگوں کو کثرتِ تعداد کے باوجود اُن کی کفالت کرتے تھے۔ بنی تمیم کے کسی گھرانے کا کوئی سرپرست ایسا نہیں جس کی وہ ضروریات پوری نہ کرتے ہوں اور اُس کے عیال کا خیال نہ رکھتے ہوں۔ آپ بنی تمیم کی شادیوں کا انتظام بھی کرتے تھے۔

خلافتِ عثمانؓ میں جب فتنہ رونما ہوا اور حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کا محاسبہ کرنے والوں کی تائید کر رہے تھے۔ اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ فتنہ فسق وانتشار کے انجام کو پہنچے گا تو وہ اُس کے سدِّ باب کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ تاہم بعد میں حضرت عثمانؓ کے محاصرہ اور پھر اُن کے مظلومانہ قتل کے بعد حضرت طلحہؓ کا مؤقف تبدیل ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے مدینہ میں مسلمانوں سے بیعت لی تو حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اُن لوگوں میں شامل تھے۔ پھر اِن دو اکابر صحابہ نے حضرت علیؓ سے عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ جانے کی اجازت طلب کی اور مکہ روانہ ہو گئے۔ ادائیگیٔ عمرہ کے بعد حضرت عائشہؓ سے ملاقات ہوئی جو پہلے ہی مکہ بغرضِ عمرہ گئی ہوئی تھیں۔ مکہ سے واپسی پر حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق خبر ملی، جس سے آپ بہت تیخ پا

Marfat.com

ہوئیں اور اہل یمن اور اہل مکہ کے اصرار پر حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لیے تیس ہزار سپاہ اکٹھی کر کے بصرہ کا رُخ کیا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر بھی اِس لشکر میں شامل تھے۔ بصرہ میں پہلے ہی حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ یہ جنگ جس میں حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے والے لشکر اور حضرت علیؓ کے حامیوں کا آمنا سامنا ہوا تاریخ میں یہ 'جنگِ جمل' کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

یہ جنگ اسلامی تاریخ کا ایک ایسا حصّہ بلکہ ایک ایسا بدنما داغ ہے جو کبھی دھویا نہ جائے گا اور نہ ہی اُس کی صفائی پیش کی جاسکے گی۔ اِس جنگ میں اپنی اپنی رائے پر مسلمانوں کو مسلمانوں سے برسرِ پیکار کروا دیا گیا۔ اس جنگ میں سازشیوں اور اپنوں کی غلطی سے (جسے انہوں نے بعد میں تسلیم بھی کیا) اُمتِ اسلامیہ کے بڑے قیمتی لوگوں کی جانیں گئیں۔ حضرت طلحہؓ کو جیسے ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا انہوں نے ایسی خطرناک اور نقصان دہ صورتِ حال سے نکلنے میں دیر نہ لگائی۔

حضرت علیؓ نے جب اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنے ہودج میں بیٹھے اِس لشکر کی قیادت کرتے ہوئے دیکھا جو جنگ کے لیے آرہا تھا تو رو پڑے، کچھ دیر بعد انہوں نے آنحضورؐ کے دو حواریوں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ کو لشکر کے وسط میں دیکھا تو دونوں کو لشکر سے باہر آنے کی درخواست کی۔ یہ دونوں حضرات باہر آئے تو حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ کو مخاطب کر کے کہا:

"اے طلحہؓ! تو رسولؐ اللہ کی بیوی کو ساتھ لے کر لڑائی کے لیے نکلا ہے اور خود اپنی بیوی کو گھر میں بٹھا رکھا ہے، "تعجب ہے"؟

پھر حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ سے مخاطب ہوئے:

"اے زبیر! مَیں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تجھے وہ دِن یاد ہے جب تیرے پاس سے جناب رسولؐ اللہ گزرے تھے اور ہم فلاں جگہ پر تھے اور آپؐ نے تجھ سے فرمایا تھا، اے زبیر! کیا تو علیؓ سے محبت نہیں کرتا؟ تو نے ہی تو کہا کہ میں اپنے خالہ زاد، عم زاد اور اُس شخص سے

Marfat.com

محبت کیوں نہ کروں، جو میرے دین پر ہے'' پھر آنحضرتؐ نے تجھ سے فرمایا تھا ''اے زبیر! اللہ کی قسم! تو ضرور اُس سے جنگ آزما ہوگا، جبکہ تو ظلم کر رہا ہوگا''۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا یہ جواب سُن کر جواب دیا ''ہاں! مجھے یاد آ گیا ہے، مَیں تو اُسے بھول ہی گیا تھا، اللہ کی قسم! میں تم سے اب لڑائی نہیں کروں گا''۔

پھر زبیرؓ اور طلحہؓ اس جنگ سے دستبردار تو ہو گئے مگر اس موقع پر جنگ سے دستبرداری انہیں اپنی جانیں دے کر چکانی پڑی۔ حضرت زبیرؓ کو حالتِ نماز میں عمرو بن جرموز نے قتل کر دیا اور حضرت طلحہؓ کو مروان بن حکم نے تیر مار کر زندگی کی دوڑ سے باہر نکال دیا۔

جب حضرت علیؓ نے انہیں اور حضرت زبیرؓ کو متوجہ فرمایا تو حضرت علیؓ کے الفاظ نے اُن دونوں حضرات کے دِلوں کو بدل کر رکھ دیا۔ جونہی انہیں اندازہ ہوا کہ اُن کا قدم درست نہیں ہے تو انہوں نے میدانِ جنگ چھوڑنے کا فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگائی مگر سازشی عناصر جو اندر سے دشمن دیں تھے، کو اُن کا یہ فیصلہ پسند نہ آیا اور انہوں نے اس کا خمیازہ بھگتنے پر اس طرح مجبور کر دیا کہ کچھ ہی دیر بعد اُن کو زندگی کی قید سے آزاد کر کے اپنے کلیجے ٹھنڈے کر لیے۔ یہ 10 جمادی الثانی 36ھ کا واقعہ ہے اور آپ کو بصرہ کے قریب دفن کر دیا گیا۔ آپ نے 64 سال عمر پائی۔

اللہ اکبر! شہادت حضرت طلحہؓ کے مقدّر میں تھی، وہ جہاں بھی ہوتے حضرت طلحہؓ اُسے پا کر ہی رہتے۔ کیا آنحضورؐ نے اُن کے بارے میں فرمایا نہیں تھا:

''یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہے اور جس کو یہ بات خوش کرے کہ وہ زمین پر کسی شہید کو چلتا ہوا دیکھنا چاہے تو وہ طلحہؓ کو دیکھ لے''

یہ آنحضرتؐ کی پیش گوئی تھی جسے ہر حال میں پورا ہو کر رہنا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ شہیدوں نے اپنے اپنے انجام کو پالیا اور واقعہ جمل اپنے اختتام کو پہنچا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کو احساس ہوا کہ انہوں نے معاملہ فہمی میں عجلت سے کام لیا ہے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے دو لشکروں کو آمنا سامنا کرنا پڑا۔ ایسی غیر متوقع جنگ میں حضرت عائشہؓ کی فوج کے 9000 (نو ہزار) اور حضرت علیؓ کی فوج کے 1070 آدمی

Marfat.com

مارے گئے۔ اس جنگ میں عائشہؓ کے اونٹ کی ٹانگیں بھی کاٹ ڈالی گئیں۔ جنگ کے اختتام پر حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ کی مزاج پرسی کے لیے گئے۔ ایک طرح سے حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ کے داماد بھی تھے، حضرت عائشہؓ ساس بھی تھیں اور اُمت کے ناطے اُمُ المومنین بھی تھیں۔ آپؓ کو حضرت علیؓ نے پورے اعزاز و اکرام اور احترام سے بصرہ کی سرکاری اقامت گاہ میں پہنچانے کے لیے بھیجا۔ ملاقات ہونے پر دونوں ہستیوں نے مسلمانوں کے اس عظیم نقصان پر اللہ سے معافی مانگی۔ یکم رجب 36ھ کو حضرت عائشہؓ امرائے بصرہ کی چالیس خواتین کے ہمراہ مکہ روانہ ہو گئیں۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی حضرت عائشہؓ کے ہمراہ مکہ گئے۔ حضرت عائشہؓ نے مدینہ روانہ ہوتے وقت لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''میرے بیٹو! یہ جنگ ایک غلط فہمی کا نتیجہ تھی''۔

حضرت علیؓ نے سب کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ جب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی تدفین سے فارغ ہوئے تو اُن دونوں محترم اور جلیل القدر ہستیوں کو عظیم الفاظ میں الوداع کہا۔ حضرت علیؓ کے اِن الوداعی کلمات کے آخری الفاظ یہ تھے:

''مجھے اُمید ہے کہ طلحہؓ، زبیرؓ اور عثمانؓ اِن لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا: ''اُن کے دِلوں میں جو کچھ رنجش اور کینہ تھا، اُسے ہم نکال دیں گے، وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے'' پھر حضرت علیؓ نے دونوں حضرات کی قبروں پر غمناک صورت میں محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے فرمایا ''میرے اِن کانوں نے آنحضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''طلحہؓ اور زبیرؓ جنت میں میرے ہمسائے ہوں گے''۔

(رسولؐ خدا)

Marfat.com

حضرت سعید بن زیدؓ

آپ کا نام سعید والد کا نام زید بن عمر بن عبدالعزی القرشی تھا۔ آپ حضرت عمر فاروقؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کے والد حضرت زید بن عمر آنحضرتؐ کے اعلان نبوت سے قبل دینِ حنیف و دینِ ابراہیمؑ کے قائل تھے۔ آپ نے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی تھی۔ بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا گوشت نہیں کھاتے تھے اور نہ ہی آپ دُختر کشی کے قائل تھے۔ حضرت سعیدؓ ہجرت سے بیس سال قبل پیدا ہوئے۔ حضرت سعیدؓ بن زید کی والدہ کا نام فاطمہ بنت الخزاعیہ تھا۔ آپ کا تعلق قریش کے نامور قبیلہ بنو عدی سے تھا۔ کعب بن لوی پر آپ کا نسب جناب نبی اکرمؐ سے مل جاتا ہے۔

جب آپ نے ہوش سنبھالا تو گھر میں ہمیشہ خدائے واحد اور دینِ ابراہیمی کا ذکر سُنا۔ موحد باپ کی تربیت نے اِن کے دل میں توحید سے گہراؤ لگاؤ پیدا کر دیا تھا۔ جنابِ سرورِ کائنات نے بعثت کے بعد جونہی دعوتِ حق کا آغاز فرمایا حضرت سعید آگے بڑھے اور دینِ حنیف کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اِن سے پہلے صرف گنتی کے چند اصحاب حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت سعیدؓ کی زوجہ فاطمہ بنت خطاب تھیں جو حضرت عمر فاروق کی ہمشیرہ تھیں۔ اللہ نے اِنہیں بھی فطرت صالح سے نوازا تھا، اپنے شوہر کے ساتھ وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں اور یوں دونوں میاں بیوی اللہ کے اُن نیک بندوں میں شامل ہو گئے جنہیں حق تعالیٰ نے ''سابقون الاوّلون'' کا خطاب دے کر کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دے دی ہے۔

Marfat.com

حضرت سعیدؓ اور آپ کی زوجہ محترمہ کے اسلام قبول کرنے سے قبل 26 مرد اور عورتیں اسلام قبول کر چکے تھے، حضرت فاطمہؓ 27 ویں اور حضرت سعیدؓ 28 ویں آدمی تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت سعیدؓ اور حضرت فاطمہؓ دونوں میاں بیوی کو قرآنِ حکیم سے عشق تھا۔ وہ کلامِ الٰہی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضرت خباب بن الارتؓ کو کبھی کبھی اپنے گھر بلاتے رہتے تھے۔ حقیقت میں آپ دونوں میاں بیوی کا اسلام لانا ہی حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا سبب بنا۔ اُس وقت تک حضرت فاطمہؓ کے بھائی حضرت عمرؓ بن خطاب نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب رشتے میں ابوجہل کے بھانجے ہوتے تھے۔ حضرت عمر کی والدہ ابوجہل کی چچازاد بہن تھیں۔

ابوجہل کے اشتعال ہی کی وجہ سے ایک دن حضرت عمر گھر سے ننگی تلوار لے کر سیّد عالمؐ کو ختم کرنے کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں ایک شخص ملا اُس نے دریافت کیا

''عمر! کہاں کا ارادہ ہے''؟

حضرت عمر نے جواب دیا کہ

''آنحضورؐ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے جا رہا ہوں''۔

اُس شخص نے کہا کہ پہلے اپنی بہن کے گھر کی تو خبر لو''۔

جب حضرت عمرؓ کو اپنی بہن اور بہنوئی کے اِسلام لانے کا طعنہ سننا پڑا تو آپ شدید غصّے سے اُن کے گھر آئے اور مار کٹائی کے بعد اِسی گھر میں آپ کا دل اِسلام کی طرف مائل ہوا۔

جب آپ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی تو آنحضورؐ نے مؤاخات میں آپ کو حضرت ابولبابہؓ کا دینی بھائی بنایا۔ آپ نے تمام غزوات میں بھرپور حصّہ لیا۔ آپ نے ہر معرکہ میں کمال درجے کی سرفروشی اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ 6ھ میں بیعتِ رضوان کا شرف بھی حاصل کیا۔ غزوہ تبوک میں طویل سفر کی سختیاں آپ نے ہنسی خوشی برداشت کیں۔ غرض قبولِ اسلام کے بعد کوئی شرف ایسا نہیں تھا جو انہیں حاصل نہ ہوا ہو۔

حضرت سعید بن زیدؓ کا شمار اُن دس عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے جن کو رحمتِ عالم نے خاص طور پر اُن کے نام لے کر جنت کی بشارت دی تھی۔ یہ اصحابہ ''عشرہ مبشرہ'' کے عظیم

Marfat.com

الشان لقب سے مشرف ہیں۔ زہد وتقویٰ اور کثرتِ عبادت کی بدولت حضرت سعید ؓ کو اللہ تعالیٰ نے ''مستجابُ الدعوات'' کے درجہ سے نوازا تھا۔ آپ ہمیشہ اتباعِ رسول ﷺ میں کوشاں رہتے۔

ایک مرتبہ اروی بنت اویس نامی ایک عورت نے والئ مدینہ مروان بن الحکم سے شکایت کی کہ سعیدؓ بن زید نے اس کی زمین کا کچھ حصہ دبالیا ہے۔ مروان نے اُن کو طلب کر کے حقیقتِ حال دریافت کی تو فرمایا:

''تم میری نسبت گمان کرتے ہو کہ میں نے اُس عورت کی زمین کا کچھ حصہ غصب کرلیا ہے، حالانکہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سُنا ہے کہ جو شخص ایک بالشت بھر زمین پر ظلم سے قبضہ کرے گا، قیامت کے دن اُس کو ویسی سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا''۔

مروان نے اُن سے قسم کھانے کو کہا تو وہ اُس زمین سے دست بردار ہو گئے لیکن دل شکستگی کے عالم میں منہ سے یہ الفاظ نکلے۔ الٰہی اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اسے اندھا کر دے اور اِس کو اِسی زمین میں موت دے اور مسلمانوں پر میرے حق کو بخوبی واضح کر دے۔ خدا کی قدرت کچھ عرصہ بعد اُس جھوٹی عورت کی بینائی زائل ہوگئی اور ایک دن اسی حالت میں اپنے گھر کے کنویں میں گر کر مرگئی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زخمی ہونے کے بعد جب وہ ابولُولُو کے زخموں سے سخت اذیت میں تھے اور زندگی سے مایوس ہو چکے تھے، آپ نے اپنے جانشین کے لیے اہل شوریٰ کی ایک کمیٹی بنائی تھی کہ اُن میں سے ایک کو خلیفہ چُن لیا جائے۔ حضرت سعیدؓ اگرچہ تقویٰ، تقدس اور دینی خدمات کی وجہ سے اُس کمیٹی میں شمولیت کے لیے کم حیثیت نہیں رکھتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے آپ کا اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کا نام اس لیے شامل نہ کیا کہ حضرت عمرؓ پر کوئی الزام نہ آئے اور مرتے وقت میرا دامن کہیں اقربا پروری کے الزام سے داغدار نہ ہو جائے اس لیے اِن دونوں کا نام اس کمیٹی میں شامل کرنے سے اجتناب کیا، کیونکہ حضرت سعید بن زیدؓ آپ کے بہنوئی اور چچازاد تھے۔ اگر حضرت عمرؓ اِن کا نام شامل کرتے تو اقربا پروری کا الزام لازمی آتا جو اُنہیں پسند نہیں تھا۔

Marfat.com

حضرت سعیدؓ نے مدینہ کے نواح میں وادیٔ عقیق کے مقام پر مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ اسی جگہ انہوں نے 52ھ میں 72 سال کی عمر میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ جنازہ عقیق سے مدینہ لایا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمر نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر حضرت سعد اور حضرت عبداللہ بن عمر نے آپ کو لحد میں اُتارا اور اسلام کے اس مہرِ درخشاں کو سپردِ خاک کر دیا۔

Marfat.com

الصحابی کالنّجوم

رضی اللہ عنہم

اَلسّابِقونَ الاَوَّلُون

''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ اِن کے پیرو ہیں، اللہ اِن سب سے راضی ہوا اور وہ سب اُس سے راضی ہوئے''۔

(التوبہ: آیت 100)

Marfat.com

Marfat.com

حضرت خالد بن ولیدؓ

اب ایک ایسے جرنیل صحابی کا ذکر جس نے دُشمنوں کی فوجوں کے پرخچے اڑا دیے۔ جس کے نام سے ہی دشمن کے سورماؤں کی ٹانگیں کانپنے لگ جاتیں، جس نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا، بپھرے ہوئے دریاؤں کے آگے بند باندھ دیے، جس کے ہاتھ سے دُشمنوں کی فوج کے کُشتوں کے پُشتے لگاتے ہوئے نو (9) تلواریں ٹوٹیں اور دربارِ رسالتؐ سے سیف اللہ کا خطاب پایا۔ ایک ایسا نام جس کے نام سے ہی دشمنوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اس غازی صحابیِ رسولؐ کا نام خالد بن ولیدؓ ہے۔ یہ ایک ایسا نام ہے جس پر مسلمان سپاہ کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

آپ کا نام خالد اور باپ کا نام ولید تھا۔ شجرہ نسب اس طرح ہے: خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم مخزومی۔ ماں کا نام لبانہ تھا جو اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ کی بہن لگتی تھیں۔ اِس لحاظ سے حضورِ اکرمؐ حضرت خالد کے حقیقی خالو بھی تھے۔ حضرت خالد کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ آپ مکہ میں ہجرت مدینہ سے 38 سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کے 6 بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ صرف دو بھائی ہشام اور ولید بن ولید مسلمان ہوئے۔ آپ کے دادا مغیرہ کا شمار مکہ کے رؤسا میں ہوتا تھا۔ قریش کا قبیلہ بنومخزوم حربی معاملات کا ذمہ دار تھا۔ اِس طرح بنومخزوم قریش میں انتہائی بلند مرتبہ کے مالک تھے، دولت وثروت میں کسی سے کم نہ تھے۔ حضرت خالد کا چچا ابوامیہ بن مغیرہ قریش میں زادالراکب (مسافر کا توشہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ جو شخص اس کا ہم سفر ہوتا، اُس کو زادِراہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

Marfat.com

حضورِ اکرمؐ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب حضرت خالد کے چچا ابوامیہ بن مغیرہ سے بیاہی ہوئی تھیں، انہیں کے لڑکے زُبیر بن امیہ نے سب سے پہلے قریش کے اُس ظالمانہ معاہدہ کو فسخ کرنے کا سوال اٹھایا تھا جس کے تحت آنحضورؐ اور آپؐ کے اہلِ خاندان تین سال شعبِ ابی طالب میں محصُور رہے تھے۔ ابوامیہ کا انتقال ظہورِ اسلام سے قبل ہی ہو گیا تھا۔

حضرت خالد کا والد ولید بن مغیرہ قریش میں صاحبِ عقل وفہم اور بڑا فصیح البیان مانا جاتا تھا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد جن لوگوں نے قریش کی سیادت کا دعویٰ کیا اُن میں یہ بھی شامل تھا۔ ولید ایک سال خانہ کعبہ کا غلاف اکیلا چڑھاتا اور دوسرے سال تمام اہلِ قریش مل کر چڑھاتے تھے۔ حج کے موقع پر منیٰ کے مقام پر تمام حاجیوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا، اُس کے علاوہ اور کسی کو کھانا تیار کرنے کے لیے آگ بھی جلانے کی اجازت نہ تھی۔ مؤرخین کے مطابق کسی وقت بھی بارہ ہزار دینار سے کم رقم اُس کے پاس نہ ہوتی تھی۔ اُس کے باغات مکہ سے طائف تک چلے گئے تھے، جن کا پھل سال بھر ختم نہ ہوتا تھا۔ ولید بن مغیرہ قریش میں اپنے ارادے کی پختگی اور عزم وہمت کی بنا پر ایک خاص مقام رکھتا تھا۔

ولید خانہ کعبہ کی تعظیم اس قدر کرتا تھا کہ کبھی جوتیاں پہن کر اُس میں داخل نہیں ہوا۔ مؤرخین کے مطابق جس نے سب سے پہلے اِس طریقہ کو رواج دیا، وہ ولید بن مغیرہ ہی تھا اور اپنے آبائی دین سے حد درجہ شغف اور عقیدے کی پختگی ہی کا اثر تھا کہ اُس نے زندگی بھر اسلام اور آنحضورؐ کے پیغام کو ناکام بنانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ ولید اُس وفد کا ایک رُکن تھا جو ابوطالب کے پاس یہ درخواست لے کر گیا تھا کہ آنحضورؐ کو ہمارے بتوں کی مذمت اور بُرا بھلا کہنے سے روک دیں۔

مؤرخین کے مطابق فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ (چھاؤنی) کے انتظام کا عہدہ زمانۂ جاہلیت ہی سے حضرت خالد کے خاندان کے پاس چلا آرہا تھا۔ چنانچہ ظہور اسلام کے وقت حضرت خالد بن ولید اسی عہدہ پر فائز تھے۔ حضرت خالدؓ چونکہ ایک امیر کبیر باپ کے فرزند تھے جو بذاتِ خود فنِ سپاہ گری کے رموز سے واقف تھے، اس لیے کوئی اور پیشہ اختیار کرنے کی بجائے شہسواری، تیراندازی اور شمشیرزنی میں آپ نے مہارت حاصل کی اور اپنی فطری پھرتی

Marfat.com

اور شجاعت میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ آپ قدرت کی طرف سے جنگی دل و دماغ لے کر آئے تھے۔ خاندانی روایات نے آپ کی اِن فطری صلاحیتوں کو مزید نکھارنے کا موقع دیا اور آپ ایک ایسے جنگی ماہر اور سپہ سالار اعظم بن گئے جن میں بڑے بڑے قائدین عساکر کی صفات کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھیں اور جب آپ میدانِ جنگ میں اپنی صفات و قابلیّت کو بروئے کار لاتے تو دشمنوں کی صفیں الٹ جاتیں، کشتوں کے پشتے لگ جاتے، بسے بسائے شہر اُجڑ جاتے اور ہزاروں ماؤں کی گودیں اُجڑ جاتیں۔

حضرت خالد ظہورِ اسلام کے وقت 25 سال کے تھے۔ قریشِ مکہ کی طرف سے جب اسلام اور آنحضرتؐ کی مخالفت شروع ہوئی تو حضرت خالد نے بھی اُس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ آپ کا گھرانہ کیونکہ اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا اس لیے آپ بھی آنحضورؐ اور حضورؐ پر ایمان لانے والوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ حضورؐ کی مخالفت میں جو سردارانِ قریش پیش پیش تھے، اُن میں خالد کا باپ ولید ابوالحکم (ابوجہل)، ابوسفیان اور ابولہب سرِ فہرست تھے۔ اسلام دشمن ماحول میں خالد کے شب و روز گزرتے تھے۔ اُن دنوں خالد نے تجارتی قافلوں کے ساتھ شام اور بصرہ کا سفر بھی کیا۔ جنابِ نبی کریمؐ کے مدینہ ہجرت کرنے کے صرف تین ماہ بعد خالد کے باپ ولید کا 95 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ باپ کے انتقال کے بعد جب قریش کا مسلمانانِ مدینہ سے بدر کے مقام پر معرکہ ہوا تو اُس وقت خالد حجاز میں موجود نہیں تھا البتہ بدر کے میدان میں آپ کے بھائی ولیدؓ بن ولید گرفتار ہوئے اور آپ کے خاندان بنومخزوم کے سترہ افراد مارے گئے جن میں خالد کے چچیرے بھائی بھتیجے شامل تھے۔ خالد نے باہر سے واپس آنے کے بعد اپنے بھائی ہشام کے ساتھ مل کر گرفتار شدہ بھائی ولید کو رہا کرانے کا فیصلہ کیا۔ ولید کی رہائی کا فدیہ 400 درہم ادا کرنے کے بعد تینوں بھائی مدینہ سے روانہ ہوئے تو انہوں نے راستے میں ذوالحلیفہ کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ خالد کے بھائی ولید کے دل میں اسلام گھر کر چکا تھا چنانچہ رات کے کسی وقت ولید خیمے سے نکل کر واپس مدینہ پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔

غزوہ بدر کے ٹھیک ایک سال بعد 3ھ میں دونوں افواج اُحد کے میدان میں پھر آمنے سامنے ہو گئیں۔ لڑائی شروع ہوئی اور پھر لشکرِ کفار کے قدم اکھڑنے لگے اور جب کفار

Marfat.com

پیچھے بھاگنے لگے تو مسلمانوں کو اپنی فتح کا یقین ہو گیا۔ جب مسلمان مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے تو خالد نے پیچھے سے حملہ کر کے افراتفری پھیلا دی جس کی وجہ سے کفارِ مکہ نے اپنے آپ کو شکست کی ذلت سے بچالیا۔ یہ حضرت خالد کی اعلیٰ جنگی مہارت کا ثبوت تھا کہ کفارِ مکہ کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے اور انہوں نے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت کر لی۔ غزوہ خندق کے موقع پر بھی جب کفار کے لشکر میں بھگدڑ مچی تو انہوں نے خالد اور عمرو بن العاص سے درخواست کی کہ اگر مسلمان تعاقب کریں تو وہ اُن کی حفاظت کریں، اس طرح غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل وحرکت کا پتہ لگانے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا اُس کے سردار خالد ہی تھے۔

غزوہ حُدیبیہ کے دنوں میں جب خالد مسلمانوں کی نقل وحرکت معلوم کرنے کے لیے گشت لگایا کرتے تھے، اُن دنوں خالد کو نبی اکرمؐ کی پُرکشش شخصیت، پاکیزہ زندگی، بزرگی اور آپؐ کے رُعب و جلال کو قریب سے دیکھ کر اور جناب رسولؐ سے بے پناہ محبت وعقیدت کا مطالعہ کر کے اُن کے دل میں اسلام کی محبت شعوری طور پر پرورش پانے لگی تھی۔ حضرت خالد پر اسلام کی صداقت جو بالآخر اُن کے قبولِ اسلام کا باعث بنی، کیسے واضح ہوئی، یہ ایمان افروز روداد وہ خود اِس طرح بیان کرتے ہیں:

''جب رسول اللہؐ مقامِ عینان پر قیام فرما تھے تو میں نے حضورؐ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، چنانچہ میں نے حضورؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، مگر باوجود کوشش کے میں ایسا نہ کر سکا۔ اُس پر میرے دل پر القا ہوا کہ خدا اُن کا حافظ وناصر ہے اور ہم چاہے جتنی بھی کوشش کریں، ان پر غالب نہیں آ سکتے''۔

اس طرح حضرت خالد کے دل میں اسلام کی روشنی چمکنے لگی اور وہ یہ بات محسوس کرنے لگے تھے کہ جلد ہی سارے عرب پر اسلام کا غلبہ ہونے والا ہے۔

اُدھر جناب نبی کریمؐ کو خالد کے دل کی کیفیات بذریعہ الہام معلوم ہو گئیں۔ آپؐ نے خالد کے بھائی ولید کو جو بدر کے معرکے کے بعد مسلمان ہو چکے تھے، بُلا کر خالد کے دل کا حال بیان کیا اور فرمایا ''خالد پر اسلام کی حقانیت ظاہر ہو چکی ہے پھر وہ اسلام کیوں نہیں لے آتا''؟

Marfat.com

آنحضورؐ کا ارشاد سُن کر ولید نے خالد کو اسلام کی طرف رغبت دلانے کے لیے خط لکھا اور جناب رسولِ اکرمؐ کے استفسار کا ذکر بھی کیا۔ بھائی کا خط دیکھ کر خالد کی حالت یہ ہوگئی جیسے پھونس کو آگ لگا دی جائے۔ جی چاہا کہ فوراً آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لوں۔ حضرت خالد نے فوراً مدینے کا رُخ کیا۔ راستے میں عثمان بن طلحہ اور عمر بن العاص سے ملاقات ہوئی۔ پتہ چلا کہ وہ بھی اسلام لانے کے مقصد سے مدینہ جا رہے ہیں۔ آنحضورؐ نے پہلے ہی اصحاب کو اُن کی آمد کے بارے میں مطلع کر دیا تھا۔

مدینہ پہنچ کر خالد نے سفر کے کپڑے اتار کر عمدہ شاک زیب تن کی اور حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا، اتنے میں بھائی ولید آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ حضور اکرمؐ سخت انتظار میں ہیں جلدی کرو۔ حضرت خالد اپنے ساتھیوں میں سب سے پہلے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلمہ توحید پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا:

"الحَمدُ لِلّٰہِ الّذِی ھَدٰکَ اِلیَ الاِسلَام" (تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس نے تمہیں اسلام کی طرف راغب کرایا"۔ خالد بن ولید نے عرض کیا "یا رسولؐ اللہ! کیا میرے گناہ بھی معاف کر دیے جائیں گے کیونکہ میں نے گذشتہ زندگی میں اسلام کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی"۔ آپؐ نے فرمایا "آپ کا اسلام لانا ہی تمام غلطیوں کی معافی ہے"۔

آپ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی کفر پر غشی طاری ہوگئی۔ شیطان نے اپنا سَر پیٹ لیا۔ آپ کے ساتھ عکرمہ بن ابی جہل اور عمرو بن العاص بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ آپ نے 8ھ میں اسلام قبول کیا۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت خالد بن ولید نے مدینہ میں مستقل قیام اختیار کر لیا۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں "خدا کی قسم! جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، اُس دن سے رسولِ اکرمؐ میرے اور دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے اور ہر موقع پر مجھے دوسرے صحابہ کے ساتھ شریک فرماتے تھے"۔ مدینہ میں رہائش کے لیے آنحضورؐ نے اُن مکانوں میں سے جو حضرت حارثہ بن نعمانؓ نے حضورِ اکرمؐ کو پیش کیے تھے، ایک مکان حضرت خالدؓ کو عنایت فرمایا۔

Marfat.com

چونکہ ظہورِ اسلام کے وقت حضرت خالدؓ اپنے خاندانی عہدہ یعنی فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام پر فائز تھے، قبولِ اسلام کے بعد آنحضورؐ نے اُن کا یہ اعزاز برقرار رکھا جس کے باعث اسلامی فتوحات میں بڑی مدد ملی۔ حضرت خالد جس طرح اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اس طرح حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد آپ مشرکوں کے لیے سخت ترین خطرہ بن گئے۔

قبولِ اسلام کے بعد سب سے پہلے حضرت خالدؓ سریہ موتہ میں شریک ہوئے (موتہ سرزمین شام کا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا) مؤرخین کے مطابق اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ رسولؐ اللہ نے مختلف حاکموں اور رئیسوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک خط شاہِ بصرہ کے نام بھی ارسال فرمایا۔ یہ خط حضرت حارث بن عمیرؓ لے کر جارہے تھے۔ حضرت حارثؓ شام کے علاقہ سے گزرتے ہوئے بصرہ جارہے تھے کہ موتہ کے عامل شرجیل بن عمرو غسانی نے اُنہیں شہید کردیا۔ جب آنحضورؐ کو شرجیل کے اس ظالمانہ فعل کا علم ہوا تو آپؐ کی طبیعت پر بہت گراں گزرا۔ چنانچہ حضورؐ نے اس کا انتقام لینے کے لیے جمادی الاوّل 8ھ میں تین ہزار کی جمعیت حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں روانہ کی اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید بن حارثہؓ شہید ہوجائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب اُن کی جگہ لیں گے، اگر یہ بھی جامِ شہادت نوش کریں تو عبداللہ بن رواحہؓ امیر لشکر ہوں گے اور اگر ابن رواحہؓ بھی شہید ہوجائیں تو مسلمان جسے چاہیں اپنا امیر چُن لیں۔

جب مجاہدینِ اسلام کی یہ چھوٹی سی جماعت ارضِ بلقاء میں پہنچی تو معلوم ہوا کہ دُشمن کا ایک بڑا لشکر موتہ سے چند میل دور مشارف میں پہنچ گیا ہے۔ اسلامی لشکر نے موتہ کے وسیع میدان میں جنگ کا آغاز کیا۔ دستور کے مطابق حضرت زید بن حارثہؓ پرچمِ اسلام اٹھا کر آگے بڑھے اور بڑی مردانگی سے لڑکر شہادت پائی۔ اُن کے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے عَلَم ہاتھ میں لیا اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا۔ اُن کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوگئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا کوئی امیر نہ رہا جس کے باعث اسلامی لشکر میں زبردست اضطراب پیدا ہوگیا۔ مگر یہ

Marfat.com

کیفیت زیادہ دیر قائم نہ رہی کیونکہ حضرت ثابت بن ارقمؓ کے حُسنِ تدبّر، دوراندیشی اور مردانگی کی برکت سے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سالاری پر اتفاق ہوگیا۔ حضرت خالدؓ نے فوری طور پر منتشر لشکر کو اکٹھا کر کے اچانک اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن کے چھکّے چھوٹ گئے۔ آپ اگرچہ دشمن کو شکست تو نہ دے سکے مگر اپنی جنگی قابلیّت سے باقی ماندہ اسلامی فوج کو دشمن کی دستبرد سے بچالائے۔ اس جنگ میں حضرت خالدؓ کے ہاتھ سے نو (9) تلواریں ٹوٹیں اور بارگاہِ رسالتؐ سے آپ کو ''سیف اللہ'' کا خطاب عنایت ہوا۔

فتح مکّہ کے 5 دن بعد 25 رمضان المبارک 8ھ کو آنحضرتؐ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو تیس سواروں کے ساتھ عرب کے مشہور بُت عُزّیٰ کو توڑنے کے لیے وادیٔ نخلہ بھیجا۔ پھر فتح مکہ کے بعد شوال 8ھ میں بنوثقیف و ہوازن اوطاس کے میدان میں جمع ہوئے۔ جناب نبی کریمؐ کو اِس اجتماع کی خبر ہوئی تو آپ بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلے کو نکلے۔ اِس کی کمان خالدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اس جنگ میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس بہادری سے تلوار چلائی کہ دشمن کی صفیں کی صفیں الٹا کر رکھ دیں تاہم اُن کو خود بھی اِس جنگ میں کئی زخم آئے۔ حضورِ اکرمؐ خود اُن کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور زخموں پر دم کیا جس سے حضرت خالدؓ جلد شفایاب ہوگئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین اور جھوٹے مدعیانِ نبوّت کے فتنوں کے استیصال کے لیے جو گیارہ عَلَم تیار کیے تھے اُن میں ایک حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کے سپرد فرما کر ہدایت کی تھی کہ وہ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو جائیں۔ اُن کے پیچھے شرجیل بن حُسنہ کو کمک دے کر بھیجا۔ حضرت عکرمہؓ نے اِس خیال سے کہ مسیلمہ کی سرکوبی کا فخر صرف اُنہی کے حِصّہ میں آئے، حضرت شرجیل کے پہنچنے سے قبل ہی حملہ کر دیا لیکن ہزیمت اٹھائی۔ یہ خبر جب خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکرؓ کو پہنچی تو آپ نے حضرت عکرمہؓ کو لکھا ''تم خود تو اُستاد نہیں مگر شاگردی کو عیب جانتے ہو، شرجیل کے پہنچنے سے پہلے حملہ کیوں کیا، اب تم مدینہ کا رُخ نہ کرنا بلکہ حذیفہ اور عرفجہ کے پاس چلے جاؤ اور اُن کی ماتحتی میں اہلِ عمان سے لڑو''۔ حضرت خالدؓ جو اُس وقت مدینہ میں خلیفۃ الرسولؐ کے پاس موجود تھے، اُسی وقت مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے روانہ فرما دیا۔

حضرت خالدؓ روانگی کا حکم ملتے ہی یمامہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن حضرت شرجیلؓ

Marfat.com

نے بھی عکرمہؓ کی طرح عجلت سے کام لے کر لڑائی شروع کر دی۔ ناکامی کے آثار نمایاں تھے کہ خوش قسمتی سے حضرت خالدؓ پہنچ گئے۔

مسیلمہ کذاب کو جب حضرت خالدؓ کی آمد کا علم ہوا تو چالیس ہزار کے انبوہِ کثیر کے ساتھ عقربا کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ حضرت خالدؓ بھی اپنی تیرہ ہزار افواج کے ساتھ وہیں پہنچ گئے اور ایک خونریز جنگ کی ابتدا ہوئی۔ دونوں طرف سے لڑنے والے ایک دوسرے پر اس شدت سے حملہ آور ہوئے، جیسے معلوم ہوتا تھا کہ یہی لڑائی فریقین کے مستقبل کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ آخر کار بنی حنیفہ بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے۔

اُس دن لڑائی میں بنو حنیفہ کے 21 ہزار آدمی مارے گئے اور مسلمان شہدا کی تعداد ایک ہزار تھی جن میں کافی تعداد حُفّاظ کرام کی بھی تھی۔ مسیلمہ کذاب حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ حضرت وحشیؓ کہا کرتے تھے کہ جس حربے سے میں نے خیر النّاس یعنی حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا اُسی حربے سے شُر النّاس (مسیلمہ کذاب) کو قتل کیا۔

حضرت خالدؓ نے جنگ یرموک میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اسلامی لشکر کی تعداد 30 ہزار سے زیادہ نہ تھی تاہم حضرت خالدؓ نے اِن افواج کو از سرِ نو مرتب کیا۔ پھر ایک پر جوش تقریر کر کے مسلمانوں کو جذبۂ جہاد سے سرشار کیا۔ اتفاق سے ایک مسلمان کے منہ سے نکل گیا کہ رومیوں کے مقابلہ پر ہماری تعداد بہت کم ہے۔ حضرت خالدؓ یہ سُن کر بہت غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ فتح و شکست تعداد و سپاہ کی قلت و شکست پر نہیں بلکہ اللہ کی نُصرت پر ہے۔

ضروری انتظام کے ساتھ حضرت خالدؓ نے حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کو حملہ کا حکم دیا، رومی پہلے ہی جوش سے بھرے ہوئے تھے چنانچہ یرموک کے میدان میں ہنگامۂ کارزار گرم ہو گیا، ایسی خونریز و گھمسان کی جنگ ہوئی کہ میدانِ جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اسلامی لشکر نے حضرت خالدؓ کی سالاری میں غیر معمولی شجاعت، بہادری اور مستقل مزاجی کا ثبوت دیا۔ انجام کار رومیوں نے شکست فاش کھائی۔ مؤرخین کے مطابق اس جنگ میں نوے ہزار رومی فوجی اسلامی غازیوں کے ہاتھوں جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور تین ہزار مسلمان دریائے شہادت میں غوطہ زن ہو کر سرخرو ہوئے۔

Marfat.com

جمادی الثانی 13ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی اور اپنی وفات سے قبل حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر گئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے پہلے ہی خطبے میں حضرت خالدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا اور اُن کی جگہ حضرت عبیدہؓ بن الجراح کو سالار نامزد کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب دمشق میں حالات اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھ رہے تھے ایسے میں قیادت کی تبدیلی مسلمانوں کے ذہن پر برا تاثر چھوڑ سکتی تھی جو اپنے سپہ سالار کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ نامہ بر بہت ذہین آدمی تھا، اُس نے صورت حال بھانپ کر خلیفہ وقت کے فیصلے کی کسی کو کان و کان خبر نہ ہونے دی اور سیدھا جا کر خلیفہ کا خط حضرت ابوعبیدہؓ کے حوالے کر دیا۔ حضرتِ ابوعبیدہؓ نے خط کے مندرجات سے حضرت خالدؓ کو اُس وقت تک لاعلم رکھا جب تک دمشق فتح نہ ہو گیا۔ فتحِ دمشق کے بعد ابوعبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو الگ بُلا کر خلیفۂ وقت کے اِس فیصلے سے آگاہ کیا تو خالدؓ نے اِس فیصلے کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور ابوعبیدہؓ کی فوج میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے خدمات انجام دینے لگے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو جیش عراق کا سالار مقرر کیا۔ وہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل حضرت خالدؓ کو ضرور شریکِ مشاورت کرتے۔ اُن کو حضرت خالدؓ کی جنگی بصیرت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جنگِ یرموک جیسی اہم ترین جنگ عملاً حضرت خالدؓ کی حکمتِ عملی کے تحت لڑی گئی۔ حضرت ابوعبیدہؓ کی سالاری میں مہمات سر کرتے ہوئے حضرت خالدؓ نے مرعش کو بغیر لڑائی لڑے حاصل کر لیا، وہاں سے ڈھیروں مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ وہاں سے واپسی پر اشعث نے (جو ایک مشہور شاعر تھا) خالدؓ کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا۔ آپ نے اسے دس ہزار درہم تحفۃً دیے۔ حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہو گئی۔ ابوعبیدہؓ کو خط لکھا کہ ''خالدؓ بر سرِ جماعت لاؤ اُس کی دستار سے اُس کے ہاتھ باندھو اور اُس کے سر سے ٹوپی اتار دو اور اُس سے پوچھو کہ اُس نے اشعث کو اتنی رقم کہاں سے دی؟ اگر اقرار کرے کہ مالِ غنیمت سے دیا ہے تو وہ خیانت کا مرتکب ہوا ہے اور اگر دعویٰ کرے کہ اپنی ذاتی جیب سے دیے ہیں تو یہ اصراف کے زمرے میں آتا ہے، دونوں صورتوں میں اسے معزول کر دو اور اُس کے فرائض خود سنبھال لو''۔

خلیفۂ وقت کے حکم کے مطابق حضرت بلالؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کی موجودگی میں مجمع

Marfat.com

کے سامنے حضرت خالدؓ کو پیش کیا۔ حضرت خالدؓ نے اپنی جیب سے پیسے دینے کا اعتراف کیا تو حضرت بلالؓ نے آپ کی دستار سے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیے اور ٹوپی احترام سے آپ کے سر پر رکھ کر کہا ''ہم اپنے حکمرانوں کی بات سنتے اور مانتے ہیں''۔

بعد میں حضرت خالدؓ نے اپنے متحرک رسالے، اپنی بہادر اور وفادار افواج کو الوداع کہا اور مدینہ روانہ ہوگئے۔ مدینہ پہنچے تو خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ آپ کو راستے میں مل گئے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ کی جائداد کا پورا پورا حساب (آڈٹ) کروایا اور جو رقم اُن کو زائد لگی بحقِ سرکار ضبط کر لی گئی۔

قابلِ توجہ پہلو یہ ہے کہ اس سے جہاں حضرت عمرؓ کے سطوت وجلال کا پتہ چلتا ہے وہاں اِس حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے حضرت خالدؓ کی اطاعتِ امیر، نیک نفسی اور حق پرستی کا اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں۔

مؤرخین نے اگرچہ حضرت خالد کی معزولی کے متعدد وجوہ بیان کئے ہیں، تاہم اُن میں سے قوی تر وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت خالدؓ اپنے شجاعانہ کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں لاپرواہی برتتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ سے ہی وہ فوجی مصارف کی تفصیل دربارِ خلافت کو بعد از تاکید نہیں بھیجتے تھے اور اپنے مزاج کی تُندی کے باعث ہر معاملہ میں خود رائی سے کام لیتے۔ عراق کی پیش قدمی روکنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی اجازت کے بغیر خفیہ طور پر مکہ حج کو چلے گئے۔ اِن کا یہ طرزِ عمل حضرت ابوبکرؓ کو ناگوار گزرا اور آپ نے تنبیہہ بھی کی۔ انہوں نے بارہا لکھ بھیجا کہ میرے مشورے کے بغیر کوئی بڑے فیصلے نہ کیا کرو اور نہ کسی کو کچھ سرکاری خزانے سے دیا کرو مگر حضرت خالدؓ اپنی روش پر قائم رہے۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں بھی حضرت خالدؓ نے اپنے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ تاہم حضرت عمرؓ کو اُن کا یہ طرزِ عمل پسند نہ آیا لیکن پھر بھی انہیں معزول نہ کیا بلکہ عرصہ تک اپنے چچا زاد کو سمجھاتے رہے۔ ایک دفعہ آپ نے اُن کو تاکید کی کہ وہ آئندہ سے اُن کی اجازت کے بغیر کسی کو بکری بھی نہ دیں مگر حضرت خالدؓ نے کوئی اثر نہ لیا اور حضرت عمرؓ کو جواب دیا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہوں اب اُس کے خلاف نہیں کرسکتا۔ ایسے

Marfat.com

واقعات سے حضرت خالدؓ کی خودسری کا اظہار ہوتا ہے جو کسی بھی خلیفۂ وقت کو قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عام مسلمانوں کے ذہنوں میں تاثر پیدا ہو رہا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دارومدار حضرت خالدؓ کی قوتِ بازو پر ہے، جس کو حضرت عمرؓ پسند نہیں کرتے تھے۔

معزولی کے بعد حضرت خالدؓ نے مدینہ واپس آ کر حضرت عمرؓ سے شکوہ کیا اور بیس ہزار کی رقم جو اُن کے پاس زائد تھی، بیت المال میں جمع کروادی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ سے فرمایا: ''خالدؓ واللہ! تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو، میں ویسے ہی تمہاری دل سے عزت کرتا ہوں''۔ پھر تمام زیرِ نگیں ممالک میں یہ فرمان جاری کرادیا کہ میں نے خالدؓ کو کسی ذاتی پسند، ناپسند یا کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ اُن کے کارناموں کی وجہ سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے، اس لیے میں نے انہیں معزول کردیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کرتا ہے، خدا کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کی معزولی کے بعد اُن کے رُتبے کے لحاظ سے ایک علاقے کا گورنر مقرر کیا حضرت خالدؓ ایک سال بعد اِس منصب سے خود ہی مستعفی ہوگئے۔

20ھ میں حضرت خالدؓ بیمار پڑ گئے۔ آپ کی علالت طوالت اختیار کرگئی، جس نے آپ کے جسم کو کمزور کردیا۔ وفات سے کچھ دن قبل آپ کا ایک دوست عیادت کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے اپنے جسم کے مختلف حصے دکھائے۔ پورے جسم پر کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں زخم کا کوئی نشان موجود نہ ہو۔ پھر فرمانے لگے ''میں نے 125 جنگوں میں حصہ لیا، شہادت کو تلاش کیا''۔ آپ کو آخر دم تک اس بات کا بہت قلق رہا۔ آخر وقت میں ایک وفادار ملازم، ایک گھوڑے اور چند ہتھیاروں کے علاوہ کچھ پاس نہ تھا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 58 سال تھی۔ آپ سے اٹھارہ احادیث بھی روایت کی گئی ہیں۔

حضرت خالد کی وفات کی خبر کا علم اہلِ مدینہ کو علم ہوا تو سارے شہر میں کہرام مچ گیا۔ بنومخزوم کی عورتیں ماتم کرنے لگیں۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے مرنے پر ماتم کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہوئی تھی۔ جب حضرت خالدؓ کا جنازہ اٹھایا گیا تو آپ کی ہمشیرہ فاطمہ بنت ولید نے اپنے بھائی کی مفارقت میں جگر فگار نالہ وفغاں شروع کردیا۔ اُس وقت حضرت عمرؓ بھی اپنے دل پر

Marfat.com

قابو نہ رکھ سکے اور آپ کے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔

ایک دن حضرت عمرؓ نے ایک عمر رسیدہ عورت کو دیکھا اور پوچھا ''یہ بی بی کون ہیں جو اس قدر مغموم و پریشان ہیں''؟ لوگوں نے عرض کیا ''حضرت خالدؓ کی والدہ ہیں''۔ آپ نے فرمایا ''خوش قسمت ہے وہ ماں جس کے بطن سے خالدؓ جیسا فرزند پیدا ہوا''۔

حضرت خالدؓ کی زندگی کا زیادہ تر حصہ میدانِ جنگ میں گزرا، اِس لیے حضورِ اکرمؐ کی ذاتِ اقدسؐ سے خوش چینی کا موقع کم ملا۔ حضرت خالدؓ کے دل میں نبی اکرمؐ کا اس قدر احترام تھا کہ آپ کسی کی زبان سے حضورؐ کی شان میں کوئی ناروا کلمہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت خالدؓ ہر اُس چیز سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے جسے آنحضورؐ سے انتساب کا شرف حاصل ہوتا۔ ایک دفعہ حضورؐ کے آخری حج کے موقع پر آپؐ نے اپنے سر کے بال کٹوائے۔ حضرت خالدؓ نے وہ بال اپنے سَر کی ٹوپی میں سلوا کر محفوظ کر لیے۔ دنیا کی ایک چیز جس کے وہ اس قدر حریص تھے، وہ چیز اُن کی وہی ٹوپی تھی۔ جنگ یرموک کے روز اُن سے یہ ٹوپی کہیں گر گئی تو وہ بے حد مغموم ہو گئے۔ لوگوں نے کہا ''ایک ٹوپی کی خاطر اتنا غم کر رہے ہیں''؟ آپ نے فرمایا ''اُس میں جناب رسولؐ اللہ کی پیشانی مبارک کے کچھ بال تھے اور میں اُن کی برکت سے ہی ہر معرکے میں کامیاب و کامران ہوتا رہا ہوں۔ اِس کے گُم ہونے سے غم نہ کروں تو اور کیا کروں''۔ بہر حال اللہ کی قُدرت سے وہی ٹوپی بعد میں مل گئی اور آپ انتہائی خوش ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں ایک سڑک کا نام ''شارع خالدؓ بن ولید'' ہے اور مسجد قبلتین اسی شارع پر واقع ہے۔

Marfat.com

حضرت عمرو بن العاصؓ

آپ کا نام عمرو کنیت ابوعبداللہ، والد کا نام العاص اور والدہ کا نام لیلیٰ بنت حرملہ البالغہ تھا۔ جب مکہ میں آفتابِ نبوّت طلوع ہوا تو آپ کی عمر 35 سال تھی یعنی آپ حضور اکرمؐ سے پانچ سال چھوٹے تھے۔ آپ کے والد کا پیشہ تجارت تھا اور جوان ہو کر آپ بھی اپنے والد کے ہمراہ بغرضِ تجارت شام، مصر، بصرہ اور یمن تجارتی قافلوں میں جایا کرتے تھے۔

عمر بن العاص نے جب تک اسلام قبول نہ کیا، آنحضرتؐ کی بڑی مخالفت کی۔ کفارِ مکہ کے ستائے ہوئے مسلمانوں کا جب پہلا قافلہ ہجرت کر کے حبشہ گیا تو قریش کا جو وفد اِن لوگوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی بادشاہ کے پاس گیا تھا اُس کے سرگرم رکن عمر بن العاص ہی تھے لیکن نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کے اخراج کا مطالبہ تسلیم نہ کیا اور قریش کے وفد کو مکہ ناکام لوٹنا پڑا۔ اِس کے بعد عمرو بن العاص بھی مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں حصّہ لیتے رہے۔

غزوۂ خندق کے بعد آپ اسلام سے متآثر ہونے لگے تھے چنانچہ جب آپ جنگ سے مکہ واپس آئے تو قریش کے اِن آدمیوں کو جو آپ کی رائے سے اتفاق کرتے اور آپ کی بات توجہ سے سُنا کرتے تھے، ایک دِن اُن کو جمع کر کے کہا:

'خدا کی قسم مجھے تو اب یہ دکھائی دے رہا ہے کہ محمدؐ کا ستارہ اوج پر پہنچنے والا ہے۔ اس حالت میں یہی بہتر ہے کہ ہم حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہاں سکونت اختیار کرلیں، کیونکہ نجاشی کی حکومت میں رہنا محمدؐ کے تابع ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔ اگر محمدؐ نے ہماری

Marfat.com

قوم پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس طرح ہم اُن کی دسترس سے محفوظ ہو جائیں گے''۔

عمرو بن العاص خود اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''جب میں نے (مذکورہ بالا) تجویز اپنے قابلِ اعتماد ساتھیوں کے سامنے پیش کی تو سب نے میری تجویز سے اتفاق کیا پھر میں نے کہا کہ اب جبکہ تم نے حبشہ جانے کا قصد کر ہی لیا ہے تو نجاشی کے لیے کچھ عمدہ تحائف اور سوغاتیں لے لیں۔ ہمارے ہاں چونکہ سب سے بہتر تحفہ چمڑہ تھا۔ اس لیے ہم نے بہت سا چمڑہ اور اُس کی مصنوعات لے کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب ہم نجاشی کے محل کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ جنہیں جنابِ رسولِ اکرمؐ نے حضرت جعفر طیارؓ اور دوسرے رفقاء کی کسی ضرورت کی خاطر نجاشی کے پاس بھیجا تھا، بادشاہ کے محل میں داخل ہوئے اور کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ اس پر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم نجاشی سے درخواست کریں کہ عمرو بن امیہؓ کو ہمارے حوالے کر دے، اگر وہ ہماری درخواست قبول کر لے تو ہم اُس کو قتل کر دیں گے تا کہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمدؐ کے سفیر کا سر قلم کر کے اُن کا بدلہ لے لیا۔ یہ کہہ کر میں نجاشی کے دربار میں گیا اور حسبِ معمول پہلے سجدہ کیا۔ نجاشی بادشاہ نے خوش آمدید کہا اور پوچھا کہ ''تم میرے لیے اپنے ملک سے کیا تحفہ لائے ہو''؟ میں نے جواب دیا ''جناب بہت سا چمڑہ تحفہ میں لائے ہیں، پھر یہ تحفہ اُس کی خدمت میں پیش کر دیا، جسے اُس نے بہت پسند کیا۔ پھر موقع غنیمت جان کر عرض کیا:

''جہاں پناہ! میں نے ابھی ایک آدمی کو آپ کے دربار سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ شخص ہمارے دشمن کا ایلچی ہے، آپ کی بڑی نوازش ہو گی اگر اُسے ہمارے حوالے کر دیں تا کہ میں اسے قتل کر دوں، کیونکہ اُس نے ہمارے متعدد سرداروں اور معززینِ شہر کو تکلیفیں پہنچائی ہیں۔''

''نجاشی یہ درخواست سُن کر غضبناک ہوا اور اُس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر زور سے اپنی ناک پر مارا۔ میں یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور کہا ''جہاں پناہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات ناگوار گزرے گی تو میں آپ کی خدمت میں یہ سوال ہرگز نہ کرتا''۔ وہ بولا ''تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کے قاتل کو قتل کرنے کے لیے تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس ناموسِ اکبر

Marfat.com

(جبرائیلؑ) آتا ہے جو اس سے قبل حضرت موسیٰ کے پاس آتا رہا ہے''۔

یہ بات نجاشی بادشاہ نے بڑے شاہانہ دبدبے سے کہی۔ پھر کہا:

''اے عمرو! تمہاری حالت پر صد افسوس، اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں، ایک دن وہ اپنے دشمنوں اور مخالفین پر غالب آجائیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون بدانجام اور اُس کے لشکر پر غالب آگئے تھے۔ میرا کہا مانو اور فوراً اُن کی پیروی کرلو تمہارا اِس میں بھلا ہے''۔

حضرت عمرو بن العاص نے سُنا تو عرض کیا ''پھر اُن کی طرف سے آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیں، بادشاہ یہ سُن کر بہت خوش ہوااور اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسلام کی بیعت کرلی۔

''یہاں سے جب میں اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا تو میرے خیالات میں حیران کن تبدیلی آچکی تھی لیکن میں نے اِس تبدیلی کا اظہار اپنے ساتھیوں سے نہیں کیا اور آنحضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی غرض سے مدینہ جانے کا ارادہ کرلیا۔''

راستے میں ایک مقام پر حضرت خالد بن ولیدؓ سے ملاقات ہوئی (یہ فتح مکہ سے 6 ماہ پہلے کا واقعہ ہے) ''میں نے پوچھا اے ابوسلیمان! کہاں کا ارادہ ہے''؟ انہوں نے کہا کہ ''مجھ پر یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس لیے میں تو اسلام قبول کرنے مدینہ جارہا ہوں، آخر کب تک ہم اُن کی مخالفت کرتے جائیں گے''۔

مَیں نے کہا ''خدا کی قسم! میں بھی اسلام قبول کرنے کے لیے جارہا ہوں''۔ چنانچہ ہم دونوں مدینہ پہنچ گئے اور لباس بدل کر پاک صاف ہوکر آنحضورؐ کی خدمت میں جا حاضر ہوئے''۔

حضورِ اکرمؐ کو ہماری آمد کی اطلاع پہلے ہی ہوچکی تھی۔ آپؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے دَمک رہا تھا۔ پہلے خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی پھر عثمان بن طلحہ نے، اُس کے بعد میری باری آئی۔ میں آگے بڑھا اور حضورؐ کے آگے نہایت ادب سے جا بیٹھا لیکن شرم کے مارے میری نگاہ آپؐ کے سامنے اٹھ نہیں رہی تھی۔ میں نے دربار رسالت مآبؐ میں عرض کیا ''یارسولؐ اللہ میں بیعت کروں گا لیکن میرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردیجئے''۔ آپؐ نے فرمایا ''عمرو بیعت کرلو، اسلام اپنے گزشتہ گناہوں کو معاف کردیتا ہے''۔ چنانچہ آپ نے اپنا ہاتھ

Marfat.com

تاجدارِ مدینہ رسولِ کائناتؐ کے ہاتھ مبارک میں دے دیا اور پھر مکہ لوٹ آئے۔ مکہ میں چند دن ہی کے بعد ہجرت کر کے مدینہ واپس آ گئے اور ہجرت کی برکات سے بھی مستفیض ہوئے۔

جنابِ رسول اللہؐ حضرت عمرو بن العاصؓ کے اسلام قبول کرنے سے بہت خوش تھے۔ آپ کو اُن کی ذہنی اور عسکری صلاحیتوں پر اِس قدر بھروسہ تھا کہ آپؐ نے انہیں اسلام قبول کرنے کے چند ہی روز بعد ایک سریہ کی امارت مرحمت فرما کر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے روانہ فرما دیا اور اس طرح عمرو بن العاصؓ کو آغاز ہی سے اسلام کی خاطر خدمت سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ایک دن آنحضورؐ کو خبر ملی کہ قبیلہ قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ کے اطراف پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہو رہی ہے۔ حضورؐ نے جمادی الثانی 8ھ میں حضرت عمرو بن العاصؓ کو تین سو مجاہدین کے ساتھ اِس جماعت کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ آپ نے جاتے ہی قبیلہ قضاعہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

حضرت عمرو بن العاص میدانِ جنگ کے شہسوار ہی نہیں تھے بلکہ ایک ماہرِ سیاست، مومن اور صاحبِ عقل و دانش بھی تھے۔ آنحضرت کو چونکہ آپ کی خداداد صلاحیتوں کا بخوبی علم تھا اس لیے حضورؐ کبھی تو اُن کو میدانِ جنگ کے قائد کی حیثیت سے اُن کا انتخاب فرماتے، کبھی بتوں کے انہدام پر اُن کو مامور فرماتے اور کبھی تبلیغی امور کی انجام دہی کے لیے اپنا سفیر بنا کر بھیجتے تھے اور آنحضورؐ کے احکامات کی بجا آوری میں حضرت عمرو بن العاص کی ذاتی کوششوں کا بھی بڑا دخل تھا۔ آپ جس مہم پر جاتے فتح و کامرانی کی خوشخبری لے کر لوٹتے۔

فتحِ مکّہ کے بعد حضورِ اکرمؐ نے قرب و جوار کے جن حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے اُن میں عمان کے حکمران بھی شامل تھے اور یہ تبلیغی مہم حضور پاکؐ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد فرمائی۔ آپ کی تبلیغِ اسلام سے متاثر ہو کر عمان کا حکمران مسلمان ہو گیا۔ حضورؐ حضرت عمرو بن العاصؓ کی اس کامیابی پر بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے اُنہیں دوبارہ وہاں کے لوگوں کو اسلامی احکام سکھانے اور کتاب اللہ کا درس دینے کے لیے عمان (مسقط) روانہ فرما دیا۔

Marfat.com

فتنۂ ارتداد فرو کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے عراق و شام کی طرف توجہ دی اور 13ھ میں شام کے مختلف حصّوں میں علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اُس وقت عمان میں تھے۔ انہیں حضرت ابوبکرؓ نے لکھا ''اے ابوعبداللہ! میں تمہارے سپُرد ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جو دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے تمہارے لیے بہتر ہے، لیکن تمہاری خوشی مجھے بہرحال منظور ہے''۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب میں لکھا ''میں اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں اور اللہ کے بعد آپ اُس کے تیرانداز ہیں، اس لیے آپ کو اختیار ہے کہ اُسے جدھر چاہیں، پھینکیئے''۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق اس جواب سے بہت خوش ہوئے چنانچہ آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو عمان سے واپس بُلا کر فلسطین کی مہم پر مامور فرمایا۔

18ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا جس میں بہت سے مسلمانوں نے وفات پائی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ یہاں وبا کا زور ہے اس لیے یہاں سے فوجیں ہٹا کر کسی محفوظ مقام پر بھیج دی جائیں مگر اسلامی فوج کے امیر حضرت ابوعبیدہؓ نے عمواس چھوڑنا قبول نہ کیا۔ آخر وہ جب خود اس موذی مرض میں مبتلا ہو گئے تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو اپنا جانشین قرار دے کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ وبا کا زور چونکہ بڑھتا جارہا تھا، حضرت معاذ بن جبلؓ بھی اِس کے حملہ سے نہ بچ سکے چنانچہ انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے اسی بیماری میں جان دے دی۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے فوراً فوجوں کو دُور پہاڑی مقامات پر بھیج دیا۔ جس سے فوجیں اس وبا سے محفوظ ہو گئیں۔

شام پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت عمروؓ نے حضرت عمرؓ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی۔ حضرت عمرؓ نے مصر کی مہم کے لیے نہ صرف اجازت دے دی بلکہ چار ہزار کی تعداد میں مزید سپاہ بھی روانہ کر دی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کے شہر 'فرما' کا رخ کیا۔ 'فرما' مصر کا ایک مشہور شہر تھا جسے حکیم جالینوس کا مدفن ہونے کی وجہ سے ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہاں رومی فوجوں نے عربوں سے نبردآزما ہونے کے لیے مضبوط مورچہ بندی کر رکھی تھی تاہم حضرت عمروؓ نے لڑائی چھیڑنے میں کسی تکلف و تامّل سے کام نہ لیا اور رومیوں کو نہایت شرمناک شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے فسطاط کا ایک اہم شہر بھی فتح کر لیا۔ اسی شہر میں آپ

Marfat.com

نے براعظم افریقہ کی پہلی مسجد کی تعمیر کروائی۔

فسطاط کے بعد اسلامی سپاہ فتح کے پھریرے لہراتے مصر کے ایک اور مشہور شہر اور بحرۂ روم کی بندرگاہ اسکندریہ کا رُخ کیا۔ یہ وہی اسکندریہ ہے جسے سکندرِ اعظم نے بحرۂ روم کے ساحل پر نیا شہر تعمیر کر کے اپنے نام پر اس کا نام رکھا اور اب یہ رومی حکومت کا دوسرا دارالحکومت اور ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ اسکندریہ اپنی رونق، خوبصورتی، چمک دمک، استحکام، فصیلوں، خوبصورت عمارتوں، محلّوں اور سرسبز باغات کے لحاظ سے یکتائے زمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ، خوبصورت بندرگاہ اور جغرافیائی محلِ وقوع کے لحاظ سے بڑی عظمت کا حامل تھا۔ شمال میں اِس شہر کی حفاظت سمندر کر رہا تھا، جنوب میں ایک نہر اور مغرب میں ایک اور نہر شعبان اس شہر کا پہرہ دے رہی تھی۔ عرب فوجوں کی پیش قدمی کے لیے شہر کا ایک ہی راستہ رہ گیا تھا جو کریوں اور اسکندریہ کے درمیان چلتا تھا۔ حضرت عمرو شہر کے مشرقی جانب خیمہ زن ہو گئے۔ مسلمانوں کی سپاہ نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا لیکن اس کے قلعے اس قدر مضبوط اور مستحکم تھے کہ دو مہینے تک کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ جب محاصرہ طویل ہو گیا تو خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ پریشان ہو گئے۔ آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو خط بھیجا اور لکھا کہ جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خُطبہ دو اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو مَیں نے افسر بنا کر بھیجا ہے، فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج یکبارگی دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر المومنینؓ کی ہدایات کے مطابق تمام فوج کو یکجا کر کے جہاد پر خُطبہ دیا اور ایک ایسی موٴثر تقریر کی کہ خوابیدہ آگ میں چنگاری بھڑک اٹھی، بجھے ہوئے جوش اور ولولے تازہ ہو گئے۔ پھر حضرت عبادہ بن صامتؓ کے نیزے پر اپنا عمامہ لٹکا کر اُن کے حوالے کیا اور کہا یہ تمہارا علَم ہے اور آپ اس فوج کے سردار ہیں۔ حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت مسلمہؓ کو فوج کا ہراول مقرر کیا۔ غرض مسلمان سپاہ نے قلعے پر نعرۂ تکبیر بلند کر کے دھاوا بول دیا اور پہلے ہی حملے میں شہر فتح ہو گیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے قاصد کے ہاتھ مژدۂ فتح دربارِ خلافت کی طرف بھیج دیا۔ حضرت عمرؓ فتح کی خبر سُن کر بہت مسرور ہوئے اور اُسی وقت خدا کے حضور سجدۂ شکر بجالائے۔

Marfat.com

اسکندریہ کی مکمل تسخیر کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے برقہ، زویلہ اور طرابلس ایسے مشہور و معروف اور مضبوط شہروں کو بھی فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔

ان فتوحات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر کی حکومت پر سرفراز فرمایا۔ کچھ دنوں بعد حضرت عمرؓ کی شہادت کا حادثہ رونما ہوا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔

27ھ کے آغاز ہی میں حضرت عثمانؓ نے حضرت عمروؓ کو کسی وجہ سے مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا اور اُن کی جگہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کی گورنری پر مامور فرمایا۔ حضرت عمروؓ اپنی معزولی کے بعد حضرت عثمانؓ سے کچھ ناراض تھے تاہم آپ حضرت عثمانؓ کے اُسی طرح خیرخواہ رہے جس طرح معزولی سے قبل تھے۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف مصر سے باغیوں کا گروہ چلا اور حضرت عثمانؓ کو اُس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عمروؓ کو اُن لوگوں کو سمجھانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عمروؓ نے اپنے سابقہ اثر و رسوخ سے کام لے کر اُن لوگوں کو منا لیا اور واپس کر دیا اور شہر کے لوگوں کو جمع کر کے حضرت عثمانؓ کی طرف سے صفائی پیش کی۔

حضرت عثمانؓ کو خود حضرت عمرو پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو آپ اُن سے مشورہ کرتے اور حضرت عمرو بن العاصؓ بھی نہایت خیرخواہانہ مشورہ دیتے۔ معزولی کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے سیاسی زندگی ترک کر کے فلسطین میں اقامت اختیار کر لی۔ آپ کبھی کبھی مدینہ منورہ آتے اور پھر فلسطین واپس لوٹ جاتے۔ جن دنوں حضرت عثمانؓ محصور تھے آپ مدینہ ہی میں تھے لیکن آپ نے جب دیکھا کہ حالات قابو سے باہر ہو گئے ہیں اور فتنہ و فساد کی آگ کسی طرح بھی بجھنے نہیں پا رہی تو یہ کہا کہ ''حضرت عثمانؓ کے قتل میں جس کا ہاتھ ہو گا اُس کو خدا ذلیل کرے گا۔ جو شخص اُن کی مدد نہ کر سکتا ہو اُس کو مدینہ چھوڑ دینا چاہیے'' اور پھر خود شام چلے گئے۔ یہ 35ھ کا واقعہ ہے۔

43ھ میں حضرت عمرو بن العاصؓ سخت بیمار پڑ گئے۔ اُس وقت وہ امیر معاویہؓ کی طرف سے مصر کے حاکم تھے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ جس وقت حضرت عمرو قریب المرگ تھے تو ہم لوگ اُن کے پاس حاضر ہوئے۔ وہ دوسری جانب دیوار کی طرف منہ پھیر کر رو رہے تھے۔ اُن

Marfat.com

کے بیٹے عبداللہ نے دلاسا دیا کہ آپ کو کیا چیز رُلاتی ہے، کیا آپ کو جنابِ رسولؐ اللہ نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دیں؟ پھر انہوں نے لوگوں کی طرف منہ کیا اور کہا کہ میرے پاس افضل ترین دولت کلمہ طیبہ کی شہادت ہے۔

اس کے بعد اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت کی ''جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل معمولی پانی سے دینا پھر کپڑے سے پانی خشک کر کے تازہ اور صاف پانی سے نہلانا، تیسری دفعہ ایسے پانی سے غُسل دینا جس میں کسی قدر کافور ملا ہو پھر کپڑے سے خشک کرنا۔ پھر تابوت پر اٹھانا اور ایسی رفتار سے چلنا جو دونوں رفتاروں (سست وتیز) کے درمیان ہو۔ لوگوں کو جنازہ کے پیچھے رکھنا کہ اِس کے آگے ملائکہ چلتے ہیں، پچھلا حصہ بنی آدم کے لیے ہے۔ قبر میں رکھ کر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا''۔

اس کے بعد آپ دعا میں مصروف ہو گئے ''اے اللہ! تُو نے حکم دیا، میں نے حکم عدولی کی، تو نے ممانعت فرمائی، میں نے نافرمانی کی، میں بَری نہیں ہوں کہ معذرت کروں، طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں''۔ اس طرح کلمہ طیبہ کا ورد کرتے کرتے اپنی جان، جان آفرین کے سپُرد کر دی۔ یکم شوال 43ھ بعد از نمازِ عید الفطر آپ کے صاحبزادے نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور فقطم میں سپردِ خاک کیے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر 91 سال تھی۔ 39 احادیثِ مبارکہ آپ سے مروی ہیں۔

Marfat.com

حضرت حمزہؓ

یہ اُس وقت کی بات ہے جب جناب محمد الرسول اللہؐ کی دعوت کو دیکھ کر قریش کے کان کھڑے ہو گئے تھے لیکن ابھی اُن کی نیندیں نہیں اُڑی تھیں۔ یہ دور آپ کی دعوت کا ابتدائی دور تھا اور آپؐ انتہائی خفیہ اور رازداری کے انداز میں دعوتِ دینِ اسلام پیش کر رہے تھے۔ اس وقت جو لوگ آپؐ کی دعوت پر ایمان لائے تھے، اُن کی تعداد انتہائی کم تھی۔ آپ پر ایمان نہ لانے والوں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو آپؐ سے بہت محبت رکھتا تھا اور آپ کو بہت زیادہ احترام دیتا تھا۔ پھر جب یہی شخص آپؐ پر ایمان لایا اور آپؐ کے مبارک قافلے میں شامل ہونے کے لیے ذوق وشوق سے آگے بڑھا تو اُس کا معاشرہ اور ارد گرد کا ماحول اُن کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔ یہ شخص آپؐ کے چچا اور دودھ شریک حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب تھے۔

حضرت حمزہؓ اپنے بھتیجے کی عظمت وکمال سے بخوبی واقف تھے، وہ آپ کو محض اپنے بھائی کا بیٹا ہونے کے ناتے ہی سے نہیں جانتے تھے بلکہ آپ کو بھائی اور دوست کی حیثیت سے بھی پہچانتے تھے۔ رسول اللہ اور آپؓ ایک ہی دور میں پیدا ہوئے تھے اور ہم عمر تھے، بچپن میں اکٹھے کھیلے تھے بھائی بھائی کی طرح اکٹھے اٹھتے بیٹھتے تھے۔

حضرت حمزہؓ آپؐ سے عمر میں چار سال بڑے تھے یعنی آپ عام الفیل سے چار سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ آپ کا نام حمزہ، ابوعمارہ کنیت، اسد اللہ اور اسدِ رسولؐ لقب تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: حمزہؓ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب۔ حضورِ اکرم کی

Marfat.com

والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ بنت وہب حضرت حمزہؓ کی والدہ ہالہ بنت وہب زہرہ کی چچا زاد بہن تھیں، اس نسبت سے حضرت حمزہؓ آپؐ کے خالہ زاد بھائی بھی تھے۔ دوسرے یہ کہ ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے جنابِ رسولؐ اللہ اور حضرت حمزہؓ کو بچپن میں دونوں کو دودھ پلایا تھا، اس لحاظ سے حضرت حمزہؓ آپؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔

شمشیرزنی، تیراندازی اور پہلوانی کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ آپ کو شکار سے بھی بہت شغف تھا۔ ایک روز حضرت حمزہؓ حسبِ معمول شکار سے واپس آئے تو عادت کے مطابق پہلے کعبہ گئے تاکہ گھر جانے سے قبل طواف کریں۔ کعبہ کے قریب کوہ صفا کے پاس آپ کو عبداللہ بن جدعان کی خادمہ ملی، وہ آپ کو دیکھتے ہی کہنے لگی ''ابوعمارہ کاش! تمہیں معلوم ہو جائے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارے بھتیجے محمدؐ کے ساتھ ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) نے کیا سلوک کیا ہے؟ وہ خانہ کعبہ میں اپنے نئے مذہب کا وعظ کر رہے تھے کہ ابوالحکم (ابوجہل) نے سخت گالیاں دیں اور بہت بُری طرح ستایا اور برا بھلا کہا لیکن محمدؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے عالم میں لوٹ گئے۔''

حضرت حمزہؓ نے توجہ سے خادمہ کی بات سُنی پھر لمحہ بھر کے لیے سر جھکایا، اپنی کمان کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اُس کو مضبوطی سے کندھے پر رکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کعبہ کی جانب چل پڑے تاکہ وہیں ابوجہل سے ٹاکرا ہو جائے۔

حضرت حمزہؓ کعبہ کے نزدیک پہنچے تو ابوجہل صحنِ کعبہ میں ساداتِ قریش کے درمیان براجمان تھا۔ حضرت حمزہؓ باوقار اور پرسکون مگر غضبناک انداز میں ابوجہل کی طرف بڑھے اور اپنی کمان سیدھی کر کے ابوجہل کے سَر پر دے ماری اور اُس کو خون آلود کر دیا۔ حاضرینِ مجلس کے سنبھلنے سے پہلے ہی حمزہؓ گرج کر ابوجہل سے کہتے ہیں'' کیا تم محمدؐ کو گالیاں دیتے ہو جبکہ میں بھی اُس کے دین پر ہوں، میں بھی وہی کہتا ہوں، جو وہ کہتا ہے، اگر تمہارے اندر کچھ طاقت ہے تو مجھے بھی کچھ کہہ کر دیکھو۔''

حاضرین اس توہین آمیز سلوک اور ابوجہل کے سر سے بہتے خون کو بھول گئے اور اُن الفاظ پر توجہ مرکوز کر لی جنہوں نے اُن کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ یہ ایک ایسی قیامت تھی

Marfat.com

جس کو روکنا قریش کے بس کی بات نہ تھی۔ ابوجہل نے کہا ''ابوعمارہ کو کچھ نہ کہو'' خدا کی قسم! میں نے بھی اُس کے بھتیجے کو سخت گالیاں دی ہیں''۔

حضرت حمزہؓ نے فرمایا ''جب اُس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہوگئی تو کون چیز اُس سے باز رکھ سکتی ہے ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسولؐ ہیں۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں، سب حق ہے، خدا کی قسم اب میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو''۔

یہ واقعہ اسلام کے اُس زمانے کا ہے جب آنحضرتؐ دارِ ارقم میں پناہ گزیں تھے اور ابھی مسلمان صرف چند لوگوں پر ہی مشتمل تھے۔ لیکن حضرت حمزہؓ کے اضافے سے دفعۃً حالت بدل گئی اور کفار کے دلوں پر آری چلنے لگی کیونکہ حضرت حمزہؓ کی شجاعت و بہادری کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا۔ حضرت حمزہؓ کے قبولِ اسلام کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ نے آستانۂ نبویؐ پر دستک دی، چونکہ وہ شمشیر بکف تھے اِس لیے صحابہ کرامؓ کو تشویش لاحق ہوئی مگر شیر خدا نے کہا ''کچھ مضائقہ نہیں آنے دو اگر وہ مخلص دِل کے ساتھ آرہے ہیں تو خیر، بصورتِ دیگر انہی کی تلوار سے اُن کا سر قلم کردوں گا'' غرض دروازہ کھولا گیا، عمرؓ اندر داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ اُن کا سَر آستانۂ نبوت پر جھک چکا ہے اور زبان سے کلمۂ توحید جاری ہے۔ چنانچہ حاضرین یہ رویّہ دیکھ کر جوشِ مسرت سے اللہُ اکبر کے نعرے بلند کرنے لگے۔

بعثت کے تیرھویں سال جب ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا تو حضرت حمزہؓ بھی صحابۂ کرام کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور مؤاخات میں حضرت سعد بن خثیمہؓ کے بھائی بنائے گئے۔

مدینہ کی فضاؤں میں چونکہ مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی حاصل تھی اس لیے حضرت حمزہؓ کو خداداد شجاعت کے جوہر دکھانے اور اپنا زورِ بازو آزمانے کے مواقع میسّر آئے۔ ہجرت کے پہلے ہی سال رمضان میں آنحضرتؐ نے پہلا علَم اُن کو عنایت فرمایا اور تیس صحابۂ کرام کی جماعت کے ساتھ قریش کی اُس جماعت کے مقابلہ پر بھیجا جو ابوجہل کی سربراہی میں 300 کفار پر مشتمل شام سے مکہ واپس آرہی تھی۔ حضرت حمزہؓ ''سیف البحر'' کے قریب پہنچے تو کفار سے آمنا سامنا ہوگیا۔ طرفین نے جنگ بندی کے لیے صف بندی کی لیکن ایک شخص مجدّی بن عمر نے فریقین کو سمجھا بجھا کر لڑائی سے روک دیا اور حضرت حمزہؓ بغیر کسی شکست وخون بخیریت مدینہ واپس

Marfat.com

آ گئے۔ یہ اسلام کا پہلا سَریہ تھا جو دُشمن کے مقابلے کے لیے نکلا جس کے امیرِ لشکر حضرت حمزہؓ تھے اور آپ پہلے مسلمان تھے جن کو حضورِ اکرمؐ کے دستِ مبارک سے پرچم عطا کیا گیا۔

ہجرت کے دوسرے سال 17 رمضان المبارک کو بدر کا عظیم معرکہ پیش آیا۔ صف آرائی کے بعد کفار کی طرف سے عُتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں نکلے اور اُن کے مقابلہ پر مسلمانوں کی طرف سے چند انصاری نوجوان آگے بڑھے لیکن عُتبہ نے پکار کر کہا ''محمدؐ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑتے، ہمارے مقابل والوں کو بھیجو۔ آنحضرتؐ نے ادھر سے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کا نام لیا۔ آنحضرتؐ کے حکم کی دیر تھی یہ تینوں اسلام کے جذبے سے سرشار اپنے اپنے نیزے لہراتے ہوئے نبرد آزمائی کے لیے اپنے حریفوں کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کے مقابلہ پر عُتبہ تھا جسے آپ نے ایک ہی وار میں واصلِ جہنم کر دیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابوعبیدہ بھی اپنے اپنے حریفوں پر غالب آئے۔ مشرکین نے جب ابتدا ہی میں اپنی درگت بنتے دیکھی تو انھوں نے طیش میں آ کر عام ہلّہ بول دیا۔ مجاہدین اسلام شیروں کی طرح کفّار پر جھپٹ پڑے۔ پھر کیا تھا، گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت حمزہؓ کے سَر پر شترمُرغ کی کلغی تھی اس لیے کفار کی صفوں میں جس طرف گُھس جاتے، دور ہی سے صاف نظر آتے تھے۔ آپ کے دونوں ہاتھوں میں تلوار تھی اور مردانہ وار کفار کی ٹھکائی کرتے جا رہے تھے۔ غرض تھوڑی ہی دیر بعد جب کفار بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کر گئے تو بعض قیدیوں نے پوچھا ''یہ کلغی لگائے کون تھا''؟ لوگوں نے کہا ''حمزہؓ'' بولے ''آج سب سے زیادہ نقصان ہم کو اِسی نے پہنچایا''۔

قریش کو بدر کے لگے ہوئے زخم چاٹتے ہوئے اُن کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے وہ اگلے سال ماہِ شوال 3ھ میں غیض و غضب کا بادل بن کر مدینہ کی طرف اُمڈ آئے۔ آنحضورؐ نے بھی 700 جانثاروں کے ساتھ اُن کو اُحد کے دامن میں روکا۔ سات شوال بروز ہفتہ لڑائی شروع ہوئی۔ قریش کے سرداروں نے اِس معرکہ کا ہدف صرف دو شخصیات کو بنایا ایک اللہ کے رسولؐ اور دوسرے حمزہؓ۔

قریش نے مکہ سے روانگی سے قبل ایک شخص کو منتخب کیا جسے حضرت حمزہؓ کو انجام تک

Marfat.com

پہنچانے کا کام سونپا گیا۔ یہ شخص ایک حبشی غلام تھا۔ اہلِ قریش نے اُسے بہت بڑے انعام کا لالچ دے کر اُسے آزاد کر دینے کا وعدہ دیا تھا۔ یہ آدمی جس کا نام وحشی تھا، جُبیر بن مطعم کا غلام تھا اور جُبیر کا چچا میدانِ بدر میں مارا گیا تھا۔

پھر قریش نے وحشی کو ابوسفیان کی بیوی ہند کے حوالے کر دیا تا کہ وہ اس مقصد کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کے لیے اُسے ذہنی طور پر پختہ کرے جو قریش کے پیشِ نظر تھا۔ دراصل ہند کا باپ، چچا، بھائی اور ایک بیٹا میدانِ بدر میں مارے گئے تھے اور اُسے بتایا گیا تھا کہ اُن لوگوں میں سے کچھ کو حمزہؓ نے خود قتل کیا تھا اور کچھ کے قتل میں دوسروں کی مدد کی تھی۔ ہند نے وحشی سے یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اسے اپنا بیش قیمت زر و جواہر سے مُرصّع ہار دے دے گی۔ پھر اُس ہار کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا ''یہ ہار تیرا ہو گا اگر تو حمزہ کو قتل کر دے''۔

آخر کار غزوہ اُحد کا روز آ گیا اور دونوں لشکر آمنے سامنے ڈٹ گئے۔ حضرت حمزہؓ جنگی لباس میں ملبوس لڑائی کے وسط میں پہنچ گئے۔ آپ اِدھر اُدھر اپنی خداداد طاقت و مہارت کے جوہر دکھا رہے تھے، جس مُشرک کی طرف بڑھتے تو اُس کا سر تن سے جدا کر کے رکھ دیتے۔ آپؓ مشرکینِ مکّہ کی گردنیں اس طرح اُڑا رہے تھے جیسے موت آپ کے حکم کی پابند ہو۔ وحشی بھی صلۂ آزادی اور قیمتی ہار کے لالچ میں ایک چٹان کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گیا اور حضرت حمزہؓ کا انتظار کرنے لگا۔ اتفاقاً حضرت حمزہؓ اُس کے قریب سے گزرے تو اُس نے اچانک اِس زور سے اپنا حربہ پھینک کر مارا کہ آپ شدید زخمی ہو کر گر پڑے اور اپنی جان اللہ کے سپُرد کر دی۔ چونکہ سب کفار اسی شیرِ خدا کے حملوں سے سہمے ہوئے تھے۔ اس لیے اُن کی شہادت سے کفار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عُتبہ نے حضرت حمزہؓ کے کان ناک کاٹ کر ہار بنایا اِس کے علاوہ شکم چیر کر جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد آپ شُہدا کے چہرے شناخت کر رہے تھے۔ اسی دوران آپؐ چلتے چلتے رک گئے، دیکھتے ہیں اور خاموش ہو جاتے ہیں، اوپر نیچے کے دانتوں کو باہم ملاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ یہ بات آپؐ کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ عربوں کی

Marfat.com

فطرت اس قدر بدترین درندگی کا مظاہرہ کرنے پر بھی اُتر سکتی ہے کہ کسی میت کے چہرے کا مثلہ کردیا جائے۔آپ نے دیکھا وہ میت جس کا مُثلہ کیا گیا ہے وہ آپؐ کے شہید چچا اسد اللہ واسد الرسول سید الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی ہے۔ رسول اللہؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی رواں تھی۔آپؐ نے اپنے عزیز چچا اور رضاعی بھائی کی لاش پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا:

"تیرے صدمے جیسا صدمہ مجھے کبھی نہیں پہنچے گا، میں آج اِس سے بڑھ کر زندگی میں کسی غضب انگیز واقعہ سے دوچار نہیں ہوا"۔

آپؐ نے فرمایا:

"اگر اللہ نے کسی موقع پر مجھے قریش پر غلبہ عطا کیا تو میں اُن کے تیس آدمیوں کا مُثلہ کر کے چھوڑوں گا"۔ صحابہ یہ سُن کر فوراً بول پڑے "اللہ کی قسم! اگر اللہ نے ہمیں ایک دن بھی قریش پر غلبہ دیا تو ہم اِن کا ایسا مُثلہ کریں گے کہ عرب کی سرزمین پر کسی نے ایسا مُثلہ نہیں کیا ہوگا"۔

جنابِ رسولؐ اللہ اس شدید تنبیہہ سے فارغ ہوئے ہی تھے اور ابھی اس جگہ سے ہلنے بھی نہ پائے تھے کہ آیت کریمہ کی صورت میں وحی آگئی (اللہ نے وحی کے ذریعے ناجائز انتقام کی ممانعت کردی تھی)۔ اِس لیے آپؐ نے قسم کا کفارہ دے کر اس واقعۂ دل گداز پر صبر فرمایا۔

رسولِ اکرمؐ اپنے چچا حضرت حمزہؓ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضرت حمزہؓ جنابِ رسولؐ اللہ کے چچا ہی نہیں دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ وہ آپؐ کے بچپن کے ساتھی اور زندگی بھر کے دوست تھے۔

حضرت حمزہؓ کی مفارقت کے اِن لمحات میں رسولؐ اللہ کے پاس اس سے بہتر کوئی ہدیہ اور تحفہ نہ تھا کہ آپؐ اُن کی نمازِ جنازہ تمام شہداءِ اُحد کی تعداد کے برابر ادا کرتے۔ حضرت حمزہؓ کا جسدِ میت ارضِ معرکہ کے اس مقام سے اُٹھا کر لایا گیا جہاں اُن کا خون گرا تھا اور آپ شہید ہوئے تھے۔ جنابِ رسولؐ اللہ اور آپؐ کے صحابہ نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ پھر ایک شہید کو لایا گیا اور حضرتِ حمزہ کے پہلو میں رکھ کر اُس کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ اب اس شہید کی لاش کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا جاتا اور حضرت حمزہؓ کی لاش کو وہیں رہنے دیا جاتا اور تیسرے شہید کو لاکر

Marfat.com

حضرت حمزہؓ کے پہلو میں رکھ کر آپؐ نے اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی۔ اس طرح ایک کے بعد دوسرا شہید لایا جاتا اور اُس کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی اور اسے ایک طرف رکھ دیا جاتا حتیٰ کہ رسولؐ اللہ نے ستر بار اپنے چچا کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

حضرت حمزہؓ کو وحشی بن حرب نے شہید کیا تھا چنانچہ جب فتح مکہ کے وقت قبولِ اسلام کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرتؐ نے انہیں دیکھ کر پوچھا ''کیا تم وہی وحشی ہو''؟ عرض کی ''ہاں''۔ آپؐ نے فرمایا ''تم نے حمزہ کو شہید کیا تھا''؟ وہ بولے حضور کو جو کچھ معلوم ہے صحیح ہے'' ''تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو''؟ حضرت وحشی اُسی وقت اُٹھ کر باہر آگئے اور پھر جب تک آنحضورؐ حیات رہے، آپؐ کے سامنے نہ آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں مسیلمہ کذاب کو حضرت وحشیؓ نے اُسی حربے سے قتل کیا جس سے انہوں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ ''حضرت وحشی اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے جاہلیت میں ''خیر الناس'' کو شہید کیا اور اسلام میں ''شر الناس'' مسیلمہ کذاب کو''۔

Marfat.com

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب

ماشاء اللہ آپ کا تعارف اور شجرۂ نسب یہ کیا کم ہے کہ آپ حضورِ اکرمؐ کے سگے چچا تھے۔آپ آنحضورؐ کے والدِ محترم جناب حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے عمر میں 22 برس چھوٹے تھے۔آپ حضرت رسولِ اکرمؐ کے دادا عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے اور حضورِ اکرمؐ آپ سے تین سال چھوٹے تھے۔یعنی حضرت عباسؓ عام الفیل سے تین سال قبل پیدا ہوئے تھے۔آپ کی والدہ ماجدہ کا نام نبیلہ بنت جناب تھا۔

اسد الغابہ میں تحریر ہے کہ بچپن میں حضرت عباسؓ ایک مرتبہ کہیں گُم ہو گئے تھے۔والدہ بہت ہی پریشان ہوئیں، جن کا جگر کا ٹکڑا آنکھوں سے اوجھل ہو جائے، اُن کی آنکھوں اور دل کو چین کہاں ملتا ہے۔انہوں نے نذر مانی کہ اگر میرا فرزند مل جائے تو میں خانۂ خدا پر ریشم کا غلاف چڑھاؤں گی۔آخر والدین کی دعائیں اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوئیں اور حضرت عباس بخیر وعافیت مل گئے، چنانچہ والدہ نے جو نذر مانی تھی بڑی خوشی کے ساتھ پوری کی۔کہا جاتا ہے کہ وہ عرب کی پہلی خاتون تھیں جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں خانہ کعبہ پر ریشم کا غلاف چڑھایا۔

حضرت عباسؓ جس قدر رسول اللہؐ سے محبت رکھتے تھے جناب رسول اللہ بھی اُسی قدر دل کی گہرائیوں سے اُن کو عزت واحترام دیتے۔حالانکہ آپ دونوں کی عمروں میں بہت تھوڑا فرق تھا لیکن آنحضرتؐ حضرت عباسؓ کو بمنزلۂ والد ہی سمجھتے تھے۔جس طرح بڑا بھائی باپ کی طرح شفقت رکھتا ہے اس طرح آپؐ اور حضرت عباسؓ کے درمیان بڑا متبرک رشتہ تھا۔حضرت

Marfat.com

عباس جس طرح رسول اللہ سے محبت رکھتے تھے، رسولؐ اللہ بھی اُسی قدر اُن کو عزت و احترام دیتے۔ آپؐ اپنے چچا کی تعریف و ستائش کرتے اور اُن کی خوبیوں کا ذکر کیا کرتے، بلکہ یہ ساری خوبیاں حضرت عباسؓ میں درحقیقت بدرجہ اُتم موجود تھیں۔ آپؐ فرمایا کرتے کہ چچا عباسؓ میرے باپ دادا کی نشانی ہیں، یہ عباسؓ بن عبدالمطلب قریش کے سب سے بڑے سخی اور رشتوں کا سب سے زیادہ لحاظ رکھنے والے ہیں۔ جس طرح حضرت حمزہؓ رسول اللہ کے چچا بھی تھے اور دوست بھی اسی طرح حضرت عبّاس آپؐ کے چچا بھی تھے اور رفیق بھی۔

زمانۂ جاہلیت میں حضرت عباسؓ کا شمار قریش کے مانے ہوئے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ آپ ایک کامیاب تاجر بھی تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ یمن شام بصرہ کے علاقوں میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ طائف میں اُن کا ایک باغ بھی تھا۔ وہ حضرت علیؓ کے والد اور سوتیلے بھائی حضرت ابوطالب سے زیادہ خوشحال تھے۔ حضرت عباسؓ کے دادا کیونکہ حاجیوں کو پانی پلانے والے یعنی ''سقایہ'' کے عہدہ دار تھے، اُن کے فوت ہونے کے بعد حضرت ابوطالب نے یہ عہدہ اور ذمہ داری حضرت عباسؓ کو سونپ دی تھی۔ اس طرح حاجیوں کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے کی ذمّہ داری اُن کو ورثے میں ملی تھی جس کو حضرت عباسؓ باحسن وخوبی سرانجام دے رہے تھے۔ اس لیے اِن کا لقب 'ساقی الحرمین' بھی تھا اور یہ اُس وقت ایک بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

آنحضورؐ نے جب اعلانِ حق فرمایا تو جن خوش قسمت لوگوں نے آپ کی آواز پر بغیر کسی تردّد کے لبیک کہا اُن میں حضرت عباسؓ کی زوجہ محترمہ حضرت اُمِ فضل بنت حارث بھی تھیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ اُم المومنینؓ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد دوسری خاتون تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور 'سابقون الاوّلون' کہلائیں۔ خود حضرت عباس نے اسلام قبول کرنے کا کھلم کھلا اظہار تو نہ کیا لیکن مشرکین مکہ کے مقابلہ میں انہوں نے اپنے بھتیجے حضورؐ کی رفاقت، معاونت اور حفاظت میں کوئی بھی لمحہ فروگزاشت نہ کیا۔ مستند روایات کے مطابق حضرت عباسؓ نے فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور اُس موقع پر ہجرتِ مدینہ کا شرف بھی حاصل کیا۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت عباسؓ بعثتِ نبویؐ کے ابتدائی ایام ہی

Marfat.com

میں ایمان لا چکے تھے لیکن کچھ مصلحتوں کے پیشِ نظر آپ نے اسلام لانے کے اقرار کو چھپائے رکھا اور ظاہری طور پر مشرکین سے معمول کے روابط جاری رکھے، بلکہ یہاں تک لکھا گیا ہے کہ آپ آنحضور کو ہجرت کے بعد مکہ کے مشرکین کی خبروں سے آگاہ فرمایا کرتے تھے۔ اُن کی دلی خواہش تھی کہ یہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں لیکن حضورِ اکرمؐ نے انہیں پیغام بھیجا کہ آپ مکہ میں ہی قیام رکھیں۔

مسلمانوں کے خلاف مشرکینِ مکہ کے ظالمانہ دور میں حضرت عباسؓ نے ہمیشہ حضورِ اکرمؐ کا پورا پورا ساتھ دیا۔ حضورِ اکرمؐ جب ایامِ حج میں عرب قبائل کو دعوتِ توحید دینے تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی حضرتِ عباس بھی آپؐ کے ساتھ ہوتے۔ بیعتِ عقبہٗ ثانیہ کے موقعہ پر موسمِ حج میں جب مدینہ سے 73 مرد اور دو خواتین کا وفد آیا تا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے بیعت کریں اور رسولؐ اللہ کے مدینہ ہجرت کرنے کے سلسلہ میں باہمی صلاح ومشورہ کریں تو اس موقع پر اِس وفد کے آنے اور بیعت کرنے کی خبر اپنے چچا عباسؓ تک پہنچائی کیونکہ رسول اللہ کو اپنے چچا کی ہر طرح کی رائے پر اعتماد تھا۔ ملاقات کا وقت اور مقام خفیہ رکھا گیا تھا۔

حضرت عباسؓ نے مدینہ سے آئے ہوئے وفد سے کہا ''اے خزرج! تمہیں معلوم ہے کہ محمدؐ ہم میں سے ہیں اور ہم نے اُن کو اپنی قوم سے اس طرح بچا کر رکھا ہوا ہے کہ وہ اپنی قوم میں ایک معزز و باوقار حیثیت رکھتے ہیں لیکن وہ یہ سب کچھ چھوڑ کر تمہارے پاس آرہے ہیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ جس چیز کی طرف تم نے اُنہیں بلایا ہے اُس سے وفاداری کرو گے اور انہیں ہر اُس شخص سے بچاؤ گے جو اُن کی مخالفت کرے گا تو پھر تم جو کر رہے ہو خوشی سے کرو اور اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اُن کو اپنے پاس لے جا کر بے یار و مددگار چھوڑ دو گے اور انہیں رُسوا کرو گے تو ابھی سے پیچھے ہٹ جاؤ اور انہیں وہاں نہ لے جاؤ۔

انصار بھی وہ لوگ تھے جو حضرت عباس کی گفتگو یوں ہمہ تن گوش سُن رہے تھے گویا وہ کوئی انسانی چٹانیں ہوں۔ جب حضرت عباس نے انصار سے بات ختم کی تو انصار میں سے حضرت عبداللہ بن عمرو نے جناب عباس کے مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''ہم اللہ کی قسم، اہلِ حرب ہیں، ہمیں جنگ کی غذا دی گئی ہے۔ اپنے آباؤ

Marfat.com

اجداد سے نسل در نسل ہمیں یہ وراثت میں ملی ہے۔ ہم پہلے تیر اندازی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم میں سے جو پہلے موت کے منہ میں جانے والا ہوتا ہے وہ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے پھر ہمارا دشمن ہمارے ہاتھوں موت کا شکار ہو جاتا ہے"۔

حضرت عباس نے کہا بے شک تم جنگ آزما لوگ ہو۔ انصاریوں نے مزید کہا کہ:

"واللہ ہمارے دلوں میں کچھ اور ہوتا تو ہم صاف صاف کہہ دیتے مگر ہم تو محمدؐ کے ساتھ سچی وفاداری کرنا اور آپؐ کے لیے اپنی جانیں لڑا دینا چاہتے ہیں۔ ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے اور ہم ہمیشہ حضورؐ کے آگے سینہ سپر رہیں گے"۔

اس کے بعد اہلِ مدینہ میں سے کچھ اور اصحاب نے اپنی جانثاری اور وفا شعاری کا یقین دلایا۔ جب وہ سب حضورؐ کی بیعت سے مشرف ہو چکے تو آپؐ حضرت عباسؓ کے ساتھ اپنے گھر کو چلے گئے۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سرورِ عالمؐ مکے سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ رمضان 2ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا تو مسلمانوں کے مقابلے پر اہل مکہ کے لشکر میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے جو مشرکین کے مجبور کرنے پر سخت ناگواری کے ساتھ شریکِ جنگ ہوئے تھے۔ حضرت عباس بھی ایسے اشخاص میں شامل تھے۔ غزوۂ بدر میں مشرکین کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کے تقریباً ستر آدمی میدانِ جنگ میں مارے گئے اور تقریباً اُسی قدر مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہوئے، اُن قیدیوں میں حضرت عباس بھی شامل تھے۔ اُن قیدیوں کو اس طرح کس کے باندھ دیا گیا کہ وہ رات کو تکلیف سے بار بار کراہتے تھے۔ جب آپؐ کے چچا نے حالتِ اسیری میں رات گزاری تو آپؐ رات بھر سو نہ سکے۔ آپؐ نے اپنے ایک صحابی کو حکم دیا کہ "جاؤ اور تمام قیدیوں کے ساتھ نرمی کر دو"۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عباس کی والدہ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا۔ اس لیے انصار نے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ "عباس ہمارے بھانجے

Marfat.com

ہیں، ہم اُن کا فدیہ چھوڑتے ہیں''۔ حضورؐ نے اصولِ مساوات کے پیشِ نظر حضرت عباس کے صاحبِ حیثیت ہونے کی بنا پر انصار کی درخواست قبول نہ فرمائی اور حضرت عباس سے ایک بڑی رقم بطورِ فدیہ طلب فرمائی۔

حضرت عباس نے زرِ فدیہ کے مطالبے میں عرض کیا کہ میں تو درپردہ مسلمان ہوں۔ میری قوم مجھے مجبور کر کے لے آئی۔ لیکن رسولؐ اللہ نے فدیہ لینے پر اصرار کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''مدارج النبوۃ'' میں یہ روایت درج کی ہے کہ حضرت عباس مکے سے اپنے ساتھ بیس اوقیہ سونا اس غرض سے لائے تھے کہ واپسی پر قریش کے لشکر کو کھانا کھلائیں گے، لیکن جب وہ گرفتار ہو گئے تو اُن سے وہ سونا لے کر مالِ غنیمت میں داخل کر دیا گیا۔ حضرت عباس نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یہ بیس اوقیہ سونا میرا فدیہ سمجھا جائے لیکن حضورؐ نے اِن کی استدعا قبول نہ کی۔ اسی ضمن میں امام احمد بن حنبلؒ اور ابن جریر طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عباس نے فدیہ کے مطالبے پر عرض کیا کہ میں تو درپردہ مسلمان ہوں، قریش نے زبردستی مجھے اس لڑائی میں شریک کیا اور میں نے بادلِ نخواستہ اس جنگ میں حصہ لیا۔ حضور نے فرمایا ''دل کے حال سے اللہ تعالیٰ زیادہ واقف ہے اگر آپ کا بیان صحیح ہے تو اللہ اس کا اجر دے گا۔ حضرت عباس کے اس عذر کے جواب میں قرآن مجید میں آیات نازل ہوئیں۔ ترجمہ

''اے نبیؐ، تم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں اُن سے کہو کہ اگر اللہ کو معلوم ہوا کہ تمہارے دِلوں میں کچھ خیر ہے تو وہ تمہیں اس سے بڑھ چڑھ کر دے گا جو تُم سے لیا گیا ہے اور تمہاری خطائیں معاف کر دے گا، اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے''۔

(سورۃ انفال آیت 70)

آنحضورؐ نے فرمایا: ''لیکن بظاہر تو آپ مشرکین کے ساتھ لشکر میں شریک ہو کر اہل حق سے لڑنے آئے تھے، اس لیے آپ کو فدیہ دینا ہوگا۔ ادھر وحی الٰہی کے ذریعے حضور کو حضرت عباس کے گھریلو حالات کا علم ہو چکا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔ مکے سے چلتے وقت آپ سونے کی ایک بڑی مقدار اُم الفضلؓ (زوجہ حضرت عباس) کے

Marfat.com

پاس رکھ آئے تھے"۔ حضرت عباس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا، آپ کو کیسے علم ہوا، اس رقم کا حال میرے اور اُمّ الفضلؓ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا"؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے وحیِ الٰہی کے ذریعے معلوم ہوا" حضرت عباس نے بے ساختہ کہا "بلاشبہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں"۔

اس کے بعد حضرت عباس نے اپنا اور اپنے بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ ادا کر کے آزادی حاصل کی اور مکہ کی راہ لی۔

8ھ میں فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت عباسؓ نے اپنے اسلام کا کھلم کھلا اظہار کر دیا۔ اِس موقع پر حضورؐ نے انہیں ہجرت کی اجازت بھی دے دی۔ چنانچہ وہ اپنے اہل و عیال سمیت مکہ سے مدینہ آ گئے۔ حضورؐ نے بڑی مسرّت سے اُن کی پذیرائی فرمائی اور مدینہ منورہ میں اُن کی مستقل سکونت کا انتظام بھی کر دیا۔ کیونکہ مسلمان رسول اللہ کی اُن کے ساتھ محبت و تکریم اور آپؐ کے فرمان سے بخوبی آگاہ تھے کہ آپؐ نے فرمایا تھا "لوگو، سُن لو کہ عباسؓ میرے لیے باپ کی جگہ ہیں، جس نے عباسؓ کو تکلیف دی گویا اُس نے مجھے تکلیف دی"۔

فتح مکہ کے بعد حضرت عباسؓ غزوہ حنین میں شریک ہوئے، دورانِ لڑائی جب بنوہوازن کی بے پناہ تیر باری سے مسلمانوں کی صفیں ابتر ہو گئیں تو حضرت عباسؓ اُن چند سرفروشوں میں سے تھے جو سرورِ عالم کے ساتھ میدانِ جنگ میں کوہِ استقامت بن کر کھڑے رہے۔ حضرت عباسؓ نے حضورؐ کی سواری کی باگ تھام رکھی تھی۔

حجۃ الوداع سے واپس آ کر سرورِ عالم علیل ہو گئے۔ ازواجِ مُطہراتؓ، حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے بنوہاشم نے آپؐ کی تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، لیکن حضورؐ کی علالت بڑھتی گئی۔ وفات کے دن حضرت علیؓ حُجرۂ اقدس سے باہر نکلے تو لوگوں نے پوچھا کہ رسولؐ اللہ کا کیا حال ہے؟ چونکہ اُس دِن بظاہر افاقہ ہو گیا تھا، حضرت علیؓ نے فرمایا "اللہ کے فضل سے رُوبصحت ہیں"

آخر بحکمِ الٰہی، آفتابِ رسالتؐ اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں غروب ہو گیا تو تجہیز و تکفین کی خدمت خانوادۂ رسولؐ کے لوگوں یعنی حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت قثم بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت اوس بن خولیؓ نے انجام دی۔

Marfat.com

آپ ؐ کو غسل دیتے وقت حضرت اوسؓ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے، حضرت علیؓ نے جسدِ اطہر کو سینے سے لگا رکھا تھا، حضرت عباسؓ اور اُن کے صاحبزادے حضرت فضلؓ، حضرت قثمؓ جسمِ مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور حضرت عباسؓ نے پردہ کر رکھا تھا۔ حضرت عباسؓ چونکہ حضورؐ کے چچا اور عمر کے لحاظ سے بنو ہاشم کی بزرگ ترین شخصیت تھے، لہٰذا حضورؐ کے وصال کے بعد تعزیت کے لیے لوگ اِن کے پاس ہی آتے تھے۔

آپ رسول کریمؐ کے چچا تھے۔ حضورِ اکرمؐ کے وصال کے بعد صحابہ کرام آپ ہی سے دینی امور میں استفادہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مِثل دینی بصیرت عطا فرمائی تھی۔ آپ مفسّرِ قرآن اور محدّث تھے۔ آپ نے دین کی تبلیغ اور اسلام کی سربلندی میں زندگی صرف کی۔ حضورِ اکرمؐ کے عہدِ مقدّس میں لوگ حضورؐ سے دُعا کی درخواست کرتے تھے۔ سرکارِ دو عالمؐ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ حضرت عباسؓ کی ذاتِ مقدس کو دُعا کے لیے وسیلہ بناتے تھے، کیونکہ مقربینِ بارگاہ کے واسطے سے دُعائیں بارگاہِ ایزدی میں جلد قبول ہوتی ہیں۔

حضرتِ عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت 18ھ میں ایک مرتبہ طویل خشک سالی نے اہلِ عرب پر قیامت ڈھادی اور وہ شدید قحط کی لپیٹ میں آگئے۔ امیرالمومنینؓ نے لوگوں کے مصائب وآلام کم کرنے کے لیے جو بھی انسانی تدبیر ممکن تھی، اختیار کی لیکن بارانِ رحمت کے بغیر لوگوں کے مصائب ختم ہوتے نظر نہیں آتے تھے۔ چنانچہ ایک دن حضرت عمرِ فاروقؓ دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر نمازِ استسقاء کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ مجمع میں ایک گورے چٹے، حسین وجمیل، سفید ریش، نورانی چہرہ، نیک سیرت بزرگ بھی تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا ''رسولؐ اللہ کی حیاتِ مبارکہ میں ہم حضورؐ کے توسّل سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے، اب آپ کے وسیلے سے بارگاہِ الٰہی میں بارش کی استدعا کرتے ہیں۔ یہ سُن کر وہ بزرگ منبر پر تشریف فرما ہوئے، خدا کی بارگاہ میں دستِ دعا اٹھائے اور نہایت عجز اور خشوع و خضوع کے ساتھ بارانِ رحمت کے لیے التجا کی۔ آپ دُعا کرتے جاتے، سب حاضرین مل کر آمین کہتے جاتے۔ ابھی دعا مانگ کر فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ یکایک صاف وشفاف آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ایک ہوگئے۔ یہ بارش صحیح معنوں میں

Marfat.com

بارانِ رحمت تھی، اس لیے لوگ فرطِ مسرت سے بیخود ہو گئے۔ بار بار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور اُن بزرگ کے ہاتھ چوم چوم کر کہتے 'ساقی حرمین مُبارک ہو، ساقی حرمین مبارک ہو'۔

نورانی صورت کے یہ مستجاب الدّعوات بزرگ، جن کو اہلِ مدینہ نے 'ساقیٔ حرمین' کا خطاب دیا، حضورؐ کے چچا عباسؓ تھے۔ اُس وقت آپ کی عمر 74/75 برس تھی اور آپ کے انگ انگ سے بزرگی ٹپک رہی تھی۔ کتنے خوش نصیب تھے وہ لوگ جنھوں نے ایسے جنت نظیر لوگوں کا زمانہ پایا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبور پر تا قیامت رحمت کی بارش برساتا رہے (آمین)۔

حضرت عباسؓ رشتے اور عمر میں بزرگ ہونے کے باوجود حضرت سرورِ عالم کا بے حد احترام کرتے اور آپؐ کو اپنا آقا و مولا جانتے تھے۔ حضورؐ کی ہر بات کو اپنے لیے حکم جانتے اور ہمیشہ آپؐ کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کرتے تھے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد صحابہ کرام بھی حضرت عباسؓ کے ساتھ نہایت عزّت و احترام سے پیش آتے اور ہر اہم کام میں اُن سے مشورہ لیتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرِ فاروقؓ اور حضرت عثمانِ غنیؓ نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں حضرت عباسؓ کا بہت زیادہ خیال رکھا۔ اگر وہ سواری پر کہیں جا رہے ہوتے اور راستے میں حضرت عباسؓ مل جاتے تو فوراً سواری سے اُتر پڑتے اور حضرت عباسؓ کو سواری پر بٹھا کر اُس کی لگام پکڑ کر ساتھ ساتھ پیدل چلتے یہاں تک کہ حضرت عباسؓ اپنے مکان یا جہاں انھیں جانا ہوتا، پہنچ جاتے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک حضرت عباسؓ کا مقام و مرتبہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں وظائف پر نظرِ ثانی کی تو حضرت عباسؓ کا وظیفہ اصحابِ بدر کے وظیفے کے برابر کر دیا۔

حضرت عباسؓ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے دورِ خلافت میں 14 رجب 32ھ بروز جمعہ کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اُس وقت اُن کی عمر 88 سال تھی۔ امیر المومنین حضرت عثمانِ غنیؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور فرزند گرامی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے لحد میں اُتارا۔ جنابِ حضرت عباسؓ کے جنازے میں اس قدر عظیم تعداد میں لوگ نکلے کہ مدینہ نے اس سے پہلے اس کا مشاہدہ نہ کیا تھا۔ آپ کو جنّتُ البقیع کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ اُن لوگوں کے ساتھ محوِ خواب ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے اپنے عہد کو پورا کیا۔ اللہ ایسے نیک صفت لوگوں کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین

Marfat.com

حضرت عباسؓ نے اپنے پیچھے چار بیٹیاں اور آٹھ بیٹے چھوڑے)۔ اِن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ علم و فضل کے اعتبار سے اساطین امت میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت قثم بن عباسؓ کا شمار بھی مشہور صحابہ میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہؓ

آپ کا نام عبدالشمس تھا۔ آپ یمن میں بحرہ قلزم کے ساحل پر تہامہ کے علاقے کے رہنے والے تھے۔ والد بچپن ہی میں فوت ہوگیا تھا، والدہ حیات تھیں۔ کنیت آپ کی ابو ہریرہ تھی۔ جس کا مطلب ہے بلیّوں کا باپ۔ اس کنیت کی وجہ آپ خود اس طرح بتاتے ہیں کہ میں نے ایک بلّی پالی ہوئی تھی۔ رات کو میں اسے ایک درخت میں رکھتا تھا اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اُس کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر مجھے 'ابو ہریرہ' کہنا شروع کر دیا، لہٰذا یہ کنیت ایسی مشہور ہوئی کہ اصل نام پسِ منظر میں چلا گیا۔

مکہ میں آپ کے قبیلے کا سردار طفیل آیا۔ اُس کی آنحضورؐ سے ملاقات ہوئی اور وہ آپؐ پر ایمان لے آیا۔ مکہ سے وطن واپسی پر اُس نے اپنے اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا اور دوسری دفعہ جب وہ مکہ آیا تو اُس کے ساتھ اسلام قبول کرنے والے ستّر (70) لوگ اور بھی تھے، اُن میں حضرت ابو ہریرہ بھی شامل تھے۔ آپ نے بھی اُن کے ساتھ اسلام قبول کرلیا اور پھر کچھ دنوں بعد اپنے وطن واپس یمن چلے گئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ 7ھ کے شروع ماہِ محرّم میں مدینہ تشریف لائے۔ آپ کی والدہ آپ کے ہمراہ تھیں۔ اُن دنوں آنحضرتؐ غزوۂ خیبر پر گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر ملاقات ہوئی۔ حضور اکرمؐ نے آپ کا نام پوچھا، کہنے لگے عبدالشمس۔ آپؐ نے اُن کا نام عبدالشمس سے تبدیل کر کے عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ آپ مسجدِ نبویؐ کی دیکھ بھال کرتے اور فارغ وقت میں بلّی کے بچوں کے

Marfat.com

ساتھ کھیلتے۔ آپ اپنی والدہ کو توحید کی دعوت دیتے لیکن وہ نہ صرف انکار کرتیں بلکہ اُلٹا آپ کو بُرا بھلا بھی کہتیں۔ ایک دِن ابو ہریرہؓ روتے روتے آنحضورؐ کی خدمت میں پیش ہوئے اور کہا کہ ''یارسول اللہ میری والدہ ابھی تک مُشرک ہے اور اسلام قبول نہیں کرتی بلکہ اُلٹا آپؐ کو بھی برا بھلا کہتی ہے۔ آپؐ اُس کے حق میں دعا فرمائیں کہ وہ اسلام لے آئے۔ آپؐ نے دعا فرمائی اور کہا کہ گھر جاؤ۔ جب ابو ہریرہؓ دروازے پر پہنچے تو اندر سے آواز آئی کہ کچھ دیر انتظار کرو۔ چند لمحوں بعد دروازہ کُھلا۔ والدہ غُسل کر کے نئے کپڑے زیب تن کر چکی تھیں۔ کہنے لگی کہ میں اللہ کی واحدانیّت کا اقرار کرتی ہوں اور آنحضرتؐ کو اللہ کا آخری رسول مانتی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے جب والدہ کی زبان سے کلمہ توحید سُنا تو مارے خوشی کے پاگل ہو گئے۔ روتے روتے پھر بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے، لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے جو بلا اختیار ابو ہریرہ کی آنکھوں سے رواں تھے۔ آنحضرتؐ نے دریافت کیا ''ابو ہریرہؓ! اب کیا پریشانی ہے''؟ آپ نے فرمایا یارسول اللہ، اللہ نے آپؐ کی دُعا قبول فرمالی ہے، میری والدہ اسلام کی واحدانیّت اور آپؐ کے آخری رسول ہونے کا اقرار کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک دن عرض کی کہ ''یا حضرت! میرا حافظہ بہت کمزور ہے، میں اکثر بھول جاتا ہوں'' آپؐ نے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلاؤ۔ آپ نے اپنی چادر پھیلائی۔ حضور اکرمؐ نے ہوا میں اپنے دونوں دستِ مبارک کو اکٹھا کر کے لہرایا اور آپ کی چادر میں ڈال دیا۔ اس کے بعد ابو ہریرہؓ کا حافظہ تیز ہو گیا اور پھر جو کچھ بھی آپؐ کے دہن مبارک سے سُنتے دل پر نقش ہو جاتا۔

ابو ہریرہؓ کے اسی حافظے کی وجہ سے جنابِ رسولِ اکرمؐ کے اکثر فرمودات تمام ملتِ اسلامیہ تک پہنچے۔ ہر مسجد اور مدارس میں جب درسِ قرآن و حدیث بیان کیا جاتا ہے اور جب کہا جاتا کہ قال اللہ و قال الرسولؐ تو اُس کے ساتھ ہی کہا جاتا ہے کہ عَن ابو ہریرہؓ پھر اِس کے بعد حضورِ اکرمؐ کا صحیح ارشاد بیان کیا جاتا ہے۔ گویا آپ کا نام بھی اُس حدیث کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ گو حضرت ابو ہریرہؓ کو آنحضورؐ کی معیّت میں بہت کم عرصہ گزارنے کا موقع ملا لیکن اس کے باوجود آپؐ کے شب و روز کے مشاغل اور قول و فعل آپ نے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا اور کانوں سے

Marfat.com

سُنا، وہ آپؐ کی رحلت تک واقعات و مشاہدات حضرت ابو ہریرہؓ کے ذہن میں پتھر پہ لکیر کی طرح ثبت ہو گئے اور انہی کا فیضان ہے آپؐ کا دین کاملِ بعثتِ رسولؐ سے لے کر تا قیامت عوام الناس کے دلوں میں پہنچ کر اسلام کی کافوری شمع جلائے ہوئے ہے۔

آپ کو علم کی بڑی جستجو تھی اور آپ کا یہ ذوق، شوق کے آخری درجے تک پہنچ گیا تھا۔ جب بھی صحابہ کرام آنحضورؐ کی محفل میں حاضر ہوتے تو وہ آپؐ سے کوئی چیز پوچھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے لیکن حضرت ابو ہریرہؓ علم دین کے متعلق آنحضورؐ سے سوالات پوچھتے رہتے تھے۔ آپ علمِ حدیث کے بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے۔ اِس لیے علمائے دینِ اسلام کو یہ یقین ہے کہ آپؐ کی بیان کردہ احادیث جن کی تعداد 5375 ہے، میں کسی شک وشُبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ ذکر و فکر، عبادت و ریاضت اور ارشاداتِ رسولؐ کی تبلیغ آپ کا مقصودِ حیات تھا۔ دُنیوی لذّات سے تمام عُمر دور رہے۔ مدینہ میں عُسرت و تنگدستی کی زندگی انتہائی رغبت اور پسندیدگی سے بسر کی۔ شب و روز سرکارِ دو عالم کی خدمت میں رہتے اور ہر وقت درِ اقدسؐ کی طرف کان لگائے رکھتے کہ کہیں فرمانِ رسولؐ کی تعمیل میں دیر نہ ہو جائے۔ کیونکہ اصحابِ صُفّہ کا چبوترہ آپؐ کے درِ اقدسؐ کے سامنے اور چند گز کے فاصلہ پر تھا اِس لیے ہمیشہ اُس طرف اپنی توجہ مرکوز رکھتے۔ ارشاداتِ رسولؐ اور آیاتِ الٰہی کے مطالب و معارف سب سے پہلے آپ ہی تک پہنچتے اور پھر آپ ہی باقی اصحابِ صُفّہ، جن کی تعداد کم و بیش ستّر کے قریب تھی، سے بیان کرتے۔ رسول اللہؐ کے ہر فعل، ہر قول کو اس جلیل القدر صحابی نے لوحِ دل پر نقش کر لیا۔

ذخیرہ حدیث کا کثیر حصّہ ہمیں حضرت ابو ہریرہؓ کی وساطت سے ہی ملا۔ آپ اسوۂ رسولؐ کا مظہر، عشقِ نبی کا پیکر اور دین کا عملی نمونہ تھے۔ اُس کی خوش قسمتی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ اُن کو ہر روز کئی بار رخِ محبوبِ خدا کی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ آپ کا سینہ علوم و معرفت کا خزینہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مَیں اُن ستّر اصحابِ صُفّہ میں سے تھا جن کے پاس سوائے ایک چادر کے اور کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا جسے وہ گلے میں پہنے رکھتے۔

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ ''ایک وہ وقت بھی تھا جب میں بھوک کی شدّت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ ایک دن میں اُس رستے پر بیٹھ گیا، جہاں سے لوگ مسجدِ نبویؐ سے باہر نکلا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ میرے پاس سے گزرے، میں نے اُن سے قرآنِ کریم کی ایک آیت کی بابت پوچھا۔ میرے پوچھنے کا مقصد محض یہ تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے جائیں گے اور گھر لے جا کر کچھ کھلائیں پلائیں گے۔ وہ میرا مدّعا نہ سمجھے اور یونہی گزر گئے۔ پھر حضرت عمرؓ گزرے اور وہ بھی میرا مطلب نہ سمجھے اور گزر گئے۔ بعد میں ابوالقاسمؐ کا گزر ہوا۔ آپؐ نے مجھے دیکھتے ہی تبسّم فرمایا کیونکہ آپؐ نے میری دِلی خواہش کو جان لیا تھا، فرمایا ''ابوہریرہؓ'' میں نے عرض کیا ''لبیک یا رسولؐ اللہ'' فرمایا ''آؤ میرے ساتھ چلو'' چنانچہ میں اُن کے پیچھے ہولیا۔ آپ گھر میں داخل ہوگئے تو مَیں بھی اجازت لے کر اندر چلا گیا۔ آپؐ نے ایک پیالہ میں دودھ دیکھا تو پوچھا ''یہ دودھ کہاں سے آیا ہے''؟ گھر والوں نے عرض کیا ''یہ دودھ فلاں فلاں آدمی نے بطورِ ہدیہ بھیجا ہے''۔ آپؐ نے فرمایا ''اے ابوہریرہؓ جاؤ اور تمام اصحابِ صُفّہ کو بُلا لاؤ''۔ حضرت ابوہریرہؓ بتاتے ہیں کہ اہلِ صُفّہ تو اسلام کے مہمان تھے اُن کا کوئی مال اور جائیداد وغیرہ نہ تھی۔ جب آپؐ کے صدقہ کی کوئی شے آتی تو تمام کی تمام آپؐ اہلِ صُفّہ کی طرف بھجوا دیتے اور خود اُس سے کچھ نہ لیتے تو جب ہدیہ کی شے آتی تو خود بھی لیتے اور اہلِ صُفّہ کو بھی اِس میں شریک کرتے۔

جب سب اصحابِ صُفّہ حاضرِ خدمت ہوئے، حضورؐ نے دودھ کا پیالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اصحابِ صُفّہ کو دے دو۔ میرے دِل میں خیال گزرا کہ یہ پیالہ تو میرے لیے بھی بظاہر ناکافی معلوم ہوتا ہے۔ حضورِ اکرمؐ کے حُکم کی تعمیل میں سب اصحابہ نے سیر ہو کر اِسی پیالے سے دودھ پیا، مگر دُودھ کا ایک قطرہ بھی کم نہ ہوا۔ میرے پاس پیالہ آیا مَیں نے بھی دودھ پیا، حضورؐ نے فرمایا اور پیو، حضرت ابوہریرہؓ نے اور پیا۔ جب سب اصحابہ کرامؓ اس فیضِ خاص سے سیراب ہو چکے تو سرکارِ دوعالم نے وہ دودھ خود نوش فرمایا اور ہم سب اپنے اپنے خالی پیٹ بھر کر مسجدِ نبویؐ میں آ گئے۔

آپ پر دو دَور آئے، ایک فقر و فاقہ کا دوسرا خوشحالی کا۔ ایک وہ وقت بھی آیا کہ آپ

Marfat.com

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں مدینہ کے گورنر مقرر ہوئے اور پھر بحرین میں بھی گورنر رہے۔ ایک وقت تھا کہ آپ اپنی مالکہ کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے چلا کرتے اور ایک وہ وقت بھی آیا کہ آپ جس خاتون کے غلام تھے، اُس کے شوہر بنے۔ آپ کی بیٹی کی شادی حضرت سعید بن المسیبؒ سے ہوئی۔

آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہ لیا۔ اس مدت میں آپ اپنے محبوب مشغلے حدیثِ رسولؐ کی اشاعت میں مصروف رہے۔ جب حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آپ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا گیا، اُس دن سے اُن کا فقر و افلاس ختم ہوا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار درہم آپ کے پاس تھا۔ حضرت عمرؓ نے بازپُرس کی کہ اتنی رقم کہاں سے ملی؟ عرض کیا، گھوڑیوں کے بچوں، عطیّوں اور غلاموں کے ٹیکس سے۔ تحقیقات کرنے سے آپ کا بیان صحیح نکلا۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ اُن کے عہدہ پر واپس کرنا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آپ کو امارت قبول کرنے میں کیوں عذر ہے؟ بولے ''میں بے چارہ امیمہ کا بیٹا ہوں، میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں، ایک یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہوں دوسرے یہ کہ بغیر حُجت شریعت کے فیصلے کروں، تیسرے یہ کہ مارا جاؤں مجھے ذلیل کیا جائے اور میرا مال چھینا جائے''۔

ایک مرتبہ مروان والیٔ مدینہ کو اِن کی کوئی بات ناگوار گزری، اُس نے غصہ میں کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں، حالانکہ آپ حضور اکرمؐ کی وفات سے کچھ ہی عرصہ پہلے مدینہ آئے تھے'' بولے جب مَیں مدینہ آیا تو آپ خیبر میں تھے۔ اُس وقت میری عُمر تیس سال سے کچھ اوپر تھی اور مَیں آپؐ کے وصال تک سایہ کی طرح آپؐ کے ساتھ رہا، آپؐ کی ازواجِ مطہرات کے گھروں میں جاتا تھا، آپؐ کی خدمت کرتا، آپؐ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہتا تھا، آپؐ کی معیّت میں حج کرتا تھا۔ اس لیے میں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ احادیث جانتا ہوں۔ خدا کی قسم! وہ جماعت جو مجھ سے قبل آپؐ کی صحبت میں تھی، وہ میری حاضر باشی کی معترف تھی۔ وہ لوگ مجھ سے احادیث پوچھا کرتے اُن پوچھنے والوں میں عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

Marfat.com

ایک دفعہ آپ بازار گئے اور لوگوں کو اکٹھا کر کے فرمایا کہ آپ یہاں بیٹھے ہوئے گپیں لگا رہے ہیں اور مسجدِ نبویؐ میں آنحضرتؐ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ دوڑے دوڑے مسجدِ نبویؐ آئے اور دیکھا کہ کوئی عبادت میں مشغول ہے اور کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی قرآنِ پاک کی تلاوت میں مصروف ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپؐ کی میراث کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟ آپ نے فرمایا 'جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں اور مسجد میں لوگ کر رہے ہیں یہ آپؐ کی میراث ہی تو تقسیم ہو رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر میراث اور کیا ہو سکتی ہے''۔

آپ کے گھر میں تین افراد تھے، آپ خود، آپ کی زوجہ محترمہ اور ایک خادم، رات کو اس طرح تقسیم کرتے کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی عبادت میں مشغول رہتا۔

آپ 59ھ میں مدینہ میں بیمار ہوئے۔ بڑے بڑے لوگ آپ کی عیادت کو آتے تھے۔ خود والی مدینہ مروان بن حکم بھی آپ کی عیادت کو آیا۔ بیماری کی حالت میں زندگی کی کوئی آرزو باقی نہ رہی تھی۔ آخر وقت تجہیز و تکفین کے متعلق ہدایتیں دیں کہ آنحضورؐ کی طرح مجھ کو عمامہ اور قمیض پہنانا اور جنازہ لے جانے میں جلدی کرنا۔ آپ نے 78 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ انتقال کے بعد وصیّت کی پوری پوری تعمیل کی گئی۔ ولید نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے صاحبزادوں نے کندھا دے کر جنت البقیع پہنچایا اور اِس مخزنِ علم کو سپردِ خدا کیا گیا۔ اُس وقت حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت کے آخری ایام تھے۔

Marfat.com

حضرت مصعب بن عمیرؓ

(اسلام کے پہلے سفیر)

آپ کا نام مصعب ابو محمد کنیت اور والد کا نام عمیر بن ہاشم تھا۔ آپ خاندانِ قریش کے ایک امیر اور دولتمند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام خناس بنت مالک تھا۔ آپ بعثت سے پندرہ سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ بلا کے خوبصورت اور وجیہہ الشکل نوجوان تھے۔ مکے میں مشہور تھا کہ آپ خوشبو کا استعمال سب سے زیادہ کرتے ہیں۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ لڑکپن سے نکل کر عہد عنفوانِ شباب میں داخل ہوئے، یہی کوئی اٹھارہ اُنیس سال کی عمر تھی، شہر کی گلیوں اور بازاروں میں بس ایک ہی چرچا تھا اور ہر ایک کی زبان پر ایک ہی ذکر تھا کہ قریش ہی کے خاندان سے حضرت محمدؐ نے ایک نیا دین متعارف کروایا ہے۔ بس اُسی دین کی ہر طرف چہ مے گوئیاں ہوتی رہتی تھیں۔ قریش کا یہ قابلِ توجہ نوجوان اس گفتگو کو دلچسپی اور نہایت انہماک سے سُنتا۔ اسی لیے کم عُمری ہی میں یہ اپنے بڑوں کی محفلوں میں جا بیٹھتا بلکہ ہر مجلس کے شرکاء کی یہ خواہش ہوتی کہ مصعب اُن کی محفل میں بیٹھے۔ آہستہ آہستہ مصعب مکہ کی محفلوں کا نگینہ سمجھا جانے لگا۔

ایک روز مصعبؓ نے بھی وہ بات پھر سُنی جو اہلِ مکہ جنابِ محمد الرّسولؐ اللہ کے بارے میں کہہ رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اہلِ مکہ کو اس بات کے سوا اور کوئی غم تھا ہی

Marfat.com

نہیں۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اسی غم نے اُن کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ حضرت مصعبؓ کو بھی یہ پتہ چلا کہ آنحضورؐ اور آپؐ پر ایمان لانے والے مُٹھی بھر لوگ قریشِ مکہ کی مشغولیات، فضولیات اور ایذا و تکلیف سے ہٹ کر کوہ صفا کے اوپر دارِ ارقم میں جمع ہوتے ہیں۔ مصعب نے یہ سُنا تو بغیر کسی تردّد کے ایک شام وہاں پہنچ گئے۔ وہاں دیکھا کہ رسولؐ اللہ اپنے صحابہ سے ملتے، اُن کے ساتھ بیٹھ کر قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

حضرت مصعبؓ ابھی جا کر آپؐ کی محفل میں بیٹھے ہی تھے کہ آیاتِ قرآنی لبِ رسولؐ سے نکل کر خوشبودار پھولوں کی طرح حاضرین کے کانوں سے ٹکرا کر دلوں میں رس گھولنے لگیں۔ حضرت مصعبؓ کے دِل کا پردہ اپنی جگہ سے سرکنا شروع ہوگیا۔ آئینۂ دل کُفر کی آلائشوں اور شرک کی سیاہیوں سے پاک ہوگیا۔ آپ کے دل پر جب اسلام کی دستک لگی تو طبیعت فوراً اس طرف مائل ہوگئی۔ آپ نے آستانۂ نبوّت پر اپنا سر جھکا کر اسلام کا ہار اپنے گلے میں پہن لیا۔ آپ نے ایک عرصہ تک اپنا اسلام گھر والوں سے پوشیدہ رکھا۔ گھر والوں کو ایک دن جب آپؐ کے اسلام لانے کی خبر ہوئی تو غصے سے سیخ پا ہوگئے۔ ماں سے یہ بات برداشت نہ ہوئی اور آپ کو انہوں نے قیدِ تنہائی میں بند کر دیا۔

قیدِ تنہائی میں ہی آپ نے کسی سے بات کرتے ہوئے سُنا کہ کچھ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جا رہے ہیں۔ آپ نے یہاں سے بھاگ کر حبشہ جانے کا پروگرام بنایا۔ ایک دن ماں اور اپنے چوکیدار کو غافل پا کر وہاں سے فرار ہو کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ وہاں اپنے مہاجرین بھائیوں کے ساتھ کچھ عرصہ رہے پھر اُن کے ساتھ مکہ آ گئے۔ پھر دوبارہ حکم رسولؐ کے مطابق دیگر مسلمانوں کی معیّت میں ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گئے۔

حضرت مصعبؓ کا اپنی ماں کے ساتھ آخری ٹکراؤ اس وقت ہوا جب ماں نے واپسی پر آپ کو پھر محبوس کرنے کی کوشش کی۔ حضرت مصعب نے اُس وقت قسم کھائی کہ اگر تم ایسا کرو گی تو میں ہر اُس شخص کو قتل کر ڈالوں گا جو میرے راستہ میں دیوار ثابت ہوگا۔ ماں پر اُن کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ لہٰذا اُس نے روتے ہوئے چھوڑ دیا۔ بیٹے نے بھی روتے روتے اپنی ماں کو چھوڑ دیا۔ ماں نے مصعبؓ کو گھر سے نکلتے ہوئے کہا ''جاؤ اپنی مرضی کرو، میں دوبارہ تیرے پاس

Marfat.com

آ ؤں تو میں تیری ماں نہیں ہوں گی'' بیٹے نے ماں سے قریب ہو کر کہا ''ماں میں تیرا خیر خواہ ہوں، میرے دل میں تیرے لیے نرم جذبات ہیں تو یہ گواہی دے دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اُس کے بندے اور رسولؐ ہیں''۔

ماں نے غضبناک ہو کر کہا ''ستاروں کی قسم، میں تیرے اس دین میں داخل نہیں ہوں گی'' پھر حضرت مصعبؓ نعمتوں بھری زندگی کو ٹھوکر مارتے ہوئے باہر نکل آئے اور خوش لباسی اور خوشبو کو چھوڑ کر کھردرے کپڑے کی قمیض زیب تن کر لی۔ ایک دِن کچھ کھا لیا تو کئی روز بھوکا رہ لیتا۔

ایک روز آپ آنحضورؐ کی محفل میں حاضر ہوئے۔ حاضرین نے مصعبؓ کو دیکھا تو سَر اور نگاہیں جھکا لیں بلکہ بعض کی آنکھیں تو اَشکبار ہو گئیں اس لیے کہ وہ آپ کو اس حالت میں دیکھ رہے تھے کہ آپ پیوند لگی بوسیدہ قمیض پہنے ہوئے تھے۔ صحابہ نے تو آپ کی اسلام سے قبل جو تصویر دیکھ رکھی تھی وہ آج سے بہت مختلف تھی۔ کیونکہ اسلام تسلیم کرنے سے قبل آپ کے کپڑے پھولوں کی مانند چمکدار اور عطر بیز ہوا کرتے تھے۔ آنحضورؐ نے فرمایا ''مَیں نے مصعب کو دیکھا ہے کہ مکہ میں والدین کا کوئی بیٹا ایسا نہ تھا جو اِس سے بڑھ کر نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہو، لیکن مصعب نے ہر چیز کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی محبت میں خیر باد کہہ دیا ہے۔

اُنہی دنوں آنحضورؐ نے مصعب کو ایک بڑے اہم منصب کے لیے منتخب کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ '' آپ مدینہ میں اسلام کے پہلے سفیر ہوں گے اور انصارِ مدینہ کو آپ دینی تعلیم دیں گے اُن لوگوں کو جو نبوّت کے بارھویں سال عقبہ کے مقام پر رسولؐ اللہ کی بیعت کر چکے تھے۔

حالانکہ اُن دنوں رسولؐ اللہ کے اصحاب میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو عمر و مرتبہ میں حضرت مصعبؓ سے بڑے اور آپؐ کے زیادہ قرابتدار تھے، مگر جنابِ رسولؐ اللہ کی نظرِ انتخاب حضرت مصعبؓ پر ہی پڑی۔ حضرت مصعبؓ کو معلوم تھا کہ انہیں نہایت اہم ذمہ داری سونپی جا رہی ہے۔ اُس مدینہ میں اسلام کو پھیلانے اور بڑھانے کا معاملہ ان کے سامنے رکھا گیا ہے جو عنقریب مسلمان کا دار الہجرت بننے والا ہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ اِس کشتِ ویران کو محنت سے اُسے کشتِ زعفران میں تبدیل کرنے کا اہم کام سونپا جا رہا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ مدینہ

Marfat.com

کے میدانوں کو ہموار کر کے ویراں کھیت کو اُس بیج کے لیے تیار کرنا ہے جو آپؐ وہاں بونے والے تھے اور اُسے فصل گل و لالہ کے لیے تیار کرنا ہے۔ یہاں وہ فصل بوئی جائے گی جس کی آبیاری آپؐ خود اور آپؐ کے دور کے بعد آنے والے کریں گے اور اِس کا پھل تمام دنیا کے لیے جنت نشاں ثابت ہوگا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بہترین صلاحیتوں کا سہارا لیتے ہوئے اِس امانت کا بار اٹھایا۔ آپ نے مدینہ پہنچ کر اپنے زہد و اخلاص کے زور پر وہاں کے رہنے والوں کے دلوں کو فتح کر لیا اور یہ آپ کی محنت شاقہ کا ہی نتیجہ تھا کہ دن بدن لوگ جوق در جوق اسلام میں شامل ہونا شروع ہو گئے۔ اور جب آنحضرتؐ ہجرتِ مدینہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ اہلِ مدینہ کی دعوت پر حضورؐ نے آپ کو دینی تعلیم دینے پر مامور فرمایا۔

ایک دن آپ بنی ظفر کے گھر میں چند مسلمانوں کو دینِ اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے کہ قبیلہ عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ نے آکر چلانا شروع کر دیا کہ اِس داعیٔ اسلام کو اس محلہ سے نکال دو جو یہاں آکر لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔

حضرت مصعبؓ کے ساتھ بیٹھے مسلمانوں نے غیض و غضب سے بھڑکتے سردار کو دیکھا تو سہم گئے، لیکن حضرت مصعبؓ سکون واطمینان سے اللہ کی توحید کا اظہار کرتے رہے۔ وہ سردار غصّے کی آگ میں جلتے ہوئے حضرت مصعبؓ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر مصعبؓ اور اسعد بن زرارہؓ کو مخاطب کر کے کہنے لگا

''تمہیں ہمارے محلے میں کون لایا، اگر زندگی چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ''

حضرت مصعبؓ نے نرمی سے کہا کہ

''آپ بیٹھ کر ہماری باتیں تو سُن لیں اگر پسند آئیں تو قبول کریں ورنہ ہم خود ہی یہاں سے چلے جائیں گے''

سردار اور اُس کا ساتھی زمین پر نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے اور غور سے سُننے لگے۔ حضرت

Marfat.com

مصعبؓ نے چند آیات کریمہ تلاوت فرمائیں اور نہایت خوبی کے ساتھ اسلام کے عقائد پر دلکش خطبہ دیا۔ سعدؓ کا دِل نورِ ایمان سے چمکنے لگا اور بے تاب ہو کر بولے

''یہ کیسا اچھا مذہب ہے اور کیسی بہتر ہدایت ہے، اس مذہب میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے''؟

حضرت مصعبؓ نے فرمایا:

''بہت آسان ہے، آپ پہلے نہا دھو کر پاک کپڑے پہنیں پھر صدقِ دل سے کلمۂ توحید کا اقرار کرلیں''۔

انہوں نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت مصعبؓ کی اس تبلیغِ حق سے صرف گنتی کے چند گھرانوں کے سوا پورا مدینہ مسلمان ہو گیا۔ حضورؐ کی اجازت سے آپ نے سب سے پہلے مدینہ میں نمازِ جمعہ پڑھائی اور نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ اس طرح پہلے سفیرِ رسول مدینہ میں بے مثال کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ ایسی کامیابی جو اُن کے شایانِ شان تھی اور وہ اس کے اہل بھی تھے۔ اس سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو مدینہ بھیجتے وقت حضورؐ کا انتخاب کس قدر مناسب تھا۔

پھر جب آپؐ نے مدینہ ہجرت کی تو سارا مدینہ آپؐ کے استقبال کے لیے امنڈ آیا، یہ حضرت مصعبؓ کی کوششوں اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی مہربانی ہی کا ثمر تھا۔ لیکن ایک سال کے بعد کفار قریش کے دلوں پر بغض وحسد کی آریاں چلنے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہجرت کے دوسرے سال معرکۂ بدر اور تیسرے سال معرکہ غزوۂ اُحد پیش آیا۔ رسول اللہ صفوں کے وسط میں کھڑے ہو کر مومنوں کے چہروں کو متلاشی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ آپ کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھے جسے جنگ کا پرچم تھمائیں۔ اچانک آپؐ کی نگاہ حضرت مصعبؓ بن عُمیر پر جا پڑی۔ آپؐ نے اُن کو پکارا۔ حضرت مصعبؓ آگے بڑھ کر آپؐ کے دستِ مبارک سے علَم تھام لیتے ہیں اس کے بعد ایک خوفناک معرکہ برپا ہوا۔

یہاں اتفاقی غلطی سے لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ مسلمانوں کے پاؤں عارضی طور پر اکھڑ گئے اور حضرت مصعبؓ تنہا مشرکین کے نرغے میں آ گئے، لیکن اِس کے باوجود آپ کی ہمت و

Marfat.com

استقامت میں لرزش نہ آئی اچانک ابنِ قمیہ مشرک نے تلوار کا وار کر کے آپ کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا۔ آپ نے فوراً علم بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس وقت آپ کی زبان پر یہ آیت رواں تھی:

''اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، جن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں''

(آلِ عمران آیت 144)

ابنِ قمیہ نے دوسرا وار کر کے آپ کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا تو آپ نے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کا حلقہ بنا کر علم کو سینہ سے چمٹائے رکھا۔ اُس مشرک نے جھنجھلاہٹ میں تلوار پھینک دی اور اس زور سے نیزہ آپ کے سینہ میں مارا کہ اسلام کے اِس جانثار کے جسم سے آر پار ہو گیا اور آپ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔

لڑائی کے خاتمے پر رسول اللہ نے آپ کی لاش کے قریب کھڑے ہو کر یہ آیت تلاوت فرمائی:

''مومنین میں سے چند آدمی ایسے بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا''

(سورہ احزاب آیت 23)

پھر آپؐ حسرت بھری نظر اُس چادر پر ڈالتے ہیں جس میں حضرت مصعبؓ کو کفن دیا گیا اور فرمایا:

''مَیں نے تجھے مکّہ میں دیکھا تجھ سے عمدہ لباس پہننے والا اور خوبصورت زُلفوں والا کوئی نہ تھا، آج تو ایک چادر میں غبار آلود سَر چھپائے ہوئے ہے''۔

حضرت خبابؓ بن الارت کہتے ہیں کہ ہم نے رسولؐ اللہ کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کی تو ہم اللہ کی رضا کے طلب گار تھے اور اللہ کے ذمّے ہمارے اس عمل کا اجر واجب ہو گیا اور ہم میں سے کچھ لوگ اپنی زندگی پوری کر چکے مگر انہوں نے اِس دُنیا میں اپنے اس اَجر سے کوئی

Marfat.com

چیز نہیں پائی، مصعبؓ اِنہی لوگوں میں شامل ہیں۔ وہ یومِ اُحد کو شہید ہوئے، انہیں کفن دینے کے لیے ایک چادر کے سِوا کچھ نہ تھا۔ ہم اُس چادر سے اُن کا سَر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سَر ننگا ہو جاتا۔ آپؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا ''چادر کو اِن کے سَر کی جانب سے اوپر ڈال دو اور قدموں پر اذخر گھاس ڈال دو''۔

پھر آپؐ اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''لوگو! اِن شہداء کی زیارت کرو، اِن کے پاس آؤ، اِن پر سلام بھیجو، اُس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قیامت تک جس نے بھی اِن پر سلام بھیجا، وہ اسے جواب دیں گے''

سب شہدائے اُحد کی آپؐ نے فرداً فرداً نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت حمزہؓ کے ساتھ احاطے میں حضرت مصعبؓ بن عمیر کو دفن کر دیا۔ اس طرح شہادت کے مرتبہ تک آپ کو پہنچنے میں 31 سال لگے۔

Marfat.com

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

آپ کا نام عبداللہ اور کنیت ابوموسیٰ تھی۔ والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا۔ آپ یمن کے رہنے والے تھے اور قبیلہ اشعر کے ایک بہت بڑے رئیس تھے، اس لیے اشعری آپ کے نام کا حصہ بن گیا۔ جب مکہ میں آفتابِ نبوّت طلوع ہوا تو آپ یمن سے چل کر مکہ تشریف لائے۔ دشوار گزار سفر طے کرنے کے بعد مکہ میں بارگاہِ نبوّتؐ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ صبح و شام آپؐ کی پرنُور محفلوں میں بیٹھ کر ہدایت و یقین کی لازوال دولت سے اپنا دامن بھرنے لگے۔ اُن دنوں مکہ کی سرزمین مسلمانوں پر مشرکین کے ظلم و ستم کی وجہ سے تنگ ہو رہی تھی۔ آپ کچھ عرصہ مکہ میں قیام کے بعد اپنے علاقے کی تشنہ سرزمین کو نورِ ہدایت سے سیراب کرنے کے لیے یمن واپس آ گئے۔ آپ نے اپنے لوگوں کو نشۂ توحید سے آگاہ کیا۔ اہلِ عقل و دانش جلد ہی دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور اِس طرح یمن میں اسلام کی دولت بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنے لگی۔ اِسی اثناء میں پیغمبرِ اسلامؐ مکہ والوں کی صعوبتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مدینہ ہجرت کر چکے تھے۔

یمن میں آپ کی تبلیغ سے پچاس لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ ایک دن آپ اپنے ساتھیوں کا قافلہ لے کر بارگاہِ نبویؐ میں حاضری کے لیے بحری راستہ کے ذریعے مدینہ روانہ ہوئے، لیکن زبردست بادِ مخالف کی وجہ سے آپ حبشہ کی سرزمین پر جا نکلے۔ وہاں آنحضرتؐ کے چچازاد حضرت جعفرؓ سے ملاقات ہوئی جو پہلے ہی مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ میں مقیم تھے اور

Marfat.com

اب مدینہ جانے کے لیے تیار تھے۔ آپ اُن کے ساتھ ہو لیے۔ جس وقت یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو حضرت موسیٰ اشعری کے پچاس شیدایانِ اسلام آپ کے ساتھ تھے، جن میں آپ کے دو بھائی ابورہم اور ابوبُردا بھی شامل تھے۔ اِس وقت مدینہ کے مسلمان فتحِ خیبر کی خوشیاں منا رہے تھے۔ اشعریوں کی جماعت بھی دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوگئی تو آپؐ نے اُن کی آمد پر خوشی کا اظہار فرمایا اور فتحِ خیبر کے مالِ غنیمت سے اُنہیں بھی حصّہ عطا فرمایا۔

اس کے بعد آپ مدینہ میں مقیم ہوگئے اور بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہے۔ غزوۂ تبوک سے واپسی پر آنحضورؐ نے انہیں یمن کا والی مقرر فرمایا اور ملک میں لوگوں سے نرمی اور خوش گفتاری کے ساتھ پیش آنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے 10ھ میں آنحضورؐ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت فرمائی۔ واپسی پر جب یمن پہنچے تو ملعون اسود عنسی کے جھوٹے دعوۂ نبوت نے علاقے میں فتنے کی چنگاری سُلگا دی تھی۔ آنحضورؐ حجۃ الوداع کے چند ماہ بعد ماہِ ربیع الاوّل 11ھ میں وصال فرما چکے تھے اور خلافت کی ذمہ داری حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کندھوں پر تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس فتنہ کو انجام تک پہنچانے کے لیے ایک زبردست لشکر آپ کے پاس یمن بھیجا اور آپ نے اِس چنگاری کو خاک میں ملا دیا۔ اس طرح آپ عہدِ فاروقی کے ابتدائی دَور تک نہایت تدبّر سے اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

اِس کے بعد آپ مدینہ آگئے تاکہ ایران و روم کے خلاف جہاد میں شریک ہو کر اپنی ذمہ داریاں اَحسن طریقے سے ادا کر سکیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں آپ کو بصرہ کا حاکم بنایا تو آپ نے اہلِ بصرہ کو جمع کیا اور اُنہیں خطاب کرتے ہوئے کہا "امیر المومنین نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے کہ میں تمہیں رب کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنّت سکھاؤں اور تمہارے لیے راستوں کو صاف ستھرا کروں"۔ حضرت حسنؓ آپ کے متعلق فرماتے ہیں "اہلِ بصرہ کے لیے اِن سے بہتر کوئی آنے والا نہیں آیا" حضرت موسیٰ اشعری حفظ، فِقہ اور عمل کے اعتبار سے اہلِ قرآن میں سے تھے۔ قرآن کے بارے میں آپ کے روشن کلمات میں سے ایک جُملہ یہ ہے:

"قرآن کے پیچھے چلو اور یہ نہ چاہو کہ قرآن تمہارے پیچھے آئے"۔ آپ ایسے ذہین، فطین اور محتاط فقیہہ تھے کہ اُلجھے معاملات کی گتھیاں سُلجھانے میں آپ کا فہم و فراست بلندیوں کو

Marfat.com

چھوتا ہوا دکھائی دیتا، تقویٰ اور فیصلہ کے موقع پر چمک چمک کر سامنے آتا حتیٰ کہ یہ کہا جانے لگا تھا کہ اس اُمّت کے فیصلہ ساز چار ہیں: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت موسیٰ اشعریؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

آپ اپنی ذمہ داریوں کی ادائی کا حق ادا کرنے والے عظیم انسان تھے۔ لوگوں پر بہت زیادہ اعتماد کر لیتے تھے۔ آپ کا اصول تھا کہ ''ہر صورت اخلاص سے کام لینا، پھر جو کچھ ہوتا ہے ہوتا رہے''۔ حضرت ابوموسیٰ کو رسولؐ اللہ کے نزدیک اعتماد اور محبت کا مقام حاصل تھا۔ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کے نزدیک بھی آپ صاحبِ مقام و مرتبہ تھے۔ آپ ایسی متاثر کن آواز میں قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے کہ سننے والے کے دل کی اتھاہ گہرائیوں تک اُس کے اثرات پہنچے یہاں تک کہ ایک دفعہ رسولؐ اللہ نے آپ کے بارے میں فرمایا ''ابوموسیٰ کو آلِ داؤد کے سُروں میں سے ایک سُر عطا کیا گیا ہے''۔ حضرت عمرؓ جب آپ کو دیکھتے تو قرآنِ مجید کی تلاوت کا آپ سے یہ کہتے ہوئے مطالبہ کرتے ''اے ابوموسیٰ! ہمارے اندر رب کا شوق پیدا کرو''۔

ایران کی شہنشائیت کے خلاف مسلمان جن جنگوں میں اُترے ہوئے تھے جناب ابوموسیٰ اشعریؓ کا اس جہاد میں عظیم کردار ہے۔ ایک شہر میں ایران کا سپہ سالار ہرمزان اپنے لشکر سمیت پسپائی اختیار کرتے ہوئے قلعہ بند ہو گیا تھا اور اُس نے قلعہ میں خوفناک لشکر جمع کر لیا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اِس معرکہ کے مردِ میدان تھے۔ اِس موقع پر امیرالمومنین نے آپ کو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی کمک پہنچائی۔ جن میں حضرت عمار بن یاسر، حضرت براء بن مالک، جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہم سرِفہرست تھے۔ اِس جنگ میں مسلمان لشکر کے سپالار جناب ابوموسیٰ اشعریؓ تھے۔ جب ایرانی فوج بھاگ کر قلعہ کے اندر بند ہو گئی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کئی دِن تک اُن کا محاصرہ کیے رکھا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ اشعریؓ نے ایک داؤ کھیلا، وہ اس طرح کے آپ نے دو سو گھڑ سواروں کو ایک ایرانی غدار کے ہمراہ بھیجا۔ آپ نے اُس ایرانی کو اِس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہمارے لشکر کے لیے شہر کا دروازہ کھلوا دے۔

Marfat.com

اس طرح سے شہر کا دروازہ کھلنا تھا کہ لشکرِ اسلام کے ہراول دستے نے ایرانیوں کا حفاظتی حصار تہس نہس کر دیا۔ پیچھے سے حضرت موسیٰ اشعری نے مسلسل کارروائی کا سلسلہ جاری رکھا اور چند ہی لمحوں میں مسلمان سپاہ اس اہم قلعے پر قابض ہو گئیں۔ ایرانی کمانڈروں نے ہتھیار ڈال دیے اور ابو موسیٰ اشعری نے انہیں گرفتار کر کے امیر المومنین کے پاس مدینہ بھجوا دیا تا کہ آپ ان کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ کریں۔

عہدِ فاروقی کی بیشتر مہمات میں آپ پیش پیش تھے۔ حضرت موسیٰ اشعری صرف اسی جنگ میں حصہ لیتے جس میں مسلمانوں کا مقابلہ ایسی فوج سے ہوتا جو دینِ اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہوتیں اور اللہ کے نُور کو بجھا ڈالنے کا ارادہ رکھتیں۔ اگر لڑائی ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے ساتھ ہوتی تو اُس سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے ادوار میں حضرت موسیٰ اشعریؓ نے مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے دیکھا تو حقِ حکمرانی کے بارے میں آپ کی رائے یہ تھی کہ ہر فریق اپنے حاکم کے بارے میں تعصب سے کام لے رہا ہے۔ دوسری طرف آپ نے یہ بھی دیکھا کہ دونوں اطراف سے جنگ جوؤں کا موقف ایسی انتہا کو پہنچ گیا ہے جس نے پوری اُمتِ مسلمہ کو تباہی کے گڑھے کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔ جب صورتحال اس قدر بُری انتہا کو پہنچ گئی تو آپ کی رائے یہ تھی کہ ہر طرف کا موقف بدل ڈالا جائے اور معاملے کو نئی بنیادوں پر حل کیا جائے۔

34ھ میں حضرت عثمانؓ نے اہلِ کوفہ کی درخواست پر آپ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا لیکن یہ دور انتہائی پُر آشوب تھا اور خانہ جنگیاں زور پکڑ رہی تھیں۔ آپ نے ان معاملات میں غیر جانبدار رہنے کی کوشش کی اور عزلت نشین ہو گئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی صُلح کے درمیان ثالث بھی مقرر ہوئے۔ وہ اللہ کے معاملے میں اتنی ہی آسانی اور معصومیت سے دوسروں پر اعتبار کرنے میں مشہور تھے۔ ایسے میں وہ بے اختیار کہا کرتے "اے اللہ تو ہی سلامتی ہے اور تجھی سے سلامتی مل سکتی ہے"۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان چپقلش کے واقعہ کے بعد اُمت کا انتشار اور بھی بڑھ گیا۔ آپ سے یہ صورتِ حال برداشت نہ ہو سکی اور مکہ کی طرف محوِ سفر ہوئے اور زندگی کے بقیہ ایام بیت اللہ کے پہلو میں گزر دیے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے

Marfat.com

مکۃ المکرّمہ میں 42ھ میں وفات پائی۔ رحلت کے وقت آپ کی عمر 61 سال تھی۔

(اسدُ الغابہ صفحہ 300-299)

آپ کو قرآن پاک سے غیر معمولی شغف تھا۔ فرصت کا سارا وقت قرآنِ پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف ہوتا۔ قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ آواز میں بڑی مٹھاس تھی۔ حضورؐ کو آپ کا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا۔ جہاں آپ کو تلاوت کرتے ہوئے سُنتے، وہیں کھڑے ہو جاتے۔ مسلمانوں کی خیر خواہی کا خیال ہر وقت پیشِ نظر رہتا۔ اُس کے مقابلے میں آپ بڑے سے بڑے فائدہ کو ٹھکرا دیتے تھے۔

آپ کا حلقہ آپ کے شاگردوں اور معتقدین کی وجہ سے بہت وسیع تھا۔ تقریر و خطابت میں آپ کو اللہ نے بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ کثرتِ وعظ سے احتراز فرماتے، جب کبھی بولتے، نہایت مختصر، صاف، سادہ اور جامع الفاظ میں بولتے۔ آپ کی خطابت کا انداز سادہ ہی تھا لیکن اُس کی اثر آفرینی اور دلنشینی نے آپ کے عقیدتمندوں کی تعداد میں بڑا اضافہ کیا۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

(فقیہہ الامّت، رازدارِ رسولؐ، پہلے مفسّرِ قرآن)

آپ کا نام عبداللہ اور والد کا نام مسعود تھا۔ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ابھی میرے گھر میں میرے بیٹے کی ولادت نہیں ہوئی تھی کہ حضورؐ نے میری کنیت ابوعبدالرحمٰن رکھ دی، چنانچہ میرے ہاں جب لڑکا پیدا ہوا تو اُس کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔ اس طرح والدہ کی طرف سے آپ کی کنیت ابن اُم عبد بھی ہے۔ آپ کے والد کا انتقال زمانۂ جاہلیت ہی میں ہو گیا تھا۔ آپ بعثت سے پندرہ برس قبل مکہ میں بنوزہرہ قبیلے میں پیدا ہوئے۔

آپ کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے وہ اسی طرح کہ آپ لڑکپن میں ایک مقامی رئیس عقبہ بن معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ عربوں میں رواج تھا کہ لڑکا خواہ کسی اعلیٰ خاندان ہی سے تعلق رکھتا ہو اُس سے بکریاں ضرور چرواتے۔ یوں لڑکے میں صبر، برداشت، حوصلہ، جفاکشی اور جرأت پیدا ہو جاتی۔

ایک دن عبداللہ بن مسعودؓ مکہ کے مضافات میں بکریاں چرا رہے تھے کہ حضورِ اکرمؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ تشریف لائے۔ آپؐ نے انہیں دیکھا تو فرمایا ''لڑکے تمہارے پاس کچھ دودھ ہوگا جو ہمیں مل سکے''؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ یہ بھیڑیں اور بکریاں

Marfat.com

میرے پاس امانت ہیں، اس لیے میں آپ کو دودھ نہیں پلا سکتا''۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تیرے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیے ہوں''؟ جواب دیا ''جی ہاں'' چنانچہ وہ ایک بکری حضورؐ کے پاس لے آئے۔ حضورؐ نے اُسے باندھا، تھنوں پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور دعا فرمائی، جس سے بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ یہ دودھ ابو بکرؓ اور لڑکے نے پیا اور پھر حضورِ اکرمؐ نے حسب خواہش نوش فرمایا۔ پھر آپؐ نے اس بکری کے تھنوں کو حکم دیا کہ سکڑ جاؤ تو وہ سکڑ کر اپنی پہلی والی حالت میں چلے گئے۔

یہ لڑکے، مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد میں نے نبی اکرمؐ سے عرض کی کہ آپؐ مجھے اِس دعا کی تعلیم دیجیے۔ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا ''اِنکَ غلامٌ معلِم'' (یعنی تم تو تعلیم یافتہ لڑکے ہو)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دل پر اس بات کا گہرا اثر ہوا اور آپ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس قولِ رسولؐ کی برکت سے آپؓ جب کوئی سورہ سُنتے تو وہ فوراً حفظ ہو جاتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جسم بہت ہلکا پھلکا تھا قد چھوٹا اور رنگ گندمی تھا، بلا کے ذہین تھے۔ آپ کا شمار اُن اصحابِ رسولؐ میں ہوتا ہے جو سب سے پہلے اسلام لائے اور قرآن کی زبان میں ''اسابِقون الاوّلُون'' کہلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن اصحاب کی عظمت کے متعلق ارشاد فرمایا:

> ''اور جو مہاجرین اور انصار ہیں، سابق اور مقدم ہیں۔ جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، ان سب سے اللہ راضی ہوا''۔

(سورہ توبہ آیت 100)

اسلام لانے والوں میں آپؓ کا چھٹا نمبر ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں ''مَیں نے اپنے آپ کو مسلمانوں میں سے چھٹا مسلمان دیکھا جبکہ ہمارے علاوہ روئے زمین پر کوئی اور مسلم نہیں تھا''۔

آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ مکہ مکرمہ مین اعلانیہ اور با آوازِ بلند قرآنِ مجید پڑھا جبکہ باقی اصحاب اُس وقت چھپ چھپ کر اور آہستہ قرآنِ پاک کی تلاوت کیا کرتے

Marfat.com

تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ جمع تھے اور آپس میں مشورہ ہو رہا تھا کہ اب تک قریش نے قرآنِ پاک بالکل نہیں سُنا۔ کوئی ایک شخص تو ایسا ہونا چاہیے جو یہ فرض ادا کرے۔ قریش کے سامنے با آواز بلند تلاوتِ قرآن مجید کرے تاکہ وہ سُن سکیں، اس سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں زیادہ مدد ملے گی۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا ''اللہ کی قسم! قریش کو قرآنِ پاک میں سناؤں گا''۔

صحابہ کرام نے جب یہ سُنا تو فرمایا کہ ہمیں ڈر ہے کہیں کفار آپ کو نقصان نہ پہنچائیں، ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا آدمی اُنہیں قرآنِ پاک سُنائے جس کا قبیلہ بڑا ہوتا کہ وہ مشرکین کے ظلم و ستم سے محفوظ رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ''نہیں میں ضرور جاؤں گا اور اُن کے سامنے با آوازِ بلند قرآن پڑھوں گا تاکہ وہ سُن لیں''۔

اگلے روز چاشت کے وقت جب کفار ایک جگہ جمع تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اُن کے پاس تشریف لائے اور بلند آواز سے بسم اللہ کے بعد سورۂ رحمٰن پڑھنا شروع کر دی۔ کفار نے آپ کی طرف مڑ کر دیکھا اور آپس میں گویا ہوئے ''کہ آج یہ اِمِ عبد کیا کہہ رہا ہے''؟ وہ پھر غور سے سننے لگے۔ اُن میں سے ایک آدمی بولا ''یہ تو وہ کلام پڑھ رہا ہے جو محمدؐ لے کر آئے ہیں'' کفار کا یہ سُننا تھا کہ فوراً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر حسبِ توقع ٹوٹ پڑے اور مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ اُنہوں نے آپ کو اس قدر مارا کہ آپ کا چہرہ متورّم ہو گیا۔ کُفار کی ایذا رسانی کے باوجود آپ جوش و جذبے سے مسلسل قرآن شریف پڑھتے رہے اور مار بھی کھاتے رہے۔ آپ جب صحابہ کرام میں واپس آئے تو آپ کے چہرے پر ضربات کے نشانات صاف عیاں تھے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: ''ہر نبی کو سات رفقا اور وزراء عطا کیے جاتے ہیں مگر مجھے چودہ عطا کیے گئے ہیں جو یہ ہیں:

''حمزہ، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، جعفر، حسن، حسین، عبداللہ بن مسعود، ابوذر، مقداد، حذیفہ، عمار اور سلمان فارسی'' (رضی اللہ عنہم)

مشرکین کا ظلم و استبداد جب حد سے بڑھا تو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے 11 مرد اور 4 عورتوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی شامل تھے۔ جبکہ حضرت عثمانِ غنیؓ، حضرت

Marfat.com

جعفرؓ طیار اور آپ کی دخترِ نیک اختر حضرت رقیہؓ بھی اس پہلے گروہ میں شامل تھیں۔ کچھ عرصہ بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک غلط افواہ کے نتیجہ میں مکہ واپس آ گئے اور پھر دوسری ہجرتِ حبشہ میں بھی آپ نے 80 افراد کے ہمراہ ہجرت فرمائی۔ تیسری ہجرت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مدینہ کی طرف فرمائی۔ اس طرح تین ہجرتوں کی عظیم سعادت آپ کے حصّہ میں آئی۔ حضورؐ نے مدینہ میں آپ کی مؤاخات حضرت معاذ بن جبلؓ سے کروائی۔ چنانچہ آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہاں قیام فرمایا۔

حضرت موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ مَیں نے حضرت علیؓ سے سنا کہ ایک دفعہ آنحضورؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مسواک لانے کو کہا، چنانچہ آپ ایک درخت پر چڑھ گئے، آپ کی ٹانگیں پتلی تھیں۔ کچھ لوگ آپ کی ٹانگوں کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضورِ اکرمؐ نے فرمایا:

''تم ایسے شخص پر ہنستے ہو جس کی پنڈلیوں کا وزن میزانِ عدل میں جبلِ اُحد سے بھی زیادہ بھاری ہوگا''۔

آپ کا لباس انتہائی سادہ اور سفید ہوتا۔ صاف ستھرا لباس پسند کرتے، روزانہ عمدہ خوشبو لگاتے۔ صحابہ آپ کو رات کی تاریکی میں خوشبو سے پہچان لیا کرتے تھے۔ آپ رسولِ پاکؐ کی اطاعت میں انتہائی اہتمام فرماتے۔ آپ آنحضورؐ کی خدمت کے لیے پیش پیش ہوتے، گویا انہوں نے اپنے شب و روز آپؐ کی خدمت کے لیے وقف کر رکھے تھے۔ آپ حضورِ اکرمؐ کو جوتے پہناتے پھر عصا لے کر آگے آگے چلتے۔ یہاں تک کہ حجرۂ رسولؐ میں آپؐ سے پہلے داخل ہوتے۔ جب حضورؐ سو جاتے تو نماز کے لیے بیدار کرتے۔ جب آپؐ سفر میں تنہا ہوتے تو ہتھیار بند ہو کر آپؐ کے خیمے کے باہر پہرہ دیتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنی اِن خدمات کی بدولت حضورؐ کے ایک طرح کے خادمِ خاص تھے۔ حضورؐ نے آپ کو اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ آپؐ کے رازوں اور پوشیدہ باتوں کو پردہ اٹھا کر سُن سکتے تھے۔ اس لیے آپ کو رازدارِ رسولؐ بھی کہا جاتا ہے۔

جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ آپ کو اہلِ بیت میں سے سمجھتے تھے۔ حضرت

Marfat.com

ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں:

''میں شروع میں یہ سمجھا کہ ابنِ مسعود اہلِ بیت میں سے ہیں۔ ابنِ مسعود اور آپ کی والدہ کو حضورؐ کی خدمت میں اندر باہر آتے جاتے دیکھا تو ہمیں شبہ ہوا کہ آپ اہلِ بیت میں سے ہیں''۔

اسلام قبول کرنے کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ شب و روز سرچشمۂ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر و حضر غرض ہر موقع پر آپ ساقیٔ معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے لیکن طلبِ صادق کی پیاس نہ بجھتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نحیف و نزار جسم کے مالک تھے لیکن ہر جنگ اور ہر غزوہ میں حضورؐ کے ہمرکاب رہے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اِس کے علاوہ خزانے کی نگرانی، مذہبی تعلیم اور والیٔ کوفہ کے فرائض بھی آپ نے انجام دیے۔ یہ ذمہ داری (عہدہ) حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بھی آپ کے پاس رہی۔

حضرت عثمانؓ کے آخری عہدِ خلافت میں آپ معزول کر دیئے گئے۔ اہلِ کوفہ مُصر تھے کہ آپ کوفہ سے نہ جائیں اور اگر کوئی مشکل پیش آئے تو وہ آپ کے مددگار ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

''میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ مَیں امیر کی اطاعت سے روگردانی کروں، مبادا اس سے کوئی فتنہ و فساد پھیلے اور مسلمانوں میں اس خرابی کا باعث میں بن جاؤں''

غرض آپ حج کی نیت سے ایک جماعت کے ہمراہ سفرِ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

تاریخِ طبری میں ہے جب حضرت ابوذر غفاریؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی بیٹی سے فرمایا کہ ذرا باہر کی طرف دیکھو کوئی قافلہ تو نہیں آ رہا۔ بیٹی باہر گئی اور دیکھ کر کہا کہ ابھی تو کوئی قافلہ نہیں آ رہا۔ پھر کچھ دیر کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ نے بیٹی کو بکری ذبح کرنے اور پکانے کا حکم دیا۔ چنانچہ بیٹی نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ آپ بیٹی سے گویا ہوئے:

''ابھی میری موت کے بعد ایک قافلہ آئے گا اور مجھے دفن کر دے گا، تم

Marfat.com

اُن سے کہہ دینا کہ آپ لوگ اُس وقت تک عازمِ سفر نہ ہوں، جب تک
یہ کھانا نہ کھالیں''۔

آپ نے پھر اپنی بیٹی سے کہا اَب ذرا پھر قافلے کو دیکھو، اُس نے باہر جا کر دیکھا تو واقعی قافلہ آ رہا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے بیٹی سے کہا ''میرا منہ قبلے کی طرف کر دو۔ بیٹی نے آپ کا منہ قبلے کی طرف کیا ہی تھا کہ آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ بیٹی اب جا کر قافلے کے راستے میں کھڑی ہوگئی، یہاں تک کہ قافلہ آ کر رُک گیا۔ آپ نے قافلے والوں کو کہا کہ ''اللہ آپ پر رحم کرے ذرا ابوذرؓ سے مل لیں''۔ قافلے والوں نے پوچھا ''وہ کہاں ہیں؟'' بیٹی بولی ''وہ وہاں رہتے تھے، اب اُن کی وفات ہوگئی ہے، اُن کے کفن دفن کی تیاری کر دیں''۔ چنانچہ اُن لوگوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس قافلہ کے میرِ کارواں تھے جو کوفہ سے مکہ جا رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوذرؓ کی لاش سے لپٹ کر بہت روئے اور آپ یہ الفاظ بھی ادا فرما رہے تھے:

''اللہ کے رسولؐ کی بات بالکل سچ ہوگئی کہ ابوذرؓ اکیلے ہی مریں گے اور
اکیلے ہی روزِ محشر اٹھائے جائیں گے''۔

پھر آپ نے ابوذرؓ کو غسل دیا اور کفن پہنانے کے بعد نمازِ جنازہ پڑھائی اور انہیں وہیں سپردِ خاک کر دیا۔ اِن تمام اُمور سے فراغت کے بعد سفر کا ارادہ کیا تو حضرت ابوذرؓ کی صاحبزادی گویا ہوئیں، میرے والد نے مجھ سے قبل از وفات فرمایا تھا کہ:

''اِن قافلہ والوں کو میرا اسلام عرض کرنا اور انہیں قسم دے کر کہنا کہ آپ
لوگ اُس وقت تک یہاں سے کُوچ نہیں کر سکتے جب تک یہ کھانا، جو کہ
آپ ہی کے لیے تیار کیا گیا ہے، کھا نہ لیں''۔

آپ حضرات نے حضرت ابوذرؓ کی بیٹی کی یہ بات فوراً مان لی اور کھانا کھانے کے بعد عازمِ مکّہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ کو حضرت ابوذرؓ کی وفات کی اطلاع دی اور اُن کی بیٹی جو کہ ''ربذہ'' میں اکیلی تھی، انہیں بھی اپنے ساتھ مکہ لیتے آئے تھے، اُس کو اُن کے اہلِ خانہ سے ملا دیا۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عمرے سے فراغت کے بعد مدینہ میں مستقل رہائش پذیر ہوگئے۔ آپ سے کثیر تعدادِ صحابہ اور تابعین نے روایتِ حدیث کی ہے۔ آپ حضورِ اکرمؐ کی احادیث کو بیان کرتے ہوئے اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ کبھی قالَ الرَّسولؐ یا سَمِعت الرّسولؐ نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ 'عَن رسولُ اللہ' کہہ کر حدیث بیان فرماتے۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد 64 ہے جو کہ متفق علیہ ہیں۔

آپؓ کا اندازِ خطابت اِس قدر دلنشین ہوتا تھا کہ کسی شخص کا دل اچاٹ نہ ہوتا بلکہ جب آپ خاموش ہوتے تو سب کا جی چاہتا کہ آپ اور زیادہ بیان فرمائیں۔

ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا ''خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ کرے، میں نے گذشتہ رات خواب میں دیکھا ہے کہ حضورِ اکرمؐ ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ سامنے حاضر ہیں۔ اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے۔

''ابنِ مسعود! میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی ہے، آؤ میرے پاس چلے آؤ''۔ حضرت عبداللہ مسعودؓ نے جب اِس شخص سے یہ سُنا تو فرمایا کہ ''خدا کی قسم! تم نے یہ خواب دیکھا ہے''؟ بولا ''ہاں'' فرمایا ''تم میرے جنازے میں شریک ہوکر ہی مدینے سے کہیں جاؤ''۔

یہ خواب چند ہی روز میں حقیقت میں بدل گیا اور آپ اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو آپ کی زندگی سے مایوسی ہوگئی۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ آپ کے آخری لمحات میں عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور گفتگو فرمائی:

''آپ کو کس مرض کی شکایت ہے''؟ ''اپنے گناہوں کی'' ''آپ کیا چاہتے ہیں''؟ ''خدا کی رحمت'' ''آپ کے لیے طبیب بلاؤں''؟ ''مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے''۔ ''آپ کا وظیفہ جاری کردوں''؟ ''مجھے اُس کی ضرورت نہیں'' ''آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا''۔ ''کیا آپ کو میری بیٹیوں کے محتاج اور فقیر ہوجانے کا خطرہ ہے؟ میں نے اُنہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات ''سورہ واقعہ'' پڑھ لیا کریں کیونکہ آنحضورؐ

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ میں ''مبتلا نہیں ہوگا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو جب سفرِ آخرت کا یقین ہوگیا تو انہوں نے حضرت زبیر بن العوامؓ اور اُن کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیرؓ کو بلایا اور اپنے مال و اسباب اور اولاد نیز اپنی تجہیز و تکفین سے متعلق مختلف وصیتیں فرمائیں اور 60 برس سے کچھ زائد عمر پا کر 32ھ میں دارِفانی سے انتقال فرمایا۔ مُستند اور صحیح روایات کے مطابق آپ کی نمازِ جنازہ حضرت عثمانؓ نے پڑھائی اور آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کے برابر دفن کیا گیا۔

غزوہ بدر میں ابوجہل کا سَر آپ نے کاٹا تھا اور نبی کریمؐ نے انہیں جنت کی بشارت دی۔

Marfat.com

حضرت ابوذر غفاریؓ

آپ کا نام جندب اور والد کا نام جنادہ تھا۔ آپ کی کنیت ابوذر تھی۔ آپ چونکہ قبیلہ بنو غفار سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے غفاری آپ کے نام کا حصّہ بن گیا۔ قبیلہ بنو غفار مدینہ سے جنوب مغرب کی طرف 80 میل کے فاصلہ پر بدر کے نواح میں واقع تھا۔ یہ بستی اُس راستے پر واقع تھی جو مکہ سے شروع ہو کر ملک شام کو جاتا تھا۔ اس قبیلے کے لوگ کبھی کبھی لوٹ مار بھی کرلیا کرتے۔

حضرت ابوذرؓ عمر میں آنحضرتؐ سے دو سال بڑے تھے۔ آپ ظہورِ اسلام سے قبل کے توحید پرست اور عبادت گزار تھے۔ جب مکّہ میں آفتابِ رسالت طلوع ہوا تو اُس کی خبر یثرب بھی جا پہنچی۔ آپ کا قبیلہ کیونکہ یثرب کے اطراف میں واقع تھا اِس لیے اسلام کی گھن گرج آپ کے کانوں میں بھی پڑی۔ آپ کے اسلام لانے کا واقعہ صحیح بخاری میں تفصیل سے روایت کیا گیا ہے جو کہ اس طرح ہے:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ابوذر نے فرمایا ''میں قبیلہ غفار کا آدمی تھا، مجھے معلوم ہوا کہ مکّہ میں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی اُنیس سے کہا کہ تم مکہ میں اُس آدمی کے پاس جاؤ، اُن سے بات کرو اور میرے پاس اُس کی خبر لاؤ۔ وہ مکہ پہنچا، آپؐ سے ملاقات کی اور واپس آیا۔ میں نے پوچھا، کیا خبر لائے ہو؟ اُنیس بولا خدا کی قسم، ''میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا ہے جو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا

Marfat.com

ہے''۔ مَیں نے کہا تم نے تسلّی بخش خبر نہیں دی۔ آخر میں خود اپنا توشہ دان اور ڈنڈا اٹھا کر مکّے کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ تو گیا لیکن آپ کو پہچانتا نہ تھا اور یہ بھی گوارا نہ تھا کہ آپؐ کے متعلق کسی سے پوچھوں۔ چنانچہ میں زم زم کا پانی پیتا اور مسجدُ الحرام میں پڑا رہتا۔ آخر میرے پاس حضرت علیؓ کا گزر ہوا، کہنے لگے ''اجنبی آدمی معلوم ہوتے ہو''؟ میں نے کہا ''جی ہاں''۔ انہوں نے کہا ''اچھا تو گھر چلو'' میں اُن کے ساتھ چل پڑا۔ نہ وہ مجھ سے کچھ پوچھ رہے تھے نہ میں اُن سے کچھ پوچھ رہا تھا اور نہ انہیں کچھ بتا رہا تھا۔

صبح ہوئی تو میں اس ارادے سے پھر مسجد الحرام گیا کہ آپؐ کے متعلق دریافت کروں، لیکن کوئی نہ تھا جو مجھے آپؐ کے متعلق کچھ بتاتا۔ آخر میرے پاس سے پھر حضرت علیؓ گزرے، دیکھ کر بولے، اس آدمی کو ابھی اپنا ٹھکانہ معلوم نہ ہوسکا۔ اچھا تو میرے ساتھ چلو۔ اس کے بعد انہوں نے کہا ''اچھا تمہارا معاملہ کیا ہے اور تم کیوں اِس شہر میں آئے''؟ میں نے کہا کہ اگر آپ رازداری سے کام لیں تو بتاؤں؟ انہوں نے کہا ٹھیک ہے، میں ایسا ہی کروں گا۔ میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبیؐ بتاتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو یہاں بھیجا کہ وہ بات کر کے آئے مگر اُس نے پلٹ کر کوئی تشفی بخش بات نہ بتلائی اس لیے میں نے سوچا کہ خود ہی ملاقات کروں۔ حضرت علیؓ نے کہا ''بھئی تم صحیح جگہ پہنچے۔ دیکھو میرا رُخ انہیں کی طرف ہے، جہاں میں گھسوں، تم بھی گھس جانا، اور ہاں میں اگر کسی ایسے شخص کو دیکھوں، جس سے تمہارے لیے خطرہ ہے تو دیوار کی طرف اُس طرف جارہوں گا گویا اپنا جوتا ٹھیک کررہا ہوں، لیکن تم راستہ چلتے رہنا''۔ اس کے بعد حضرت علیؓ روانہ ہوئے اور میں بھی ساتھ ساتھ چل پڑا۔ یہاں تک کہ وہ اندر داخل ہوئے اور میں اُن کے ساتھ نبیؐ کے پاس جا داخل ہوا اور عرض کیا کہ آپؐ مجھ پر اسلام پیش کریں آپؐ نے اسلام پیش کیا اور میں وہیں مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد آپؐ نے مجھ سے فرمایا ''اے ابوذر اس معاملے کو پس پردہ رکھو اور اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ، جب ہمارے ظہور کی خبر ملے تو آجانا''۔ میں نے کہا اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں تو اُن کے درمیان ببانگِ دہل اس کا اعلان کروں گا۔ اس کے بعد میں مسجد الحرام میں آیا، قریش موجود تھے۔ مَیں نے کہا ''قریش کے

Marfat.com

لوگو!''اشھدُ ان لا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہُ و اشھدُ ان محمدً عبدُہٗ و رسُولہ'' (میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں'')

لوگوں نے کہا: اٹھو، اس بے دین کی خبر لو، لوگ اٹھ پڑے اور مجھے اِس قدر مارا کہ میں مَر جاؤں لیکن حضرت عباسؓ نے مجھے آ بچایا (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے)۔ انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا، پھر قریش کی طرف پلٹ کر بولے: تمہاری بربادی ہو تم لوگ غفار کے ایک آدمی کو مار رہے ہو حالانکہ تمہاری تجارت اور گزرگاہ غفار قبیلے ہی سے ہو کر جاتی ہے۔ اس پر لوگ مجھے چھوڑ کر ہٹ گئے۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو میں پھر وہیں گیا اور جو کچھ کل کہا تھا آج پھر کہا اور لوگوں نے پھر کہا کہ اُٹھو اس بے دین کی خبر لو۔ اس کے بعد پھر میرے ساتھ وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا اور پھر حضرت عباسؓ ہی نے مجھے آ بچایا۔ وہ مجھ پر جھکے اور پھر ویسی ہی بات کہی جو کل کہی تھی''
(صحیح بخاری باب قصہ زمزم)

یہ وہ حدیث ہے جو حضرت ابوذرؓ کے اسلام قبول کرنے کے متعلق ہے۔ حضرت ابوذر انتہائی قدیم الاسلام ہیں (السابقون الاوّلون) یہاں تک کہ آپ اسلام قبول کرنے والوں میں چوتھے نمبر پر آتے ہیں۔ آپ اہلِ صفہ کے ساتھ انس و محبت کی وجہ سے اکثر اوقات اُنہی کے پاس گزارتے، اس لیے اہلِ صُفّہ میں بھی اُن کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت اسماء بنتِ یزید روایت کرتی ہیں کہ ''ابوذر ہمیشہ خدمتِ نبویؐ میں مشغول رہتے، جب فارغ ہوتے تو مسجدِ نبویؐ میں چلے آتے کیونکہ مسجد ہی آپ کا گھر تھا، مسجد میں آ کر لیٹ جاتے۔ ایک رات جناب رسولِ اکرمؐ تشریف لائے، آپؐ نے انہیں مسجد کے ریتلے فرش پر سوئے ہوئے پایا۔ آپؐ نے اپنے پاؤں مبارک سے ہلایا تو اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ

''کیا تم مسجد میں سو رہے ہو''؟ عرض کیا ''یا رسولُ اللہ! میں اور کہاں لیٹوں، مسجد کے سوا میرا کوئی گھر نہیں''۔

حضرت ابوذرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ''میں اصحابِ صُفّہ میں موجود ہوتا، جب شام ہوتی تو ہم تمام حضورؐ کے درِ اقدسؐ پر حاضر ہو جاتے۔ آپ ہر آدمی کو حکم دیتے کہ وہ اہلِ صفہ میں سے ایک کو لے جائے، چنانچہ ہم میں سے دس افراد یا اُس سے کچھ کم و بیش بچ رہتے۔ جب آپ کا

Marfat.com

کھانا آتا تو ہم سب مِل کر آپؐ کے ساتھ کھاتے پھر جب ہم کھانے سے فارغ ہو جاتے تو آپؐ فرماتے، ''جا کر مسجد میں سو جاؤ''۔ حضرت ابوذرؓ بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسولؐ اللہ اُن کے پاس سے گزرے جب کہ وہ منہ کے بل اوندھے سوئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے اُنہیں پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا ''اے جندب (یہ ابوذرؓ کا اپنا نام ہے) اس طرح منہ کے بَل شیطان لیٹتا ہے''۔

غزوۂ خندق کے بعد حضرت ابوذرؓ تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ علم حاصل کرنے کے بہت شوقین تھے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں ''مَیں حضورؐ سے پوچھا کرتا تھا اور پوچھنے میں شدید تھا''۔ حضرت عمرؓ آپ کو علم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر سمجھتے تھے۔ آپ کی بیان کردہ احادیث کی تعداد 281 ہے۔ یہاں تک کہ حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی آپؓ کے علم سے استفادہ کیا ہے، آپؓ نے جو دربارِ رسالتؐ سے علم حاصل کیا، آپؓ اس کی چلتی پھرتی تفسیر تھے۔ حضرت رسول کریمؐ سے آپ کو عقیدت تھی اور آنحضرتؐ بھی آپؓ کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ، میں صرف آپؐ سے اور اللہ سے محبت رکھتا ہوں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا ''تم اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ ہو''۔ آپ حضرت ابوذر غفاریؓ پر اتنی شفقت فرماتے تھے کہ مرض الموت میں بھی انہیں بُلا بھیجا، حضرت ابوذر غفاریؓ بارگاہِ نبوت میں پہنچ کر والہانہ آپؐ کے اوپر جُھکے۔ حضورؐ نے ہاتھ بڑھا کر اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا۔ جنابِ رسولِ اکرمؐ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ جب بھی آپؐ کا ذکر فرماتے تو ''حِبی''، ''خلیلی'' (میرے محبوب، میرے دوست) کے الفاظ سے یاد کرتے۔ جس بات کی حضورِ اکرمؐ نے تعلیم دی، مرتے دم تک اُس پر عمل پیرا رہے۔

ایک دفعہ رسولِ اکرمؐ نے آپ سے فرمایا:

''کیا تم ایسی بات پر بیعت کرو گے جس کے بعد تمہارے لیے صرف جنت ہو۔ کہنے لگے ''جی ہاں'' اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ حضورؐ نے فرمایا ''تم کسی شخص سے کچھ نہیں مانگو گے''۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا ''بہت بہتر'' آنحضرتؐ نے فرمایا ''حتیٰ کہ وہ کوڑا بھی نہیں جو تمہارے

Marfat.com

گھوڑے سے گر پڑے بلکہ تم اترو اور خود اٹھاؤ''۔ اس کے بعد آپ کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی سے کچھ نہ مانگا۔

9ھ میں رومیوں نے شام میں بہت بڑی فوج جمع کر دی تھی۔ یہ بڑا فیصلہ کن لمحہ تھا۔ حضورؐ نے اعلانِ جہاد کر دیا۔ سخت گرمی کا موسم، کھجور کی فصل پک کر تیار تھی۔ روم جیسی بڑی طاقت سے ٹکر لینے کا معاملہ، سچے اور مخلص مسلمان تو جہاد میں حصہ لینے کے لیے بیتاب تھے اور منافق طرح طرح کے عذر پیش کر کے رخصتیں طلب کر رہے تھے۔ بالآخر مسلمانوں کا لشکر غزوہ تبوک میں حصّہ لینے کے لیے روانہ ہوا۔ حضرت ابوذرؓ کا اونٹ ذرا سُست رفتار تھا، وہ لشکر سے پیچھے رہ گیا۔ شور مچ گیا ''ابوذر رہ گئے، ابوذر رہ گئے'' آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ''اگر اُس کی ذات میں کوئی بہتری ہوگی اللہ اُسے خود تم لوگوں سے ملا دے گا''۔

اُدھر ابوذرؓ نے بڑی کوشش کی کہ اونٹ تیز چلے لیکن آپ لشکرِ اسلام کو نہ پکڑ سکے۔ بیتاب ہو کر اونٹ سے اُتر پڑے۔ کچھ سامان جو اٹھا سکے اٹھایا اور لشکر کو پکڑنے کے لیے دوڑنا شروع کر دیا۔ قافلے والوں نے دور سے دیکھا کوئی شخص ہمارے پیچھے دوڑتا چلا آرہا ہے۔ ہر طرف صدائیں لگنے لگیں ''کوئی بھاگا ہوا آرہا ہے کوئی آرہا ہے''۔ آپؐ نے فرمایا ''ابوذرؓ ہوں گے''۔ لوگوں نے دیکھا تو واقعی ابوذرؓ ہی تھے۔ آپؐ نے فرمایا ''ابوذرؓ اکیلے ہی چلتے ہیں، اکیلے ہی مریں گے اور قیامت کے دن اکیلے ہی اُٹھیں گے''۔ حضرت ابوذرؓ غفاری کے زہد و تقویٰ اور خدا کے رسولؐ سے عشق کا یہ عالم تھا کہ سرورِ کائنات نے انہیں ''مسیح الاسلام'' کا لقب عطا فرمایا۔

جب نبی اکرم آقائے دو جہاںؐ نے اِس دُنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت ابوذرؓ کے دِل کی دُنیا ہی اُجڑ گئی۔ مدینہ منورہ چھوڑ کر ملک شام میں جا بسے۔ ایک حضرت امیر معاویہؓ اپنا محل تعمیر کروا رہے تھے۔ اتفاق سے حضرت ابوذرؓ اُدھر سے گزرے۔ محل کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر حضرت معاویہؓ سے مخاطب ہو کر بولے ''اگر اِس محل کی تعمیر اللہ کے مال سے ہو رہی ہے تو خیانت ہے اور اگر اس پر اپنا مال خرچ کر رہے ہو تو اِسراف ہے، حضرت معاویہؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں پے در پے فتوحات ہوئیں، لوگ آرام و آسائش کی طرف مائل ہوئے لیکن حضرت ابوذر غفاریؓ بدستور سادہ زندگی بسر کرتے رہے اور عیش و آرام کے

Marfat.com

اسباب پر تنقید کیا کرتے۔ یہ تنقید اس قدر بڑھی کہ حضرت عثمانؓ نے آپ کو مدینہ بُلا کر فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیے۔ لیکن آپ مدینہ کے قریب ایک صحرائی گاؤں 'ربذہ' میں جا کر رہنے لگے۔

ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ جو اُن دنوں بحرین کے ناظم تھے آئے تو محبت سے حضرت ابو ذرؓ کے گلے لگ گئے لیکن آپ نے اُنہیں دھکے دے کر پیچھے کر دیا۔ پھر حضرت ابو ذر غفاریؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا ''آپ کسی صوبے کے عامل مقرر ہوئے''؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے اقرار کیا۔ پوچھا ''کوئی کوٹھی بنوائی، کوئی زمین حاصل کی، اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ کے مالک ہوئے؟'' حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ''نہیں'' یہ جواب سُن کر حضرت ابو ذرؓ نے انہیں بڑھ کر اور خوش ہو کر گلے لگا لیا اور فرمایا ''ہاں، تم میرے بھائی ہو''۔

حق گوئی حضرت ابو ذر غفاریؓ کا شعار تھی۔ خود آنحضرتؐ نے فرمایا ''آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابو ذرؓ سے سچا کوئی نہیں (ترمذی)

نبی اکرمؐ نے غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا تھا ''ابو ذرؓ تنہا چلتا ہے، تنہا مرے گا اور تنہا ہی روزِ قیامت اٹھایا جائے گا''۔

اللہ کے رسولؐ کی پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت آ چکا تھا۔ حج کا زمانہ تھا۔ 'ربذہ' میں حضرت ابو ذرؓ اپنی زندگی کے آخری ایام بسر کر رہے تھے۔ اوّل تو وہاں صحرائی گاؤں 'ربذہ' میں آبادی تھی ہی بہت تھوڑی، پھر سب لوگ حج کے لیے جا چکے تھے۔ حضرت ابو ذرؓ شدید بیمار ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے۔ ساتھ رہ رہی بیٹی سخت پریشان تھی۔ حضرت ابو ذرؓ نے اطمینان سے کہا۔ حضورؐ نے مجھ سمیت کچھ افراد سے فرمایا تھا ''تم میں سے ایک صحرا میں مرے گا اور اُس کی موت کے وقت وہاں مسلمان کی ایک جماعت پہنچ جائے گی''۔

تاریخ طبری میں ہے جب حضرت ابو ذر غفاریؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنی بیٹی سے فرمایا کہ ''ذرا باہر کی طرف دیکھو، کوئی قافلہ تو نہیں آ رہا''؟۔ بیٹی باہر گئی اور دیکھ کر کہا کہ ابھی تو کوئی قافلہ نہیں آ رہا۔ پھر کچھ دیر بعد حضرت ابو ذرؓ نے بیٹی سے بکری ذبح کرنے اور پکانے کا حکم دیا۔ چنانچہ بیٹی نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ آپ بیٹی سے گویا ہوئے ''ابھی میری

Marfat.com

موت کے بعد ایک قافلہ آئے گا اور مجھے دفن کر دے گا، تم اُن سے کہہ دینا کہ آپ لوگ اُس وقت تک عازمِ سفر نہ ہوں، جب تک یہ کھانا نہ کھالیں''۔

آپ نے پھر اپنی بیٹی سے کہا ''اب ذرا پھر قافلے کو دیکھو، اُس نے باہر جا کر دیکھا تو واقعی ایک قافلہ آ رہا تھا۔ چنانچہ ابوذر غفاریؓ نے بیٹی سے کہا ''میرا منہ قبلے کی طرف کر دو، بیٹی نے آپ کا منہ قبلے کی طرف کیا ہی تھا کہ آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ بیٹی اب جا کر قافلے کے رستے میں کھڑی ہوگئی۔ یہاں تک قافلہ آ کر رک گیا۔ بیٹی نے قافلہ والوں کو کہا ''اللہ آپ پر رحم کرے، ذرا ابوذرؓ سے مل لیں''۔ قافلے والوں نے پوچھا 'وہ کہاں ہیں'؟ بیٹی بولی وہ وہاں رہتے تھے، اب اُن کی وفات ہوگئی ہے، آپ اُن کے کفن دفن کی تیاری کر دیں۔ چنانچہ ان قافلہ والوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ فقیہ الامّت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اِس قافلہ کے میرِ کارواں تھے جو کوفہ سے مکّہ جا رہا تھا اور آپ لوگ کوفہ ہی سے حج کا اِحرام باندھے آ رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوذرؓ کی لاش سے لپٹ کر خوب روئے اور ساتھ ساتھ آپ یہ الفاظ بھی ادا فرما رہے تھے ''اللہ کے رسولؐ کی یہ بات بالکل سچ ہوگئی کہ ''ابوذر اکیلے ہی مریں گے اور اکیلے ہی روزِ محشر اٹھائے جائیں گے''۔ پھر آپ نے حضرت ابوذرؓ کو غسل دیا اور کفن پہنانے کے بعد نمازِ جنازہ پڑھائی اور انہیں وہیں سپردِ خاک کر دیا۔ اِن تمام امور سے فراغت کے بعد مکہ سفر کا ارادہ کیا تو حضرت ابوذرؓ کی صاحبزادی گویا ہوئیں۔ ''میرے والد نے مجھے قبل از وفات فرمایا تھا کہ ان قافلہ والوں کو میرا سلام عرض کرنا اور اُنہیں قسم دے کر کہنا کہ آپ لوگ اُس وقت تک یہاں سے کُوچ نہیں کر سکتے جب تک یہ کھانا جو آپ ہی کے لیے تیار کیا گیا ہے، کھا نہ لیں'' قافلہ والوں نے بیٹی کی بات فوراً مان لی اور کھانا کھانے کے بعد عازمِ مکّہ ہو گئے۔ آنحضرتؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ ذوالحج 32ھ میں فوت ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 86 سال تھی اور فقیہہ الامّت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

مکہ پہنچ کر حضرت عثمان خلیفۂ رسولؐ کو حضرت ابوذر غفاریؓ کی وفات کی اطلاع دی اور اُن کی بیٹی جو کہ 'ربذہ' میں اکیلی تھی، اُسے بھی اپنے ساتھ لیتے آئے تھے۔ صاحبزادی کو اُن کے اہلِ خاندان سے ملوا دیا۔

Marfat.com

حضرت ابوذر غفاریؓ کا شمار اُن کبار صحابہ میں ہوتا ہے جن کے علم و مرتبت پر ملّتِ اسلامیہ کے ہر مرد کا کامل اتفاق ہے۔ حضرت ابوذرؓ اگرچہ سالہا سال فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہوئے لیکن اُن سے مروی احادیث مبارکہ کی تعداد ۲۸۱ ہے۔ انہوں نے آنحضورؐ کے جو ارشاداتِ مقدّسہ اُمّت تک پہنچائے اُن میں بیشتر کا تعلق توحید اور اخلاق سے ہے۔

Marfat.com

حضرت سُلمان فارسیؓ

اِسلام قبول کرنے سے پہلے آپ کا نام ''مابہ'' تھا۔آپ کے ابا وٗ اجداد مجوسی المذہب اور ایران کے شہر اصفہان کے قریب ایک بستی ''جی'' کے رہنے والے تھے۔آپ کے والد کا نام بوذفشاں بن مورسلان تھا۔آپ کا والد بستی میں ایک آتش کدے کا مجاور (مہتمم) تھا۔ویسے آپ کے والد کا ذریعۂ معاش کاشتکاری تھا۔

ایک دن حضرت سلمان فارسی کے والد نے کہا کہ آج میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں کھیتوں نہ جاسکوں گا اِس لیے آج تم ہو آؤ۔سلمان راضی ہوگئے۔راستے میں ایک عیسائیوں کا گرجا تھا جس میں اُس وقت عیسائیوں کی عبادت ہورہی تھی۔گرجا میں وہ باآواز بلند مناجات پڑھ رہے تھے۔سلمان یہ سُن کر اندر چلے گئے (یہ سلمان کا اللہ کی واحدانیت کی طرف پہلا قدم تھا)۔عیسائیوں کی عبادت کا طریقہ دیکھ کر آپ بہت متاثر ہوئے اور اپنے آبا وٗ اجداد کے آتش پرستی کے مذہب سے دل میں بیزاری اور نفرت محسوس کرنے لگے۔اُس وقت انہوں نے اپنے دل میں تہیہ کرلیا کہ آج میں آتش پرستی ترک کرتا ہوں۔گرجا میں وہ عیسائی راہب سے ملے اور اُس سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔عیسائی راہب یہ سُن کر بہت خوش ہوا اور انہوں نے اسی وقت نوخیز نوجوان کو اپنے مسیحی مذہب میں داخل کرلیا۔مابہ کے دل میں جستجوئے حق نہ جانے کب سے پرورش پارہی تھی۔عیسائیوں سے پوچھا کہ آپ کے دینِ عیسوی کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے کہا ''ملک شام میں''۔مابہ نے یہ بات دل میں ذہن نشین کرلی اور شام تک گرجے میں رہا۔

Marfat.com

جب آفتاب غروب ہونے کا وقت آیا تو وہ اپنے گھر لوٹا۔

والد نے پوچھا ''کھیتوں کو دیکھ آئے ہو''؟ مابہ نے جواب دیا ''نہیں'' راستے میں ایک گرجا تھا، کچھ لوگ وہاں مصروفِ عبادت تھے، مجھے اُن لوگوں کا طریقِ عبادت بڑا اچھا لگا اور میں سارا دن اُنہی کے پاس رہا'۔ والد نے بیٹے کی جب یہ حرکت سُنی تو بہت غضبناک ہوگیا اور کہا کہ 'آج کے بعد تمہارا گھر سے نکلنا بند' اور اُس کو ایک کمرے میں قید کردیا۔

مابہ نے کسی طرح سے عیسائیوں کو کہلا بھیجا کہ کوئی قافلہ شام جائے تو مجھ کو اُس کی خبر کرنا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مابہ موقع پا کر اس قافلے کے ساتھ شام کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچ کر اُنہوں نے معلوم کیا کہ عیسائیوں کا یہاں پر سب سے بڑا پیشوا کون ہے؟ لوگوں نے کہا ''بشپ''۔ مابہ اُس بشپ کے پاس گئے اور اُس کے اخلاق و کردار کا غور سے مطالعہ کرنے لگے۔

پتہ چلا کہ یہ شخص انتہا درجہ کا ذلیل فطرت اور بدعمل تھا۔ مابہ اُس کی بدعملی کو دیکھ کر دل ہی دل میں کُڑھتے تھے۔ آخر کار ایک دن وہ بشپ مرگیا اور اُس کی جگہ جو دوسرا بشپ بنا وہ پہلے والے کے مقابلے میں بڑا عابد، زاہد اور تارک الدنیا تھا۔ مابہ اُس سے بہت مانوس ہوگیا۔ جب یہ مرنے لگا تو مابہ نے پوچھا کہ اب میں کس کے پاس جاؤں؟ اُس نے موصل کے کسی شخص کے پاس جانے کی ہدایت کی۔ مابہ موصل آیا تو دیکھا کہ واقعی یہ شخص بڑا عابد و زاہد اور متقی تھا، مگر چند ہی روز بعد جب اُس کا انتقال ہونے لگا تو اُس نے مابہ کو وصیّت کی کہ ایک مقام 'نصیبن' کے فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ۔ بشپ کی وصیّت کے مطابق مابہ نے نصیبن آکر دیکھا کہ واقعی یہ شخص بھی پہلے دو بشپوں کی طرح عابد و زاہد ہے۔ اتفاق سے چند روز کے بعد اُس کا بھی انتقال ہوگیا اور اُس کی وصیّت کے مطابق مابہ عموریہ آگئے۔ یہاں انہوں نے کچھ بکریاں خرید لیں اور اُن کی پرورش سے اپنی معاش کا انتظام کرنے لگے۔ آخر کار وقت آیا کہ اُس اسقف کا بھی ساغرِ حیات چھلکنے لگا۔ مابہ نے اُس سے کہا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ بشپ بولا ''اب کوئی بشپ ایسا نہیں ہے جس کے پاس جانے کی مَیں تم کو ہدایت کروں، البتہ ہاں! اُس نبی کے ظہور کا انتظار کرو جو ریگستانِ عرب سے اُٹھ کر دینِ ابراہیمیؑ کو زندہ کرے گا، اُس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ

Marfat.com

قبول کرے گا لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھے گا اور اُس کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوّت ہوگی۔ اگر تُم اُس پاک نبی کا زمانہ پاؤ تو اُس کی خدمت میں ضرور حاضر ہونا۔‘‘

اُس بشپ کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک مابہ عموریہ میں مقیم رہا، اسی اثناء میں عرب کے بنوکلب کا ایک قافلہ اُن کے پاس سے گزرا، سلمان (مابہ) نے اُن لوگوں سے کہا ’میں اپنی بکریاں اور گائے دے دُوں گا، تم مجھ کو اپنے شہر میں لے چلو۔ قافلہ راضی ہوگیا اور حضرت سلمان اُن کے ساتھ چلے آئے۔ مگر بعد میں اُن قافلہ والوں نے دھوکہ کیا اور وادیٔ القریٰ پہنچ کر انہوں نے حضرت سلمان کو ایک غلام ظاہر کر کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کردیا۔ حضرت سلمان نے یہاں کھجوریں دیکھیں تو سمجھے کہ میرا گوہرِ مقصود یہیں ملے گا۔ (اُس وقت آنحضرتؐ ابھی مکہ میں ہی قیام پذیر تھے)

کُچھ دن گزرے اُن کے اِس یہودی مالک کا رشتہ دار جو یثرب کا رہنے والا تھا، اُس سے ملنے آیا، اُسے ایک غلام کی ضرورت تھی۔ اُس نے اِس کا اپنے میزبان سے ذکر کیا تو اُس نے مابہ کو اپنے مہمان کے ہاتھ فروخت کردیا۔ یہ شخص مابہ کو اپنے ہمراہ یثرب لے آیا۔ اِس یہودی کا تعلق قبیلہ بنوقریظہ سے تھا۔ انہی دنوں آنحضور بھی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ ’’مَیں اپنے آقا کے باغ میں ایک کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑ رہا تھا۔ اتنے میں یہودی مالک کا چچازاد بھائی آیا اور اُسے کہنے لگا ’خدا بنوقیلہ کو غارت کرے، سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس بھاگے جارہے ہیں، جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے آپ کو نبی کہتا ہے‘۔ مَیں یہ سُن کر دل میں کہنے لگا کہ میرا مطلوب و مقصود آپہنچا۔ مجھ پر ایک بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ قریب تھا کہ میں درخت سے نیچے گر پڑوں۔ بڑی عجلت سے اپنے آقا کے پاس آیا اور پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ اُس نے میرے منہ پر زور سے طمانچہ مارا اور کہنے لگا ’جا اپنا کام کر، تجھ کو ان باتوں سے کیا غرض‘؟ حضرت سلمان اُس وقت تو خاموش ہوگئے۔ رات ہوئی تو کوئی چیز لے کر قبا میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے پاس یہ چیز جمع ہوگئی تھی، اب میں اُس کو آپؐ کے پاس بطور صدقہ لے کر آیا ہوں، کیونکہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک صالح بزرگ ہیں اور آپ کے ساتھ حاجت مند لوگ ہیں‘۔

Marfat.com

آنحضورؐ نے اِس کو دیکھ کر اپنا دستِ مُبارک روک لیا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا ''کھاؤ، چنانچہ وہ سب کھانے میں مشغول ہو گئے اور سلمان واپس چلے آئے۔

پھر ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حسبِ سابق کوئی چیز لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یہ آپؐ کے لیے ہدیہ ہے، صدقہ نہیں، آپؐ نے اپنا دستِ مبارک بڑھایا اور اُس میں سے خود بھی کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلایا'' حضرت سلمان فرماتے ہیں، مَیں نے یہ دیکھ کر کہا'' یہ دو علامتیں تو صحیح نکلیں اب ایک خاتمِ نبوّت کی علامت اور رہ گئی ہے، اب اُس کا بھی امتحان کر لینا چاہیے''۔

چنانچہ ایک اور دن حضرت سلمان آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ اُس وقت ایک جنازہ کے ساتھ جنت البقیع جا رہے تھے۔ حضرت سلمان (مابہ) ختمِ نبوّت دیکھنے کی خاطر پیچھے ہو گئے کہ کس وقت کپڑا ہٹے تو مہرِ نبوّت کو دیکھے۔ آپؐ نے مابہ کی دلی کیفیت پہچان لی۔ پشتِ مقدس سے کپڑا ہٹا دیا۔ مابہ (حضرت سلمان) کے سامنے مہرِ نبوّت اپنی پوری ضوفشانیوں کے ساتھ موجود تھی۔ اُس نے بصد احترام و عقیدت جھک کر اپنے کانپتے ہوئے ہونٹ مہرِ نبوّتؐ پر ثبت کر دیے اور پھر بے اختیار رونے لگا۔ آنحضرتؐ نے اُن کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اب مابہ نے آپ کو اپنے پورے واقعات اور رودادِ سفر بیان کی، جس سے آپؐ نے بڑی دلچسپی لی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ آپؐ کے اصحاب بھی اس کو سُنیں۔ اس کے بعد آپؐ نے مابہ کو مشرف بہ اسلام کر کے اُن کا اسلامی نام سلمان رکھا۔ اُس دِن کے بعد مابہ ذفشان، سُلمان فارسیؓ کے عظیم نام سے مشہور ہو گئے۔

اُس وقت حضرت سلمانؓ اِس دولتِ لازوال سے سرشار تھے جس کی تلاش و جستجو میں وہ اتنک سرگرداں دشت و صحرا کی خاک چھانتے رہے۔ غلامی کے باعث آپ آزادی کے ساتھ تمام اسلامی فرائض انجام نہیں دے سکتے تھے۔ چنانچہ آپ بدر و اُحد کے معرکوں میں شرکت سے محروم رہے۔

سلمانؓ اب اپنی صحیح منزلِ مقصود پر پہنچ چکے تھے۔ اُن کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ چاہتے تھے کہ شب و روز آقائے دو جہاںؐ کی خدمت میں حاضر رہا کریں لیکن یہودی

Marfat.com

آقا کا طوقِ غلامی گردن میں ایسا پڑا تھا کہ کسی طرح گلوخلاصی نہیں ہو رہی تھی۔ آپ سلمانؓ کی اس بے بسی اور مجبوری کو محسوس کرتے تھے۔ ایک دن آپؐ نے اُن سے فرمایا ''تم اپنے آقا سے معاوضہ طے کر کے اُس سے آزادی حاصل کرلو'' آپؐ کے مشورے پر حضرت سلمانؓ نے اپنے آقا سے اپنی آزادی کی خواہش کا اظہار کیا۔ معاملہ 300 کھجور کے درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونا کے ادا کرنے پر طے ہوگیا۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ کھجور کے درخت لگانے میں سلمانؓ کی مدد کریں، ہر ایک نے بقدرِ استطاعت زیادہ سے زیادہ کھجور کے پودے جمع کیے، یہاں تک کہ 300 پودے ہوگئے، پھر سب صحابہ نے مل کر گڑھے کھودے۔ آنحضورؐ خود بھی تشریف لائے اور صحابہ سے مل کر پودے یہودی کی زمین پر لگا دیے۔ اب صرف ایک شرط باقی رہ گئی، اللہ نے اُس کے پورا کرنے کی سبیل بھی پیدا کردی۔ چند دنوں بعد آپ کو ایک غزوہ میں چالیس اوقیہ سونا مل گیا۔ آپؐ نے یہ سونا سلمانؓ کو دے دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جاؤ۔ سلمان دوڑے دوڑے گئے، یہ سونا یہودی کو دے دیا اور اُس کا طوقِ غلامی گردن سے اُتار کر اپنے حقیقی آقاؐ کے قدموں میں آ گئے۔

آزادی کے بعد عرب کے قاعدہ کے مطابق ضروری تھا کہ کسی حلیف کے ساتھ رہیں، چنانچہ آنحضورؐ نے حضرت سلمانؓ کی مؤاخات حضرت ابوالدرداءؓ سے کرادی۔

ذیقعدہ 5ھ میں غزوہ احزاب کے وقت مشرکین کا ایک لشکرِ گراں مدینہ پر چڑھ دوڑا۔ یہ حضرت سلمانؓ کا اپنی آزادی کے بعد سب سے پہلا معرکہ تھا۔ حضرت سلمانؓ نے اِس میں جوش و خروش اور ذوق و شوق سے شرکت فرمائی، بلکہ درحقیقت اِس معرکہ کی کامیابی ظاہری اسباب کے پیشِ نظر بڑی حد تک حضرت سلمانؓ کی تجربہ کاری، دانائی اور فراست ہی کے باعث تھی۔ اِس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل ایک زبردست جمعیت کی صورت میں مسلمانوں کے خلاف اُمنڈ آئے تھے۔ حملہ کا منصوبہ مدینہ شہر پر تھا جس کے اردگرد کوئی قلعہ تھا نہ کوئی فصیل۔ اِدھر دشمنوں کی کثیر اور مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے آنحضورؐ نے مشورہ کیا۔ حضرت سلمانؓ ایران کی معرکہ آرائیاں دیکھے ہوئے تھے، جنگ کے اُصول سے پوری طرح باخبر تھے۔ حضرت سلمانؓ نے مشورہ دیا کہ اِن لوگوں سے کھلے میدان میں جنگ نہ کی

Marfat.com

جائے، بلکہ مناسب یہ ہوگا کہ شہر کے چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دیا جائے۔ اِس تجویز کو پسند کیا گیا، خندق کھودی گئی تو اُس کی کھدائی میں آنحضرتؐ بہ نفسِ نفیس شریک تھے۔ آپؐ نے انصار مہاجرین کی محنت و مشقت دیکھی تو بے ساختہ زبانِ مبارک سے نکلا ''اے اللہ زندگی تو دراصل آخرت ہی کی زندگی ہے، پس تو انصار و مہاجرین کو بخش دے''۔

آپؐ کے ہمراہ تین ہزار صحابہ کرامؓ اس کام میں شریک ہوئے اور پندرہ دِن کی محنتِ شاقہ کے بعد 5 گز چوڑی، 5 گز گہری خندق تیار کر لی۔ انصار و مہاجرین میں اختلاف ہوا کہ حضرت سلمانؓ کدھر رہیں گے؟ آنحضورؐ نے فرمایا ''سلمان میرے اہلِ بیت میں سے ہیں''۔

دشمنانِ اسلام 24 ہزار کی فوجِ گراں لیے مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ جب شہر مدینہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ خندق کھودی ہوئی ہے اور اُس کو عبور کر کے اندر پہنچنا بہت دشوار ہے۔ وہ اس طریقۂ جنگ سے پہلے سے بے خبر تھے، وہیں محاصرہ کر کے پڑ گئے۔ تقریباً ایک ماہ تک مسلسل محاصرہ قائم رہا، مگر شہر تک پہنچنا اُن کو نصیب نہ ہوا۔ بالآخر اُن کو ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ اس فتح میں بڑا دخل خندق کو تھا، کیونکہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان خندق حائل تھی جس سے مشرکین کو سخت مایوسی ہوئی اور جو امیدیں وہ لے کر آئے تھے، اُن پر پانی پھر گیا۔ خندق ہی کی وجہ مسلمان مشرکین کے شر سے محفوظ رہے جس کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ نے ہی دیا تھا۔ اس لیے اس غزوہ کی کامیابی کو حضرت سلمانؓ کے فضائل میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ خندق کے بعد کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا جس میں حضرت سلمانؓ آنحضورؐ کے ساتھ شریک نہ ہوئے ہوں۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد عہد فاروقی کی ایرانی جنگوں میں آپ شریک ہوئے، چونکہ آپ خود ایرانی الاصل تھے اور جنگ کے طریقوں سے پوری طرح باخبر، اس لیے آپ کی موجودگی اور شرکت سے اسلامی لشکر کو بڑی مدد ملی۔

حضرت عمرؓ فاروق کے عہد خلافت میں مدائن کے گورنر تھے، اِس کے باوجود درویشی اور فقر کا یہ عالم تھا کہ اُن کے پاس صرف ایک عِبا تھی۔ زہد و تقویٰ کی شان یہ تھی کہ عمر بھر کبھی گھر نہیں بنایا۔ آپ کا عشقِ رسولؐ اور شوقِ جہاد دیکھ کر ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا ''جنت تین آدمیوں کا

Marfat.com

اشتیاق رکھتی ہے ''علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ''۔ ایک اور موقع پر آپؐ نے انہیں ''سلمانُ الخیر'' کا لقب عطا فرمایا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کا شمار بھی اہل صُفّہ میں ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ''چار آدمی سبقت لے جانے والے ہیں: مَیں اہل عرب سے، صہیبؓ اہلِ روم سے، سلمانؓ اہل فارس سے اور بلالؓ اہلِ حبشہ سے''

حضرت علیؓ سے کسی نے حضرت سلمانؓ کے علم کے متعلق پوچھا، آپؓ نے فرمایا:

''اُنہیں اوّل و آخر کا علم دیا گیا ہے اور وہ ایک ایسے سمندر ہیں جو کبھی خُشک نہیں ہوتا''

حضرت معاذ بن جبلؓ خود بہت بڑے عالم اور صاحبِ کمال بزرگ تھے، انہوں نے ایک مرتبہ اپنے شاگرد سے کہا:

''چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا، اِن میں سے ایک نام حضرت سلمانؓ فارسی کا بھی تھا''۔

حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں 35ھ میں آپ علیل ہوئے اور ایک روایت کے مطابق آپ 80 برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کے پاس جو جائداد تھی وہ ایک بڑا پیالہ، ایک لوٹا، ایک بوسیدہ سا کمبل اور ایک تسلے (لگن) پر مشتمل تھی۔ آخری لمحات میں سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب آئے تو دیکھا کہ آشیانہء قدس کا طائرِ زرّیں قفسِ عنصری سے جُدا ہو کر آسمانوں کی جانب پرواز کر چکا تھا۔

Marfat.com

حضرت ابودرداؓ

آپ کا نام عویمر اور ابودردا کنیت تھی۔ آپ کا تعلق خزرج قبیلہ کے عدی بن کعب خاندان سے تھا۔ آپ غزوۂ بدر کے بعد مسلمان ہوئے۔ زندگی میں آپ کو اس کا افسوس رہا کہ میں بیعتِ عقبہ میں کیوں نہ شریک رہا۔ ہجرت کے بعد مؤاخات قائم ہوئی تو حضرت سلمان فارسیؓ کو آپ کا دینی بھائی بنایا گیا۔

غزوۂ اُحد میں آپ نے شرکت کی۔ ایک بار گھوڑے پر سوار میدانِ جنگ میں آئے تو اس شان سے گھوڑے پر سوار تھے کہ مجاہدِ اعظمؐ کو آپ کی ادا اچھی لگی اور ارشاد فرمایا ''عویمر کس قدر اچھے سوار ہیں''۔ حضرت ابودرداؓ کا یہ عالم تھا کہ دنیا کی دلفریبیاں ذرا چھو کر بھی نہیں گزری تھیں، نہایت سادہ زندگی بسر کرتے۔

آپ کا شمار اُن ممتاز صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے نبی کریمؐ کی زندگی میں ہی پورے قرآن مجید کو حفظ کر لیا تھا۔ یوں تو فقہ اور حدیث کا بھی درس دیتے تھے لیکن آپ کو قرآن مجید کے درس میں لطف آتا تھا۔ فنِ تجوید میں بھی آپ یکتائے روزگار تھے۔

ملک شام میں قرآن مجید کی تعلیم کے لیے حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کو خصوصی طور پر مامور کیا تھا۔ کلام اللہ کی بعض مشکل آیات ایسی تھیں جن کے مطالب آپ نے نبی کریمؐ سے دریافت کیے تھے۔ اس لیے اُن سے اگر کسی آیت کے متعلق پوچھا جاتا تو نہایت تسلی بخش جواب دیتے۔ صحابہ کرام کی بعض محافل احادیث کے تذکرے کے لیے مخصوص ہوتی تھیں، اس پر وہ اپنی

Marfat.com

اپنی سنی ہوئی احادیثِ رسولؐ ایک دوسرے کو سنایا کرتے، الفاظ کی صحت کرتے، اُن کے مطالب پر غور وفکر کرتے اور ایک دوسرے کے علم سے فائدہ اٹھاتے۔ حضرت ابودرداؓ ایسی محفلوں کی رونق ہوا کرتے۔ فقہ میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ کوفے سے چل کر لوگ آپ کے پاس دمشق آیا کرتے اور آپؓ سے فقہی مسائل دریافت کیا کرتے۔

دمشق میں کچھ عرصہ قیام کرکے واپس مدینہ آگئے اور وصالِ نبویؐ تک مدینہ میں رہے۔ پھر وصال نبویؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت کے بعد آپ نے مدینہ چھوڑ کر دمشق جانے کا قصد کیا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچے اور کہا ''میں نے سوچا ہے کہ شام کے علاقے میں جاکر بس جاؤں، مدینے سے رخصت کی اجازت دیجئے''۔ حضرت عمر فاروقؓ امیرالمومنین تھے، سوچ میں پڑ گئے کہ کیا یہ ذی علم ہستی مدینہ سے چلی جارہی ہے، کسی نہ کسی طرح روکنا چاہا اور فرمایا: ''اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو ایک شرط پر جاسکتے ہیں''۔ یہ سُن کر ابودرداؓ کو حیرت ہوئی، وہ تو اخلاقاً آپ سے اجازت طلب کرنے آئے تھے جبکہ امیرالمومنین اِن پر پابندی عائد کررہے تھے۔ لیکن یہ جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا ہر کام خدا اور رسولؐ کے لیے ہے، اس لیے سوچا کہ ضرور اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ چنانچہ کچھ دیر غور کرنے کے بعد بولے ''امیرالمومنین حکم کیجئے''۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ حکومت کا کوئی عہدہ قبول کرلیجئے''۔ دنیا تو ایسے موقعے ڈھونڈھتی ہے لیکن حضرت ابودرداؓ درویش منش اور خدا مست تھے، معذرت کے ساتھ کہنے لگے ''یہ طے ہے کہ میں کوئی عہدہ قبول نہیں کروں گا''۔ حضرت عمرؓ نے کہا ''تو پھر اجازت کی اُمید نہ رکھیے'' بہت سوچ کر بولے ''پھر ایسا کیجئے کہ لوگوں کو قرآن وحدیث سکھانے اور نماز پڑھانے کا کام میرے ذِمّے لگا دیجیے۔ دونوں ہستیاں سراپا اخلاص اور صدق وفا کا پیکر تھیں، ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس لیے اِسی وقت بات طے ہوگئی اور حضرت ابودرداؓ دمشق چلے گئے۔ صحابہ کرامؓ میں اُن کی عزت کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمرؓ نے شرکاءِ بدر کے برابر اُن کا وظیفہ مقرر فرمایا۔

مسلمانوں کی حکومت سے قبل شام پر رومیوں کی حکومت رہی، عجمیوں کا پڑوس تھا، اِس لیے وہاں کی زندگی میں بڑے ٹھاٹھ باٹھ تھے۔ مسلمان جو یہاں آکر بس گئے تھے، اُنہی کے رنگ میں رنگے جاچکے تھے لیکن حضرت ابودرداؓ پر اِن باتوں کا کچھ اثر نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ ایک

Marfat.com

سفر کے دوران کچھ دن دمشق میں رُکے، حکومتی امور سے فرصت ملی تو حضرت ابودرداؓ کی بابت دریافت فرمایا۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ درس و تدریس کے علاوہ کسی دوسری چیز میں دلچسپی نہیں لیتے۔ امیرالمومنین یہ سُن کر مسکرائے اور خاموشی سے اُن کے گھر جا پہنچے۔ شام ہو چکی تھی، دیکھا کہ ایک معمولی مکان تھا۔ کوئی شان و شوکت نہ ڈیوڑھی نہ غلام نہ دربان، آرائش و زیبائش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ گھر میں ایک چراغ تک نہیں تھا۔ حضرت ابودرداؓ اندھیرے میں ایک کونے میں کمبل اوڑھے لیٹے تھے۔ یہ وہی ابودرداؓ تھے جن کے علم و حکمت کے چراغ سے سارا شام بلکہ تمام عالمِ اسلام روشن تھا۔ اُن کی عسرت و تنگی کا یہ حال دیکھ کر امیرالمومنین حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے پہلا سوال یہ کیا ''آپ اس قدر تکلیف میں کیوں رہتے ہیں''؟ جواب ملا کہ نبی کریمؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''ہمیں دنیا میں صرف اتنا سامان رکھنا چاہیے جتنا ایک مسافر کے لیے ضروری ہے، افسوس کہ آپؐ کے پردہ کر جانے کے بعد ہم لوگ کیا سے کیا ہو گئے ہیں''۔ نبی کریمؐ کا ذکر ہوا تو دونوں بزرگ آبدیدہ ہو گئے۔

حضرت سلمان فارسیؓ جب بھی شام تشریف لے جاتے تو آپ ہی کے پاس ٹھہرتے۔ وہ آپ کے مؤاخاتی بھائی بھی تھے۔ دونوں میں بڑی محبت اور بڑا اخلاص تھا۔ حضرت ابودرداؓ کی زندگی کا حال کچھ ایسا تھا کہ امیرالمومنین کی طرح حضرت سلمان فارسیؓ بھی چونک پڑے۔ انہوں نے آپ کو روکا کہ اس قدر مسافرانہ و درویشانہ زندگی نہ گزاریئے۔ کچھ اپنے نفس اور بیوی بچوں کا بھی خیال رکھیے، اللہ کے ساتھ ساتھ اُن کے حقوق بھی ادا کریں۔ لیکن جب حضرت سلمان فارسیؓ کو معلوم ہوا کہ بیوی بچے اس حال میں خوش ہیں تو خاموش ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے بے حد کوشش کی کہ آپ کوئی عہدہ قبول کر لیں مگر آپ نہ مانے۔ حضرت عثمانِ غنیؓ کے دور میں بھی یہی جواب تھا۔

حضرت ابودرداؓ دِل کے کھلے تھے، مہمانوں کی بڑی آؤ بھگت کیا کرتے۔ اُنہیں جو وظیفہ ملتا تھا، اُس کا بڑا حصّہ مہمانداری میں صرف کر دیتے تھے۔ صرف کھانے ہی کا اہتمام نہ ہوتا بلکہ مہمان رخصت ہونے لگتا تو سفر خرچ کے لیے بھی کچھ زادِ راہ پیش کر دیتے۔ زندگی سراپا اصلاح و عمل تھی۔ یہاں تک کہ اگر کسی حاکمِ وقت سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی اور آپ کو معلوم ہوتا

Marfat.com

تو ٹوک دیتے، یہ خیال بھی نہ کرتے کہ وہ کس مرتبہ کا آدمی ہے۔ حضورِ اکرمؐ کو اپنے ہاتھ سے اپنا کام کرتے دیکھا، اس لیے اپنا کام خود کیا کرتے تھے۔ مسجدِ نبویؐ میں ہوتے تو زمین صاف کرتے پودے لگاتے اور اُنہیں پانی دیتے۔ بعض لوگوں کو تعجب ہوتا تو وضاحت فرماتے کہ یہ سب ثواب کے کام ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی طلحہؓ کو دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ کا مکان کہاں ہے؟ انہوں نے کہا گاؤں میں مگر گاؤں شہر سے قریب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ''شہر میں نماز پڑھا کرو، جس مقام پر اذان یا نماز نہ ہوتی وہاں شیطان کا دخل ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو بھیڑیا ہمیشہ اُس بکری کو پکڑتا ہے جو اپنے گلّے سے دور ہوتی ہے''۔

حضرت ابودرداؓ بڑے زاہد، عابد، متقی اور بے ریا انسان تھے۔ نبیؐ اکرم اُنہیں بے حد عزیز رکھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ بھی آپ کی بڑی توقیر کرتے تھے۔ تہجد چاشت کی نمازوں میں کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے اور مہینے میں تین دن پابندی سے روزے رکھتے۔ خوفِ خدا ہمیشہ قلب پر غالب رہتا۔

حضرت ابودرداؓ کی خانگی زندگی بڑی ہی پرسکون تھی۔ گھر میں علم وعبادت کی فضا قائم رہتی تھی۔ دو بیویاں آپ کے عقد میں آئیں، ایک ام دردا اکبری اور دوسری ام دردا اصغری۔ دونوں پڑھی لکھی اور عبادت گزار تھیں۔ وہ فتاویٰ جاری فرماتیں اور دینی درس وتدریس کا سلسلہ کرتی تھیں۔ امِ دردا اکبری کو صحابیہ ہونے کا اعزاز حاصل تھا جبکہ امِ دردا اصغری صحابیہ نہیں تھیں لیکن علم وفضل میں ممتاز حیثیت رکھتی تھیں اور بے مثل قاریہ کی حیثیت سے مشہور ہوئیں۔ شام میں ہزاروں خواتین نے اُن سے کلامُ اللہ پڑھا تھا۔ حضرت ابودرداؓ کے بڑے فرزند دمشق کے قاضی مقرر ہوئے۔

آپ کی زندگی کے آخری ایام تھے جب آپ کے ایک شاگرد یوسف بن عبداللہ دمشق آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پڑھنے کے شوق سے آئے تھے مگر دیکھا کہ استاد سخت بیمار ہیں اور بچنے کی کوئی امید نہیں تو رُک گئے۔ ایک دن حضرت ابودرداؓ نے کہا کہ جاؤ، لوگوں کو بتاؤ کہ میرے جانے کا وقت آ گیا ہے۔ اطلاع ملی تو لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ جب

Marfat.com

انہیں معلوم ہوا کہ گھر کے باہر لوگوں کا مجمع لگا ہوا ہے تو فرمایا کہ مجھے باہر لے چلو۔ باہر لے جائے گئے تو بیٹھا تک نہیں جا رہا تھا۔ پھر مجمع کو خطاب کیا۔ نماز کی تاکید کے بارے میں حدیث سنائی اور بسترِ مرگ پر لوٹ گئے۔ مقصد یہ تھا کہ آخری درس حدیث کا ہو اور سنّت پوری ہو جائے کیونکہ نبی کریمؐ نے وصال سے پہلے نماز کے لیے تاکید فرمائی تھی۔

ہجرت کا 32 واں سال اور حضرت عثمانؓ کا دورِ خلافت تھا جب کوچ کا وقت آیا۔ جیسے جیسے موت کا وقت قریب آتا گیا توبہ واستغفار کے ساتھ بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔ بیوی نے تسلّی دی اور کہا کہ ''آپ صحابیٔ رسولؐ ہیں۔ اللہ ضرور آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اِس قدر گریہ وزاری نہ کیجئے''۔ بولے ''کچھ پتہ نہیں کیا معاملہ ہو، پھر بیٹے کو بلایا اور فرمایا ''بلال یہی وقت تم پر بھی آئے گا، بیٹا اُس دن کے لیے کچھ بندوبست کر رکھو۔ اس کے بعد کلمۂ طیبہ کے ورد میں مصروف ہو گئے اور اسی حالت میں رُوح پرواز کر گئی۔

ایک تابعی بزرگ حضرت مسروقؒ جو اپنے دَور کے امام تھے، اکثر کہا کرتے تھے کہ **تمام صحابہ کرام کا علم 6 بزرگوں میں جمع ہو گیا تھا، جن میں سے ایک حضرت ابودرداءؓ تھے**۔ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کا وصال ہونے لگا تو طالبانِ علم دل پکڑ کر بیٹھ گئے اور پوچھا کہ اب کس سے علم حاصل کریں اور کس کے عمل کو دیکھیں تو **حضرت معاذ بن جبلؓ نے ارشاد فرمایا کہ تم حضرت ابودرداءؓ سے سیکھنا علم بھی اور عمل بھی۔**

Marfat.com

حضرت مُعاذ بن جبلؓ

آپ کا نام معاذ والد کا نام جبل اور ابوعبدالرحمٰن کنیت تھی۔ آپ انصار کے قبیلہ خزرج کی شاخ عدی بن سعد کے چشم و چراغ تھے۔ آپ ہجرت سے انیس سال قبل پیدا ہوئے۔ نبوّت کے بارھویں سال جب پہلے سفیرِ اسلام حضرت مصعبؓ بن عمیر مدینہ میں اسلام کے داعی بن کر آئے اور یہاں کے لوگوں کو دعوتِ توحید دینی شروع کی تو حضرت معاذ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی لازوال دولت سے فیضیاب ہوئے، اُس وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ اگلے سال 500 یثربیوں کا ایک قافلہ حج کے لیے عازمِ مکہ ہوا۔ اس قافلے میں 75 ایسے اصحاب بھی شامل تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ اِن خوش قسمت انسانوں میں حضرت معاذ بن جبل بھی شامل تھے۔

مکہ پہنچ کر یہ 75 افراد ایک رات خفیہ طور پر عقبہ کی گھاٹی میں جمع ہوئے۔ آنحضورؐ اپنے چچا حضرت عباس کے ہمراہ اِن لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ وہاں یہ سب حضرات آپؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور اس عہد کے ساتھ آپؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دی کہ وہ ہر طرح اپنے مالوں، جانوں اور اولادوں کے ساتھ آپؐ کی حفاظت اور اعانت کریں گے۔ یہ ایک ایسا عہد تھا جس کو نبھانا سارے عرب سے دشمنی لینے کے مترادف تھا، لیکن ان جانبازوں نے مکہ کے دُرِ یتیمؐ سے جو پیمانِ وفا باندھا، مرتے دَم تک اُس کو اس شان سے نبھایا کہ آج تک تاریخِ اسلام کے اوراق اس کی آب و تاب سے جگمگا رہے ہیں۔

Marfat.com

حضرت معاذ بن جبل جب دوسرے افراد کے ساتھ آپ کی بیعت سے مشرف ہوکر یثرب واپس آئے تو آپ کے جوش ایمانی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آپ کی بھرپور جوانی کا زمانہ تھا اور ایسی عمر میں ایک بے لگام گھوڑے کو قابو کرلینا ہی صحیح مردِ میداں کی نشانی ہوتی ہے۔ اُس وقت آپ کے دِل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ اِن مشرکین کے بُتوں کو پاش پاش کردیں۔ ہجرت فرمانے کے بعد جناب رسالت مآبؐ مدینہ تشریف لائے تو حضرت معاذؓ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آپ کے دل میں عشقِ نبیؐ کی شمع فروزاں تھی۔ آپ ہر وقت آستانہ اقدس پر جبینِ نیاز جھکائے رکھتے اور کسی صورت آپؐ سے جدائی کا تصور بھی محال تھا۔ دن رات فیضانِ نبویؐ سے فیضیاب ہوتے رہتے۔

حضرت معاذؓ کو قرآن و حدیث سے بڑا شغف تھا۔ حضرت معاذؓ نے نبی کریمؐ کے سامنے ہی قرآنِ پاک حفظ کرلیا اور آپؐ کے لبِ مبارک سے جو بات سُنتے اُس کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دیتے۔ تحصیل علم کے شوق کے ساتھ ساتھ سفر و حضر میں بھی فیضانِ نبویؐ سے فیضیاب ہونے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے۔ جہادِ فی سبیل اللہ کی ایسی تڑپ تھی کہ نہ صرف عہدِ رسالتؐ کے تمام غزوات میں سرفروشانہ شرکت کی بلکہ آپؐ کے وصال کے بعد بھی آپ کی تقریباً ساری بقیہ زندگی جہاد ہی میں گزری۔ زہد و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ رات کا بیشتر حصہ عبادت اور ذکرِ الٰہی میں گزارتے۔

ہجرت کے چند ماہ بعد آپؐ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مؤاخات قائم کی تو حضرت معاذؓ بن جبل کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھائی بنادیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت معاذؓ نے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ خدا کی قدرت ان دونوں بھائیوں کو فقہِ دین میں ایسا کمال حاصل ہوا کہ ایک امامُ الفقہاء (حضرت معاذ بن جبلؓ) کے لقب سے مشہور ہوئے اور دوسرے (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) نے فقیہُ الاُمّت کے لقب سے شُہرت پائی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ نے نوجوان صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ کو بنوسلمہ کی مسجد کا امام مقرر فرمایا۔ آپؐ نے امام کے انتخاب کے لیے یہ رہنما اُصول مقرر فرمائے:

"جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کتابُ اللہ پڑھا ہوا اور اگر اس میں

Marfat.com

سب برابر ہوں تو جو سنّت میں سب سے زیادہ واقف ہو، اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جن نے پہلے ہجرت کی ہو، اِس میں سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو''۔

بنو سلمہ سے تعلق رکھنے والے صحابہ کی فہرست میں بہت سے معمّر صحابہ بھی تھے، لیکن اِس کے برعکس حضرت معاذؓ بالکل نوجوان اور مہاجر بھی نہیں تھے۔ اُنہیں عہدۂ امامت کے لیے اِس بنا پر منتخب کیا گیا کہ وہ قرآنِ کریم سب سے زیادہ پڑھے ہوئے تھے، سُنّت کے سب سے زیادہ واقف تھے اور قرآن و سنّت کے عالم بھی تھے۔ اس کمال کو وہ اس وجہ سے پہنچے کہ وہ فیضانِ نبویؐ سے مسلسل فیض یاب ہوتے رہتے تھے۔ بہت سی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ حضرت معاذؓ کو لطفِ خاص کا مستحق سمجھتے تھے۔ آپؐ خود بھی اُن کو تعلیم دیتے رہتے تھے اور حضرت معاذؓ بھی آپؐ سے اکتسابِ فیض کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ ''مَیں ایک دن گدھے پر سوار ہو کر آپؐ کے ساتھ پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آپؐ کے درمیان صرف زین کی لکڑی تھی۔ آپؐ نے فرمایا ''تو جانتا ہے کہ بندوں پر خدا کا اور خدا کا بندوں پر کیا حق ہے''؟ مَیں نے عرض کیا کہ ''اللہ اور اُس کا رسول ہی اِس سے بہتر واقف ہیں''۔ آپؐ نے فرمایا ''بندوں پر خدا کا یہ حق ہے کہ وہ صرف اُسی کی عبادت کریں اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور خدا کا بندوں پر یہ حق ہے کہ جو شخص اُس کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے وہ اُس کو عذاب نہ دے'' مَیں نے عرض کیا ''یا رسول اللہؐ کیا مَیں لوگوں کو یہ بشارت سنا دوں کہ وہ سُن کر خوش ہو جائیں''؟ آپؐ نے فرمایا ''نہیں، ایسا کرنے سے وہ سُست ہو جائیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے''۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ نے اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے اس حدیث کو بیان کیا۔

ایک دن آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو فرمایا:

''تم نمازوں کے بعد یہ دعا پڑھنا کبھی نہ بھولنا ''اے اللہ اپنا ذکر و شکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لیے میری مدد فرما'' (ابوداؤد، سنن نسائی)

انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! مَیں آپؐ کے ارشاد پر عمل کروں گا اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی وصیت کروں گا''۔

Marfat.com

حضرت معاذؓ بن جبل عہدِ رسالتؐ میں ایک مرتبہ کچھ دن کے لیے شام تشریف لے گئے، وہاں دیکھا کہ نصاریٰ (عیسائی) اپنے بزرگوں کو سجدے کرتے ہیں۔ اُن سے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم سے پہلے نبیوں کے سلام کرنے کا طریقہ یہی تھا۔ واپس آ کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا اور پوچھا ''یارسول اللہؐ! کیا ہم بھی آپؐ کو سجدہ نہ کریں''؟ آپؐ نے فرمایا ''نہیں، اُن لوگوں نے جس طرح اپنی کتابوں میں تحریف کی ہے، اس طرح اپنے نبیوں پر تہمت لگائی ہے۔ اگر کسی انسان کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو میں عورت سے کہتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ اللہ نے ہم کو اس سے بہتر سلام کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ یہ جو ایک دوسرے کو ''السلام علیکم'' کہنا ہے، اہلِ جنت کا طریقہ ہے''۔

ایک مرتبہ آنحضورؐ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، حضرت معاذؓ اس وقت پہنچے جب لوگ قعدہ میں تھے۔ حضرت معاذؓ قعدے میں جماعت کے ساتھ شریک ہو گئے۔ آپؐ نے سلام پھیرا تو حضرت معاذؓ نے اُٹھ کر چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کیں۔ اُس دن آپؐ کو حضرت معاذؓ کا طریقہ بہت پسند آیا اور آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ آئندہ تم بھی ایسا ہی کیا کرو، چنانچہ یہی طریقہ آپؐ کی سُنّت قرار پایا۔

غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو غزوہ بدر سے لے کر غزوہ تبوک تک کوئی غزوہ ایسا نہیں تھا جس میں حضرت معاذؓ بن جبل کو آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل نہ ہوا ہو۔ آپؓ ایک جیّد عالم ہی نہیں راہِ حق کے ایک سرفروش مجاہد بھی تھے۔ ہر معرکے میں کمال درجے کی جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ فتح مکہ کے بعد آپؐ حنین کے لیے روانہ ہوئے تو آپؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو مکہ کا عامل بنایا۔ وہ اہلِ مکہ کو دینی مسائل سکھاتے اور قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ حنین اور طائف سے فارغ ہو کر آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت معاذؓ کو اپنے پاس بُلایا اور اُن کی جگہ حضرت عقابؓ بن اُسید کو مکہ کی امامت پر مامور فرمایا۔

غزوۂ تبوک عہدِ رسالتؐ کا آخری غزوہ تھا جس میں آپؐ تیس ہزار جانثاروں کی معیّت میں تین سَو میل کا پُرصعوبت سفر طے کر کے تبوک تشریف لے گئے۔ بنوسلمہ کے ایک اہم رکن حضرت کعب بن مالک انصاریؓ کی محض تساہل کی بنا پر آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل نہیں

Marfat.com

کر سکے تھے۔ تبوک پہنچ کر آپؐ نے اُن کے متعلق دریافت کیا تو بنو سلمہ کے ایک صاحب نے عرض کیا، یارسول اللہ اُن کو اپنے مال و جمال کی اکڑ نے روکا'۔ حضرت معاذؓ بن جبل بھی قریب ہی موجود تھے، اُنہوں نے یہ بات سُنی تو عرض کیا، یارسول اللہ، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، جہاں تک ہم جانتے ہیں کعب بھلا آدمی ہے، ہم نے کوئی بُری بات اس میں نہیں پائی'۔ حضرت معاذ کی بات سُن کر آپؐ خاموش ہوگئے اور کعبؓ کے بارے میں کچھ اور ارشاد فرمایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ اپنے سب صحابہ کو بھولتے نہیں تھے اور سب کے بارے میں نیک گمان رکھتے تھے۔

9ھ کو آپؐ غزوہ تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائے تو بعض نومسلم رؤسائے یمن کی طرف سے ایک سفارت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور استدعا کی کہ اپنا کوئی نمائندہ یمن کی امارت پر مامور فرمائیں جو عام تبلیغ کے علاوہ لوگوں کو دینی مسائل بھی سکھائے اور ملک کا نظم و نسق بھی چلائے۔ اس اہم منصب کے لیے آپؐ کی نظرِ انتخاب حضرت معاذؓ بن جبل پر پڑی۔ آپؐ نے انہیں بلا بھیجا اور فرمایا کہ ''میرا ارداہ ہے کہ تمہیں اہل یمن پر حاکم بنا کر بھیجوں۔ وہاں تمہیں کئی طرح کے مسائل سے سابقہ پڑے گا، یہ بتاؤ جب تمہارے پاس کوئی جھگڑا آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا' کتابُ اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے پوچھا اگر تمہیں کتابُ اللہ میں صریح فیصلے کے لیے مدد نہ ملے تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کیا سنتِ رسولؐ کے مطابق کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اگر سنت نبویؐ میں تمہیں کوئی چیز نہ ملے؟ عرض کیا ''پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور ذرا بھی کوتاہی نہ کروں گا''۔ حضرت معاذؓ کے جوابات سُن کر آپؐ بہت خوش ہوئے اور اُن کے سینے پر اپنا دستِ مبارک مار کر فرمایا 'اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اُس نے اللہ کے رسولؐ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے (یاد رہے کہ اُس وقت حضرت معاذؓ بن جبل کی عُمر 27 سال تھی) یہ کمسنی اور یہ ذہانت اللہ اللہ! آخر تربیت یافتہ بھی جناب رسول مقبولؐ کے تھے۔ ان سے ایسی ہی توقع تھی۔

اِس کے بعد آپؐ نے اہلِ یمن کے نام ایک پیغام لکھوایا جس میں تحریر تھا کہ ''میں اپنے لوگوں میں سے بہترین شخص کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ معاذ بن جبل اور ان کے

Marfat.com

ساتھیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، صدقات اور جزیہ کی رقمیں اِن کے پاس جمع کروانا اور اُن کو راضی رکھنا، دیکھنا کہ وہ کہیں تم سے ناخوش نہ ہو جائیں''۔ پھر آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یہ نصیحت فرمائی ''ملک والوں سے نرم سلوک کرنا، سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا۔ متنفر نہ کر دینا، باہم مل کر کام کرنا، وہاں ایسے لوگ بھی پاؤ گے جو پہلے کسی مذہب کے پیرو ہیں، جب اُن کے پاس پہنچو تو اُن کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اُس کو قبول کرلیں تو کہنا اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ انہیں کرلیں تو انہیں بتانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ یہ تمہارے امیروں میں سے لے کر غریبوں کو دی جائے گی۔ جب وہ زکوٰۃ بھی منظور کرلیں تو چُن چُن کر اچھی چیزیں نہ لے لینا، مظلوموں کی بُددعا سے ڈرتے رہنا کہ اُن کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے''۔

حضرت معاذؓ جب آپؐ سے رخصت ہونے لگے تو آپؐ نے فرمایا ''شائد اِس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو اور جب مدینہ واپس آؤ تو میری قبر دیکھو''۔ حضرت معاذؓ عاشقِ صادق تھے۔ آپؐ کا ارشاد سُن کر بے تاب ہوگئے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ آپؐ نے فرمایا ''روؤ نہیں، اس طرح رونا اچھی بات نہیں''۔ سیدالانام کا ارشاد سُن کر حضرت معاذؓ خاموش ہوگئے اور بڑے ادب سے دائمی سلام کیا۔ آپؐ نے فرمایا ''جاؤ اللہ تمہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے، ہر قسم کی مصیبتوں سے بچائے اور جن واِنس کے شر سے محفوظ رکھے'' اس موقع پر حضرت معاذ بن جبلؓ نے مدینہ پر بڑی حسرت سے نظر ڈالی اور اُدھر روانہ ہوگئے جدھر اللہ کے رسولؐ نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔

آپؐ سے رخصت ہو کر حضرت معاذ بن جبلؓ نہایت سادگی کے ساتھ یمن میں پہنچے اور پورے دو برس وہاں مقیم رہ کر اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ حضرت معاذؓ ابھی یمن ہی میں تھے کہ ربیع الاوّل ۱۱ھ میں آپؐ نے وصال فرمایا۔ حضرت معاذؓ نے جب اپنے پیارے محبوب کی دائمی جدائی کی خبر سُنی تو اُن پر کوہِ اَلم ٹوٹ پڑا۔ یمن سے دل اچاٹ ہوگیا اور کچھ عرصہ بعد امارت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر مدینہ واپس آگئے۔ سیدھے اپنے پیارے رسولؐ کے مزار پر پہنچے۔ آنسوؤں کی بارش میں آپؐ کی خدمت میں ہدیۂ درود وسلام پیش کیا۔ پھر اس کے بعد

Marfat.com

آپ نے مدینہ میں زیادہ قیام نہ کیا اور آپؐ کے ارشاد کے مطابق سب سے افضل جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے لیے تیاری کرنے لگے۔ کیونکہ اِس سے پہلے بھی آپ آنحضورؐ کی ہمرکابی میں سارے غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کر چکے تھے، اب سوچا کہ آپؐ کے وصال کے بعد گھر میں بیٹھ رہنا جوانمردی نہیں ہے۔ اُس وقت شام سے معرکہ آرائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ آپ نے عیسائیوں کے خلاف جنگ اجنادین میں شرکت کی۔

بیت المقدس کے اثنائے قیام ایک دن نماز کے وقت حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت بلالؓ سے اذان دینے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے عہد کرلیا تھا کہ آپؐ کے وصال کے بعد اذان نہیں دوں گا، لیکن آج صرف اِس وقت کی نماز کے لیے آپ کا ارشاد بجالاتا ہوں۔ حضرت بلالؓ نے اذان دینی شروع کی تو سب صحابہ کو آپؐ کا عہد مبارک یاد آ گیا اور وہ زار وقطار رونے لگ گئے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھی اپنے آقاؐ کی یاد نے تڑپا دیا اور آپ کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔

18ھ میں مصر عراق اور شام میں طاعون کی خوفناک وبا پھوٹ پڑی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اس وقت سپہ سالار شام حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے ساتھ شام میں مقیم تھے۔ حضرت عمرؓ خلیفۃ المسلمین نے حضرت ابوعبیدہؓ کو وبازدہ علاقے سے دور چلے جانے کی ترغیب دی لیکن انہوں نے اس بنا پر معذرت کرلی کہ یہ تقدیرِ الٰہی سے بھاگنے کے مترادف ہوگا۔ ہزاروں مجاہدین اس وبا میں مبتلا ہو کر وفات پا گئے یہاں تک کہ خود حضرت ابوعبیدہؓ بھی اس میں مبتلا ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس سے قبل اُنہوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ آخر کچھ دنوں بعد آپ نے بھی اسی موذی بیماری میں مُبتلا ہو کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت معاذؓ کے شاگرد عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذؓ بن جبل کی وفات کا وقت قریب آیا تو ہم نے روتے روتے پوچھا کہ آپ کے جانے کے بعد ہم علم کہاں سے حاصل کریں گے؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا ''میرے بعد ان چار آدمیوں کے پاس علم تلاش کرنا:

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوالدرداؓ، حضرت سلمان

Marfat.com

فارسیؓ اور حضرت عبداللہ بن سلامؓ''۔

وفات کے وقت آپ کی عمر 36 برس تھی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کی تدفین دریائے اردن کے کنارے مشہور شہر بیسان میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی شہر کے قریب وہ مقام ہے جہاں سے حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ یہاں پر حضرت معاذ بن جبلؓ کے علاوہ اس شہر کو بہت سے جلیل القدر صحابہ کا مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

Marfat.com

حضرت صُہیب رُومیؓ

حضرت صہیب رومیؓ کے متعلق یہ وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے کہ وہ روم کے باشندے ہرگز نہیں تھے اور نہ ہی وہ زندگی میں کبھی روم گئے بلکہ وہ خالصتاً عربی النسل تھے۔ ایک حادثے کے نتیجہ میں وہ روم کی سلطنت بازنطین میں پہنچ گئے اور اپنا لڑکپن اور جوانی کا طویل عرصہ وہاں گزارا اور جب وہ وہاں پہنچے جس کے لیے قدرت نے یہ سب کھیل کھلایا، یعنی مکہ میں مکہ والوں نے حلیہ، زبان اور اُن کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر اُن کے نام کے ساتھ ''رومی'' کا اضافہ کر دیا اور اِس طرح وہ صہیب رومیؓ کے نام ہی سے پکارے جانے لگے اور یہی اُن کی پہچان بن گئی۔

پیغمبرِ آخرالزماںؐ کی بعثت سے کوئی دو سال قبل دریائے فرات کے کنارے شہر اُبلّہ میں سنان بن مالک کے نام سے ایک گورنر تھا جو ملک فارس کے بادشاہ پرویز خسرو کا باجگزار تھا۔ اُس کا ایک خوبصورت بیٹا تھا جس کا نام اُس نے صُہیب رکھا ہوا تھا، اُس وقت اُس بچے کی عمر پانچ برس تھی۔ والدین اپنے خوبصورت نونہال کو بہت لاڈ پیار کرتے اور اسے دیکھ دیکھ کر سکھ کا سانس لیتے۔

ایک دن اُس کی والدہ اپنے بچے اور کنیزوں غلاموں کے ہمراہ شہر کے قریب ایک گاؤں میں سیر و تفریح کی غرض سے چلی گئی۔ سارا دن ہنسنے کودنے میں گزرا لیکن اُس ''دن'' کا انجام کچھ اچھا نہ تھا۔ شام کو جب یہ لوگ اپنا سامان اکٹھا کر رہے تھے، اچانک بازنطینی سپاہیوں

Marfat.com

نے اُن پر حملہ کر دیا اور اُن کو قیدی بنا کر لے گئے۔ اِن قیدیوں میں ننھا صُہیب بھی شامل تھا۔ اُن دنوں غلاموں کی خرید و فروخت کی سب سے بڑی منڈی سلطنتِ روما میں قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کے شہر میں تھی۔ وہاں لے جا کر دوسرے غلام قیدیوں کے ہمراہ صہیب کو بھی فروخت کر دیا۔ وہاں صُہیب بڑے بڑے رئیسوں کے محلات اور بنگلوں میں اپنی پھوٹی قسمت کے دن گزارنے لگا۔ اُن کو یہ یاد ستاتی کہ وہ آخر عربی النسل ہیں اس لیے وہ شدت سے اس دِن کا انتظار کرنے لگے کہ جس دن یہاں سے بھاگ کر وہ آزادی کا سانس لیں گے۔

ایک دن انہوں نے ایک عیسائی کاہن (راہب) کی ایک مجلس میں الفاظ سنے کہ جزیرہ نمائے عرب کے شہرِ مکہ میں جلد ہی ایک نبیؐ ظاہر ہونے والا ہے جو عیسیٰ ابنِ مریمؑ کی تصدیق کرے گا اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے گا۔

اب صہیب جوان ہو گئے تھے اور اچھے قد کاٹھ کے مالک تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت صہیب کسی طرح رومیوں کی قید سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں سے نکل کر سیدھے عرب کے شہر مکہ کا رُخ کیا۔ چند دنوں کے دشوار گزار سفر کے بعد مکہ جا پہنچے۔ چونکہ صہیب کی زبان عربوں کی طرح فصیح و بلیغ نہ تھی اور اُن کے بال سیاہ نہیں تھے بلکہ سرخی مائل تھے، اس لیے یہاں کے لوگوں نے انہیں صہیب رُومی کے نام سے پکارنا شروع کر دیا اور اُسی وقت سے لفظ 'رومی' اُن کے نام کا مستقل حصہ بن گیا۔ یہی وہ تاریخی کہانی ہے اور حضرت صہیبؓ کی زندگی کا تاریخی موڑ جو اُنہیں خوش قسمتی کی دنیا میں لے آیا۔

مکہ پہنچ کر صہیب نے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا اور انہوں نے مکہ کے ایک بڑے رئیس عبداللہ بن جدعان کے ساتھ مل کر تجارت شروع کر دی۔ اللہ نے صہیب کو ایسا نوازا کہ وہ جلد مکہ کے امیروں میں جانے پہچانے جانے لگے۔ ویسے تو اُن کی زندگی ایک نئے ڈھنگ پر رواں دواں تھی مگر دن رات اُن کو ایک فکر لاحق رہتی کہ وہ اپنا وہ گوہرِ مقصود حاصل کریں جس کا قسطنطنیہ میں ایک کاہن نے اشارہ کیا تھا اور جس کے لیے وہ ہزاروں میل کا پُر صعوبت سفر طے کر کے یہاں مکہ آئے تھے۔ اُس دن کا اُن کو شدت سے انتظار تھا۔ روزانہ وہ اپنے دل میں ایک ہی سوال کرتے "متیٰ یکون ذٰلک (آخر وہ (نبیؐ) کب مبعوث ہوں گے)

Marfat.com

لیکن ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اُن کے دل کی آواز حقیقت میں بدل گئی اور اُن کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ آخر کار اُن کے ذہن کو سکون ملا، اجڑے دل کو قرار آیا۔ ہوا ایسا کہ ایک دن صہیب اپنے ایک لمبے تجارتی سفر سے مکہ واپس لوٹے ہی تھے کہ اُن کو بتایا گیا کہ ''نئے نبیؐ مبعوث ہو چکے ہیں اور انہوں نے اللہ وَحدہٗ لاشریک کی دعوت دینی شروع کر دی ہے۔ وہ لوگوں کو عدل و انصاف کا سبق سکھاتے ہیں اور بے حیائی، فحش باتوں اور غلط کاموں سے منع کرتے ہیں'' بتانے والے سے حضرت صہیب نے جلدی سے پوچھا ''کیا وہی تو نہیں جن کو لوگ 'امین' کہتے ہیں'' جواب ملا ''ہاں، وہی ہیں''۔ ''تو وہ اس وقت کہاں ملیں گے؟'' حضرت صہیب نے بے تابی سے پوچھا۔ اطلاع دینے والے نے بتایا کہ ''وہ اِس وقت کوہِ صفا کے دامن میں ''دارِارقم'' میں قیام کئے ہوئے ہیں۔ لیکن تم جلد بازی سے کام مت لینا، ذرا احتیاط کے ساتھ وہاں جانا، اگر قریش کو معلوم ہو گیا تو وہ تمہیں ناحق ستائیں گے اور تم کو مشقِ ستم بھی بنائیں گے، تم ویسے بھی یہاں اجنبی ہو، یہاں نہ کوئی تمہارا رشتہ دار ہے اور نہ ہی تمہارا کوئی بہترین دوست جو تمہاری مدد کو آ کر اِن ظالموں کے چنگل سے آزاد کرائے گا''۔ یہ بات حضرت صہیب کو اطلاع دینے والے نے ازراہِ ہمدردی کہی تھی۔

ایک شام حضرت صہیبؓ چھپتے چھپاتے کسی طرح دارِارقم جا پہنچے، وہاں اِن کو ایک اور شناسا یمنی باشندہ عمار بن یاسر مل گیا، وہ بھی اپنی پیاس بُجھانے کے لیے یہاں پہنچے تھے۔ آپ کی اُن سے کچھ ملاقات پہلے سے تھی، پھر بھی اُن سے خوف محسوس ہوا کہ کہیں راز افشا نہ ہو جائے اور کہیں یہ بھی نئے نبی محمدؐ کے مخالفین میں سے نہ ہو۔ اِس لیے اُن سے بات کرنے میں کچھ جھجک محسوس ہوئی۔ بالآخر ہمت کر کے پوچھا ''عمار کیا ارادہ رکھتے ہو اور یہاں کیسے''؟ انہوں نے جواب دینے کی بجائے خود ہی اُنہی سے اُن کے یہاں آنے کی وجہ دریافت کی ''پہلے آپ بتائیں کہ کس نیت سے آئے ہیں''؟ اُنہوں نے کہا کہ میں محمدؐ سے ملاقات کرنے کے لیے آیا ہوں اور اُن کی باتیں سننا چاہتا ہوں'' واللہ میں بھی اسی مقصد سے یہاں آیا ہوں، لگتا ہے ہم دونوں کی ایک ہی پیاس ہے، چلئے، چلتے ہیں''۔

یہ دونوں حضرات اندر داخل ہوئے اور آپؐ کی مجلس میں بیٹھ گئے۔ جب آپؐ وعظ

Marfat.com

فرما رہے تھے اِن دونوں کو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی پرسکون چیز اُن کے اندر داخل ہو رہی ہے اور اُن کے سینوں میں ایمان کی شمع روشن ہو رہی ہے۔ اُسی وقت وہ دونوں کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور رات گئے تک آنحضورؐ کے ارشادات اور وعظ و نصیحت سے اپنے قلوب منور کرتے رہے۔ جب رات کی تاریکی چھانے لگی تو وہ خاموشی سے وہاں سے نکل کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔ اُن کے دلوں میں اُس وقت وہ چنگاری پھوٹ رہی تھی جو تاریکی کے ہزاروں پردوں کو چاک کر دیتی ہے۔

حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ، حضرت سمیہؓ اور حضرت خبابؓ جیسے کئی صحابہ کے ساتھ حضرت صہیبؓ نے بھی قریش کی طرف سے بہت تکلیفیں اٹھائیں اور طرح طرح کے مظالم برداشت کیے مگر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اُن کو معلوم تھا کہ جنت کا راستہ کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے اور جب اللہ کے رسولؐ نے اپنے اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت صہیب بھی ہجرت کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ حضورؐ کی معیت میں نکلنا چاہتے تھے لیکن قریش کو آپ کے ارادوں کی بھنک پڑ گئی۔ وہ آپ کی راہ میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور آپ کی نقل و حرکت پر پہرے بٹھا دیے۔ آپ نے کئی بار نکل بھاگنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر کار ایک تدبیر سوچی، آپ اُس مقام سے جہاں آپ کو محصور کیا گیا تھا، ایک نہایت سرد اور تاریک رات میں بار بار نکلتے اور واپس آ کر لیٹ رہتے۔ دراصل وہ اپنے دشمنوں کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ آپ کا پیٹ خراب ہے اور سخت درد کر رہا ہے، اس لیے بار بار رفع حاجت کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔ آپ کی نگرانی کرنے والے یہ گمان کر کے بہت خوش ہوئے کہ ہمارے بتوں نے ان سے ناراض ہو کر ان کو بیماری میں مبتلا کر دیا ہے اور نیا دین قبول کرنے کی سزا مل رہی ہے۔ اس سوچ نے اُن کے پہرہ داروں کو مطمئن کر دیا اور وہ سب آرام کی نیند سو گئے۔

حضرت صہیبؓ اس موقع کو غنیمت جان کر وہاں سے بھاگ نکلے، مگر آپ تھوڑی ہی دُور پہنچے تھے کہ پہرہ دار بیدار ہو گئے اور آپ کے تعاقب میں گھوڑوں پر سوار ہو کر آپ کو جا لیا۔ آپ اُن کو اپنے تعاقب میں آتا ہوا دیکھ کر قریب کے ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے اور تیر کمان پر چڑھایا اور اُن کا نشانہ لے کر زور سے چیخے ''اے میری جان کے دشمنو، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں

Marfat.com

ایک ماہر تیر انداز ہوں اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا، تم مجھے اسی صورت پکڑ سکتے ہو کہ میرے سارے تیر ختم ہو جائیں، جب سارے تیر ختم ہو جائیں گے تو میں تمہیں اپنی تلوار سے ماروں گا اور جب تک میرے دست و بازو ساتھ دیں گے، تب تک لڑتا رہوں گا''۔

تعاقب کرنے والوں میں ایک غصّے سے بولا ''تم یہاں سے اپنی جان و مال بچا کر نہیں لے جاسکتے، تم مکہ میں نادار و تہی دست آئے تھے، یہاں تم نے بے پناہ دولت کمائی اور مالدار آدمی بن گئے۔ اب تم مکہ سے بھاگ جانا چاہتے ہو، ہم تمہیں ہرگز نہیں جانے دیں گے''۔ حضرت صہیبؓ نے کہا ''اگر میں تمہیں اپنا سارا مال دے دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے''؟ ''ہاں تب تم جاسکتے ہو'' انہوں نے شرط منظور کرتے ہوئے کہا۔ حضرت صہیبؓ نے اس کو سستا سودا خیال کیا اور اپنا سارا اثاثہ اُن کے حوالے کر دیا۔

حضرت صہیبؓ اپنے سودے پر پھولے نہیں سما رہے تھے۔ اِن کا دِل بلّیوں اُچھل رہا تھا اور آپ شوقِ ملاقات میں مدینہ کی طرف تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ جب چلتے چلتے تھک جاتے اور ہاتھ پیر جواب دینے لگتے تو آنحضورؐ کو یاد کر لیتے اور شوقِ دیدار سے ایک بار پھر تازہ دم ہو جاتے۔ اُس وقت اللہ کے رسولؐ مدینہ کے قریب مقامِ قبا میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ کو دور سے آتے دیکھا تو خوشی سے آنحضرتؐ کا چہرہ مبارک دمکنے لگا اور آپؐ نے تین مرتبہ یہ کلمات ارشاد فرمائے:

> ''آپ کا کاروبار فائدہ مند رہا، آپ کا کاروبار فائدہ مند رہا، آپ کا کاروبار فائدہ مند رہا'' (فتح القدیر)

حضرت صہیبؓ نے جب آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سُنے تو اِن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ ایک دم چہرہ تر و تازہ ہو گیا اور راستے کی تمام تکلیفیں بھول گئے، کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ سب فرشتۂ غیب نے ہی آپؐ کو اس واقعے کی خبر دی ہو گی، کیونکہ کوئی بھی مجھ سے پہلے آپؐ کے پاس نہیں پہنچا تھا۔

حضرت صہیبؓ ہی کے واقعہ کے پسِ منظر میں قرآنِ پاک میں اس آیت کا نزول ہوا:

Marfat.com

(ترجمہ) ''اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے''۔ (سورہ البقرہ آیت 207)

حضرت صہیب رومیؓ سخاوت میں بہت مشہور تھے۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے کہا ''اے صہیبؓ تم بہت فضول خرچ ہو''؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے آنحضرتؐ سے سُنا ہے کہ ''تم سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو کھانا کھلاتا ہے''۔

جب حضرت عمرؓ کو ابولولو نے فجر کی نماز کے وقت چھرا مار کر شدید زخمی کر دیا تو آپ کو زندگی کے خاتمے کے آثار نظر آنے لگے۔ اسی اثناء میں آپ نے چھ جلیل القدر صحابہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ کو حکم دیا کہ میرے جانشین کا انتخاب کرلیں اور حضرت صہیبؓ رومی کو کہا کہ وہ میری جگہ مسجدِ نبویؐ کی امامت کے فرائض ادا کریں۔ حضرت عمرؓ بسترِ مرگ پر تھے اور انہوں نے مستقل جانشین کے منتخب ہونے تک آپ کو عبوری خلیفہ نامزد کر کے مسجد نبویؐ میں امامت کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کو آپ پر کس قدر اعتماد اور بھروسہ تھا، اس سے پتہ چلتا ہے۔

حضرت صہیب رومیؓ نے شوال 38ھ کو حضرت علیؓ المرتضٰے کے دورِ خلافت میں 73 سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

Marfat.com

حضرت ابو سعید خدریؓ

حضرت ابو سعید خدریؓ عاشقِ رسول صحابی حضرت مالک بن سنان کے بیٹے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب اِس طرح ہے: ابو سعید بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن خدرہ بن عوف بن حارث بن خزرج۔ حضرت ابو سعید خدریؓ حضورؐ پاک کی مدینہ میں آمد سے دس سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق بنو خزرج سے تھا۔ آپ اپنے والدین کے ہمراہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ نبی اکرمؐ سے گہری محبت وعقیدت سے سرشار تھے۔ آپ کا شمار عظیم المرتبہ صحابہ میں ہوتا ہے۔ اکثر احادیثِ نبویؐ آپ کے ذریعے روایت کی گئی ہیں۔

غزوۂ احد کے موقع پر آپ نے اس میں شرکت کا عندیہ دیا تو آپ کے والد آپ کو اجازت حاصل کرنے کے لیے آنحضورؐ کی خدمت میں لے گئے، کیونکہ اُس وقت آپ کی عمر صرف 13 برس تھی اور نبی اکرمؐ کا اصول تھا کہ پندرہ سال سے کم عمر لڑکوں کو جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دیا کرتے اور آنحضورؐ نے آپ کے والد کو کہا کہ ابو سعید کو گھر واپس لے جائیں۔ لہٰذا آپ غزوۂ احد میں شرکت نہ کر سکے لیکن آپ کے والدِ محترم نے اس لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

والد کی شہادت کے بعد اُن کے اہلِ خانہ پر کڑا وقت آیا کیونکہ آپ کے والد نے اپنے پیچھے کوئی جائداد نہیں چھوڑی تھی اس لیے عُسرت کے باعث فاقہ کشی تک نوبت آ پہنچی۔ حضرت ابو سعیدؓ کی والدہ نے آپ کو آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتِ حال بتانے کا حکم

Marfat.com

دیا۔ جب آپ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو اُس وقت آنحضورؐ خطبہ دے رہے تھے۔ خطبہ کے دوران آپؐ نے ارشاد فرمایا ''جو شخص تنگدستی میں صبر کرے گا اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی بجائے اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اُسے غنی کر دے گا''۔ حضرت ابوسعیدؓ نے جب یہ سُنا تو دل میں خیال آیا کہ میرے پاس ایک اونٹنی موجود ہے تو پھر دستِ سوال دراز کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہؐ نے جیسے فرمایا اُسی پر اکتفا کروں گا۔ یہ سوچ کر آپ گھر واپس آ گئے۔

حضرت ابوسعیدؓ خُدری آنحضورؐ کے دل و جان سے شیدائی تھے۔ آپ اکثر بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر رہتے اور علم و دانش کے شگوفوں سے اپنے دامن کو معمور کرتے رہتے اور اُس چیز کے منتظر رہتے کہ کب آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے ارشاد ہوتا ہے تاکہ اُس کو اپنے دل میں محفوظ کر لوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت عمدہ حافظہ عطا کیا تھا۔ لسانِ نبوت سے جو کچھ سُنتے دل و دماغ میں محفوظ کر لیتے، اس کے علاوہ آپ علمائے انصار و مہاجرین سے بڑے ذوق وشوق سے علم حاصل کرتے تھے۔ آپ شوقِ علم کے ساتھ ساتھ جہادِ فی سبیل اللہ کے بھی بے حد مشتاق تھے۔ ہمیشہ یہی کوشش ہوتی کہ کسی غزوہ یا معرکہ میں پیچھے نہ رہ جائیں۔

شعبان 5ھ میں حضورؐ غزوۂ بنو مصطلق کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت ابوسعیدؓ خدری نے بھی آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد غزوۂ احزاب میں شامل ہو کر اپنے جذبۂ شوق کو پورا کیا۔ ذیقعدہ 6ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابوسعید خدریؓ کو اُن 1400 سرفروشانِ اسلام میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جنہوں نے آپؐ کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی اور جن کی ادائے سرفروشی اللہ کو ایسی پسند آئی کہ اُس ذات نے کھلی آواز میں اُن سب کو اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ حدیبیہ کے بعد حضرت ابوسعیدؓ نے غزوہ خیبر میں نبی کریمؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور لڑائی میں اپنی جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رمضان 8ھ میں حضرت ابوسعید اُن دس ہزار جانبازوں کی جماعت میں شامل تھے جو فتح مکہ کے موقع پر آنحضورؐ کے ہمراہ تھی۔ اُس کے بعد آپ غزوہ حنین اور تبوک کے پُرصعوبت سفر میں بھی حضورؐ کے ہمراہ تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسولؐ اللہ نے تیس آدمیوں کو ایک مہم پر روانہ کیا اُن میں حضرت ابوسعید بھی شامل تھے۔ امام دار قطنیؒ کے مطابق حضرت ابوسعید خدریؓ

Marfat.com

اُس مہم کے امیر تھے۔ مجاہدین نے رستہ میں ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا اور قریب کی بستی میں پیغام بھیجا کہ ہم آپ کے مہمان ہیں۔ اُن لوگوں نے کسی بنا پر عُذر کیا۔ اتفاق سے اُسی دن بستی کے سردار کو ایک زہریلے بچھو نے کاٹ لیا۔ لوگوں نے اُس کاٹے کا علاج کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر کسی کو بچھو کے کاٹے کا علاج صحیح معلوم نہیں تھا، تکلیف بڑھتی گئی۔ چارو ناچار وہ مجاہدین کے پڑاؤ میں پہنچے اور علاج دریافت کیا۔ حضرت ابوسعیدؓ خدری نے فرمایا کہ میں اِس کا علاج جانتا ہوں مگر تمہیں اس کے عوض 30 بکریاں دینی ہوں گی۔ انہوں نے یہ منظور کرلیا۔ حضرت ابوسعیدؓ بستی میں گئے اور سردار کا علاج کردیا اور وہ بھلا چنگا ہوگیا۔ ان لوگوں نے عہد کے مطابق 30 بکریاں ساتھ روانہ کردیں۔ اُس مہم سے واپس آکر صحابہ کرامؓ نے بارگاہِ رسالتؐ میں تمام واقعہ بیان کیا اور دریافت کیا کہ ایسا کرنا یعنی اِس طرح بکریاں لینا جائز ہے؟ نبی اکرمؐ نے متبسّم ہوکر فرمایا، ''جو کچھ تم نے کیا ٹھیک ہے، اب اِن بکریوں کو آپس میں تقسیم کرلو۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے عہدِ رسالتؐ میں 12 غزوات میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا اور حجۃ الوداع میں بھی آپ آنحضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ نبی کریمؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوسعیدؓ نے اپنی تمام زندگی مدینہ میں ہی گزاری اور کسی خاص ضرورت کے سوا کبھی مدینہ سے باہر نہیں گئے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ خدری نے مدینہ میں ایک حلقۂ درس قائم کررکھا تھا جو ہر وقت شائقینِ علم سے معمور رہتا۔ اگر کوئی شخص کسی خاص مسئلے پر علیحدگی میں گفتگو کا متمنّی ہوتا تو اسے طویل انتظار کی صعوبت برداشت کرنا پڑتی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ پورے دس سال تک نبوّت کے چشمۂ علم وعرفان سے سیراب ہوئے تھے، اِس لیے وہ معدنِ فضل وکمال تھے۔ خلفائے راشدین بھی اُن کے کمالِ علمی کے معترف تھے اور آپ خلافتِ راشدہ کے ادوار میں فتویٰ صادر فرمایا کرتے تھے، اس سے حضرت ابوسعید خدریؓ کی علمی بصیرت اور اوجِ کمال کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت ابوسعیدؓ کے صحیفۂ اخلاق میں حق گوئی، بردباری، تحمّل، سادگی، انکساری اور اتباعِ رسولؐ کے ابواب بڑے روشن تھے۔ ہمیشہ حق بات کہنے میں کسی کی رورعائت نہیں کرتے تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت معاویہؓ میں بعض ایسی باتیں پیدا ہوگئی تھیں جو حضرت ابوسعیدؓ

Marfat.com

کے نزدیک دینی نقطۂ نگاہ سے پسندیدہ نہیں تھیں۔ آپ مدینہ سے طویل سفر کر کے دمشق پہنچے اور اِن تمام باتوں سے حضرت معاویہؓ کو آگاہ کیا۔

تاریخ الخلفاء میں امام جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ 60ھ میں یزید بن معاویہ نے حضرت حُسینؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے حجاز کا قیام ترک کرنے کا ارادہ کیا تو اُس موقع پر حضرت ابو سعید خدریؓ اور کئی دوسرے صحابہ نے اُنہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنا ارادہ بدل دیں اور ارضِ حجاز میں ہی قیام برقرار رکھیں مگر انہوں نے اُن کے مشورہ پر عمل نہ کیا اور واقعہ کربلا کا سانحۂ پیش آ گیا۔

سانحۂ کربلا کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (حضرت زبیر بن العوامؓ، عشرہ مبشّرہ کے صاحبزادے اور حضرت ابوبکرؓ کے نواسے) نے مکّہ میں عِلم خلافت بلند کیا تو حضرت ابوسعیدؓ نے اُن کے ہاتھ پر بلا تردّد بیعت کر لی۔ 63ھ میں حرّہ کا دلدوز واقعہ پیش آیا تو اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کر دی اور اُس کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ یزیدی لشکر نے مدینہ میں داخل ہو کر تین دن اور تین راتیں مسلسل لوٹ مار کا بازار گرم کیے رکھا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے اِس وحشیانہ دارو گیر سے بچنے کے لیے قریبی پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لے لی۔ ایک شامی سپاہی تعاقب کرتا ہوا وہاں آ پہنچا اور آپ کو قتل کرنے کے درپے ہوا۔ حضرت ابوسعیدؓ نے مقابلے کی نیت سے اپنی تلوار سونت لی لیکن پھر کچھ سوچ کر تلوار زمین پر رکھ دی اور یہ آیت پڑھی۔ ترجمہ ''اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، مجھے تو اللہ ربّ العٰلمین سے ڈر لگتا ہے''۔ شامی سپاہی یہ آیت سُن کر پیچھے ہٹ گیا اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے اپنا نام بتایا تو اُس نے سوال کیا کہ کیا آپ رسول اللہؐ کے صحابی ہیں؟ آپ نے ہاں میں جواب دیا تو وہ خاموشی سے واپس لوٹ گیا۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی غیر حاضری میں اُن کی مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد بعض لوگوں نے آپ کے طریقۂ نماز پر اعتراض کیا۔ آپ نے منبر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ ''میں نے اِس طرح نماز پڑھائی جس طرح مَیں نے آنحضورؐ کو نماز پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے، تم لوگ اگر اِس پر اعتراض کرتے ہو تو مجھے اِس کی بالکل پرواہ نہیں

Marfat.com

ہے''۔

حضرت ابو سعید خدریؓ ہر قول و فعل میں نبی کریمؐ کا اتباع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی کریمؐ کے دستِ مبارک میں کھجور کی پتلی چھڑی دیکھی چنانچہ آپ بھی اپنے ہاتھ میں ایسی چھڑی لے کر چلا کرتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے 74ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اُس وقت آپ کی عمر 85 برس تھی۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ

(ترجمانِ قرآن)

آپ کا نام عبداللہ، والد کا نام عباس بن عبدالمطلب اور کنیت ابوالعباس تھی۔ آپ کی والدہ کا نام اُمّ الفضل لبابہ تھا جو اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ کی سگی بہن تھیں۔ آپ شعبِ ابی طالب میں نبوّت کے دسویں سال اور ہجرت مدینہ سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ شعب ابی طالب وہی گھاٹی ہے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندانِ بنوہاشم کو تین سال تک محصور کیے رکھا۔ جب آپ کی پیدائش ہوئی تو آپؐ کے چچا حضرت عباس اِن کو بارگاہِ نبوّت میں لے آئے۔ حضورؐ نے نومولود کے منہ میں لعابِ دہن ڈال کر دعا فرمائی۔

آپ کے والدِ محترم حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا لیکن حضرت عبداللہ کی والدہ حضرت ام الفضل نے ابتدا ہی میں توحید کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ حضرت ام الفضل نے حضرتِ خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اِس لیے حضرت عبداللہ کی تربیت شروع ہی سے توحید کے زیرِ سایہ ہوئی اور اُسی سایہ میں آپ پروان چڑھے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام کی چاشنی شروع دن سے ہی آپ کی گھٹی میں پڑ چکی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی آپ کے شب و روز نورِ ایمان سے منور ہونے لگے۔ آپ فطرتاً ذہین، سلیم الطبع اور متین مزاج کے مالک تھے۔ آپ کو شروع ہی سے ایسا ماحول ملا کہ آپ کو جلیل القدر

Marfat.com

صحابہ کرامؓ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا شرف حاصل رہا، جس کی وجہ سے آپ نے بہت جلد مروّجہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرلی۔

آپ جوانی کے ایام ہی میں بلند پایہ مدبّر اور ممتاز عالمِ دین بن گئے۔قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور عربی ادب میں آپ کا کوئی مقابل نہ تھا۔آپ علوم و معارف کی ایک زندہ کتاب تھے۔حضرت عمرؓ آپ کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے آپ کو شیوخِ بدر کی مجالس میں بٹھاتے تھے۔آہستہ آہستہ آپ کے حلقۂ درس میں سیکڑوں طلبگارِ علم آپ کے چشمۂ فیض سے مستفیض ہونے کے لیے حاضر رہتے۔

اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ آپ کی خالہ تھیں، جو آپ کو بہت عزیز رکھتی تھیں۔ان کی وجہ سے آپ کو اور زیادہ حضورِ اکرمؐ سے مستفیض ہونے کا موقع ملتا رہتا۔حضورِ اکرمؐ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں دین کی سمجھ بوجھ اور تاویل کا علم عطا فرمائے۔اسی دُعا کے اثر سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو علمی و دینی موضوعات پر گرانقدر معلومات حاصل تھیں۔حضرت عبداللہ کبھی کبھی رات کے وقت اپنی خالہ کے گھر ہی سو رہتے، اس طرح اُن کو آنحضورؐ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسّر آتا۔جب آنحضرتؐ نے اس دنیا سے وصال فرمایا تو آپ کی عمر صرف تیرہ سال تھی، اِس لیے ظاہری طور پر آپ کو حضورِ اکرمؐ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا بہت قلیل عرصہ دستیاب ہوسکا لیکن حقیقت میں وہی وقت تھا جب آپ نے حضورؐ کی تربیت سے خوشہ چینی کی اور آپؐ کی آبیاری کی طفیل دنیائے اسلام میں آپ ایک تن آور درخت بن کر اُبھرے۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رات کے وقت اپنی خالہ کے پاس سو رہا تھا، آپ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے۔پھر کچھ رات باقی تھی کہ آپؐ بیدار ہوئے (برائے تہجد) اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کرکے نماز پڑھنے لگے۔میں بھی اُٹھ کر بائیں جانب کھڑا ہوگیا۔آپؐ نے مجھے داہنی طرف کرلیا۔اسی طرح بار بار خدمت گزاری کا شرف بھی حاصل ہوا۔ایک مرتبہ آپ نماز کے لیے بیدار ہوئے، خالہ (حضرت میمونہؓ) نے وضو کے لیے پانی رکھ دیا، آپؐ نے وضو فرما کر پوچھا ''پانی کون لایا تھا؟'' حضرت میمونہؓ نے حضرت

Marfat.com

عبداللہ بن عباسؓ کا نام لیا، آپؐ نے خوش ہو کر دعائیں دیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ صرف 13 برس کے تھے کہ آپؐ اس دارِفانی سے وصال فرما گئے، سوا دو برس بعد خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی داغِ مفارقت دے دیا۔ جب خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ فاروق مسند آرائے خلافت ہوئے تو آپ سنِ شباب کو پہنچ چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اِن کو جوہرِ قابل سمجھ کر خاص طور پر انہیں اپنے دامنِ تربیت میں لے لیا اور اکابر اصحابہ کی علمی محفلوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا۔

بسا اوقات حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے، لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجک محسوس کرتے، حضرت عمرؓ اُن کی ہمت بندھاتے اور فرماتے ''علم کم سنی یا زیادتی عمر پر موقوف نہیں ہے''۔ حضرت عمرؓ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل انہی سے حل کرواتے اور اُن کی فطری ذہانت سے خوش ہو کر داد دیتے۔

35ھ میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان محصور تھے، اس لیے اُس سال وہ خود امارتِ حج کا فرض انجام نہ دے سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بلا کر امارتِ حج کے فرائض انجام دینے کی ذمہ داری آپ کو سونپی۔ جب آپ اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پرآشوب ہو رہا تھا۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین شہید کر دیے گئے تھے اور حضرت علیؓ کو بارِ خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے آپ سے مشورہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا 'یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اُس پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوگی کہ خلیفہ سوم کے خونِ ناحق کا حساب لگائے تاہم لوگوں کو اِس وقت آپ کی ضرورت ہے''۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا۔ ''الغرض اہلِ مدینہ کے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ نے خلیفۃ المسلمین کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت معاویہؓ کی بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا لیکن آپؓ نے انکار کر دیا اور حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ آپ حضرت معاویہؓ کو اس عہدہ پر برقرار رکھ کر اپنا حلیف بنالیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے برہم ہو کر سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا ''خدا کی قسم، یہ کبھی نہیں ہو سکتا''۔ غرض اِس طرزِ عمل پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا

Marfat.com

وہ سامنے آ کر رہا اور جنگِ جمل اور جنگِ صفین لڑی گئیں، جن میں ہزاروں مسلمانوں کا خونِ ناحق بہا۔

40ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہنوز بصرہ کی گورنری پر مامور تھے۔ جب حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ میں مصالحت کی گفتگو شروع ہوئی تو آپ مکہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ 60ھ میں معاویہؓ کے بعد جب یزید مسند نشین خلافت ہوا تو حضرت علیؓ کے حامیوں نے حضرت حسینؓ کو اس انقلاب سے فائدہ اٹھانے پر اُبھارا اور کوفہ آنے کی دعوت دی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کوفیوں کی غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے حضرت حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا کہ تم اہلِ حجاز کے سردار ہو اس لیے کوفہ جانے سے یہاں مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے۔

حضرت حسینؓ نے جواب دیا "اے ابنِ عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ میرے سچے خیر خواہ ہیں لیکن اب سفرِ کوفہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں اور مَیں نے وہاں جانے کا عزمِ صمیم کر لیا ہے"۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے دوبارہ کہا کہ اگر تم جاتے ہو تو خدارا، بیوی بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ۔ خدا کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی اس طرح شہید کیے جاؤ جس طرح حضرت عثمانؓ اپنی عورتوں اور بچّوں کے سامنے ذبح کیے گئے۔ لیکن مشیّتِ الٰہی میں کس کو دخل تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ضِد اور اصرار کے باوجود حضرت حسینؓ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہیٔ کوفہ ہوئے اور پھر میدانِ کربلا نے وہ خونی منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش اور سینہ فگار ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا، اُس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ وہ گزشتہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں آپ طائف تشریف لے گئے تھے اور باقی ایامِ زندگی وہیں بسر کیے۔

68ھ میں آپ سات روز تک موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہے۔ بسترِ علالت کے اردگرد احباب و معتقدین کا ایک ہجوم موجود تھا۔ ایک ہفتہ علالت کے بعد طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ محمد بن حنیفہؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اُس وقت آپ کی عمر 71 سال تھی۔

Marfat.com

آپ سے مروی احادیث کی تعداد 2660 ہے۔ اِس کے علاوہ آپ کے فتاوٰی فقہ کی سنگِ بنیاد ہیں۔ خلیفہ مامون الرشید کے پڑپوتے ابوبکر بن محمد بن موسیٰ نے جو اپنے زمانے کے امام تھے، حضرت عبداللہ بن عباس کے فتاوٰی 20 جلدوں میں جمع کیے تھے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حج کے موسم میں سورۂ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی کہ اس سے بہتر میرے کانوں نے نہ سُنی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ بہترین ترجمانِ قرآن ہیں۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ

آپ کا نام عبداللہ، ابوبکر کنیت اور جلیل القدر صحابی رسول حضرت زبیر بن العوامؓ کے صاحبزادے تھے جو دربارِ رسالتؐ کے خوش نصیبوں کی جماعت عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت اسماء تھا جو آنحضورؐ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ اُس خوش نصیبی کے کیا کہنے جو آپ کے انگ انگ میں ناچتی ہوگی یعنی باپ اور نانا دونوں ہی عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔ ہجرت کے پہلے سال کے آخر میں آپ مدینہ (قباء) میں پیدا ہوئے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی خالہ تھیں۔ اس مقدس رشتہ کی مناسبت سے آنحضورؐ آپ کے خالو ہوئے۔

آپ کی پیدائش پر تمام مہاجرین میں بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا وہ اس طرح کہ آپ کی پیدائش سے قبل مہاجرین کے ہاں کافی عرصہ تک کوئی اولاد نہ ہوئی تو یہودِ مدینہ نے یہ مشہور کر دیا کہ ہم نے مہاجرین پر جادو کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اِن کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہو رہی۔ جب آپ کی پیدائش ہوئی تو یہود کی بات جھوٹ ثابت ہوئی جس سے اُن کو بہت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کی پیدائش ہوئی تو آپ کے والد حضرت زبیر اپنے لختِ جگر کو اُٹھا کر حضرت رسول اکرمؐ کی خدمت میں لائے۔ آپؐ نے نومولود کو اپنی گود میں لے کر گھُٹی پلائی اور دعا سے سرفراز فرمایا۔ اِس طرح یہ پہلی ولادت باسعادت تھی جو ہجرت کے بعد اسلام میں ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سات سال کی عمر میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے

Marfat.com

تو حضورؐ نے مُسکرا کر اس صغر سِنی میں آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا۔ آپ بچپن ہی میں بلند عزم، جری، باحوصلہ اور بے باک تھے۔ آپ کو بچپن ہی سے اکابر صحابہ کی محافل میں بیٹھنے کا شرف ملنا شروع ہو گیا تھا۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے بڑائی کے آثار ہویدا تھے۔ دلیری، بہادری، شجاعت اور صاف گوئی کے اوصاف کی وجہ سے خواص و عام میں معروف تھے۔ خلفائے راشدین کے دور میں آپ کئی ایک مہمات میں شریک ہوئے اور قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ جنگ جمل میں آپ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمایت میں بڑی بے جگری سے لڑے۔ اِس لڑائی میں آپ کے جسم پر چالیس سے زیادہ زخم آئے۔

آپ کی خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آغوشِ تربیّت اور والدِ محترم حضرت زبیرؓ کی نگاہِ شفقت نے آپ کے علم کو قرآن و حدیث، قرأت اور دیگر مروّجہ علوم وفنون سے بہرہ ور کیا۔ آپ عربی کے علاوہ کئی دوسری زبانوں کے بھی ماہر تھے۔ اپنے دور کے ممتاز خطباء میں شمار ہوتے تھے۔ فصاحت و بلاغت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ آپ کے خطبوں کی کڑک سے کئی پتھر دلوں کے دل موم ہو جاتے۔

جب حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کیا تو آپ نے شدید مخالفت کی۔ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب یزید کے قاصد آپ سے بیعت لینے آئے تو آپ ایک دن کی مہلت لے کر مدینہ سے نکل کر مکہ آ گئے اور حدودِ حرم میں پناہ لی۔ آپ کی پیہم کوششوں کے نتیجہ کے طور پر اہلِ حجاز نے اموی خلافت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ شہادتِ حسینؓ نے لوگوں کے دِلوں کے اندر سوئے ہوئے جذبات کو اِس قدر برانگیختہ کیا کہ ملک کے طول وعرض میں اموی اقتدار کے خلاف ناراضگی اور بغاوت کی ایک زبردست لہر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

66ھ میں جب آپ عراق و عرب کے خلیفہ ہوئے تو سلطنتِ بنو امیہ کا حاکم یزید اسلام میں فسق و فجور پھیلانے پر تُلا ہوا تھا اور فتنہ فساد ہر جگہ رونما ہو رہا تھا۔ گمراہ لوگ اس کی بیعت قبول کر رہے تھے لیکن آپ نے اُس کی بیعت سے انکار کر دیا اور مکہ کو اپنا مسکن بنا کر وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی۔ اُس وقت دنیائے اسلام میں آپ جیسی مؤثر شخصیت کا حامل کوئی

Marfat.com

دوسرا شخص نہ تھا، اِس لیے اہلِ مدینہ نے بھی جلد آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔

یزید نے اہلِ مدینہ کو بیعت پر مجبور کرنے کے لیے مُسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوجیوں کے ساتھ حجاز روانہ کیا۔ شامی افواج میں اکثریت عیسائی فوجیوں کی تھی۔ جنھوں نے مسلمانوں کی عزّت و آبرو پر بڑی بے دردی سے ہاتھ ڈالا۔ مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد یزید کی افواج نے مکّہ کا رُخ کیا۔ اُن شامی فوجوں کا سالار مسلم بن عقبہ دورانِ سفر ہی مارا گیا۔ ابنِ نمیر نے مکہ کا محاصرہ کرلیا جو 64 دن جاری رہا۔ اس دوران جب اُن کے خلیفہ یزید کی موت کی خبر پہنچی تو محاصرہ اٹھالیا گیا۔

بعد میں جب عبدالملک بن مروان نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو عبدالملک بن مروان کے وزیر حجاج نے آپ سے مقابلہ کا ارادہ کیا اور یکم ذوالحج 72ھ کو مکہ کا محاصرہ کرلیا اور رسد بھی بند کردی۔ سات ماہ تک برابر لڑائی جاری رہی اور حضرت عبداللہ کے مددگار اور حامی لوگ محاصرہ کی تنگیوں سے آپ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جب تھوڑے آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے تو آپ اپنی والدہ محترمہ حضرت اسماءؓ کے پاس آئے اور عرض کیا:

''اماں جان! وفاداروں کی بیوفائی اور کچھ ساتھیوں کی بے صبری سے میں پریشان ہوں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ اگر آپ کی رائے ہو تو اطاعت قبول کرلوں کیونکہ اس صورت میں ممکن ہے کہ حجاج اور اُس کے ہمراہیوں سے جو کچھ چاہوں وہی ہو جائے۔''

والدہ محترمہ نے جواب دیا:

''اے فرزند! تم اپنی مُصلحت خوب سمجھتے ہو۔ اگر تمھیں حق و صداقت پر ہونے کا کامل یقین ہے تو تم کو ثابت قدم رہنا چاہیے، مردوں کی طرح لڑو اور جان کے خوف سے کسی ذِلّت کو برداشت نہ کرو۔ عزت کے ساتھ تلوار کھانا، ذلّت و رسوائی کے عیش سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ اگر تم شہید ہوگئے تو مجھے خوشی ہوگی۔ اگر تم دنیائے بے ثبات کے خواہشمند نکلے تو تم سے زیادہ برا کون شخص ہوسکتا ہے، جو خود بھی بُرا بنتا ہے اور خلقِ خُدا کو بھی ذلت و ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم تنہا ہو اور بجز اطاعت کے کوئی چارہ نہیں تو یہ روش شریفوں کی نہیں، تم کب تک زندہ رہو گے، ایک دن ضرور مرنا ہے، اِس کے لیے بہتر یہی ہے کہ نیک نام ہوکر مرو، تاکہ مجھے

Marfat.com

مسرت کا موقع ملے''۔

(یہ اُس بہادر خاتون کا اپنے بیٹے کو خطاب تھا جو حضورِ اکرمؐ اور اپنے والدِ محترم حضرت ابوبکرؓ کو غارِ ثور میں تین راتیں خُفیہ طور پر تازہ کھانا پہنچاتی رہی تھیں)۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی والدہ محترمہ کی یہ زرّیں نصیحت سُن کر کہا ''مجھ کو خوف ہے کہ اہلِ شام مرنے کے بعد طرح طرح کے عذاب دیں گے''۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا ''بیٹا، جو کچھ تم نے اپنا خیال ظاہر کیا وہ بے شک درست ہے، لیکن جب لوگ بکری ذبح کر ڈالیں تو پھر خواہ اُس کا پوست نکالیں، خواہ قیمہ کریں، بکری کو کوئی اذیت نہیں پہنچتی''۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی والدہ محترمہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا: ''درحقیقت میرا بھی یہی خیال ہے، میں حق کے آگے دنیا کو ہیچ سمجھتا ہوں اور یہ کام میں نے محض دین کے استحکام کے لیے کیا ہے اور اب میں آج ضرور لڑ کر شہادت حاصل کروں گا۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ کچھ افسوس کریں۔ اے مادرِ محترم! آج تک آپ کے بیٹے نے کوئی فسق و فجور نہیں کیا اور احکامِ شریعت کے اجرا میں عمداً غلطی نہیں کی۔ پھر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا ''بارِ الٰہی! تو خوب جانتا ہے، جو کچھ میں نے اپنی ماں سے کہا، وہ محض اُن کی تسلّی و تشفی کے لیے کہا ہے تاکہ وہ اِس حال کو دیکھ کر متاسّف نہ ہوں''۔

حضرت اسماءؓ نے فرمایا ''اے فرزند! مجھے اُمید ہے کہ میرا صبر تیرے حق میں ایک عدیم النظیر صبر ہوگا۔ اگر تو میرے سامنے ہلاک ہوا تو میرے اجر کا باعث ہوگا اور اگر تو غالب و فتحیاب ہوا تو میرے لیے وجۂ مسرت و شکرگزاری۔ اب بسم اللہ کرو، آگے بڑھو اور مآلِ کار دیکھو''۔

اس کے بعد حضرت عبداللہؓ نے اپنی والدہ ماجدہ سے دعائے خیر کی درخواست کی اور زرہ پہن کر ماں کو آخری دفعہ اپنی صورت دکھانے آئے۔ ماں جب رخصت کرنے کے لیے گلے لگانے لگیں تو زرہ دیکھ کر بولیں: ''عبداللہ! جو لوگ شہادت کے مشتاق ہوتے ہیں وہ زرہ و جوشن بالائے طاق رکھ دیتے ہیں''۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا ''میں نے آپ کے اطمینان کے لیے پہنی

Marfat.com

ہے'' فرمایا '' مجھے زرہ سے اطمینان نہ ہوگا، دامنِ کمر سے باندھو اور حملہ کرو''۔ حضرت عبداللہ نے ایسا ہی کیا اور رجزیہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور آخر کار شہید ہو گئے۔

آپ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ کی لاش حجون پر لٹکا دی۔ تین دن گزرنے کے بعد حضرت اسماءؓ اپنی کنیز کے ساتھ گزریں تو دیکھا کہ لختِ جگر کی لاش الٹی لٹکی ہوئی ہے۔ انہوں نے یہ دردناک منظر دیکھا اور نہایت صبر و استقلال سے کام لے کر فرمایا '' کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یہ شہسوارِ اسلام وفدائے ملّت گھوڑے پر سے اترے''؟

راست گوئی حضرت اسماءؓ کا خاص شعار تھا، چنانچہ حجاج بن یوسف ایسے ظالم و جفا کار کے سامنے آپ نے راست گوئی کا دامن نہیں چھوڑا اور نہایت دندان شکن جواب دیے۔ جب عبداللہ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف حضرت اسماء کے پاس آیا اور کہا '' تمہارے بیٹے عبداللہ نے خدا کے گھر میں بے دینی والحاد پھیلایا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُس پر شدید عذاب نازل کیا''۔ تو حضرت اسماء نے جواب دیا '' تو جھوٹا ہے، میرا بیٹا ملحد نہ تھا، بڑا صائم، شب بیدار، پرہیز گار، عبادت گزار اور ماں باپ کا فرمانبردار لڑکا تھا، مگر میں نے آنحضرتؐ سے ایک حدیث سُنی ہے کہ

> '' قبیلہ ثقیف (طائف) سے دو آدمی پیدا ہوں گے، جن میں سے پہلا دوسرے سے بدتر ہوگا'' سو ایک کذّاب (مختار ثقفی) کو تو میں دیکھ چکی اور دوسرا ظالم جس کو میں اب دیکھ رہی ہوں، تُو ہے''

حجاج آپ کے اس تلخ جواب سے جل گیا اور پیچ و تاب کھا کر خاموش رہا۔

چند دنوں کے بعد عبداللہ بن مروان کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی لاش حجون سے اتاری گئی۔ حضرت اسماءؓ نے منگوا کر غسل دلایا، بیٹے کی لاش کے جوڑ جوڑ الگ ہو گئے تھے، غسل دیتے وقت بڑی دقت ہوئی لیکن یہ المناک منظر بھی حضرت اسماءؓ نے دیکھا اور صابر و شاکر رہیں اور آپ کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی۔

حضرت اسماءؓ خدائے ذوالجلال سے دعا مانگا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبداللہ کی نعش نہ دیکھ لوں، مجھے موت نہ آئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ کی شہادت کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا

Marfat.com

کر حضرت اسماءؓ نے اپنی حیات کے سو سال پورے کر کے جمادی الاوّل 73ھ میں بمقام مکہ معظمہ انتقال فرمایا۔

اُدھر شوہر کی شہادت اور اِدھر لختِ جگر، نورِ نظر عبداللہؓ کی شہادت، یہ دونوں واقعات کسی قیامت سے کم نہ تھے۔ لیکن مرحبا ایسی خاتون پر باوجود اِن سخت واقعات کے عزم و استقلال اور صبر سے کام لیا اور ایسے صبر آزما امتحانوں سے کامیاب و کامران گزر جانا یہ بنتِ صدیق اکبرؓ ہی کا کام تھا۔

حجاج بن یوسف اور اُس کی فوج نے شہر (مکہ) فتح کر کے کعبے پر منجنیقوں سے پتھر برسائے اور پھر آگ لگا دی جس سے کعبہ کی دیواریں شق ہو گئیں اور حجر اسود (جنتی پتھر) کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ لوگ کعبہ کی دیواروں کے ٹکڑے اور حجرِ اسود کے ٹکڑے اٹھا کر لے گئے، جنہیں بعد میں کسی وقت منگوا کر دوبارہ تعمیر کیا گیا۔

(جو بربادی ابرہہ سے نہ ہو سکی وہ لعین حجاج بن یوسف کے ہاتھوں انجام پائی) ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو وہاں شہید کیا گیا، جہاں پر گھاس کا تنکا بھی توڑنے کی اجازت نہیں۔ آپ اُس ہستی کے نواسے تھے جن کا پوری کائنات میں آنحضورؐ جو باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں، کے بعد دوسرا درجہ آتا ہے۔

ایسی ظلم اور بربریّت کی مثال نہ دنیا میں پہلے کبھی قائم ہوئی اور نہ ہوگی اور وہ بھی مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل۔ یہ مثال نام نہاد مسلمانوں نے قائم کی۔ جو مسلمانوں کے دامن پر کلنگ کا ٹکہ ہیں اور جو تا ابد اپنے چہروں پر ظلم کی سیاہیاں ملتے رہیں گے۔ دوسری طرف حضرت زبیرؓ نے جام شہادت نوش فرما کر داستانِ حُریّت کی وہ مثال قائم کر دکھائی جس سے تاریخ رقم کرنے والوں کے قلم ضرور کانپے ہوں گے۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

حضرت عبداللہ بن عمر خلیفۂ ثانی حضرت عمرِ فاروقؓ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ آپ کی ولادت بعثتِ رسولؐ کے دوسرے سال مکہ میں ہوئی۔ جب حضرت عمرؓ نے بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا تو اس وقت آپ کی عمر پانچ سال تھی یعنی والدِ گرامی کے قبولِ اسلام کے ساتھ ہی آپ خود بخود اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوگئے اور آپ کی شروع ہی سے نشو ونما خالصتاً اسلامی ماحول میں ہوئی۔ نبوّت کے تیرھویں سال جب حضرت عمر فاروقؓ نے حضورؐ کے حکم کے مطابق اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مدینہ ہجرت کی تو حضرت عبداللہ بھی والدِ محترم کے ساتھ تھے۔ اُس وقت آپ کی عمر گیارہ سال تھی۔

حضرت عبداللہ شکل وصورت میں اپنے والدِ بزرگ وار حضرت عمر فاروقؓ کے مشابہہ تھے۔ آپ اُن عمرؓ کے صاحبزادے ہیں جن کے بارے میں جنابِ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عمر بن خطاب بن نفیل بن العزیٰ بن رباح بن قرط بن زراع بن عدی بن کعب بن لوی، یہاں پر آپ کا شجرۂ نسب حضورِ اکرمؐ سے مِل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا جو شرفِ صحابیّت سے بہرہ ور تھیں۔ اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عُمر تاریخ اسلام کے چار معروف ''عبادلہ'' (جن کے نام عبداللہ سے شروع ہوتے ہیں) میں سے ایک ہیں۔ باقی

Marfat.com

تین عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہیں۔ اِن چاروں اصحاب کرام کا دینِ اسلام کی ترقی و ترویج میں اور اسلام کو آگے بیان کرنے میں بہت بڑا دخل ہے۔

جب غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی شوقِ جہاد سے بیتاب ہو کر غزوۂ بدر میں شامل ہونا چاہا اور حضورؐ سے اُس کی اجازت طلب کی۔ لیکن آپ کا اصول تھا کہ پندرہ سال سے کم عمر لڑکوں کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیتے تھے، چونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عمر اُس وقت تیرہ برس تھی اس لیے آپؐ نے اُنہیں واپس بھیج دیا۔ غزوۂ اُحد جب واقع ہوا تو اُس وقت اُن کی عمر چودہ سال تھی اس لیے اُس میں بھی آپ شرکت نہ کر سکے۔ لیکن سب سے پہلا غزوہ جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دادِ شجاعت دی، غزوہ خندق تھا۔ 6ھ میں صلح حدیبیہ سے قبل آپؓ کو بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا، اِس طرح وہ اُن خوش قسمت اصحاب میں شامل تھے جنہیں اللہ کے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی اور قرآنِ پاک میں ''تحتُ الشَّجَر ہ'' کے ذکر سے سرفراز فرمایا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حُسنِ اتفاق سے بیعتِ رضوان کا شرف انہیں اپنے جلیل القدر والد سے پہلے ملا، وہ اس طرح کہ حضرتِ عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک انصاری سے گھوڑا لانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہ باہر نکلے تو آنحضورؐ صحابہ سے بیعت لے رہے تھے۔ حضرت عبداللہ نے پہلے بڑھ کر بیعت کی اور پھر اُس کی والدِ گرامی کو جا کر اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ بھی بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچے اور بیعت کی سعادت حاصل کی۔

بیعتِ رضوان کے بعد حضرت عبداللہؓ نے فتح خیبر، فتح مکہ، غزوہ حنین، طائف اور غزوہ تبوک کے غزوات میں آنحضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ فتح مکہ 8ھ کے وقت حضرت عبداللہؓ کا سِن انیس برس تھا اور آپ ایک منہ زور تیز گھوڑے پر سوار تھے اور ہاتھ میں ایک بھاری چمکتا ہوا نیزہ تھاما ہوا تھا۔ آپ حضورِ اکرمؐ کے پیچھے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ حضورؐ کے پیچھے اونٹنی پر سوار تھے، حضرت بلالؓ اور حضرت عثمان بن طلحہ آپؐ سے آگے آگے چل رہے تھے۔ خانہ کعبہ کے صحن میں اونٹنی بٹھا کر خانہ کعبہ کی کنجی منگائی گئی اور کعبہ کا دروازہ کھول کر

Marfat.com

تینوں ایک ساتھ داخل ہوئے۔ اِن کے بعد خانہ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہونے کی سعادت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حاصل ہوئی۔

آپ رسول اللہ کے ہر فعل کو بنظرِ غائر دیکھتے اور پھر اُسے پوری باریکی اور وضاحت سے بیان کرتے مثلاً جہاں جہاں آنحضورؐ نے نماز پڑھی، آپ بھی وہاں پڑھتے، جہاں جہاں رسول اللہ کھڑے ہو کر دعا کرتے، آپ بھی اُسی جگہ کھڑے ہو کر دعا کرتے، جہاں آنحضورؐ بیٹھ کر دعا کرتے، آپ بھی وہاں بیٹھ کر دُعا کرتے۔ ایک بار رسولِ اکرمؐ ایک جگہ اپنی اونٹنی سے اترے اور دو رکعت ادا کیں، آپ بھی جب سفر میں اُس مقام پر پہنچے تو جنابِ رسول اللہؐ کے اِتباع میں وہی کچھ کیا۔ آپ یہ سارا کام اسی طرح ادا کرتے جس طرح آنحضورؐ کو آپؓ نے کرتے دیکھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''عبداللہ بن عمر سے بڑھ کر نقوشِ نبویؐ کا اتباع کرنے والا کوئی نہیں ہے''۔ آپؓ نے اپنے والد حضرت عمرؓ بن خطّاب سے خیرِ کثیر حاصل کیا اور والد ہی کے ساتھ رہتے ہوئے رسولِ اکرمؐ سے تمام تر خیر اور عظمت سے اپنا دامن بھر لیا۔ پھر اپنے والد کی مانند اللہ اور رسولؐ پر اپنے ایمان کو کمال کے درجے تک پہنچایا۔ اس لحاظ سے جب دیکھا جائے تو جناب رسول اللہ کے نقوشِ قدم کی پیروی کا آپ ایسا مظاہرہ کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

جناب رسول اللہ کے نقوشِ قدم اور سنّت کی پیروی کی یہ شدید خواہش ہی تھی کہ آپ آنحضورؐ کی حدیث بیان کرنے سے ڈرتے تھے۔ اُس وقت تک آپ کوئی حدیث بیان نہیں کرتے تھے جب تک اُس کا ایک ایک حرف یاد نہ آجاتا تھا۔ آپ کے ہم عمر کہتے ہیں ''اصحابِ رسولؐ میں عبداللہ بن عمرؓ سے بڑھ کر اس بات سے خوف کھانے والا کوئی نہیں کہ وہ حدیث میں کوئی کمی بیشی کرے۔ اس طرح آپ فتویٰ دینے میں بھی نہایت احتیاط سے کام لیتے۔

10ھ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حجۃ الوداع میں آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ 11ھ میں آپؐ کا وصال ہوا تو حضرت عبداللہؓ اس قدر ملول و شکستہ دِل ہوئے کہ عمر بھر نہ کوئی مکان بنایا اور نہ کوئی باغ لگوایا۔ جب بھی آپؐ کے ساتھ گزری ہوئی رفاقتوں کی یاد آتی، آپؓ رونے لگ جاتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دل میں جہادِ فی سبیل اللہ کی بے پناہ تڑپ تھی۔

Marfat.com

عہدِ صدیقیؓ میں تو بعض وجود کی بنا پر مدینہ سے باہر نہ جا سکے، لیکن عہدِ فاروقیؓ میں ایران، شام اور مصر کی فتوحات میں سرفروشانہ حصّہ لیا۔ آپ کے والدِ محترم امیر المومنین تھے لیکن آپ ایک عام مجاہد کی حیثیت سے لشکرِ اسلام میں شریک ہوتے اور کبھی کسی عہدے کی خواہش کی نہ کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا۔

ذی الحجہ 23ھ میں آپ کے والد حضرت عمرِ فاروقؓ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا اور اُن کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو انہوں نے اپنی جانشینی کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سُپرد کر دیا، جس میں اکابر صحابہ شامل تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اگرچہ اپنے علم وفضل اور دوسری صلاحیتوں کی بنا پر ہر طرح سے خلافت کے اہل تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ تقویٰ کے اتنے بلند مقام پر فائز تھے کہ انہیں اپنے فرزند کو نامزد کرنا گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے وصیّت کر دی کہ وہ خلیفہ کے انتخاب میں مُشیر کی حیثیت سے تو شریک ہو سکتے ہیں لیکن خلافت کے لیے اُن کے نام پر کسی صورت بھی غور نہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ منصبِ قضا سے بھی کنارہ کش رہے۔ قضا ایک ایسا منصب ہے جو حکومت اور معاشرہ میں بلند ترین منصب تصوّر کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ منصب اپنے حامل کو دولت وعزّت اور مقام ومرتبہ ہر چیز کی ضمانت دیتا ہے لیکن پارسا پرہیز گار حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جاہ وحشمت اور دولت وثروت کی کیا ضرورت تھی۔

ایک دفعہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ نے آپ کو بلایا اور منصبِ قضا پر فائز ہونے کا مطالبہ کیا تو آپ نے معذرت کر لی۔ حضرت عثمانؓ نے اصرار کیا تو آپ نے مسلسل انکار ہی کیا۔ بالآخر حضرت عثمانؓ نے پوچھا ''کیا تم میری نافرمانی کرتے ہو؟'' آپ نے جواب دیا ''ہرگز نہیں'' بلکہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قضا کی تین قسمیں ہیں:

1- ''وہ قاضی جو جہالت میں فیصلہ کرتا ہے، وہ جہنم میں جائے گا۔

2- وہ قاضی جو خواہش نفس کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے، وہ بھی جہنم میں جائے گا۔

3- وہ قاضی جو اجتہاد (مقدمہ کو سمجھنے کی سرتوڑ کوشش) کرتا ہے اور درست فیصلہ صادر کرتا ہے، تو اُس شخص کا معاملہ برابر برابر ہے، اُس پر کوئی گناہ ہے نہ اُسے کوئی اجر ملے

Marfat.com

گا''۔

''لہٰذا میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ مجھے اس منصب سے معاف ہی رکھئے''۔

حضرت عثمانؓ نے آپ سے یہ وعدہ لے کہ وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائیں گے، اُن کی معذرت قبول کر لی کیونکہ حضرت عثمانؓ تو لوگوں کے دلوں میں آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ شب زندہ دار شخص تھے۔ رات مصلّیٰ پر کھڑے استغفار اور آہ و بکا میں گزار دیتے۔ آپ نے عہدِ شباب میں ایک خواب دیکھا تھا جس کی رسولؐ اللہ نے ایسی تعبیر بیان کی کہ رات کا قیام آپ کی خوشیوں اور امیدوں کا آخری مرکز بن گیا تھا۔ آیئے اس جانفزا بیان کو سنئے جو آپ خود اپنے خواب کے متعلق بیان کرتے ہیں:

''مَیں نے عہدِ رسالت میں خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ریشم کا ایک ٹکڑا ہے۔ میں جہاں بھی جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، یہ ٹکڑا مجھے اڑا کر وہاں پہنچا دیتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرے پاس دو آدمی آئے ہیں، وہ مجھے آگ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ اس دوران ایک فرشتہ انہیں آ کر ملتا ہے اور کہتا ہے چھوڑ دو۔ وہ دونوں آدمی مجھے چھوڑ دیتے ہیں''۔

میرا یہ خواب اب میری ہمشیرہ حفصہؓ نبیؐ کریمؐ سے بیان کرتی ہیں تو آپؐ فرماتے ہیں ''عبداللہ خوش قسمت ہے اگر وہ رات کو نماز ادا کیا کرے تو اُس کا یہ رُتبہ و مقام مزید بلند ہو گا''۔

اُس دن سے لے کر اللہ سے ملاقات کے دن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سفر و حضر میں قیامُ اللّیل کو ترک نہ کیا۔ آپ نماز پڑھتے، قرآن کی تلاوت کرتے اور اپنے رب کا کثرت سے ذکر کرتے۔ اپنے والد کی مانند جب بھی قرآن کی آیت نذیر سنتے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو جاتا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنوں نے سَر اٹھایا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی، کیونکہ آپ کو مسلمانوں کا ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہونا کسی صورت

Marfat.com

میں گوارا نہ تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے اُنہیں مسندِ خلافت پر بٹھانا چاہا لیکن انہوں نے یہ بارِ گراں اٹھانے سے صاف انکار کر دیا۔

حضرت علیؓ جب سر پر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اِس شرط پر اُن کے ہاتھ بیعت کی کہ وہ خانہ جنگی میں شریک نہ ہوں گے۔ چنانچہ وہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین سے بالکل کنارہ کش رہے۔ بعد میں حضرت علیؓ نے اُنہیں شام کا گورنر بننے کی دعوت دی، آپ نے یہ دعوت بھی قبول نہ کی۔

آپ کے مقام و مرتبہ اور محبت و عزت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہونے کے باوجود یہ ممکن نہ تھا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر یکجا ہو جاتے۔ اُن دنوں مسلمانوں کے درمیان ایسے اختلافات رونما ہو چکے تھے جنہوں نے مسلمانوں کو یوں پارہ پارہ کر دیا کہ وہ باہم جنگ آزما ہو گئے تھے اور ایک دوسرے پر تلوار سونتے کھڑے تھے۔ یہ فسادات ایسی فضا نہیں بننے دے رہے تھے جو اُس اجماع کے لیے سازگار ہوتی جس کی شرط حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے لگائی تھی۔ آپ نے کہا مجھے یہ پسند نہیں کہ خلافت مجھے اس حال میں ملے کہ ایک آدمی میری بیعت پر ہاں کہہ رہا ہو اور دوسرا ناں۔

ایک عرصہ تک حادثات رونما ہوتے رہے بالآخر معاملہ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں چلا گیا اور اُن کے بعد اُن کے بیٹے یزید کے ہاتھ میں پھر یزید کے بیٹے معاویہ ثانی نے خلافت پالینے کے بعد اُس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اُن دنوں حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک عُمر رسیدہ بزرگ تھے لیکن اب بھی منصبِ خلافت کے لیے لوگوں کی اُمید تھے۔ مروان آپ کے پاس گئے اور کہنے لگے ''اپنا ہاتھ بڑھاؤ، ہم تمہاری بیعت کریں، تم خود بھی سیدُ العرب ہو اور سیدُ العرب کے بیٹے ہو''۔ آپ نے اُس سے کہا ''ہم اہلِ مشرق کا معاملہ کیسے سیدھا کریں گے''؟ مروان نے کہا ''ہم اُن سے اُس وقت تک لڑیں گے جب تک وہ بیعت نہیں کر لیتے''۔ آپ نے کہا ''اللہ کی قسم! میں تو پسند نہیں کرتا کہ ستر سال تک خلافت میرے پاس رہے اور اُس عرصہ میں میری وجہ سے ایک مسلمان بھی قتل ہو''۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان امور سے کنارہ کش رہے مگر اس عزلت وتنہائی میں آپ

Marfat.com

نے باطل کی کبھی حمائت نہیں کی۔ آپ نے کئی بار حضرت معاویہؓ کو، جبکہ وہ حکمرانی کے نقطۂ عروج پر تھے، ایسے سخت انداز میں جواب دیے کہ حضرت معاویہؓ کو پریشان کر کے رکھ دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ''جو شخص نماز کے لیے بلائے میں اس کے بلاوے پر لبیک کہوں گا اور جو شخص بھلائی کی طرف بلائے میں اُس کی پکار بھی قبول کروں گا، لیکن جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے قتل اور گلا کاٹنے کے لیے بلائے میں اُس کی بات نہیں مانوں گا''۔

ایک بار حجاج بن یوسف نے تقریر کے دوران کہا: ''عبداللہ بن زبیرؓ نے قرآن مجید میں تحریف کی ہے'' اُس کا یہ الزام سَراسَر جھوٹ تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے جس کا یہ کلام ہے قرآن میں صاف صاف بول دیا کہ ''اسے ہم نے ہی اُتارا ہے اور ہم ہی اِس کی حفاظت کریں گے'' تو پھر کسی کے تحریف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس الزام سے حجاج کے ایک پراگندہ ذہن کی عکاسی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حجاج بن یوسف کی یہ بات سُن کر فوراً بولے ''تم جھوٹ بول رہے ہو، جھوٹ بول رہے ہو''۔ یہ سُن کر حجاج حیران ہو گیا اور اسے اس بات سے بڑا دُکھ پہنچا۔ حجاج تو وہ شخص تھا جس سے ہر چیز خوف کھاتی تھی۔ وہ اُسی وقت آپ کو سخت سزا کی دھمکی دینے لگا۔ اس پر آپ نے حجاج کے منہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا ''تم جو دھمکی دے رہے ہو اگر اُس پر عمل بھی کر ڈالو تو کوئی تعجب کی بات نہیں، تم تو مسلّط کیے گئے بیوقوف ہو''!

حضرت عبداللہ بن عُمرؓ مسلمانوں کا خون مسلمانوں ہی کے ہاتھوں بہتا دیکھتے تو غم و الم سے پھٹ جاتے۔ آپ لڑائی کو روکنے اور مسلمانوں کے بہنے والے خون کو بچانے کی طاقت رکھتے تھے مگر فسادات آپ کی اس طاقت سے کہیں بڑھ گئے، اس لیے آپ گوشہ نشین ہو گئے۔

حضرت نافعؒ نے آپ سے سوال کیا کہ ''اے ابوعبدالرحمٰن! آپ عمر فاروقؓ کے بیٹے ہیں، رسول اللہؐ کے صحابی ہیں، آپ اتنی خوبیوں اور فضیلتوں کے حامل ہیں تو پھر آپ کو حضرت علیؓ کی نصرت وحمایت سے کس چیز نے روک رکھا تھا''۔ آپ نے جواب دیا ''مجھے اس چیز نے روکا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مسلمانوں کا خون حرام کر رکھا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے

Marfat.com

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ

''لڑو ان کفار و مشرکین سے حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین ایک اللہ ہی کا ہو جائے''

''ہم نے کفار و مُشرکین سے قتال کیا، یہاں تک کہ زمین پر دین اللہ ہی کا ہو گیا تو آج ہم کس مقصد کے لیے لڑیں''؟ مَیں اس وقت مُشرکین سے لڑا ہوں جب حرم کعبہ دروازے تک بُتوں سے بھرا پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عرب کی سرزمین کو اُن بتوں سے پاک کر دیا اور آج میں اُن لوگوں سے لڑوں جو لا اِلٰہ اِلّا اللہ کہتے ہیں''۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی دِلی تمنا تھی کہ وہ مدینہ منورّہ میں وفات پائیں لیکن قدرت الٰہی سے اُن کی وفات اُسی شہر (مکہ) میں ہوئی جہاں آپ پیدا ہوئے۔ وفات سے پہلے اپنے فرزند سالم بن عبداللہ کو وصیّت کی کہ اب میں یہاں وفات پا رہا ہوں تو مجھے حدودِ حرم کے باہر دفن کرنا۔ انہوں نے والدِ گرامی کی وصیّت پر عمل کرنا چاہا لیکن حجاج نے مخالفت کی اور اُن کی نمازِ جنازہ پڑھا کر 'فتحِ مہاجرین' کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبدالملک کے عہدِ خلافت میں 76ھ میں 86 سال کی عمر میں وفات پائی۔ حق و صداقت کا یہ سورج مکہ ہی میں طلوع ہو کر مکہ ہی کی گھاٹیوں کے پیچھے غروب ہو گیا۔

آپ کے ہم عصروں نے اِن الفاظ میں آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا:

ابن عمرؓ فوت ہوئے تو وہ فضل و کمال میں اپنے والد حضرت عمرؓ کی مثال تھے''۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے تھے کہ ''آپؐ کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا مگر عمرؓ اور اُن کے بیٹے عبداللہ نہیں بدلے''۔ حضرت سعید بن المُسیّب کہا کرتے تھے ''کہ میں اگر کسی کے جنتی ہونے کی گواہی دے سکتا ہوں تو وہ ابنِ عمیرؓ ہیں''۔ آپ نے اپنی زندگی میں 60 حج اور ایک ہزار عُمرے کیے۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عُمر بن العاصؓ

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ کا شمار شمعِ رسالتؐ کے اُن پروانوں میں ہوتا ہے جو آسمانِ علم وفضل کے درخشندہ آفتاب و ماہتاب تھے۔آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔قریش کے خاندان بنوزہم سے تعلق تھا۔آپ کے والد محترم کا نام عمرو بن العاصؓ تھا جو نہ صرف آنحضورؐ کے ایک جلیل القدر صحابی بلکہ سپاہِ رسولؐ اللہ کے جری جرنیل تھے اور فاتحِ مصر کے خطاب سے نوازے گئے۔ آپ کی والدہ بنتِ خولہ کا نام ریطہ تھا۔آپ کے والد تو شجاعت بہادری، تدبیر وحکمت اور عسکری مہارت میں ایک قد آور شخصیت کے مالک تھے لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اپنے علم و فضل اور ذوقِ عبادت کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ وارفع مقام رکھتے تھے۔آپ کے والد حضرت عمرو بن العاصؓ نے تو فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے اسلام قبول کیا لیکن سعادت مند فرزند اس نیک کام میں اپنے والد سے سبقت لے گئے اور آپ والد سے پہلے ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

قبولِ اسلام کے بعد ہی حضرت عبداللہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔حضرت عبداللہ کو جناب رسول اللہ سے بے انتہا عقیدت و محبت تھی۔قبول اسلام کے بعد عبادت کی کثرت کا یہ حال تھا کہ صحیح معنوں میں دائم الصوم اور قائم اللیل ہو گئے تھے یہاں تک کہ اہل و عیال اور دوسرے دنیاوی معاملات سے یکسر بے نیازی اختیار کر لی تھی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ بعداز قبولِ اسلام ہجرت کر کے مدینہ آئے اور عبادت و

Marfat.com

ریاضت میں بیٹے کو جب مُستغرق پایا تو سمجھایا کہ عبادت میں اس قدر شدت مناسب نہیں لیکن عبداللہؓ اپنی روش پر قائم رہے۔ اس پر آپ کے والد حضرت عمرو بن العاصؓ نے آنحضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے فرزند ارجمند کی اِس راہبانہ زندگی کا ذکر کیا۔ آنحضورؐ نے حضرت عبداللہ کو بلایا اور فرمایا ''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ دن کو ہمیشہ روزے رکھتے ہو اور رات بھر نوافل پڑھتے ہو، کیا یہ درست ہے؟' جی یارسولُ اللہ!' حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ نے عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا 'یہ طریقہ چھوڑ دو، روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے گھر والوں اور تمہارے ملاقاتیوں اور مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے۔ رمضان کے روزوں کے علاوہ ہر مہینے تین دن کے نفلی روزے رکھ لینا ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے اور مہینے میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو، حضرت عبداللہ نے عرض کیا 'یارسولؐ اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا ''تو پھر تم داؤدؑ کی طرح روزے رکھا کرو یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار اور تہجد میں سات دنوں میں ایک قرآنِ پاک ختم کر لیا کرو اور اس سے زیادہ نہ کرو''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ارشادِ نبویؐ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور آئندہ اسی کے مطابق عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو جہاد فی سبیل اللہ کا بے انتہا شوق تھا اور غزوات میں اکثر آپؐ کی ہمرکابی کا اکثر شرف حاصل کرتے تھے۔ بعض دفعہ آنحضورؐ آپ کو کسی اہم ذمہ داری پر بھی مامور فرماتے۔ حضرت عبداللہ خود فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ کی تیاری میں آپؐ نے مجھے فوج کے لیے اونٹ مہیّا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میری تحویل میں جس قدر اونٹ تھے اِن سب پر لوگوں کو سوار کرا دیا۔

حجۃُ الوداع کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمروؓ آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ فرماتے ہیں کہ آپ مِنیٰ میں تھے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ناواقفیت کی بنا پر میں نے ذبح کرنے سے پہلے اپنا سَر منڈوا لیا۔ آپؐ نے فرمایا ''ذبح کر اور دوبارہ سَر منڈوا لے، کوئی حرج نہیں''۔ پھر ایک دفعہ دوسرا شخص آیا اور عرض کیا ''یارسولؐ اللہ میں نے ناواقفیت کے

Marfat.com

سب کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر لی ہے'۔ آپؐ نے فرمایا 'اب کنکریاں مار لے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے'۔ مختصر یہ کہ تقدیم و تاخیر کے جو مسائل آپؐ سے دریافت کئے گئے، آپ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا سب سے نمایاں کام احادیثِ نبویؐ کی کتابت ہے۔ آپ کو اکثر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی وہ جو کچھ جناب رسولِ مقبولؐ سے سنا کرتے اُس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ بعض اصحاب نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا تو حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے آپؐ سے اس بارے میں پوچھا تو آنحضرتؐ نے اپنے دہن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''لکھو، اللہ کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اِس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ جناب رسالت مآبؐ سے اجازت ملنے پر آپ نے پھر احادیث تحریر کرنا شروع کر دیں اور اِن کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس کا نام اُنہوں نے 'الصادقہ' رکھا۔ اس مجموعہ احادیث کو وہ اس قدر عزیز رکھتے کہ کسی حالت میں بھی اِس کی مفارقت گوارا نہ کرتے۔

اس بارے میں قرآنِ پاک کی سورہ النجم کی آیات واضح ہیں کہ جنابِ رسول پاکؐ اپنی مرضی سے کوئی بات نہ کرتے مگر اس میں اللہ کا حکم ہی تابع ہوتا۔ اِس بارے میں آپؐ کی اِن صفات پر اپنی مہر تصدیق اس طرح ثبت کی: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (اور نہ وہ اپنی مرضی سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے) سورہ النجم آیات 3,4)

حضرت عبداللہ کے والد حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ آپ نے جہاد شام میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ شام کی سب سے بڑی جنگ 'جنگ یرموک' میں حضرت عبداللہ نہایت پامردی سے لڑے اور نازک سے نازک موقع پر اپنے پائے استقلال میں جنبش نہ آنے دی۔ حضرت عمر بن العاصؓ اپنے فرزند کی دلاوری اور استقامت سے اتنے خوش ہوئے کہ اپنا علم قیادت اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مدینہ منورہ، طائف اور مصر میں گزارا۔ ان کے والد حضرت عمر بن العاصؓ نے مصر حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت

Marfat.com

میں فتح کیا تھا۔ حضرت عبداللہ نے بھی اپنے والدِ گرامی کے ساتھ جہادِ مصر میں حصہ لیا اور مصر کی تسخیر کے ساتھ وہیں مقیم رہے۔ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمرو بن العاصؓ کو جب مصر کی امارت سے سبکدوش کر دیا تو حضرت عبداللہ بھی اپنے والد کے ہمراہ مدینہ واپس آ گئے۔

حضرت عبداللہ کو والد کے ترکہ میں سے کافی دولت اور جائداد ملی۔ اِس میں طائف کے قریب 'وحط' نامی ایک جاگیر بھی تھی، کہا جاتا ہے کہ اُس کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ درہم تھا۔ حضرت عبداللہ اس میں کھیتی باڑی کرایا کرتے تھے۔ اُن کی زندگی اگرچہ زاہدانہ اور عابدانہ تھی لیکن اپنے مال یا جائیداد پر کسی کو ناجائز قبضہ کرنے کی ہرگز اجازت نہ دیتے تھے۔ 65ھ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص مصر کے شہر فسطاط میں مقیم تھے کہ اُن کا آخری وقت آن پہنچا اور انہوں نے وہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اُس وقت مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوجوں میں مصر میں قبضہ کے لیے شدید لڑائی ہو رہی تھی اور جنازے کو قبرستان تک پہنچانا بہت مشکل تھا، اس لیے لوگوں نے اُنہیں گھر کے اندر ہی قبر تیار کر کے دفن کر دیا۔

حضرت عبداللہ اپنے دور کے ذی علم صحابہ کی بے حد عزت کرتے تھے اور برملا اُن کے علم و فضل کا اعتراف کرتے تھے۔ ایک دفعہ اُن کی مجلس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ذکر آیا تو فرمایا 'تم لوگوں نے ایسے شخص کا ذکر کیا ہے جس کو میں اس دِن سے دوست رکھتا ہوں جس دن آپؐ نے فرمایا ''قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو''۔ آپؐ نے سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ تاریخ اسلام کے چار معروف عبادلہ میں سے ہیں، باقی تین عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان چاروں اصحاب کرامؓ کا دین کی ترقی و ترویج میں اور اسلام کو آگے بیان کرنے میں بڑا دخل ہے۔

Marfat.com

حضرت انسؓ بن مالک

حضرت انسؓ بن مالک بن نظر کا تعلق مدینہ کے قبیلہ خزرج کی شاخ بنونجار سے تھا۔ آپ کی والدہ مشہور صحابیہ رسولؐ اِمِ سلیمؓ تھیں۔ حضرت اِمِ سلیمؓ کا آنحضرتؐ سے ننھیالی رشتہ تھا۔ آپ حضورؐ کی خالہ ہوتی تھیں۔ حضرت اِمِ سلیمؓ نے دوسری بیعتِ عقبہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اُس زمانے میں حضرت مصعب بن عمیرؓ تبلیغ کے لیے یثرب آئے تھے۔ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ جو اِمِ سلیمؓ کے دوسرے خاوند تھے، نے حضرت انسؓ بن مالک کی پرورش کی۔ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ دوسری بیعتِ عقبہ میں شریک تھے۔ حضرت انسؓ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ آپ کی والدہ مسلمان ہوگئیں۔ اُن کے پہلے شوہر اور حضرت انسؓ کے والد مالک نے اُنہیں اُن کے مسلمان ہونے پر چھوڑ دیا اور پھر وہ شام چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ حضرت اِمِ سلیمؓ نے ابوطلحہ انصاری سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ اسلام قبول کرلیں اور یہی اُن کا حقِ مہر طے ہوا تھا۔

حضرت انسؓ کے دوسرے والد حضرت ابوطلحہ کا شمار قبیلہ خزرج کے بڑے مالدار آدمیوں میں ہوتا تھا۔ ایمان لائے تو بڑے پُرجوش مسلمان بن گئے۔ اُس زمانے میں آپ کی عمر بیس بائیس سال تھی۔ دوسری بیعتِ عقبہ میں انصار کے جو سردار چُنے گئے وہ بھی اُن میں سے ایک تھے۔ یہ وہی ابوطلحہؓ ہیں جن کے بارے میں حضورِ اکرمؐ نے فرمایا تھا ''اُن کی آواز سو آدمیوں سے بہتر ہے''۔ آپ کا یہ ارشاد غزوۂ احد کے موقع پر ہوا تھا۔ اس وقت جب کفار کا حملہ شدید ہوگیا اور انہوں نے بڑھ کر رسالت مآب کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ ایسی صورت میں حضرت ابوطلحہؓ سینہ

Marfat.com

تان کر آپ ؐ کے آگے ڈھال بن گئے۔ کفار کی طرف سے جو تیر آتا، حضرت ابوطلحہؓ اُسے اپنے ہاتھ پر روک لیتے۔ اتنے تیر اُن کے ہاتھ پر لگے تھے کہ ایک ہاتھ زندگی بھر کے لیے شَل ہو کر بیکار ہو گیا، لیکن ابوطلحہؓ کی جانثاری کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی حضور اکرمؐ آگے سے نہ ہٹے۔

حضورِ اکرمؐ سے محبت کا یہی حال حضرت ام سلیمؓ کا بھی تھا، غزوہ حُنین میں وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آنحضورؐ کی مدد کو پہنچیں۔ میاں بیوی دل و جان سے اپنے آقاؐ پر فدا تھے۔ اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جو بچہ اُن دونوں کی تربیت میں رہا ہوگا اُسے ذاتِ نبویؐ سے کیسی والہانہ محبت ہوگی۔ حضرت انسؓ دس برس کے تھے کہ آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔ آپؐ کی آمد پر خوشی سے جو بچے مدینہ کی گلیوں میں طَلَعَ البَدرُ عَلَینَا کے ترانے گاتے پھرتے تھے، اُن میں حضرت انسؓ بھی شامل تھے۔ اُن بچوں کا ذوق و شوق اور آقائے دو جہاںؐ سے اظہارِ عقیدت قابل دید تھا۔

ایک دن حضرت انسؓ کی والدہ امِ سلیم اور حضرت ابوطلحہؓ اپنے بیٹے حضرت انسؓ کو لے کر دربارِ رسالتؐ میں پہنچے اور عرض کیا ''یارسول اللہ! یہ ہمارا نورِ نظر ہے، ہماری بڑی خوش نصیبی ہوگی اگر آپؐ اسے اپنے خادموں میں رکھ لیں''؟ دربارِ رسالتؐ سے حضرت انسؓ کو اپنے سایۂ شفقت میں قبول کرنے کا اشارہ ملا۔ اجازت مل گئی تو حضرت انسؓ جو ابھی بچے ہی تھے، خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔ کہاں تو ابھی اُنہی کی دیکھ بھال کی ضرورت تھی اور کہاں یہ حال کہ بڑے بڑوں سے زیادہ ذمّہ داری، پابندی اور عقیدت سے خدمتِ نبویؐ میں حاضر رہنے لگے۔ صبح صادق کے وقت اپنے گھر سے نکلتے، ابھی حضورؐ نے نمازِ فجر بھی نہ پڑھی ہوتی کہ سلام کے لیے آموجود ہوتے۔ دوپہر کو گھر لوٹتے، کچھ دیر ٹھہر کر پھر جاتے اور عصر تک کام کاج میں لگے رہتے، پھر مسجدؐ میں نماز پڑھنے کے لیے چلے جاتے، جہاں لوگ جماعت شروع کرنے کے لیے آپ کا انتظار کرتے رہتے۔ چاہے حضور گھر میں رہتے یا سفر میں، چاہے اپنے جانثاروں میں موجود ہوتے یا تنہا، حضرت انسؓ وہ خوش قسمت تھے کہ ہر جگہ اُنہیں باریابی کا شرف حاصل تھا۔ حضورِ اکرمؐ کی باقیماندہ حیات یعنی دس برس تک حضورؐ کی خدمت میں رہے، بڑی فرمانبرداری سے ہر

Marfat.com

کام کرتے اور حضورؐ کا ہر کام ایسی عقیدت و احترام سے کرتے جیسے دنیا جہاں کی نعمتیں اُنہیں مل رہی ہیں۔ زندگی بھر اِس سعادت پر نازاں رہے گویا حضورؐ کی تابعداری ہی اُن کی زندگی کا حاصل و مقصود تھا۔

حضورِ اکرمؐ کی شفقت اور مہربانی کا یہ عالم تھا کہ کبھی بیٹا کہہ کر بُلاتے کبھی انیس پُکارتے۔ ابوحمزہ حضرت انس بن مالک کی کنیت تھی۔ آپ اکثر اُن کے گھر کو رونق بخشتے، کھانے کا وقت ہوتا اور کوئی چیز کھانے کے لیے پیش کی جاتی تو خوش ہو کر کھاتے۔ نماز کا وقت آجاتا تو وہیں نماز ادا کرتے اور حضرت انسؓ کے لیے دعا فرماتے۔ حضرت انسؓ، حضرت اُمِ سلیمؓ اور حضرت ابوطلحہؓ کی خوشی اُس وقت دیدنی ہوتی۔ گویا جب حضورِ اکرمؐ اُن کے گھر تشریف فرما ہوتے تو خوشی سے اُن کے پاؤں زمین پر نہ لگتے۔ اس میں کوئی حیرانی کی بات بھی نہ تھی جب شاہِ لولاکؐ اُن کے گھر اترے ہوئے ہوں تو پھر بھلا اور کیا چاہیے۔ ''جسے مِل گیا کملیؐ والے کا دامن، اُسے دو جہاں کا خزانہ ملا ہے'' والی صورت محورقص معلوم ہوتی۔ کبھی آپؐ دوپہر میں تشریف لاتے تو کچھ دیر کے لیے وہیں قیلولہ فرمالیا کرتے، اپنوں کا سا سلوک تھا۔ بلکہ اپنوں سے بھی زیادہ۔

بارہ برس کی عمر تھی حضرت انسؓ نے سُنا کہ مشرکینِ مکہ سے لڑائی ہونے والی ہے۔ جنگ میں بھلا بچوں کا کیا کام، لیکن آپ جنابِ رسولؐ اللہ کے خادم تھے۔ آپ غزوۂ بدر کے دوران برابر حضورِ اکرمؐ کے ساتھ رہے، البتہ کم عمری کے باعث لڑائی میں براہِ راست حصہ تو نہ لیا لیکن لڑائی کے اِسرار و رموز کو بغور دیکھتے رہے۔ غزوۂ اُحد میں بھی اُنہوں نے اسی طرح شرکت کی غالباً اُس چھپر میں موجود ہوتے جہاں سے سالارِ اعظمؐ اپنی فوجوں کو ہدایت (کنٹرول روم) دیا کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان کے موقع پر بھی موجود تھے۔ غالباً پہلی جنگ جس میں انہوں نے براہِ راست حصہ لیا، غزوۂ خیبر تھی۔ جس اونٹ پر آپ سوار تھے اُسی پر حضرت ابوطلحہ بھی تھے اور یہ اونٹ حضورِ اکرمؐ کی سواری سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ تاجدارِ مدینہؐ کی حیات میں جتنی لڑائیاں لڑی گئیں اُن سب میں حضرت انسؓ شریک رہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی خدمتِ نبویؐ میں حاضری کا شرف حاصل رہا۔

Marfat.com

تاجدارِ کون و مکاں ﷺ حضرت انس سے اس درجہ خوش تھے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اُن کے حق میں دعا فرمائی کہ:

''اے اللہ! انسؓ کو کثرت سے مال دے، کثرت سے اولاد دے، اُس کی عمر میں برکت عطا فرما اور اُسے جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما'' (سنن الترمذی۔ حدیث: 3829)

حضرت انسؓ کہا کرتے تھے ''میرے آقا کی ارشاد فرمائی ہوئی تین باتیں تو میری خوش نصیبی سے پوری ہوگئیں اللہ پاک چوتھی خوش خبری بھی پوری کرے گا، میں اُس کا منتظر ہوں''۔

حضرت انسؓ موزوں قد و قامت اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ پہننے، کھانے اور اوڑھنے کا اہتمام کرتے تھے۔ بڑے زبردست تیر انداز تھے، غالباً یہ کمال انہوں نے اپنے سوتیلے باپ حضرت ابوطلحہؓ سے حاصل کیا تھا، جن کی تیراندازی میدانِ اُحد میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی طرح نمایاں اور ممتاز رہی۔ لڑائی میں جتنے ہتھیار استعمال ہوتے تھے، حضرت انسؓ اِن سب کا استعمال خوب جانتے تھے۔ آپ بہترین گھڑ سوار تھے اور اکثر گھڑ دوڑ مقابلوں میں حصہ لیتے تھے۔ اس قدر تیز دوڑتے کہ صحابہ کو حیرت ہوتی تھی۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ مہر الظہر ان میں میدانِ بدر کے قریب تیز دوڑنے کا ایک مقابلہ ہوا اور انہوں نے اِس دوڑ میں ایک خرگوش کو جا پکڑا۔

حضرت انسؓ حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں بحرین کے گورنر مقرر ہوئے (اُس وقت آپ کی عمر بائیس تیئس برس تھی)۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں امیر المومنین نے دس آدمیوں کی ایک جماعت بصرہ روانہ فرمائی جس کا کام لوگوں کو فقہِ اسلامی کی تعلیم دینا تھا۔ حضرت انسؓ بھی اس جماعت میں شریک تھے۔ بصرہ آئے تو ساری زندگی یہیں بتا دی۔ زندگی کے آخری دور میں گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ آپ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا۔ دُور دُور سے لوگ آپ سے احادیثِ رسول ﷺ سننے، فقہ کے مسائل پوچھنے کے لیے حاضر ہوتے۔ یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ آپ کو جنابِ رسالت مآب ﷺ جیسا اُستاد ملا۔ آپ کے شاگردوں میں حضرت حسن بصریؒ، ابوقلابہ، ابوعثمان، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، اسحٰق بن ابی طلحہ جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں تھیں، جن میں ہر ایک اپنی جگہ علم و حکمت کا ایک بحرِ بیکراں تھا۔ حضرت انسؓ بن مالک نے بہت سی روایتیں بیان کی ہیں۔ صحیح بخاری میں جن کی تعداد اَسّی اور صحیح مسلم میں ستّر

Marfat.com

احادیث ہیں۔

حضرت انسؓ جہاں بھی اور جس محفل میں بیٹھتے، آنحضورؐ کی حیاتِ مبارکہ کا ذکر چھڑ جاتا، خواہ وہ آپ کا حلقہ درس ہوتا یا دوستوں کی نشست، پھر آپ کا اندازِ گلفشانی قابلِ حسن و سماعت ہوتا، ہر سُننے والا عش عش کر اُٹھتا۔ محفل ایسی ہوتی جیسے سب خاموشی کے حصار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا کہ خوش بیانی وخوش الحانی کا کوئی دبستان کُھل گیا ہے۔ آپ حضورؐ کے ذکر سے بے چین ہوجاتے اور رفتہ رفتہ بے چینی ایسی بڑھتی کہ خاموشی سے گھر میں چلے جاتے، آنحضورؐ کے جو تبرکات آپ کے پاس محفوظ تھے، نکال کر اُنہیں دیکھتے، آنکھوں سے لگاتے، چومتے اور سَر پر رکھتے اور بڑی مشکل سے جذبات پر قابو پاتے۔ اکثر راتوں کو خواب میں اپنے پیارے آقاؐ کا دیدار نصیب ہوتا اور پھر وہ دن گریہ وزاری میں گزرتا۔

ایک مرتبہ درس میں پڑھا رہے تھے کہ ایک شاگرد حضرت ثابت نے پوچھا کہ کبھی آپ نے آنحضرتؐ کا دستِ مبارک چھوا تھا؟ آپ بہت آبدیدہ ہوگئے، بولے: ''ہاں! اس ہاتھ کو یہ شرف حاصل ہے''۔ ثابت نے لپک کر اُس ہاتھ کو چوم لیا۔ ایک مرتبہ آنحضورؐ کا حُلیہ مُبارک بیان کررہے تھے۔ آپؐ کی ایک ایک بات اور ایک ایک خط و خال کا ذکر ہورہا تھا۔ آپ کی نگاہوں میں وہ دِن گھوم رہے تھے جو آپ نے آنحضورؐ کی معیّت میں گزارے تھے۔ اپنی سعادتِ غلامی پر ناز کرتے تھے، بولے!

> ''قیامت میں آقاؐ کا سامنا ہوگا، تو عرض کروں گا کہ حضورؐ کا ادنیٰ غلام انسؓ حاضرِ خدمت ہے''۔

نبی اکرمؐ نے اُنہیں کثرت مال کی دُعا دی تھی، اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت انسؓ کو سَو سے زیادہ بچے (ہوسکتا ہے اس تعداد میں پوتے بھی شامل ہوں) عطا فرمائے، اور اُن کے پاس ایک ایسا باغ تھا جو سال میں دومرتبہ پھل دیتا تھا۔ اس باغ میں ایک خوشبودار پودا تھا جس کی خوشبو کستوری کی طرح تھی۔

حضرت انسؓ نے 91ھ میں 101 برس کی عمر میں وصال فرمایا ااور بصرہ میں دفن ہوئے۔ غالبًا آپ آخری صحابیٔ رسولؐ تھے، جو فوت ہوئے۔

Marfat.com

حضرت زید بن حارثہؓ

(پیکرِ وفا۔ واحد صحابی جن کا ذکر قرآن میں نام کے ساتھ آیا)

آپ کا نام زید کنیت ابو اُسامہ اور لقب حُبِّ رسولؐ تھا۔ والد کا نام حارثہ تھا جو یمن کے ایک معزز قبیلہ بنو قضاعہ سے تھے۔ والدہ کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ بن عبد عامر تھا جو قبیلہ بنو طے کی ایک شاخ بنی معن سے تھیں۔ آپ کا پورا سلسلۂ نسب یہ ہے حضرتِ زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزّیٰ۔

حضرت زید ابھی کمسن ہی تھے کہ اپنی والدہ سعدیٰ کے ساتھ ننہال گئے۔ راستے میں راہزنوں نے زید کو خیمے سے اغوا کرلیا اور انہیں عرب کے مشہور میلے عکاظ میں حکیم بن حزام کے ہاتھ 400 درہم میں فروخت کر دیا۔ مکہ آ کر حکیم بن حزام نے حضرت زید کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بنت خویلد کی خدمت میں پیش کر دیا۔ سعادتمندی اور اقبال مندی زید کا مقدر بن چکی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے نبوت سے قبل انہیں اپنے شوہر نامدار آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اُس وقت حضرت زید کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔ سرکارِ دو عالمؐ نے زید کو آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔

حضرت زید کے والد حارثہ بن شراحیل کو اپنے بیٹے کی گمشدگی کا شدید غم تھا۔ ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے لیے مکہ آئے۔ مکہ میں انہوں نے زید کو پہچان لیا۔ انہوں نے

Marfat.com

زید کو اپنے والد کے پاس لے جانے کے لیے ساتھ چلنے کو کہا۔ زید نے کہا اُنہیں پیغام پہنچا دینا کہ ''میں بڑی مبارک اور اچھی جگہ مشعرِ حرام کے قریب رہتا ہوں''

وطن واپس جا کر اُن لوگوں نے زید کے والد حارثہ کو اِس واقعہ کی پوری اطلاع دی اور جن کے (آنحضرتؐ) پاس زید مقیم تھے، آپؐ اور آپؐ کے حالات بھی بتائے۔ حارثہ اپنے بیٹے کی خبر سُن کر بہت خوش ہوئے۔ وہ اُسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل پڑے۔ یہاں پہنچ کر وہ آنحضرتؐ کی خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''اے ابنِ عبداللہ، اے ابنِ عبدالمطلب، ہم آپ کے پاس اپنے بیٹے زید کے معاملہ میں گفتگو کرنے آئے ہیں، آپؐ اُس کو ہمارے حوالے کر کے ہم پر احسان کیجئے اور اِس کا ہدیہ قبول فرمایئے۔ آپؐ نے پوچھا ''زید کو بُلا لو، اُسے اختیار دے دو، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو ساتھ چلا جائے اگر وہ مجھ کو ترجیح دے تو میں اُس شخص پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا جو مجھ کو ترجیح دیتا ہے'' یہ سب اِس پر رضامند ہو گئے۔ چنانچہ زید کو بلایا گیا۔ آپؐ نے پوچھا ''تم انہیں پہچانتے ہو''؟ زید بولے ''جی ہاں، یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا ہیں''۔ اِس کے بعد آپؐ نے فرمایا ''مَیں کون ہوں؟'' اس سے تم واقف ہو اور میرا تمہارے ساتھ جیسا معاملہ رہا ہے اُس کو بھی جانتے ہو۔ اب تمہیں اختیار ہے مجھ کو پسند کر دیا اِن دونوں کو اختیار کر لو''۔

حضرت زید سرورِ کونینؐ کی غلامی کا شرف حاصل کر چکے تھے، جن پر دُنیا جہان کی نعمتیں اور آزادیاں قربان کی جا سکتی تھیں۔ بولے ''میں ایسا نہیں جو حضورؐ پر کسی کو ترجیح دوں، آپؐ ہی میرے ماں باپ ہیں'' حضرت زید کے اس جواب پر حارثہ اور کعب حیران رہ گئے۔ حارثہ اور اُس کے بھائی کعب بولے ''زید، افسوس! تم آزادی پر غلامی کو اور اپنے سگے باپ اور چچا پر غیر کو ترجیح دیتے ہو؟ فرمایا ''جی ہاں! مجھے اس ذاتِ گرامی میں کچھ ایسی ہی خوبیاں نظر آئی ہیں کہ مَیں اُن پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا''

حضرت زیدؓ کی اس غیر متزلزل وفا شعاری نے آقائے شفیق کے قلبِ رؤف الرحیم میں دبی ہوئی محبت کی چنگاری کو مشتعل کر دیا۔ مُحسنِ انسانیتؐ اُنہیں ہاتھ سے پکڑ کر حجرِ اسود کے پاس لے گئے اور فرمایا ''اے حاضرین گواہ رہنا کہ زید میرے بیٹے ہیں، مَیں اِن کا وارث ہوں،

Marfat.com

وہ میرے وارث ہیں'' اِس اعلان سے زید کے والد اور چچا فرطِ مسرّت سے بے قابو ہو گئے اور اپنے لختِ جگر کو اپنے سے ہزاروں درجہ شفیق و مُعزّز باپ کی آغوشِ عاطفت میں دیکھ کر شاداں ہو گئے اور نہایت خوشی و مسرّت کے ساتھ اپنے چہروں پر مسکراہٹ سجا کر اپنے وطن لَوٹ گئے۔ آنحضورؐ کے اِس اعلان کے بعد حضرت زید، زیدؓ بن محمدؐ کے نام سے زبانِ زدِ خاص و عام ہوئے۔

پھر جب آقائے دو جہاںؐ نے اِسلام کی تبلیغ کا آغاز فرمایا تو حضرت زید بھی دولتِ اسلام سے شرف یاب ہوئے۔ جس طرح عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی حضرت خدیجہؓ، مردوں میں حضرت ابو بکرؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ ہیں اِسی طرح غلاموں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت زیدؓ ہیں۔ پھر جب 6 نبوّت میں حضرت حمزہؓ مسلمان ہوئے تو آنحضرتؐ نے حضرت زیدؓ سے اُن کی مؤاخات کرا دی۔

حضرت اُمِ ایمن آنحضورؐ کی آیا اور کنیز تھیں۔ ہجرت سے چند سال پہلے ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ 'جو شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہے، اُسے اُمِ ایمن سے نکاح کرنا چاہیے'۔ حضرت زیدؓ نے آپ کی خوشنودی کی خاطر حضرت اُمِ ایمن سے شادی کر لی۔ حالانکہ وہ عمر میں انؓ سے بڑی تھیں۔ حضرتِ اُمِ ایمن کے بطن سے حضرت اسامہؓ بن زید پیدا ہوئے۔ حضرت زیدؓ اور اُمِ ایمنؓ سے تعلقِ خاطر کی بناء پر آپؐ حضرت اسامہؓ سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ وہ بھی 'حبِ رسول اللہ'' کے لقب سے مشہور تھے۔

آنحضرتؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ حضرت زیدؓ بھی مدینہ پہنچے۔ حضرت زید اب تک خاندانِ نبوّت کے ایک فرد کی طرح آنحضورؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ مگر یہاں پہنچ کر حضورؐ نے اُن کی رہائش کے لیے علیحدہ مکان مخصوص فرما دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنتِ جحش سے نکاح کر دیا۔ اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرۂ افتخار تھا جو حضرت زیدؓ کے دستارِ فضیلت پر سجا لیکن دونوں میاں بیوی کی طبیعتوں میں توازن نہ ہونے کے سبب یہ نکاح دیر پا ثابت نہ ہوا اور ایک ہی سال بعد دونوں میں علیحدگی ہو گئی اور حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔

Marfat.com

اس سے قبل حضورِ اکرمؐ کا خیال تھا کہ میں نے بہت کچھ کہہ سُن کر زینبؓ کو نکاح پر آمادہ کیا تھا، اَب جب اُن کو طلاق مل گئی تو آپؐ کو طبعی طور پر اس بات کا رنج و ملال ہوا اور چونکہ اس نکاح میں آنحضرتؐ کو بڑا دخل تھا اس لیے حضرت زینبؓ کی طلاق کا خیال کر کے آپ خود بھی کسی حد تک پریشانی محسوس کرتے تھے۔ خصوصاً حضرت زینبؓ کی دِل شکستگی اور خانہ ویرانی کا خیال آپؐ کو اور بھی تکلیف پہنچاتا تھا۔ اب آپؐ چاہتے تھے کہ کسی طرح نکاح و طلاق سے جو زخم حضرت زینبؓ کے دِل پر لگا ہے اُس کو مُندمل کرنے کی کوئی تدبیر کریں۔ مکافات کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا تدبیر ہوسکتی تھی کہ آپؐ نے خود اُن کو شرفِ زوجیت بخشنا چاہا۔ چنانچہ بعداز عِدّت حضورِ اکرمؐ نے حضرت زیدؓ کی معرفت خود اپنے نکاح کا پیغام حضرت زینبؓ کے پاس بھجوایا۔ حضرت زینبؓ خود عاقلہ و بالغہ تھیں، وہ جانتی تھیں کہ میرا آنحضورؐ سے نکاح کوئی ایسا معمولی واقعہ نہیں ہے کہ قرآن کی کوئی آیت اِس کے متعلق نازل نہ ہو، بولیں "دیکھیے، اللہ کی طرف سے کیا حُکم آتا ہے"؟ حضرت زینبؓ کا خیال اُس وقت صحیح ثابت ہوا جب اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

"کہ جب زید نے حاجت پوری کرلی تو ہم نے اُن کا نکاح آپؐ سے کردیا"۔ (سورہ احزاب آیت 37)

اس طرح آنحضورؐ کا نکاح اللہ نے خود حضرت زینبؓ سے کردیا۔

حضرت زیدؓ کو یہ منفرد فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِن کے نام کا حوالہ دے کر قرآن پاک سے آیت نازل فرمائی۔ اس طرح آپ جناب رسول کریمؐ کے واحد صحابی ہیں جن کا ذکر قرآنِ پاک میں نام کے ساتھ آیا۔

حضرت زیدؓ ایک ماہر تیرانداز بھی تھے۔ تیراندازی میں آپ کو حد درجہ کا کمال حاصل تھا۔ آپ کا شمار اُن مشاہیر صحابہ میں تھا جو اس فن میں یکتا تھے۔ غزوہ بدر سے سریہ موتہ تک جس قدر اہم ترین معرکے پیش آئے، سب میں حضرت زیدؓ نہایت پامردی اور شجاعت سے کفار کے خلاف لڑے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت زیدؓ جس کسی سریہ میں شریک ہوتے تھے تو آنحضورؐ انہی کو سردار بناتے تھے۔ اکثر مہمات میں اسلامی لشکر کی قیادت حضرت زیدؓ ہی کے سپرد

Marfat.com

ہوئی جس کو آپ بخوبی سرانجام دیتے اور کامیاب وکامران ہو کر واپس آتے۔

جمادی الثانی 8ھ میں سریہ موتہ کا اہم واقعہ پیش آیا، جس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

''آنحضرتؐ نے قیصرِ روم کے نام ایک خط تحریر فرمایا اور ایک صحابی حضرت حارث بن عمیرؓ کو وہ دعوت نامہ تبلیغِ اسلام کا خط لے جانے کی ذمہ داری سونپی۔ راستے میں ایک علاقے بلقاء کا ایک رئیس شرجیل بن عمرو جو عیسائی مذہب کا پیرو تھا، اُس نے حضرت حارث کو شہید کر دیا حالانکہ کسی قاصد کو قتل کرنے کا رواج کہیں بھی نہیں تھا۔ آنحضرتؐ کو جب اس ناخوشگوار واقعے کی اطلاع ملی تو آپؐ کو بہت رنج ہوا اور آپؐ نے تین ہزار مجاہدین اسلام کی ایک فوج حضرت حارث کا انتقام لینے کے لیے روانہ کی۔ اس لشکر کا سالارِ اعلیٰ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مقرر فرمایا۔ آپؐ نے ہدایت فرمائی کہ اگر زیدؓ بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اُن کی جگہ لیں گے، اگر یہ بھی جامِ شہادت نوش کریں تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ امیر لشکر ہوں گے اور اگر ابنِ رواحہ بھی شہید ہو جائیں تو مجاہدینِ اسلام جسے چاہیں اپنا امیر چُن لیں۔

کچھ لوگوں اور خود عبداللہ بن رواحہؓ نے شکایت کی مگر آپؐ نے فرمایا ''تم جاؤ، تمہیں نہیں معلوم کہ خیر کس میں ہے'' چونکہ دُشمن کو اِس لشکرکشی کی اطلاع پہلے سے مِل چکی تھی اس لیے ایک لاکھ کا ٹڈی دَل اُمنڈ آیا۔ جب مسلمان لشکر موتہ کے قریب پہنچے تو اُنہیں اس لشکرِ جرار کا عِلم ہوا لیکن حضرت زیدؓ نے اس کثرت کی قطعی کوئی پرواہ نہ کی اور دُشمن کی صفوں پر بجلی بن کر گرے، دوسرے فوجی سرداروں نے بھی آپ کی تقلید کی۔ دیر تک گھمسان کی جنگ جاری رہی۔ حضرت زیدؓ جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت میں لڑتے لڑتے اس قدر آگے نکل گئے کہ دشمنانِ اسلام کے نرغے میں پھنس گئے۔ اسی حالت میں نیزے کے ایک وار نے سرورِ دوعالمؐ کے وفاشعار غلام کی تمنائے شہادت پوری کر دی۔ اس کے بعد حضورؐ کے حکم کے مطابق یکے بعد دیگرے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور اُن کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور شدید کشت وخون کے بعد وصلِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان تینوں صحابہ کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے قیادت سنبھالی اور غازیانِ اسلام کو جمع کر کے ایک ایسا زوردار حملہ کیا

Marfat.com

کہ دُشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور دُشمن کو زخم چاٹنے پر مجبور کر دیا۔

آنحضرتؐ کو اپنے جانثار صحابہ کی شہادت اور اُن کی مفارقت کا شدید غم تھا چنانچہ آپؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے تقریباً دو ماہ بعد اِس کا انتقام لینے کے لیے حضرت زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اُسامہؓ بن زید کو مامور فرمایا۔ اِس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا۔ آپؐ کو ان اعتراضات کا علم ہوا تو آپؐ حیاتِ اقدسؐ کے آخری خُطبہ میں جو آپؐ نے اپنی رحلت سے ایک دن قبل نمازِ ظہر کے بعد ارشاد فرمایا، اس مسئلہ کی نسبت خصوصی طور پر فرمایا ''اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اِس کے باپ زید کی سرداری پر بھی تم معترض تھے۔ خدا کی قسم، وہ اِس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اُس کے بعد حضرت اُسامہؓ سب سے زیادہ محبوب ہے''۔

اور جب اس ارشادِ مبارک کے ایک دو دن بعد، جبکہ یہ مہم ابھی روانہ نہ ہوئی تھی، آفتابِ رسالت و نبوّتؐ غروب ہوگیا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کی مخالفت کے باوجود وہ فوج جس کو آنحضرتؐ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کوچ کا حکم دیا تھا، روکنا گوارا نہ کیا اور حضرت اُسامہؓ بن زید اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے بعد غیر معمولی کامیابی حاصل کر کے مدینہ واپس آئے۔

بوقتِ شہادت 8ھ میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کی عمر 55 سال تھی۔ آپ کے دو لڑکے اسامہ بن زید اور زید بن زید تھے۔ ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام رقیہ تھا۔

حضرت خالد بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت زیدؓ کی کمسن صاحبزادی رقیہ نے جب باپ کی شہادت کی خبر سُنی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اُسے دیکھ کر آپ بھی رونے لگے اور اس قدر روئے کہ آپ کی آواز رُک گئی۔ آخر حضرت زید بن حارثؓ آپؐ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ اُن کی شہادت پہ رونا ایک طبعی تقاضا تھا جو آپؐ سے برداشت نہ ہو سکا اور آپ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہہ نکلے۔ حضرت زیدؓ نہ صرف سفر و حضر میں آپؐ کے ساتھ رہتے تھے بلکہ وہ آپ کی خوشنودی کا کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

Marfat.com

حضرت اُسامہ بن زیدؓ

حضرت اسامہؓ کے والد زیدؓ بن حارثہ تھے جو نبیؐ اکرمؐ کے خادمِ خاص بلکہ منہ بولے بیٹے تھے۔ آپ مکہ میں ہجرت سے سات سال قبل پیدا ہوئے آپ کی والدہ محترمہ کا نام اُمِ ایمنؓ تھا جو آنحضرتؐ کی کنیز اور آیا تھیں۔ حضرت اُمِ ایمنؓ نے ہی آپؓ کی اُس وقت تربیت کی جب آپؓ کی والدہ ماجدہ بچپن ہی میں وصال فرما چکی تھیں۔ حضرت اُمِ ایمنؓ نے ہی آپ کو ایک ماں بن کر پالا تھا۔

جب آنحضرتؐ حضرتِ صدیق اکبرؓ کے ہمراہ نبوّت کے تیرھویں سال مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تو کچھ ہی دنوں بعد آپؐ نے اپنے اہلِ خانہ کو لانے کے لیے حضرت اسامہؓ کے والدِ محترم حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مکہ بھیجا تو آنحضرتؐ کی صاحبزادیاں حضرت اُمِ کلثومؓ، حضرت فاطمہؓ، آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت سودہؓ کے ہمراہ حضرت اِمِ ایمنؓ اور بیٹے حضرت اسامہؓ بھی اکٹھے مدینہ پہنچے۔

حضرت اسامہؓ کے والد اور جنابِ رسولؐ اللہ کے خادم حضرت زید بن حارث وہ شخص تھے جنہوں نے اپنے والدین اور خاندان پر آنحضرتؐ کو ترجیح دی۔ حضرت اسامہ عمر میں نواسۂ رسولؐ حضرت حسنؓ سے دس سال بڑے تھے۔ حضرت حسنؓ اپنے حسن و جمال اور سرخ و سپید رنگت میں اپنے نانا سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ مگر جنابِ رسولؐ اللہ اُن دونوں سے محبت میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے تھے۔ آپؐ اسامہؓ کو اٹھاتے اور اپنی ایک ران پر بٹھا لیتے پھر حسنؓ کو

Marfat.com

اٹھاتے اور دوسری ران پر بٹھا لیتے پھر دونوں کو اپنے سینے سے لگاتے اور دعا فرماتے ''اے اللہ میں اِن دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اِن دونوں سے محبت فرما''۔ حضرت اسامہؓ سے رسولؐ اللہ کی محبت اِس انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ ایک بار اسامہ دروازے کی چوکھٹ سے ٹھوکر کھا کر گر گیا تو چہرہ زخمی ہو گیا اور زخم سے خون بہنے لگا۔ رسولؐ اللہ اُٹھے اور آگے بڑھ کر سامہؓ کے زخم سے خون پونچھنے لگے۔ آپؐ اُس وقت محبت وشفقت بھرے الفاظ سے اُن کو دلاسا دے رہے تھے اور چپ کرا رہے تھے۔

آپؐ نے حضرت اسامہؓ کے متعلق فرمایا ''اُس کے والد کے بعد (جو جنگِ موتہ میں شہید ہو گئے تھے) یہ مجھے محبوب ترین لوگوں میں سے ہے اور مجھے اُمید ہے کہ نیک لوگوں میں سے ہوگا لہٰذا تم اس کے ساتھ بھلا معاملہ کرو'' حضرت اسامہؓ میں وہ تمام عظیم صفات اور خوبیاں بدرجۂ اتم موجود تھیں جنہوں نے آپ کو جنابِ رسولؐ اللہ کے دِل کے قریب اور نظروں مین عظیم بنا دیا تھا۔ آپ قبولِ اسلام میں سبقت کا شرف پانے والے اور رسولؐ اللہ کی قربت میں سب سے آگے رہنے والے اوّلین مسلمانوں میں سے دو معزز و مکرم والدین کے بیٹے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں السابقون الاؤلوٰن، جیسے خوبصورت الفاظ سے یاد فرمایا جو روزِ قیامت تک پڑھے اور سُنے جاتے رہیں گے۔ آپ اسلام کے اُن چند خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جنہوں نے تاریک جہالت کے گرد وغبار سے متاثر ہوئے بغیر اسلام کے پُر بہار دور میں آنکھ کھولی۔

فتح مکہ کے تاریخی موقع پر جب جناب رسولؐ اللہ شہر میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوتے ہیں تو آپؐ کے پیچھے اونٹ پر بیٹھا ہوا نوجوان اسامہؓ بن زید ہی تھا۔ پھر جب آپؐ خانہ کعبہ میں داخل ہوتے ہیں تو حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہؓ آپؐ کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔

حضرت اسامہؓ نے راہِ خدا میں جذبۂ جہاد اور فرضِ جہاد کا شوق بچپن سے پالا ہوا تھا۔ آپ غزوہ اُحد میں شرکت کے لیے جانے والے ان کم عمر بچوں میں سے تھے جنہیں رسول اللہ نے کم سنی کی وجہ سے واپس بھیج دیا تھا۔ یاد رہے کہ اُس وقت اسامہؓ کی عمر صرف دس سال تھی۔

Marfat.com

جب غزوۂ خندق 5ھ میں پیش آیا تو حضرت اسامہ اُس وقت اپنی عمر کے بارہویں سال میں داخل ہو چکے تھے۔ حضرت اسامہؓ اس دفعہ پھر جنگ میں شرکت کا عزم لیے اپنے ہم عمروں کے ہمراہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں 'انٹرویو' کے لیے پیش ہوئے۔ آپ اُس وقت اپنے پاؤں کی ایڑیاں بلند کر کے اپنے قد کو بڑا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ رسولؐ اللہ اِس دفعہ مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت دے دیں۔ آنحضرتؐ نے آپ کے اس جذبۂ شوق اور شوقِ جہاد کو دیکھا تو آپؐ نے 'ہتھیار ڈال دیے' اور آپ کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی۔ جب آپ نے اس غزوہ میں شرکت کی تو آپ کی عمر صرف 13 سال تھی۔ غزوہ حنین کے موقع پر بھی آپ نے سطوتِ اسلام کی نامی گرامی ہستیوں کے برابر جنگ میں شرکت فرمائی۔ جنگِ موتہ میں بھی آپ شریک تھے جس میں آنحضورؐ نے آپ کے والدِ محترم حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مسلمان فوج کا سالارِ اعلیٰ بنایا اور وہ اسلام کی سربلندی کی خاطر دیوانہ وار لڑتے لڑتے رتبۂ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ بعد میں اِس اسلامی لشکر کے دوسرے کمانڈروں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں اس لشکر کو اللہ نے فتح سے ہمکنار فرمایا، اس وقت آپ کی عمر ابھی سترہ سال تھی۔

ہجرت کے گیارھویں سال رسولؐ اللہ نے روم پر لشکر کشی کے لیے تیاری کا حکم فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور ابوعبیدہؓ بن الجراح جیسے صفِ اوّل کے سالار اس لشکر میں شامل تھے لیکن رسولؐ اللہ نے اس لشکر کی کمان حضرت اسامہؓ کے ہاتھ میں دی۔ کم عمری میں اتنی بڑی ذمہ داری آنحضورؐ نے ایسے ہی نہیں سونپ دی تھی، آنحضورؐ کو آپ کی قابلیت اور خدا کے فضل سے مکمل اعتماد تھا اور دنیائے اسلام کی تاریخ نے دیکھا کہ آپ حضرتِ رسول اللہؐ کی امیدوں پر سو فیصد پورا اترے حالانکہ یہ معرکہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہوا تھا۔ آنحضورؐ کے وصال سے قبل جب آپؐ نے یہ لشکر حضرت اسامہؓ کی قیادت میں روانہ کیا تو طرح طرح کی چہ میگوئیاں کی گئیں اور سخت اعتراض ہوئے کہ بالکل ایک نوجوان (Teen Aged) کو امیر لشکر بنا دیا گیا ہے جس میں بڑے بڑے انصار اور مہاجرین کی قد آور شخصیات بھی شامل تھیں۔

Marfat.com

ابھی لشکر تیاری کے مراحل میں تھا کہ آنحضرتؐ بیمار ہو گئے۔ بیماری نے شدت اختیار کی تو اُس حالت میں لشکرِ اسلام روانگی سے رُک گیا تا کہ رسولؐ اللہ رُو بصحت ہوں تو روانہ ہوا جائے۔ حضرت اسامہؓ کہتے ہیں ''جب آنحضورؐ کا مرض شدّت اختیار کر گیا تو میں آپؐ کی خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہوا، کچھ دوسرے ساتھی بھی میرے ساتھ تھے۔ میں آپؐ کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپؐ خاموش ہیں اور شدتِ مرض کے باعث کوئی بات نہیں کر رہے۔ اسی اثناء میں آپؐ اپنا دستِ مبارک بلند فرماتے ہیں پھر ہاتھ میرے اوپر رکھ دیتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ آپؐ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔''

قدرتِ الٰہی سے جناب رسولؐ اللہ اِس لشکر کی روانگی سے قبل ہی وصال فرما گئے مگر آپؐ نے صحابہ کے لیے اپنی یہ حکمت بھری وصیّت چھوڑی کہ ''اُسامہ کی روانگی کا عمل مکمل کر دینا، اُسامہ کی روانگی کا عمل مکمل کر دینا''

خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپؐ کی اس وصیّت کو نہ صرف مقدّم بلکہ مقدس سمجھا اور نئے حالات کے باوجود جو رسول اللہ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تھے، اِس بات پر مُصِر ہوئے کہ آپؐ کی وصیّت جو ایک حکم کا درجہ رکھتی ہے، پر عمل کیا جائے۔

اس وصیّت اور حکم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جب لشکر ایک نوجوان کمانڈر کی کمان میں مدینہ سے روانہ ہوا تو خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابو بکرؓ اس لشکر کو الوداع کرنے کے لیے خود شہرِ مدینہ کے باہر تک آئے۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ خلیفۂ رسولؐ پیدل چل رہے ہیں، لشکر کے کمانڈر حضرت اُسامہؓ سواری پر سوار تھے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت اسامہؓ نے کہا ''خلیفۃ الرسولؐ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا میں بھی نیچے اُتر آتا ہوں''۔ حضرت ابُو بکرؓ نے کہا ''بخدا! نہ آپ اتریں گے نہ میں سوار ہوں گا۔ کیا میں ایک گھڑی کے لیے اپنے قدموں کو راہِ خدا میں غبار آلود نہیں کر سکتا۔'' پھر حضرت اُسامہؓ سے فرمایا ''مَیں تمہارے دین و امانت اور اعمال کو اللہ کے سُپرد کرتا ہوں۔ مَیں تمہیں اِس کام کو کرنے کی نصیحت کرتا ہوں جس کا رسول اللہؐ نے تمہیں حکم دیا ہے۔''

میدانِ جنگ میں اِسلام کے بہادر سپاہی بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں کہ رومی سپاہ پسپا ہونے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد شام کی سرحدوں سے جزیرہ عرب میں

Marfat.com

اسلام کے مرکز پر کوئی چڑھ دوڑنے کی جرأت نہیں کرتا۔ لشکرِ اسامہ کوئی قربانی دیئے بغیر مدینہ واپس آجاتا ہے۔ اُس وقت مسلمان آپ کے بارے میں کہتے ہیں ''ہم نے اسامہؓ کے لشکر سے زیادہ محفوظ لشکر کوئی نہیں دیکھا۔''

جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان چپقلش شروع ہوئی تو حضرت اسامہؓ گوشہ نشین ہوگئے۔ آپ حضرت علیؓ سے زیادہ محبت کرتے تھے، لیکن اس نزاع اور دونوں اصحاب کے درمیان تناؤ کی جنگ کے دوران آپ ایک عرصہ گھر پر ہی رہے۔ جب کچھ اصحاب آپ سے اس مؤقف کے بارے میں بات کرنے کے لیے آئے تو آپ نے اُن سے کہا ''میں اُس آدمی سے کبھی جنگ نہیں کروں گا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو۔''

حضرت اسامہؓ بن زید نے 58ھ میں 65 سال کی عمر میں وفات پائی اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اس وقت حضرت معاویہؓ خلیفۂ وقت تھے۔

اس طرح حضرت اُسامہ بن زید مسلمانوں کے لشکر کے پہلے قائد تھے جو اتنی کم عمری (17 سال) میں اس منصب پر فائز ہوئے۔

Marfat.com

حضرت ابوایّوب انصاریؓ

(میزبانِ رسولؐ)

آپ کا اصل نام خالد والد کا نام زید اور کنیت ابوایوب تھی۔ آپ کی کنیت، ابوایوب اتنی مشہور ہوگئی کہ اصل نام پسِ پردہ چلا گیا۔ آپ خزرج خاندان کے قبیلہ بنونجار سے تعلق رکھتے تھے۔ خاندان بنونجار آپؐ کا ننھیالی رشتہ دار تھا۔ حضرت ابوایوب انصاری کی والدہ کا نام ھُند بنت سعد خزرجی تھا۔

حضرت ابوایوبؓ ہجرت نبویؐ سے اکتیس برس قبل یثرب میں پیدا ہوئے۔ آنحضورؐ کے مدینہ آنے سے قبل حضرت ابوایوبؓ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تبلیغ کے نتیجہ میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ اُس کے بعد آپ کو بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شامل ہونے کا شرفِ عظیم حاصل ہوا۔ اس موقع پر آپ نے اپنے 74 رفقاء کے ساتھ مکہ میں آنحضورؐ سے پیمانِ وفا کا اقرار کیا کہ:

''یارسولؐ اللہ آپ ہمارے شہر یثرب میں تشریف لائیں، خدائے برتر کی قسم، ہم اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ آپؐ کی حفاظت اور مدد کریں گے''

اور جب وہ تاریخی دن آیا جس دن آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے بازار اور گلیاں آپؐ کے استقبال کی وجہ سے ایک جمِ غفیر سے اَٹی پڑی تھیں۔ بارہ ربیع الاوّل ۱ ھ کو اہلِ یثرب نے آپ کا وہ تاریخی استقبال کیا جس کی ساری دُنیا میں مثال نہیں ملتی۔ اُس دن

Marfat.com

یثرب ''مدینۃ النبی'' بن گیا اور آپ کی آمد کے ساتھ ہی نئے اسلامی سال کا آغاز ہو گیا۔

گلیوں اور محلوں میں خوشی کے شادیانے بجائے جا رہے تھے، چھوٹے بچے اور بچیاں طلع البدر علینا، کی صداؤں میں جھوم رہے تھے۔ لڑکیاں اور خواتین مکانوں کی چھتوں پر کھڑی ہو کر اور مرد حضرات مدینہ کی گلیوں میں کھڑے آنحضورؐ کے سراپا منتظر تھے۔ بنو نجار کے قبیلہ کے ہر فرد کی خواہش تھی کہ آنحضورؐ ہمارے ہی گھر میں قیام فرمائیں۔ بنو نجار کے جوش و خروش اور مسرّت کی تو کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ آپؐ کے ننھیالی رشتہ دار ہونے کی بنا پر اُن کو یقینِ کامل تھا کہ سرورِ عالمؐ اُنہی کو شرفِ میزبانی بخشیں گے۔

ہر ایک کے لبوں پر ایک ہی فریاد تھی کہ ''یا رسُولُ اللہ! ہمارا غریب خانہ حاضر ہے اس میں تشریف لا کر ہمارے گھر کی رونق دوبالا کریں''۔

آپؐ اپنی قصویٰ پر سوار اپنا اتنا عدمُ المثال استقبال کرنے والوں کے حق میں دعائے خیر کرتے اور فرماتے ''اس ناقہ کو چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامُور ہے''

آپ کی اونٹنی جس کا نام قصویٰ تھا، مالک بن نجار کے گھر کے سامنے آ کر بیٹھ گئی، پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور مکان کے گرد چکر لگایا، پھر اُسی جگہ واپس آ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی اور پھر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے دومنزلہ مکان کے سامنے جا کر بیٹھ گئی اور پھر وہیں سکون سے بیٹھی رہی یہاں تک کہ جناب رسولؐ اللہ خوش وخرم اُس سے نیچے اُتر آئے۔

قصویٰ کے نیچے بیٹھنے کی دیر تھی کہ ہجوم عاشقاں سے ایک چمکتا دمکتا چہرہ آگے بڑھتا ہے اور اونٹنی کا کجاوہ اٹھا کر اپنے گھر کے اندر لے جا کر رکھ دیتا ہے۔ پھر رحمتِ دوجہاںؐ سے دست بستہ عرض کرتا ہے کہ آپؐ اس گھر میں قدم رنجہ فرمائیں۔ رسولؐ اللہ اپنا سعادت و برکت سے معمور دامن رحمت لے کر اُس ہشاش بشاش چہرے والے کے پیچھے پیچھے اُس کے گھر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ مالکِ مکان ہی حضرت ابوایوب انصاریؓ، مالک بن نجار کے پوتے حضرت خالد بن زید ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں کچھ ایسی کیفیت تھی کہ:

جسے مل گیا کملیؐ والے کا دامن
اُسے دوجہاں کا خزانہ ملا ہے

Marfat.com

اس سے بڑھ کر حقیقت کی ترجمانی بھلا اور کیا ہو سکتی تھی۔ اس چھوٹے سے مکان کو والئی کون و مکاںؐ نے اپنی رہائش کے لیے پسند فرما لیا تھا۔ زہے نصیب!

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے جناب رسول اللہؐ کی یہ پہلی ملاقات نہیں تھی بلکہ اس سے قبل بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر جب اہلِ مدینہ کا ایک وفد مکہ میں رسول اللہؐ سے بیعت کرنے کی غرض سے آیا تھا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ ان چوہتر (74) مومنین میں سے ایک تھے جنہوں نے دستِ رسول اللہؐ میں اپنا اپنا ہاتھ دے کر آپؐ کی مدد و نصرت کی پختہ قسمیں کھائی تھیں اور اب جبکہ رسول اللہؐ اپنے نزول و قیام سے مدینہ کو اعزاز بخش رہے تھے اور اُسے اللہ کے دین کا منبع و مرکز بنا رہے تھے، مقدّر نے جناب ابوایوب انصاریؓ کے گھر کو شرف باریابی سے نوازا کہ وہ مدینہ میں پہلا گھر قرار پایا جہاں دنیا جہاں کے جلیل القدر مہمان آرام فرما ہوئے۔

ابتدا میں جناب رسول اللہؐ نے فیصلہ کیا کہ آپ مکان کی پہلی منزل میں ہی قیام فرمائیں گے۔ مگر ہوا یوں کہ حضرت ابوایوبؓ گھر کی بالائی منزل پر جانے کے لیے اوپر چڑھنے لگے تو کانپنا شروع ہو گئے۔ اُن کے لیے یہ تصور بھی محال ہو گیا کہ میں حالتِ بیداری یا حالتِ خواب میں رسول اللہ سے اونچی منزل میں قیام کروں؟ پھر جناب ابوایوبؓ رسول اللہ کی خدمت میں درخواست گزار ہوئے کہ آپؐ بالائی منزل پر تشریف لے جائیں۔ جناب رسول اللہؐ نے اُن کی درخواست قبول فرمالی اور آپؐ بالائی منزل پر قیام پذیر ہو گئے اور حضرت ابوایوبؓ اور اُن کی اہلیہ نے بکمالِ مُسرّت نچلی منزل میں اقامت اختیار کر لی۔ آنحضورؐ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتۂ موّاخات قائم فرمایا تو حضرت ابوایوبؓ کو مدینہ منورہ میں اسلام کے معلمِ اوّل اور رسول اللہؐ کے پہلے سفیر حضرت مصعبؓ بن عمیر کا دینی بھائی بنایا۔ اِس کے چند دِن مسجد اور اُس کے ساتھ حجروں کی تعمیر مکمل ہوگئی تو آپؐ حضرت ایوبؓ کے گھر سے ان حُجروں میں مُنتقل ہو گئے۔

2ھ میں کفارِ مکہ نے اسلام کے خلاف سازشیں کر کے دارُالہجرت مدینہ پر چڑھائی کا منصوبہ بنایا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے بھی دوسرے اسلامی بھائیوں کے شانہ بشانہ جہاد فی سبیلِ اللہ کو ایک مقدس عبادت سمجھ کر اس میں شامل ہونے کا عہد کر لیا۔ پھر غزوہ بدر ہو یا اُحد،

Marfat.com

غزوۂ خندق ہو یا خیبر ہر ایک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہاں تک کہ وصالِ رسول اللہ کے بعد بھی آپ کسی معرکے میں پیچھے نہ رہے۔ آپ عہدِ فاروقی کے کئی معرکوں میں ایک پُرجوش مجاہد کی حیثیت سے شریک ہوئے اور جہاد کی خاطر بڑے طویل سفر بھی کیے۔

حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا قیام زیادہ تر مدینہ ہی میں رہا۔ آپ نے کسی شورش میں مطلق کوئی حصہ نہ لیا۔ جن ایام میں بلوائیوں نے امیرالمومنین کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا، حضرت ابوایوبؓ مسجد نبویؐ میں مسلمانوں کی امامت کراتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ چُنے گئے تو وہ حضرت ابوایوبؓ کی بڑی عزت و تکریم کیا کرتے۔ 37ھ میں خوارج کے خلاف نہروان کی مشہور جنگ پیش آئی، اس میں حضرت ابوایوبؓ فوجِ مرتضوی کے سالارِ اعلیٰ تھے۔ اس جنگ میں انہوں نے کمال درجے کی شجاعت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابوایوبؓ سیاسی ہنگاموں سے کنارہ کش ہو کر خانہ نشین ہو گئے لیکن شوقِ جہاد اُن کے دل میں ہر وقت موجزن رہا۔

قسطنطنیہ کی مہم کے موقع پر حضرت ابوایوبؓ کی عمر 80 برس سے تجاوز کر چکی تھی لیکن آپ کے شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ اِس ضعیف العمری میں بھی مدینہ سے شام تک محض شرکت جہاد کے لیے سفر کیا اور پھر ایک عام مجاہد کی حیثیت سے لشکرِ اسلام میں شامل ہوئے۔ حضرت معاویہؓ کا اسلامی بیڑا بحرِ روم سے گزر کر آبنائے باسفورس میں داخل ہوا اور قسطنطنیہ کے سامنے ایک موزوں جگہ پر لنگر انداز ہو کر مجاہدین کو خشکی پر اتار دیا رومی سالارِ اعلیٰ بڑے ساز و سامان اور اسلحہ سے لیس مسلمانوں کے مقابل ہوا۔ مسلمان ابھی پوری طرح ستانے بھی نہ پائے تھے کہ رومیوں نے ان پر ہلّہ بول دیا۔ مسلمان سپاہ نے بڑے استقلال و ہمت سے رومیوں کے حملے کو روکا اور خونریز جنگ شروع ہو گئی۔

جن دنوں اسلامی لشکر قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا یورپ کی آب و ہوا مسلمانوں کی صحت پر بڑا بُرا اثر ڈال رہی تھی۔ یہاں تک کہ مجاہدین کی ایک کثیر تعداد بیمار ہو گئی۔ حضرت ابوایوبؓ بھی اس موقع پر سخت بیمار ہو گئے۔ حضرت معاویہؓ کا بیٹا یزید اسلامی لشکر کا کمانڈر تھا۔ وہ

Marfat.com

آپ کی عیادت کے لیے آیا تو اُس وقت آپ کے سانس اللہ سے ملاقات کی تیاری میں تھے۔ چند ہی لمحوں بعد آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس طرح میزبانِ رسول کا ابدی مسکن قسطنطنیہ کا شہر (آج کا استنبول) مقدر بنا۔ امیر لشکر یزید بن معاویہ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پھر آپ کی میت کو قسطنطنیہ (استنبول) شہر کی فصیل کے ساتھ دیوار کے سایہ تلے دفن کر دیا۔ آپ نے 52ھ میں 83 سال کی عمر میں وفات پائی۔

اہلِ روم حضرت ابوایوبؓ کی قبر کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ وہ قبر کی زیارت کے لیے جاتے اور جب کبھی قحط سے دوچار ہوتے تو اس کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے۔

مصنف کو بھی تین دفعہ استنبول جانے کا اتفاق ہوا اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار پر حاضری کا موقع ملا۔ آپ کا مزار شہر میں مرجع خلائق ہے۔ آج آپ وہاں آرام فرما ہیں جہاں کی فضاؤں میں مساجد کے بلند و بالا میناروں سے اذانوں کی بہار آفریں صدائیں صبح صادق سے لے کر رات کی تاریکی تک گونجتی رہتی ہیں۔ دنیائے اسلام میں استنبول کا شہر مسجدوں کا شہر مشہور و معروف ہے۔

Marfat.com

حضرت حُذیفہؓ

(رازدارِ رسولؐ)

آپ کا نام حذیفہ ابو عبداللہ کنیت اور لقب صاحبُ الرسولؐ تھا۔ آپ کے والد کا نام یمان تھا۔ آپ کا تعلق بنوغطفان قبیلہ کے خاندان عبس سے تھا۔ والدہ کا نام رباب بنت کعب تھا۔ قبیلہ بنوغطفان مدینہ کے قریب ہی واقع تھا۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کے والد اپنے ہی قبیلے کے ایک آدمی کو قتل کر بیٹھے اور قصاص کے خوف سے ترکِ وطن کر کے مدینہ میں آ بسے۔ وہیں انہوں نے اوس کے خاندان سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے اور ایک خاتون رباب بنت کعب سے شادی کر لی۔ حضرت حذیفہؓ کی یہی والدہ تھیں۔ آپ کے ایک بھائی اور تھے جن کا نام صفوان تھا۔

آنحضورؐ ابھی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ نہیں پہنچے تھے کہ حضرت حذیفہ نے آپ کی دعوتِ دینِ اسلام کا چرچہ سُنا۔ دونوں باپ بیٹے سعید الفطرت تھے۔ اُن کے دِل نے گواہی دی کہ داعیٔ اسلام اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپؐ کی دعوت کے قبول کرنے میں ہی انسان کا فائدہ ہے۔ چنانچہ ہر قسم کے خطرے کو بالائے طاق رکھ کر دونوں باپ بیٹا مکہ پہنچے اور وہاں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس مدینہ آ گئے۔ بعد میں حضرت حذیفہؓ کی والدہ اور بھائی صفوان بھی نعمتِ اسلام سے فیض یاب ہو گئے۔

Marfat.com

حضرت حذیفہؓ بن یمان کا شمار بلند مرتبہ صحابہ میں ہوتا ہے جنہیں خود آنحضرتؐ نے قیامت میں اپنی معیت کی خبر سنائی۔ آپ کے لقب ''صاحبُ الرسول'' کا پسِ منظر کچھ اس طرح ہے کہ آپؐ نے خود حضرت حُذیفہؓ کو منافقین کے نام بتا دیے تھے جن کو وہ رازداری کے ساتھ محفوظ رکھتے تھے۔ اس لیے لوگ انہیں ''صاحبُ الرسولؐ'' کہتے تھے۔ آپ کسی منافق کا نام تو نہیں بتاتے تھے البتہ یہ کہتے تھے کہ اب اتنے منافق زندہ موجود ہیں۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے معیار مقرر کر لیا تھا کہ جس شخص کے جنازے میں حضرت حذیفہؓ شریک ہوتے وہ بھی شریک ہوتے اگر وہ کسی عُذر کے بغیر شرکت نہ کرتے تو حضرت عمرؓ بھی اُس جنازے میں شرکت نہ کرتے اور سمجھ لیتے کہ متوفی منافقین میں سے تھا۔

چہروں کو پڑھنے کے فن میں آپ کو تخصیص کا درجہ حاصل تھا۔ آپ ایک ہی نظر میں چہروں کو پڑھ لیتے اور پوشیدہ گہرائیوں کی تہہ تک پہنچ جاتے اور کسی دِقّت کے بغیر مخفی مسائل کا ادراک کر لیتے۔ آپ اِس فن میں انتہا تک پہنچ چکے تھے۔ حضرت حذیفہؓ کو یہ ودیعت قدرت کی طرف سے عطا کی گئی تھی۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروق جیسے ذہین اور دانشور آپ کی رائے سے استفادہ کرتے اور آدمیوں کے انتخاب و جائزے میں آپ کی بصیرت سے مدد لیتے۔

جناب رسول اللہؐ نے حضرت حذیفہؓ کی شخصیت کا گہرائی سے جائزہ لیا۔ آپؐ مناسب آدمی کو مناسب جگہ متعین کرنے کی حکمتِ عملی کے ذریعے اپنے صحابہ کی خوبیوں کو منظر پر لاتے اور اُن کی شخصیتوں میں موجود مخفی قابلیت سے کام لیتے تھے۔ مدینہ میں سب سے بڑی مشکل جس کا مسلمانوں کو سامنا تھا وہ یہود اور اُن کے حامیوں کا وجود تھا، جو آپؐ خلاف سازشیں اور چالیں تیار کرتے رہتے تھے۔ رسول اللہؐ نے حضرت حذیفہؓ بن یمان کو ان منافقین کے نام بتا دیے تھے اور یہ ایسا راز تھا جو نبی اکرمؐ نے اپنی صحابہ کی جماعت میں سے کسی اور کو نہیں بتایا تھا۔ رسول اللہؐ نے حضرت حذیفہؓ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ آپ اِن منافقین کی حرکات و سکنات پر نگاہ رکھیں اور اُن سے اسلام اور مسلمانوں کو لاحق خطرات کا توڑ کریں۔ اُسی روز سے حضرت حذیفہؓ کو ''رازدارِ رسول'' کے نام سے پکارا جانے لگا۔ حضرت حذیفہؓ نے زندگی بھر منافقین کے رازوں کو بطورِ امانت محفوظ رکھا۔ اِس معاملے میں خلفائے راشدین بھی آپ کی طرف رجوع فرمایا کرتے

Marfat.com

تھے۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا میرے ذمہ دارانِ حکومت میں بھی کوئی منافق ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: ''ایک ہے''۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ مجھے اُس کے بارے میں بتائیں؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا ''میں ایسا نہیں کروں گا''۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں پھر حضرت عمرؓ نے اس شخص کو معزول کر کے دم لیا۔

حضرت حذیفہؓ نے ساری زندگی شر اور فتنوں پر بصیرت و بصارت کی آنکھ کھولے رکھی تاکہ خود بھی اُن سے بچیں اور لوگوں کو بھی اُس سے بچانے کی سعی کریں۔ آپ نے دنیا کا مشاہدہ کرنے، انسانوں کی کڑی خبر رکھنے اور زمانے کے حالات کو جانتے ہوئے اس کام پر قلب و نگاہ کی نظر مرکوز کیے رکھی۔ آپ فلسفیانہ اسلوب اور دانشورانہ فراست سے مسائل پر غور وخوض کرتے۔

غزوہ اُحد میں دونوں باپ بیٹے نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔ آپ کے والد کیونکہ بہت ضعیف العمر تھے، اس لیے لڑائی شروع ہونے سے پہلے آپ اُنہیں اور ایک دوسرے عمر رسیدہ بزرگ حضرت رفاعہ انصاریؓ کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے پاس ایک بلند ٹیلے پر بھیج دیا۔ ہنگامۂ کارزار گرم ہوا تو دونوں بزرگوں کو جوشِ جوانی عود کر آیا۔ اِن دونوں بزرگوں نے سوچا کہ آخر ہم یہاں کیوں بیٹھے ہیں جبکہ ہمارے بھائی اور فرزند راہِ حق میں جانیں قربان کرر ہے ہیں۔ ہم تو چراغ سحری ہیں، آج مرے کہ کل۔ چلو اللہ کی راہ میں لڑ کر شہادت کی سعادت کیوں نہ حاصل کریں۔ چنانچہ دونوں تلواریں سونت کر میدانِ جنگ میں جا پہنچے۔ اُس وقت ایک اتفاقی لغزش کی وجہ سے مسلمانوں نے غلطی سے مُشرک سمجھ کر شہید کر ڈالا۔ حذیفہؓ دوڑ کر پہنچے اور پکارتے رہے کہ اللہ کے بندو! یہ میرے باپ ہیں لیکن افراتفری میں کسی نے اُن کی نہ سُنی۔ باپ کی شہادت پر حذیفہؓ کو بہت دُکھ پہنچا، لیکن اُنہوں نے عفو و درگزر سے کام لیا۔ کیونکہ یہ فعل مسلمانوں سے نادانستگی میں سرزد ہوا تھا۔ آنحضورؐ نے جب یہ واقعہ سُنا تو آپؐ نے حضرت حذیفہؓ سے اظہار ہمدردی فرمایا اور اُن کے جذبۂ عفو کی تحسین فرمائی۔ اِس کے بعد آپؐ نے اپنی جیب خاص سے حضرت حذیفہؓ کو دیت عطا فرمائی۔ ایک روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے دیّت

Marfat.com

کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا اور ایک درہم تک اپنے تصرّف میں نہ لائے۔

غزوۂ احزاب میں حضرت حذیفہؓ کو ایک عظیم سعادت نصیب ہوئی۔ کفار کے لشکروں نے ایک ماہ سے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ایک رات یکا یک سخت آندھی آئی۔ آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج نے ایک خوفناک سماں باندھ دیا تھا۔ اندھیرے کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس ہولناک طوفان سے مشرکین کا سخت نقصان ہوا، یہاں تک کہ اُن کے خیمے اُکھڑ گئے اور ہانڈیاں چولھوں سے اُلٹ گئیں۔ اس ناگہانی آفت سے حواس باختہ ہو کر مشرکین نے مدینہ سے کوچ کرنے کی ٹھانی۔ ادھر مدینہ منورہ میں آپؐ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ''کون ہے جو مشرکین کے لشکر میں جائے اور ان کی نقل و حرکت اور ارادوں کا جائزہ لے کر مجھے آگاہ کرے۔ جو شخص یہ کام کرے گا اسے جنّت میں اپنی معیّت کی بشارت دیتا ہوں'' اور پھر آپؐ نے حضرت حذیفہؓ کا نام لے کر پُکارا ''حذیفہؓ! جاؤ یہ کام تم کرو، لیکن خبردار کسی مشرک پر حملہ نہ کر بیٹھنا''۔

آقائے نامدارؐ کے فرمان کی تعمیل پر حضرت حذیفہؓ نہایت تیز رفتاری سے مشرکین کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچے۔ اِس لشکر کے سردار ابو سفیان کی پیٹھ میں سخت چوٹ لگ گئی تھی۔ اتفاق سے حضرت حذیفہؓ نے اُسے تاک لیا۔ جی چاہا کہ اُسے اپنے تیر کا ہدف بناؤں لیکن سرورِ کونینؐ کی ہدایت یاد آ گئی اور اپنا ہاتھ روک لیا۔ مشرکین کی شکست، حالی اور بدحالی کا جائزہ لے کر آپ نبی اکرمؐ کی خدمت میں واپس آئے اور تمام حالات مِن و عَن عرض کیے۔ حضورِ اکرمؐ اُن کی کارگزاری سے بہت خوش ہوئے اور انہیں اپنا کمبل اوڑھایا۔ سفر کی تکان اور سردی سے حضرت حذیفہؓ بے حال ہو رہے تھے۔ کمبل اوڑھ کر اُس جگہ بے خبر سو گئے۔ صبح ہوئی تو سرورِ کائناتؐ نے بڑی شفقت سے یہ فرما کر خود جگایا ''اے سونے والے اب اُٹھ''۔

اُمِ حذیفہؓ حضرت رباب بھی بڑی نیک بخت خاتون تھی۔ اُن کو آپؐ سے بڑی والہانہ عقیدت تھی اور چاہتی تھی کہ حضرت حذیفہؓ باقاعدگی سے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا کرے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت حذیفہؓ چند دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ حضرت ربابؓ کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئیں اور انہیں حکم دیا کہ ابھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر

Marfat.com

ہوں۔ اِس وقت شام ہو رہی تھی وہ بھاگے بھاگے گئے اور مغرب کی نماز آپؐ کے پیچھے پڑھی۔ حضورؐ نماز پڑھ کر باہر نکلے تو حضرت حذیفہؓ بھی سر جھکائے آپؐ کے پیچھے ہو لیے۔ چند قدم چل کر آپؐ نے معاً پیچھے مُڑ کر دیکھا اور پوچھا کون؟ عرض کیا آپؐ کا غلام حذیفہؓ۔ فرمایا ''اللہ تیری اور تیری ماں کی مغفرت فرمائے''۔ اِس کے بعد حضرت حذیفہؓ نے بارگاہِ نبوتؐ میں بلاناغہ حاضری کو اپنا شعار بنایا۔ آپؐ اِن پر اِس قدر شفقت اور اعتبار کرتے تھے کہ دوسروں کو رشک آتا تھا۔ آپؐ کے وصال کے بعد حضرت حذیفہؓ دل شکستگی کے عالم میں مدینہ سے عراق چلے گئے۔ انہوں نے وہاں الجزیرہ کے شہر نصیبین کی ایک خاتون سے شادی کر لی اور پھر مدائن چلے گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں ایران کے سابق پایۂ تخت مدائن کا گورنر مقرر فرمایا۔ اہل شہر نئے امیر کی آمد کی خبر سُن کر اُن کے استقبال کے لیے باہر نکل کر ٹولیوں کی صورت میں کھڑے تھے۔ اُن کا شوق و رغبت اس جلیل القدر صحابی رسولؐ کی ملاقات کے لیے گھروں سے باہر لے آیا تھا، جس کے زہد و تقویٰ کے بارے میں انہوں نے بہت کچھ سُن رکھا تھا۔ اُن لوگوں نے نئے آنے والے امیر کے فتوحاتِ عراق میں اُن کی شجاعت و طاقت کے قصّے بھی سُن رکھے تھے۔ لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ آنے والے مخصوص سوار کے انتظار میں تھے کہ ایک سوار گدھے پر گزرا، جس کے گدھے کے اوپر بوسیدہ سا پلان پڑا ہوا تھا۔ وہ سوار اپنی ٹانگیں لٹکائے دونوں ہاتھوں میں روٹی اور نمک پکڑے درویشانہ انداز میں اپنا کھانا تناول کیے جا رہا تھا۔ معززین شہر اپنے نئے گورنر کے استقبال کے لیے شہر کے باہر جمع تھے۔ حضرت حذیفہؓ بن یمان اُن کے سامنے سے گزر گئے اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ جب انتظار کرتے کافی وقت گزر گیا تو انہوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ نئے والیٔ شہر آنے والے تھے ابھی تک کیوں نہیں پہنچے؟ کسی نے بتایا کہ وہ ابھی تمہارے سامنے سے گزر کر شہر کے اندر پہنچ گئے۔ یہ سُن کر اکابرینِ شہر حیران رہ گئے۔

آپ جب تک مدائن میں گورنر رہے امارت میں فقیری کی شان رہی۔ آپ ایک معمولی چھپر میں رہتے تھے اور سواری کے لیے ہمیشہ گدھا استعمال کرتے تھے۔

حضرت حذیفہؓ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چالیس دن بعد 28 محرم 36ھ میں دارِ

Marfat.com

فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ سے 100 احادیث بھی مروی ہیں۔ آپ کو سلطنت کے کاموں میں بہت کم فرصت ملتی تھی لیکن جب بھی موقع ملتا لوگوں کو حدیث کا درس دیتے تھے۔ دورانِ درس کسی کو مجال نہ تھی کہ اونچی آواز سے بات کرے یا سرگوشی کرے۔ زندگی کے آخری ایام میں اکثر وقت استغفار اور ذکر خدا میں گزرتا۔

Marfat.com

حضرت عمّار بن یاسرؓ

آپ کا نام عمار، ابوالیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا۔ آپ کے والد یاسر قحطانی النسل تھے اور اُن کا اصل وطن یمن تھا۔ آپ کے والد یاسر اپنے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ اپنے ایک چوتھے گمشدہ بھائی کی تلاش میں مکہ آئے تھے۔ حضرت عمار کے دونوں چچا تو واپس یمن چلے گئے لیکن آپ کے والد یہیں مکہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ یہاں وہ بنومخزوم قبیلہ کے حلیف ہو گئے اور ایک خاتون سمیّہ سے شادی کر لی جو ابوحذیفہ بن مشیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ عام الفیل سے چار سال قبل انہی کے بطن سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔

حضرت عمار بن یاسر اسلام لانے کی سعادت و شرف کے اعتبار سے السابقون الاوّلون میں سے ہیں۔ حضرت عمار اور حضرت صُہیب ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے صہیبؓ کو دارِارقم کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا 'یہاں تم کس ارادے سے آئے ہو؟ وہ بولے 'پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو' میں نے کہا 'محمدؐ سے مِل کر اُن کی باتیں سُننا چاہتا ہوں' بولے میرا بھی یہی مقصد ہے۔ غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے اور آنحضورؐ کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اُس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ صرف پانچ مردوں اور دو عورتوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا (صحیح بخاری)۔ اِن کے علاوہ اِس سے قبل تیس اصحاب دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر انہوں نے مشرکین کے خوف سے ابھی اُس کا اعلان نہیں کیا تھا۔ حضرت عمار کی والدہ سمیّہ اسلام لانے

Marfat.com

والوں میں ساتویں خاتون تھیں اور یہ پہلی خاتون تھیں جو اسلام قبول کرنے کے بعد حق کی خاطر طرح طرح کی تکلیفوں کا نشانہ بنیں۔

حضرت عمار اور آپ کے والدین مکہ میں بے یارومددگار اور غریب الوطن تھے۔ آپ کی والدہ حضرت سمیہؓ اُس وقت تک بنومخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں تاہم دل میں جوشِ ایمانی سے اپنے اسلام کو مشرکین سے مخفی نہ رکھ سکیں۔ مشرکین نے ان کو اور اُن کے خاندان کو بے یارومددگار دیکھ کر مشقِ ستم بنانا شروع کر دیا۔ طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا، دہکتے ہوئے انگاروں پر جلایا جاتا اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیے جاتے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ اِن تمام سختیوں کے باوجود اِن کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔ حضرت عمار کی والدہ سمیہؓ کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اُن کے پیٹ میں ظالم نے نیزہ مار کر شہید کر دیا، چنانچہ یہ تاریخِ اسلام کی پہلی شہادت تھی جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی۔ اِن کے والد حضرت یاسر اور بھائی عبداللہ بھی اسی طرح کی اذیتیں برداشت کرتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے۔

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمار کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا۔ آپؐ اِس طرف سے گزرے تو اُن کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیر کر فرمایا ''اے آگ تو ابراہیمؑ کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہو جا۔ اِسی طرح جب اُن کے گھر کی طرف سے گزرتے اور خاندانِ یاسر کو مبتلائے آلام دیکھتے تو فرماتے 'اے آلِ عمار، تمہیں بشارت ہو، جنت تمہاری راہ تک رہی ہے۔ ایک دفعہ آپ کے والد یاسر نے آپؐ سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی۔ ارشاد ہوا ''صبر کرو، صبر کرو، پھر دعا فرمائی ''اے اللہ! آلِ یاسر کو بخش دے''۔

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمار کو اس قدر غوطے دیے کہ وہ بالکل بدحواس ہو گئے، یہاں تک کہ اُن ظالموں نے اُن کی زبان سے ایک ناشائستہ کلمہ بھی کہنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے کہنے پر اُنہیں مصیبت سے تو نجات مل گئی مگر بعد میں جب ہوش آیا تو ندامت و خجالت کے ساتھ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے یہ حال دیکھ کر پوچھا ''کیا بات ہے''؟ حضرت عمار نے پورا واقعہ اوّل سے آخر تک کہہ سُنایا۔ آپؐ نے فرمایا ''تم اپنا دل کیسا پاتے ہو''؟ کہا میرا دل

Marfat.com

ایمان پر مطمئن ہے۔ سرکارِ دو جہاںؐ نے شفقت کے ساتھ اُن کی آنکھوں سے آنسو پونچھے۔ فرمایا ''کچھ مضائقہ نہیں''۔ اس کے بعد قرآنِ پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

''جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے، مگر وہ مجبور کر لیا گیا ہو (اس شخص سے باز پرس نہ ہوگی)'' القرآن

جب مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عمار بھی مدینہ پہنچ گئے۔ یہاں آپ حضرت بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے۔ آنحضرتؐ نے اُن کی مؤاخات حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے کروا دی اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ مرحمت فرمایا۔ مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں بعد مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی گئی۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو جوش دلانے کے لیے خود کام میں حصہ لیا۔ حضرت عمارؓ اینٹ اور گارا لا لا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا۔ ''ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں''۔ حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے لیکن عمار دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضورؐ کی طرف سے گزرے تو آپؐ نے نہایت شفقت سے اُن کے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا ''افسوس! عمار تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا، تم اُسے خدا کی طرف دعوت دو گے، وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا'' ایک دفعہ کسی نے اُن کے سر پر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اٹھے، آج عمار مر جائیں گے، آج عمار مر جائیں گے'' آپؐ نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا ''افسوس ابن سمیہ! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا''۔

خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے 20ھ میں حضرت عمارؓ کو کوفہ کا والی بنایا اور اہلِ کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری کیا:

''اما بعد، میں عمار بن یاسرؓ کو امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیج رہا ہوں۔ ابنِ مسعودؓ تمہارے بیت المال کے منتظم ہوں گے۔ یہ دونوں حضرات آنحضرتؐ کے شریف ساتھیوں میں سے ہیں اور غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت رکھنے والے ہیں۔ تم سب اِن کا کہا مانو، اطاعت کرو اور اِن کی پیروی کرو۔ مَیں نے اُمِ عبد کے بیٹے (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) کو تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے نفس پر ترجیح دی ہے اور عثمان بن حنیف کو ارضِ سواد (عراق) پر مامور کر کے بھیجتا ہوں اور اِن کے رسد کے لیے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہوں،

Marfat.com

جس کا ایک حِصّہ شکمِ عمار کے لیے مخصوص رہے گا اور باقی حصے اِن تینوں میں تقسیم ہوں گے''۔

حضرت عمارؓ نے ایک سال نو ماہ تک فرائضِ امارت بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیے، لیکن کوفہ کے لوگ انتہائی درجہ کے تُند مزاج اور متلوّن مزاج واقعہ ہوئے تھے۔ کبھی کسی ایک امیر کی اطاعت پر قائم رہتے ہی نہ تھے۔ عمارؓ سے قبل یہاں کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ اُن کی اہلیّت و قابلیت میں کیا کلام ہو سکتا ہے مگر کوفہ والوں نے حسبِ عادت اُن کی اتنی شکایتیں دربارِ خلافت تک پہنچائیں کہ آخر کار خلیفہ کو انہیں معزول کرنا پڑا۔ حضرت سعدؓ کے بعد جب عمار گورنر ہو کر آئے تو اُن کے ساتھ بھی ان لوگوں نے یہی معاملہ کیا اور حضرت عمر فاروقؓ کے پاس بار بار لکھ کر بھیجا کہ ''عمار کمزور ہیں، انہیں سیاست نہیں آتی''۔

خلیفہ دوم کو اہلِ کوفہ کی اس متلوّن مزاجی پر بڑا افسوس ہوا اور آپ نے فرمایا ''اہلِ کوفہ کی طرف سے مجھ کو معذور رکھنے والا کون ہے، اگر میں اُن پر قوی حاکم بناتا ہوں تو یہ اُس سے انحراف کرتے ہیں اور اگر ضعیف کو اُن پر حاکم مقرر کرتا ہوں تو یہ اُس کی تحقیر کرتے ہیں''۔ بہر حال حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کو معزول کر کے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ معزولی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے پوچھا ''تم معزولی کے حکم سے ناراض تو نہیں ہوئے''؟ آپ بولے میں نہ تو اِس امارت سے خوش تھا اور نہ اب اس معزولی سے ناراض ہوں''۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے تو انہوں نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو تمام اہم امور میں اپنا مشیرِ کار مقرر فرمایا۔ حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کے قِصاص کے سلسلہ میں جنگی تیاریوں کے لیے بصرہ کا رخ کیا تو حضرت علیؓ کے حکم سے آپ حضرت حسنؓ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہلِ کوفہ کو خلافت کے تحفظ و حمائت پر آمادہ کریں۔ جنگ جمل کا معاملہ نہایت سخت تھا۔ ایک طرف اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ تھیں اور دوسری طرف امیر المومنین حضرت علی المرتضےٰؓ تھے۔ دونوں نہایت درجہ محترم و مکرّم اور خانوادۂ نبوّت سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عمارؓ غور و فکر کے بعد اِس نتیجہ پر پہنچے کہ اس جنگ میں حضرت علیؓ کی حمایت کرنی چاہیے چنانچہ آپ مردانہ وار مقابلہ کے لیے

Marfat.com

بڑھے اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ معرکہ آرائی میں حصہ لیا۔ اس موقع پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ایسے بزرگ لوگوں نے غیر جانبدار رہنے کی تلقین کی مگر حضرت عمار بن یاسرؓ نے ایک پُر جوش تقریر میں فرمایا:

لوگو! میں جانتا ہوں حضرت عائشہؓ دنیا و آخرت میں آنحضورؐ کی حرمِ محترم ہیں، لیکن اس وقت خُدا تم سب کا امتحان لے رہا ہے، تم اُس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا حضرت عائشہؓ کی''؟

ماہ جمادی الثانی 36ھ میں جمل کی ناگوار جنگ پیش آئی تو حضرت عمار حضرت علیؓ کے ساتھی تھے۔ اس جنگ میں حضرت عمار بن یاسرؓ نے غیر معمولی جرأت و دلیری کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ سے صفین کا معرکہ پیش آیا۔ اس وقت حضرت عمارؓ کی عمر 91 برس تھی مگر حوصلہ ہمت جوانوں سے بڑھ کر تھی۔ حضرت علیؓ کی جانب سے نہایت جوش وخروش سے لڑ رہے تھے۔ اثناء جنگ اُن کی نظر حضرت عمرو بن العاصؓ پر پڑ گئی جو حضرت معاویہؓ کے بڑے سرگرم علم بردار تھے۔ حضرت عمارؓ نے اُن کو دیکھ فرمایا ''میں اس علم بردار سے تین دفعہ آنحضورؐ کی معیّت میں لڑ چکا ہوں، اب یہ چوتھی مرتبہ ہے۔ آپ اِس جنگ میں بڑی بے جگری سے لڑے کہ آخر کار شہید کر دیے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر 93 برس تھی۔ اس کے ساتھ ہی جناب آنحضرتؐ کی وہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی جو آپؐ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو مسجد نبویؐ کی تعمیر کے وقت کہی تھی۔

حضرت علیؓ نے جب اپنے مونس و جانثار کی شہادت کی خبر سُنی تو آہِ سرد کھینچ کر فرمایا ''خدا نے عمار پر رحم کیا، جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا، جس دن شہید ہوئے اور خدا اُن پر رحم کرے گا، جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے۔ میں نے اِن کو اُس وقت آپؐ کے ساتھ دیکھا جبکہ صرف چار یا پانچ صحابہ کو اعلانِ ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی۔ قدیم صحابہ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کر سکتا''۔ اس کے بعد تجہیز و تکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خون آلود پیراہن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ کوفہ کی زمین کو کسی صحابیِ رسولؐ کے اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا۔

Marfat.com

حضرت بلالؓ

آپ کا نام بلالؓ اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔ والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔ آپ کا خاندان حبشی النسل تھا لیکن آپ کی پیدائش مکہ میں ہوئی۔ اُمیّہ بن خلف آپ کا آقا تھا۔ ابھی آپ کا عنفوانِ شباب ہی تھا کہ آفتابِ رسالتؐ طلوع ہوا اور آپ نے اسلام قبول کر کے اپنے دل کو ضیائے ایمان سے منوّر کر لیا۔ مصدقہ روایات کے مطابق سب سے پہلے جن سات لوگوں نے اسلام قبول کیا، اُن میں ایک حضرت بلالؓ تھے۔ آپ اُن سات السابقون الاوّلون میں سے تھے جنہوں نے توحید کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہا۔ آپ آفتابِ نبوّت کے طلوع ہونے سے 28 سال قبل پیدا ہوئے۔

یہ وہی حضرت بلالؓ ہیں، جو موذّنِ رسولؐ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مکّہ کے ایک بڑے رئیس اُمیّہ بن خلف کے غلام تھے۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش مین حضرت بلالؓ کو کونسی کونسی سزائیں، صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، سُن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اُن ظالموں نے بھی حد کردی اور حضرت بلالؓ نے بھی تکلیفیں سہنے کی حد کردی۔ بالآخر حق جیت گیا اور کُفر کو منہ کی کھانی پڑی۔ آپ کا آقا امیّہ بن خلف آپ کو جلتی دوپہر میں گرم گرم ریت پر لٹا دیتا اور پھر پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جُنبش نہ کرنے پائیں۔ پھر حضرت بلالؓ سے کہتا کہ اسلام سے باز آجاؤ ورنہ یونہی گھُٹ گھُٹ کر مرجاؤ گے۔ لیکن اِس وقت بھی آپ کی زبان سے اَحد کا لفظ نکلتا۔ جب اُمیّہ آپ کو سزائیں دے دے کر تھک جاتا تو پھر آپ کے گلے میں رسّی باندھ کر اوباش لڑکوں کے

Marfat.com

حوالے کر دیتا، وہ آپ کو شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھسیٹتے پھرتے اور آپ کے پیچھے ہُو ہُو ہاہا کا شور کرتے، لیکن آپ کی زباں سے ایک ہی صدا بلند ہوتی ''اَحد، اَحد''۔

حضرت بلالؓ پر جَور و ستم کے کیا کیا پہاڑ نہیں توڑے گئے اور ظلم و ستم کے کیا کیا طریقے ان پر نہیں آزمائے گئے، اِس کی ادنیٰ سی جھلک اوپر بیان کی گئی ہے۔ اس سے حضرت بلالؓ کے صبر و شکر کا جذبہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک دن آپ مشقِ ستم بنائے جا رہے تھے کہ سرِ راہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا گزر ہوا۔ انہوں نے جب یہ عبرتناک اور رقت آمیز منظر دیکھا تو آپ کا دل بھر آیا اور منہ مانگے دام دے کر اُن کے ظالم آقا سے خرید کر اُس آقاؐ کی خدمت میں پیش کر دیا جن کا لقب ''رحمۃٌ لِلعالمین'' ہے۔ جب آنحضورؐ کو اپنے رفیق کے ایثار کی خبر ہوئی تو حضرت صدیقؓ سے فرمایا ''اے ابوبکرؓ! تم مجھے بھی اس میں شریک کرلو'' حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! میں اِن کو آزاد کر چکا ہوں''۔ اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں حضرت صدیق اکبرؓ پر جنہوں نے نہ جانے کتنے مظلوموں کو ظُلم کے پنجہ سے نجات دلائی۔

حضرت بلالؓ اب آزاد تھے۔ اب آپ کے شب و روز خدمتِ نبویؐ میں گزرنے لگے اور ہر وقت اسلام کی نورانی شمع سے اپنے دل کو چمکاتے رہتے۔ آپ اسلامی تعلیمات سے بہرہ مند ہونے لگے۔ جب بارگاہِ نبوّت سے ہجرتِ مدینہ کا حکم صادر ہوا تو آپ بھی دوسرے اصحاب کے ساتھ کشاں کشاں مدینہ پہنچ گئے۔ دُکھ ہو یا سُکھ، سفر ہو یا حضر، وعظ و تبلیغ کی محفل ہو یا جنگ کا میدان حضرت بلالؓ ہمیشہ آپؐ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ حضرت بلالؓ تو عشقِ رسولؐ میں فنا تھے۔ آپؐ کسی کام کا حکم دیتے تو اُس کام کو انجام دینے میں حضرت بلالؓ اپنی جان لڑا دیتے۔ آپؐ کو حضرت بلالؓ پر اِس قدر اعتماد تھا کہ اپنے بیشتر خانگی امور انہی کے سُپرد کر دیے۔ وہ آپؐ کے مؤذن ہی نہ تھے بلکہ ایک عابدِ شب زندہ دار بھی تھے۔ اُس کے باوجود حضرتِ بلالؓ فکرِ آخرت سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ آپ کی بیوی ہند کا بیان ہے کہ حضرت بلالؓ جب اپنے بستر پر لیٹتے تو فرماتے ''الٰہی! میرے گناہوں سے درگزر فرما اور میری بیماریوں سے مجھے معذور سمجھ''۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت

Marfat.com

آپؐ نے حضرت بلالؓ کو بلا کر پوچھا ''اے بلال! مجھے تم اپنا کوئی ایسا عمل بتاؤ جس پر سب سے زیادہ اجر و ثواب کی اُمید ہو کیونکہ میں نے جنّت میں تمہارے جوتوں کی چاپ سُنی'' عرض کیا ''یا رسول اللہؐ میں نے ایسا عمل تو کوئی نہیں کیا، البتہ رات دِن میں میرا کوئی وضو ایسا نہیں ہے جس کے بعد میں نے نماز نہ پڑھی ہو''۔ حضرت بلالؓ کو بارگاہِ رسالتؐ میں جو قُرب حاصل تھا اس کی بنا پر تمام صحابۂ کرامؓ اُن کو نہایت محبوب و محترم جانتے تھے۔

آپ کے والد رباح حبشی تھے۔ وہ اپنی اہلیہ حمامہ کے ہمراہ حبشہ سے مستقل مکہ آ بسے تھے اور قریش کے خاندان بنواُمیہ کی غلامی اختیار کر لی۔ اِسی غلامی کی حالت میں بعثتِ نبویؐ سے 28 سال قبل (12 عامُ الفیل) رباح اور حمامہ کے ہاں وہ فرزند پیدا ہوا جس کی جوتیوں کی آواز پیغمبرِ کون و مکاںؐ نے عرشِ بَریں پر سُنی۔ حضرت بلالؓ نے آنکھیں کھولیں تو چاروں طرف کفر و شرک کا دَور دَورہ تھا اور جب ایسے موقعوں پر ہر سُو اندھیرا ہی اندھیرا ہو اگر کہیں سے روشنی کی لَو ٹمٹماتی نظر آئے تو پروانہ تو پھر اُدھر ہی جائے گا۔ کچھ ایسی ہی صورت حال حضرت بلالؓ کے ساتھ بھی ہوئی۔ لیکن یہ وہ شمع جل رہی تھی جس نے پروانوں سے اُن کی جان کا نذرانہ ابھی طلب نہیں کیا تھا۔ ابھی تو اُن کو روشنی کی طرف بلایا ہی گیا تھا۔ بس پھر کیا تھا دن ہو یا رات پروانے اکٹھے ہونے لگ گئے۔ اِس شمع کے گِرد حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی وہاں تھے۔ حضرت عثمانؓ بھی وہیں اُڑانیں بھر رہے تھے، علیؓ اور خدیجہؓ بھی وہاں تھیں، اور ہاں! حضرت زیدؓ بھی وہیں اڑتے پھرتے تھے اور پھر زمانے نے دیکھا کہ دیکھا دیکھی حضرت بلالؓ بھی وہاں آ گئے، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ بھی اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ زمانے نے دیکھا کہ عکرمہ اور ابوسفیان نے بھی اِسی شمع کی روشنی سے اپنے دامن کو بھر لیا اور نجات کا راستہ اپنا لیا۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے ''حضرت ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں اور اُنھوں نے ہمارے سردار بلالؓ کو آزاد کرایا'' گویا یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا امتِ مسلمہ کے اوپر ایک احسانِ عظیم ہے۔

ہجرتِ نبویؐ کے کچھ عرصہ بعد حضرت بلالؓ نے اپنا گھر بسانا چاہا لیکن بظاہر اُن کی حالت یہ تھی کہ شادی کی استطاعت نہ تھی اس کے علاوہ آپ حُسنِ ظاہری سے بھی محروم تھے۔

Marfat.com

سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ایک غریب الدّیار تھے مگر آپ میں اگر کوئی خوبی تھی تو وہ یہ کہ آپ شمعِ رسالت کے پروانوں میں شامل تھے اور آپ کی یہی خوبی ہی آپ کی سب خرابیوں پر حاوی تھی۔ اُن کی توقع نہ تھی کہ اُن جیسے مُفلس اور غریب الوطن حبشی زادے کو شرفاءِ عرب میں سے کوئی اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر آمادہ ہوگا لیکن اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جونہی انہوں نے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تو تمام مہاجرین وانصار نے اُن کے سامنے دیدہٗ ودِل فرش راہ کر دیے۔ ہر ایک نے بصد خلوص آگے بڑھ کر کہا کہ آپ کو اپنا رشتہ دار بنانے سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کونسی مسرّت ہوسکتی ہے یہاں تک کہ اِن صاحبِ رسولؐ کو رشتہ کا انتخاب مشکل ہوگیا۔

حضرت ابوالدردہؓ کا خاندان یہاں پہلے ہی آباد تھا۔ اُن سے بات ہوئی اور کہا کہ تمہارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو ہے، اگر آپ رشتہ دے کر ہماری اس آرزو کو پورا کردو گے تو اللہ کا شکر اور تمہاری مہربانی ورنہ کوئی شکایت نہیں۔ اسلام نے کالے گورے، عجمی اور عربی کی تفریق مٹا دی ہے۔ حضرت ابوالدردہؓ کے خاندان نے اللہ کے ایسے مقرّب بندے، رسولؐ اللہ کے ایسے قریبی صحابی کی صاف گوئی اور سادہ بیانی پر لبیک کہا اور اُن کا پیام قبول کر کے حضرت بلالؓ سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔ اس طرح حضرت بلالؓ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔

ابنِ سعد کی روایت ہے کہ ابنِ ابوبکرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہماری ہمشیرہ کا نکاح کسی سے کر دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا ''تم بلالؓ کو چاہتے ہو''؟ وہ پھر واپس آئے اور یہی عرض کیا، حضورؐ نے پھر وہی فرمایا۔ تین مرتبہ ایسا ہوا۔ بالآخر وہ راضی ہو گئے اور کہا ''آپ کو اختیار ہے''۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی کا نکاح حضرت بلالؓ سے کر دیا۔

حضرت قتادہ کی روایت کے مطابق آپ کا ایک نکاح بنوزہرہ کی ایک عورت سے بھی ہوا تھا اور آپ کی بیوی کا نام ہندالخولانیہ تھا۔

آپ نے متعدد نکاح کیے تھے اور آپ کی بعض بیویاں عرب کے شریف ومعزز خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں لیکن کسی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اُن کی سب سے بڑی یادگار

Marfat.com

وہ اذان ہے جو دنیا کے گوشے گوشے میں پانچ وقت لوگوں کے دلوں میں حضرت بلالؓ کی یاد تازہ کرتی ہے۔

ہجرت کے بعد مسجدِ نبویؐ کی تعمیر ہوئی اور اذان کی ابتدا ہوئی تو آپؐ نے اذان دینے کی خدمت حضرت بلالؓ کے سُپرد کر دی۔ اِس طرح آپ اسلام کے پہلے مؤذّن ہیں۔ حضرت بلالؓ کی آواز نہایت شیریں اور دلکش تھی۔ صَوتی حُسن کے ساتھ اِس میں ایسی تاثیر تھی کہ جو کوئی اذان کی آواز سُنتا، سب کام چھوڑ کر والہانہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف لپکتا تھا۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے نمازِ پنجگانہ قائم ہوئی۔ اس سے قبل نماز باجماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ وقت کا اندازہ کرتے اور نماز ادا کر لیتے۔ اسلام کی تمام عبادات کا اصل مرکز وحدت و اجتماع ہے۔ چنانچہ اس کے لیے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا۔ حضرت بلالؓ وہ پہلے بزرگ ہیں جن کو اللہ کے رسولؐ نے اذان دینے پر مامور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت بلالؓ کو ایسی دلکش اور روح پرور آواز سے نوازا تھا کہ جب وہ اذان دیتے تو توحید کے متوالے اور شمعِ رسالتؐ کے پروانے بے چین ہو جاتے اور مسجدِ نبویؐ کا رُخ کرتے۔ اس کے بعد ''احد'' کا یہ متوالا نہایت ادب کے ساتھ آستانۂ نبوّت پر حاضر ہوتا اور صدا لگاتا 'اَلصَّلوٰۃ یارسول اللہ' (اے اللہ کے رسول نماز تیار ہے)۔ اس پر حضورؐ مسجد میں تشریف لاتے۔ حضرت بلالؓ کی آواز پھر بلند ہوتی قد قامت الصلوٰۃ (نماز قائم ہوگئی) اور بندگانِ خدا اپنے سب سے محبوب رسولؐ کی اقتدا میں بارگاہ ذوالجلال قیام و رکوع و سجود کے لیے صف باندھے کھڑے ہو جاتے۔

مسجدِ نبویؐ کے مستقل مؤذن تو حضرت بلالؓ ہی تھے لیکن اگر کسی روز آپ مدینے میں موجود نہ ہوتے یا آنحضورؐ کے ہمراہ کسی غزوہ میں گئے ہوتے حضرت عبداللہ بن اِمِ مکتومؓ اُن کے قائم مقام ہوتے اور جنابِ رسول اکرمؐ مسجدِ نبویؐ میں امامت کے فرائض بھی اُنہیں سونپ جاتے۔

فتح مکہ میں حضرت بلالؓ آنحضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ اُس روز اُن کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ کعبہ میں پہلی اذان حضرت بلالؓ نے ہی دی۔ اِسلام کی سربلندی اور حقانیت کا اعلان کیا۔ یہ ظہر کی اذان تھی۔ جب نماز کا وقت ہوا تو جناب رسول اللہؐ فاتح مکہ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ

Marfat.com

کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ یہ وہی کعبہ تھا، جہاں ایک وقت تھا کہ خدا کے بندوں کے لیے خدا کا نام پکارنا جرم بن گیا تھا خود آنحضرتؐ، حضرت بلالؓ اور کئی دوسرے صحابہ نے کتنی ہی سختیاں برداشت کیں۔ حضرت بلالؓ نے فرمانِ رسولؐ کے مطابق کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر باآواز بلند اللہ کی کبریائی کا اعلان کیا۔ اُس وقت ابوسفیان، حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے اپنی آنکھوں کو خانہ کعبہ کے فرش پر گاڑے ہوئے تھے۔ یہ وہی حرمِ قدس تھا جس کو ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے تعمیر کیا تھا۔ مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد ایک حبشی نژاد کے کلمۂ توحید سے گونج اٹھا اور جاءَ الحقُّ وَزَ حَقَ الباطِلُ کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے ہر ایک کو دعوتِ نظارہ دینے لگا۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت بلالؓ کی حالت عجیب ہوگئی تھی۔ اس قدر بے چین ہو گئے کہ چند روز کے بعد ہی اپنے محسن اور ولی حضرت صدیقِ اکبر خلیفۂ اوّل سے عرض کی ''اے اللہ کے رسولؐ کے خلیفہ! آپ نے مجھے اللہ کے لیے آزاد کیا ہے یا اپنی مصاحبت کے لیے''؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا' اللہ کے لیے، بولے، مَیں نے اللہ کے رسولؐ سے سُنا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پیامِ موت تک اسی عملِ خیر کو اپنا مقصدِ حیات بنالوں''۔

اس سے دراصل اُن کی دلی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے جو حضورِ اکرمؐ کے اس دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہوگئی تھی۔ وہ اب مدینہ میں کوئی کشش نہ پاتے تھے اور اذان جو اُن کا محبوب ترین مشغلہ تھا، اُس سے دِل نہ بہلتا تھا۔ وہ سوچتے تھے کہ اب اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُولُ اللہ کا اعلان کریں گے تو کس طرح؟ اب وہ نورانی چہرہ نہیں دیکھ پائیں گے تو اِس شہر میں زندگی کس طرح گزاریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ اُن کی دِلی کیفیت سے پوری طرح آگاہ تھے اس لیے کہ حضورؐ کی وفات سے اُن کے اندر غم واندوہ کا جو سیلاب امنڈ آیا تھا وہ اُس کے آگے بند باندھے ہوئے تھے، اُس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ خلیفۃ المسلمین نے فرمایا:

''بلالؓ! میں تمہیں خدا کا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ تُم مجھے اس عالمِ پیری میں داغِ مفارقت نہ دو''۔

Marfat.com

حضرت بلالؓ پر اِس مؤثر فرمان کا یہ اثر ہوا کہ عہدِ صدیقی میں کسی جنگ کے لیے مدینہ سے باہر نہیں نکلے۔

سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے بعد حضرت عمرؓ فاروق نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو اب پھر حضرت بلالؓ کا وہی تقاضا تھا۔ پہلے سے زیادہ وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ آنحضورؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ (اپنے محسن) کا سانحۂ ارتحال اُن کے لیے مزید غم واندوہ کا باعث بن گیا۔ انہوں نے پھر حضرت عمرؓ سے شرکتِ جہاد کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے بھی خلیفۂ اوّل کی طرح روکنا چاہا لیکن حضرت بلالؓ کا تقاضا بڑھتا گیا اور جوشِ جہاد نے اُن کے اندر ایک ہلچل پیدا کر دی۔ بے حد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی اور شامی مہم میں شریک ہو گئے۔

سیّدنا فاروقؓ اعظم نے 16ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسرانِ فوج کے ساتھ حضرت بلالؓ نے بھی 'جابیہ' کے مقام پر اُن کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں اُن کے ہمرکاب رہے۔ فتحِ بیت المقدس ایک ایسا عظیم واقع تھا جس سے مجاہدین کے دل مسرّتوں سے جھوم رہے تھے۔ یہی موقع تھا جب سیدنا فاروقؓ اعظم نے حضرت بلالؓ سے کہا:

''بلال آج کا دن ایسا یادگار دن ہے کہ ہمیں جشنِ مسرّت منانا چاہیے'' حضرت بلالؓ نے کہا 'کیوں نہیں، ضرور منانا چاہیے'۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''پھر یہ جشن اس طرح منایا جائے گا کہ نماز کے لیے اذان آپ دیں گے''۔ حضرت بلالؓ نے کہا ''اگر چہ میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانامؐ کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا''۔ پھر حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ اُن کی آواز سینوں کو چیر کر دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر گئی۔ حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے آنسو تو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ حضرت بلالؓ کی ہمنوائی میں ساری وادی اللہ اکبر کی پُرسوز صداؤں سے گونج اٹھی۔ سب کے سامنے نبوّتؐ کے مبارک عہد کا نقشہ کھینچ گیا اور تمام سامعین ایک خاص کیفیت میں ڈوب گئے۔

حضرت بلالؓ کو شام کی سرسبز و شاداب سرزمین پسند آ گئی تھی۔ انہوں نے اُس وقت

Marfat.com

حضرت فاروقِ اعظمؓ سے درخواست کی کہ اُن کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس پر غور کیا اور حضرت بلالؓ کی دِلی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے اُن کی یہ درخواست منظور کرلی۔ اس کے بعد آپ نے قصبہ 'خولان' میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

حضرت بلالؓ کو شام میں رہتے ہوئے ایک مدّت گزر گئی۔ ایک رات جناب رسول اللہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ فرما رہے ہیں ''اے بلال! کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کرو''؟ اس خواب نے عاشقِ رسولؐ کو تڑپا کر رکھ دیا۔ اس خواب نے حضرت بلالؓ کے دل میں ایک ہلچل پیدا کردی۔ نبی اکرمؐ کی بابرکت محفل میں گزرے ہوئے لمحات آنکھوں میں گھومنے لگے۔ اُسی وقت رختِ سفر باندھا اور مدینہ کا رُخ کیا۔ گرتے پڑتے سیدھے روضۂ اقدسؐ پر حاضر ہوئے تو صبر وقرار کا یارانہ رہا اور فراقِ حبیبؐ میں اِس قدر روئے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہوگیا۔ اِس موقع پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی موجود تھے۔ اپنے محبوبؐ کے جگر گوشوں کو سینے سے لگا کر بار باراُن کا منہ اور سر چومتے رہے، چمٹا چمٹا کر اُن کو پیار کرنے لگے۔ انہوں نے خواہش کی کہ ''بابا بلالؓ، کل مسجدِ نبویؐ میں فجر کی اذان روضۂ رسولؐ پر آپ دیں''۔ بلالؓ اپنے آقاؐ کے جگر گوشوں کی خواہش کو کیسے ٹال سکتے تھے۔ فجر ہوئی تو روضۂ رسولؐ کے قریب اذان کے لیے کھڑے ہوگئے۔ حضرت بلالؓ نے اللہ کی کبریائی کا کلمہ بلند کیا۔ جونہی انہوں نے اذان دینی شروع کی تو تمام مدینہ گونج اٹھا۔ سارے شہر کی فضا حشر ساماں ہوگئی۔ در و دیوار پر ایک سکتہ طاری ہوگیا۔ آپؐ کا عہدِ مبارک لوگوں کے سامنے آ گیا۔ لیکن جب حضرت بلالؓ مؤذّنِ رسولؐ نے روضۂ اقدس کی طرف اُنگلی کا اشارہ کرکے 'اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللہ' کہا تو مدینہ کی گلیوں میں نماز کے لیے مسجد میں آنے والے نمازیوں کے قدم وہیں رک گئے، پردہ نشین خواتین بھی بے تاب ہوکر گھروں سے باہر نکل آئیں۔ پورے مدینہ پر سکتہ طاری ہوگیا، لوگوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ جب یہ مبارک الفاظ ایک عاشقِ رسولؐ کی زباں سے نکلے تو باقی عاشقانِ رسولؐ کی اُس وقت کی حالت کو بیان کرنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہادیٔ برحق سیّدنا کونینؐ نے آج ہی وصال فرمایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا دلدوز اور پُر اثر منظر آج تک دیکھنے میں نہیں آیا اور

Marfat.com

نہ اِس کے بعد کسی نے دیکھا ہوگا۔

اسدُ الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ نے عہدِ فاروق میں 20ھ میں شام میں وفات پائی۔ اُس وقت اُن کی عمر 61 برس تھی۔ اُن کی وفات دمشق میں بابُ الصفیر کے قریب ہوئی۔ اُن کا مزار آج بھی مرجعِ خلائق ہے۔ جب مدینہ میں حضرت عمرؓ فاروق کو حضرت بلالؓ کی وفات کی خبر پہنچی تو آپ روتے روتے نڈھال ہوگئے۔ بار بار فرماتے تھے:

''آہ! ہمارا سردار بلالؓ بھی ہمیں داغِ مفارقت دے گیا۔''

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتومؓ

ایک ایسے جلیل القدر صحابی کا ایمان افروز تذکرہ جو آنحضورؐ کی غیر موجودگی میں دس سے زائد مرتبہ مسجد نبویؐ میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور قرآن میں دو جگہ آپ کی شان میں آیات نازل ہوئیں۔

عبداللہ نام تھا، والد کا نام قیس بن سعد اور والدہ کا نام عاتکہ بنت عبداللہ، اس لیے والدہ کے نام کی مناسبت سے آپ کی کنیت اُمِّ مکتُوم تھی۔ عبداللہ بن اُمّ مکتومؓ پیدائشی نابینا تھے۔ رشتہ میں حضرت رسولِ اکرمؐ کی زوجہ محترمہ اُمہات المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس لیے آنحضورؐ سے آپ کا قریبی رشتہ اور عزیز داری تھی۔ جب آپؐ نے پہلی دعوت پر لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو جن لوگوں نے اوّل اوّل آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا اور اسلام لے آئے، وہ سابقون الاوّلین کہلائے (یعنی اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والے لوگ)۔ اُن میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی طرح عبداللہ بن اُمِّ مکتوم بھی شامل تھے۔ سابقون الاوّلون میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت خدیجہؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ کا نام نامی جہاں آتا ہے وہاں حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم کا نام بھی شامل ہے۔ اس لیے آپ اُن چند خوش قسمت اصحابہ میں شامل تھے جنھوں نے حضورِ اکرمؐ کی دعوت پر پہلے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا۔

اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں دو جگہ

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتوم کا ذکر کیا ہے۔ سورہ عَبَس کی پہلی دس آیاتِ مبارکہ آپؓ کی شان میں نازل ہوئیں اور دوسری جگہ سورہ انساء میں بھی آپ کے جذبۂ شوقِ جہاد کے پیش نظر نہ صرف ذکر آیا بلکہ آپ کی خواہشات کے مطابق اللہ نے آیت نازل فرمائی۔ اِن واقعات کا ذکر آئندہ صفحات میں بیان کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ آپ حضرت بلالؓ کے علاوہ موذّنِ رسول تھے۔ آپ کو حضرت رسول اللہؐ ہی نے موذّن مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عبداللہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے کم و بیش 13 مرتبہ آنحضورؐ کی غیر موجودگی میں مسجدِ نبویؐ میں آپؐ کی نیابت (امامت) کے فرائض سرانجام دیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی سعادت تھی جو حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ کو نصیب ہوئی۔ سب سے پہلے جب غزوۂ بدر میں آپؐ تشریف لے گئے تو اپنے پیچھے آپؐ ہی کو مدینہ شہر میں اپنا نائب اور مسجد نبویؐ میں امام مقرر فرمایا۔ فتح مکّہ کے وقت بھی آپؐ نے مسجدِ نبویؐ میں اِمامت کے فرائض سرانجام دیے۔ حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ قرآنِ پاک کے حافظ بھی تھے۔

حضرت عبداللہ بن امِ مکتومؓ اُن جاںنثار صحابہؓ میں شامل تھے، جن کو آنحضورؐ نے ہجرتِ پیغمبرؐ سے پہلے ہی مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ تا کہ مدینہ میں جا کر وہاں کے لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیں۔ آپؓ ہجرتِ رسول اللہؐ سے چند ماہ قبل حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ساتھ مدینہ آ گئے تھے۔ جب آنحضورؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو اسی سال نماز کے لیے اذان شروع ہوئی۔ حضرت نبی اکرمؐ نے حضرت بلالؓ کے ساتھ ساتھ آپؓ (حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ) کو بھی موذّنِ مسجدِ نبویؐ کے منصبِ جلیلہ پر مامور فرمایا۔ یہ دونوں اصحابؓ آنحضورؐ کی حیاتِ مبارکہ میں مسجد نبویؐ میں اذان دینے کے فرائض نہایت تندہی سے انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ رمضان المبارک میں صبح سحری کے آغاز کے وقت یہ دستور تھا کہ لوگوں کو جگانے کے لیے حضرت بلالؓ پہلی اذان دیتے تھے اور اختتامِ سحر کے وقت دوسری اذان حضرتِ عبداللہ بن امِ مکتومؓ دیا کرتے۔ آپؓ کی اذان کے بعد مسلمان روزہ دار کھانا پینا ترک کر دیتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ مسجدِ نبویؐ میں اذان حضرت بلالؓ دیتے اور حضرتِ عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ اقامۃ (تکبیر) پڑھتے۔

Marfat.com

اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ وادیٔ مکہ کے لوگ آہستہ آہستہ پیغمبرِ اسلامؐ کی دعوت پر اپنے پرانے بے راہ روی کے طور طریقوں کو چھوڑ کر حلقۂ بگوش اسلام ہو رہے تھے۔ آنحضورؐ کی خواہش اور کوشش تھی کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار بھی اسلام میں داخل ہو جائیں تا کہ دینِ اسلام کو قوت ملے۔ ایک مرتبہ آنحضورؐ کی خدمت میں مکہ کے چند بڑے سردار آپؐ کی دعوت پر مجلس میں شریک تھے۔ جن میں عُتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ (دونوں بھائی)، عمر بن ہشام (ابوجہل)، امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ (حضرت خالد بن ولید سیف اللہ کے والد) شامل تھے۔ حضورِ اکرمؐ اُن کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ فرما کر دعوتِ اسلام کی طرف راغب کر رہے تھے۔ اچانک حضرت عبداللہ بن امِ مکتومؓ جو کہ بظاہر بصارت سے تو محروم تھے لیکن اُن کا قلب بصیرت سے معمور تھا، آپؐ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے بھی بھلائی کی وہ باتیں سکھائیں جو اللہ نے آپؐ پر نازل فرمائی ہیں۔ اُس وقت حضورِ نبی اکرمؐ کا مخاطب اُمیہ بن خلف تھا۔ آپؐ کا خیال تھا کہ اگر ان سردارانِ مکہ میں سے ایک یا دو سردار بھی ہماری دعوتِ اسلام قبول کر لیں تو اہلِ اسلام کی تقویت کا باعث ہوگا۔ اس موقع پر آپ کو حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کی مداخلت ناگوار گزری اور آپؐ نے حضرت عبداللہ بن امِ مکتومؓ کی طرف بے رُخی برتی۔ اللہ کے دربار میں رسول اللہ کا یہ طرزِ عمل پسند نہ آیا اور آپؐ پر سورہ عَبَس (پارہ تیس) نازل فرمائی۔ اس سورہ کی پہلی دس آیات حضرت عبداللہ بن امِ مکتومؓ کی حمایت میں نازل فرمائیں۔ اُن دس آیا کا ترجمہ یہ ہے:

> ''ترش رو ہوا اور بے رُخی برتی اس بات پر کہ وہ نابینا اُس کے پاس آ گیا۔ تمہیں کیا خبر شاید وہ سُدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اُس کے لیے نافع ہو۔ جو شخص بے پروائی برتتا ہے، اُس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر کوئی الزام نہیں۔ اور جو شخص تیرے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈر بھی رہا ہے تو اُس سے تُو بے رُخی برتتا ہے''۔ (سورہ عَبَس پارہ تیس)

حدیث میں ہے کہ اِس سورہ کے نازل ہونے کے بعد دربارِ نبویؐ میں حضرت عبداللہ بن امِ مکتومؓ کا احترام بہت بڑھ گیا۔ آپؐ حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ کی طرف خصوصی توجہ دیتے

Marfat.com

اور بہت خیال فرمانے لگے۔ جب بھی آپؓ (حضرت عبداللہ) کاشانۂ نبویؐ میں حاضر ہوتے تو اُمِ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپؓ کی بہت خاطر مدارت کرتیں۔

حضرتِ ام سلمیٰؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں اور حضرت میمونہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ اُس مجلس میں عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ تشریف لائے۔ ہم نے سوچا کہ وہ نابینا ہیں تو ہم نے اُن سے حجاب نہ کیا۔ آنحضرتؐ نے ہمیں حکم دیا کہ حجاب کریں۔ تو میں نے جواب دیا کہ حضورؐ وہ تو نابینا ہیں وہ دیکھ نہیں سکتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا آپ بھی اندھی ہیں کیا؟ آپ کی نظریں اُن پر نہیں پڑ رہیں؟ اِس کے بعد ہم نے حجاب کرلیا۔ اس مشہور حدیث کی روایت مشکوٰۃ، ترمذی، ابوداؤد اور مسند احمد میں موجود ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں پردہ کی کس قدر تاکید کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ ایک دن رسولِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''یارسول اللہ! میں ایک نابینا آدمی ہوں، میرے گھر اور مسجد کے درمیان راستہ ناہموار اور کئی درخت اور جھاڑیاں بھی باعث رکاوٹ ہیں۔ میرے پاس کوئی آدمی بھی نہیں جو میری راہنمائی کر سکے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد تک لا سکے تو کیا آپؐ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں ہی نماز پڑھ لیا کروں اور مسجد میں حاضر ہونے کی تکلیف سے بچ جاؤں''؟ رسولِ اکرمؐ نے عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ کی مشقت اور پریشانی دیکھی۔ آپؓ کا عذر مقبول تھا، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، تم گھر میں نماز پڑھ سکتے ہو'' اس کے بعد عبداللہ بن اِمِ مکتومؓ واپس چلے گئے تو چند ہی لمحوں کے بعد حضرت رسول اکرمؐ نے ایک آدمی اُن کے پیچھے روانہ کیا اور کہا کہ عبداللہ کو واپس بلا کر لائیں۔ جب وہ واپس دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ ''کیا تم نماز کے لیے اذان سنتے ہو؟'' عبداللہ نے فرمایا کہ ''ہاں''۔ اس کے بعد نبی اکرمؐ نے فرمایا ''پھر تو تمہیں مسجد ہی میں نماز کے لیے آنا ہوگا''۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نمازِ باجماعت کی فضیلت کے پیشِ نظر گھر میں نماز پڑھنے کی کوئی رخصت یا گنجائش نہیں ہے، اگرچہ تم نابینا اور صاحبِ عذر ہو، اگرچہ تمہارا گھر دور اور مسجد کے درمیان رکاوٹیں ہیں۔ اذان کی آواز تمہارے کانوں سے ٹکراتی ہے اور یہ آواز تمہارے دل کے شعور تک پہنچتی ہے تو پھر تمہارے لیے مسجد میں نمازِ جماعت چھوڑ کر گھر کے

Marfat.com

اندر نماز پڑھنا درست نہیں، بلکہ تم مسجد میں ضرور حاضر ہوا کرو"۔ اِس ارشادِ رسولؐ اللہ کے بعد عبداللہ بن امِ مکتومؓ چھڑی سے ٹٹولتے ٹٹولتے بمشکل تمام مسجد آتے تھے اور جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ حضرتِ عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں جب آپؓ کی عمر کافی ہوگئی تھی اور مسجد میں پہنچنے میں دشواری پیش آتی تو پھر بھی حضورِ اکرمؐ کے ارشاد کے پیشِ نظر نماز کے وقت گھر میں بیٹھ رہنا گوارا بھی نہ تھا، اس لیے گرتے پڑتے حکمِ نبویؐ پر عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک دن حضرتِ فاروقِ اعظمؓ نے اس حال میں مسجد آتے دیکھا تو اُن کو ایک رہنما دیا جو نماز کے وقت حضرت عبداللہ بن امِ مکتومؓ کو مسجدِ نبوی میں لے آتا اور بعد از نماز واپس گھر پہنچا دیتا۔

جب کفارِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مسلمان مدینہ چلے آئے تو کفارِ مکہ کے غیض و غضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ مسلمانِ مدینہ اور کفارِ مکہ کے درمیان غزوات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مسلمانوں کو کفّار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت عبداللہ بن امِ مکتومؓ چونکہ آنکھوں کی بینائی سے محروم تھے، جس کے باعث جہاد میں شرکت کرنا اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ حالانکہ اُن کے دل میں جذبۂ جہاد جنون کی حد تک موجود تھا۔ اِسی اثناء میں قرآنِ پاک کی یہ آیت اتری۔ ترجمہ "وہ مسلمان جو (بوقتِ جہاد) اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، رُتبہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں"۔ آنحضرتؐ کاتبِ وحی حضرت زیدؓ بن ثابت کو یہ آیت لکھوا رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن امِ مکتومؓ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے جب یہ ارشادِ ربانی سنا تو حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر "مجھ کو جہاد میں شریک ہونے کی قدرت حاصل ہوتی تو ضرور شرفِ جہاد حاصل کرتا جس سے میں محروم ہوگیا ہوں"۔

حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتومؓ کی یہ حسرت بھری خواہش بارگاہِ خداوندی میں اتنی پسند ہوئی کہ اس کے بعد ایک اور حکمِ الٰہی نازل ہوا جس مین اُن کو اور اُن جیسے تمام معذور افراد کو جہاد میں شریک ہونے کے حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ آیتِ ربانی یہ ہے: ترجمہ:

"ضرر رسیدہ (معذور) افراد کے علاوہ جو مسلمان (بوقتِ جہاد) اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے ہم مرتبہ نہیں جو اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں"۔ (سورہ النساء، آیت 95)

Marfat.com

جب آپؓ نے یہ آیت سُنی تو آپ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آپؓ کا چہرہ مسرت سے کِھل اٹھا۔ حالانکہ آپؓ کو جہاد میں شریک ہونے سے اِستثنیٰ مل چکا تھا، اس کے باوجود جہاد میں شریک ہونے کا شوق اس قدر تھا کہ آپؓ نے پھر بھی کئی غزوات میں حصہ لیا۔ آپؓ کہتے کہ مجھے علَم تھما دیں میں ایک جگہ میدانِ جنگ میں اسے پکڑے کھڑا رہوں گا جس سے مسلمانوں کے پایۂ استقلال میں لغزش نہیں آئے گی اور اُن کے حوصلے بلند رہیں گے۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ خلیفہ رسولؐ کی اجازت سے 14ھ میں جنگِ قادسیہ میں شریک ہوئے۔ تین دن تک ایرانیوں سے معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور علَم تھاما ہوا تھا۔ تین دن کے بعد جب مسلمان فتح سے ہم کنار ہوئے تو مسلمان غازیوں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ شہادت کے رُتبہ سے سرفراز ہو چکے ہیں اور آپؓ نے علَم اس طرح اپنے ہاتھوں سے تھام رکھا تھا۔ یہ 636ء کا واقع ہے۔ آخر کار نائبِ رسولؐ اور موذنِ رسولؐ نے شہادت جیسے رُتبے کو گلے لگا کر قرآنِ پاک کی تفسیر کا عملی نمونہ تاریخِ اسلام میں رقم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

Marfat.com

حضرت سعد القرظؓ

آپ کا نام سعد بن عمار ہے۔ آپ بہت غربت و افلاس سے زندگی کے شب و روز گزارتے تھے۔ آنحضورؐ کی محفل میں حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے، باتوں باتوں میں اللہ کے رسولؐ سے اپنی عسرت و تنگدستی کا ذکر کیا۔ نبی اکرمؐ نے آپ کو مشورہ دیا کہ تجارت کریں، اللہ تعالیٰ کشادہ دست کردے گا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بازار گئے اور درخت قرظ کے پتے خرید کر تجارت شروع کردی۔ قرظ کے پتے اُن دنوں کھال رنگنے کے کام آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سودے ہی میں برکت عطا فرمائی اور آپ نے خوب نفع کمایا۔ حضرت سعدؓ نے اپنی پہلی کمائی کا ذکر آنحضورؐ سے کیا۔ آپ کو سُن کر بڑی مسرّت ہوئی۔ اُن کے سر پر دستِ شفقت پھیرا۔ آپؐ نے مزید برکت کی دعا دی اور فرمایا ''یہی کام کرتے رہو''۔

اس کے بعد حضرت سعدؓ کی معاشی حالت بہت اچھی ہوگئی اور آہستہ آہستہ قرظ کے پتوں کے نامی گرامی تاجر بن گئے۔ اسی کاروبار کی وجہ سے آپ سعد القرظؓ کے نام سے مشہور ہوگئے۔

حضرت سعد القرظؓ نہایت خوش آواز اور بلند آہنگ شخص تھے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے اُن کو دنیا کی پہلی مسجد، مسجدِ قبا کا موذّن مقرر فرمادیا۔ آپ نہایت خوش اسلوبی سے اس فرض کو ادا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت سعدُ القرظؓ کو یہ شرف بھی حاصل رہا کہ سیّدنا حضرت بلالؓ جب کسی وجہ سے مسجدِ نبویؐ میں حاضر نہ ہوتے تو حضرت سعد القرظؓ اُن کی غیر موجودگی میں مسجد نبویؐ میں اذان دیتے۔

Marfat.com

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ کا دل اچاٹ ہوگیا اور وہ مدینہ سے شام چلے گئے۔ بعض روایات کے مطابق خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت سعدُ القرظؓ کو مسجدِ نبویؐ کا موذّن مقرر کر دیا اور بعض روایات کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے دور میں حضرت بلالؓ جب شام روانہ ہونے لگے تو انہوں نے خود یہ ذمہ داری حضرت سعدُ القرظؓ کو سونپ دی۔

حضرت سعدؓ کے فرزند حضرت عبدالرحمٰن اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے حضرت بلالؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ اذان دیتے وقت اپنی انگلیوں کو کانوں میں داخل کر لیا کرو، یہ عمل تمہاری آواز کو بلند سے بلند تر کر دے گا۔

ابواحمد عسکری کہتے ہیں کہ حضرت سعدُ القرظؓ حجاج بن یوسف کے زمانے تک زندہ رہے وہ جب بوڑھے ہوگئے اور اذان دینے کے قابل نہ رہے تو مسجد نبویؐ کے موذّن کے منصب سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنی جگہ اپنے فرزند حضرت عبدالرحمٰن کو یہ عہدہ سونپ دیا، چنانچہ اُن کے صاحبزادے اپنے والد کی زندگی ہی میں مسجدِ نبویؐ میں موذّن کے فرائض انجام دینے لگے۔

اس طرح حضرت سعد القرظؓ کو عالمِ اسلام کی پہلی تعمیر ہونے والی مسجد، مسجد قبا اور مسجد الحرام کے بعد دنیا کی دوسری بڑی مسجد میں اذان دینے کا شرف حاصل ہوا۔

Marfat.com

حضرت عبادہ بن صامتؓ

آپ کا نام عبادہ اور ابوالولید کنیت تھی۔ آپ مدینہ کے قبیلہ بنوخزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ مدینہ میں آنحضرتؐ کے اعلانِ نبوّت سے 25 سال قبل پیدا ہوئے۔ عنفوانِ شباب میں جب دعوتِ اسلام کا آغاز ہوا تو آپ نے اس کو بڑی خوش دلی سے سُنا۔ آپ پہلے وفد کے ساتھ ہی مدینہ سے مکہ آئے اور مشرّف بہ اسلام ہوگئے۔ اِس کے بعد مدینہ سے مکہ جانے والے ہر وفد میں شامل رہے۔ آخری وفد میں آنحضورؐ نے آپ کو خاندانِ قوافل کا نقیب مقرر فرمایا۔

آپ کی دعوت اور کوشش سے مدینہ میں اسلام کو بڑا فروغ ملا۔ آپ 2ھ میں غزوہ بدر اور 6ھ میں بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے۔ خلافتِ فاروقی میں مصر کی فتوحات کے لیے آپ حضرت عمرو بن العاصؓ کی مدد پر مامور ہوئے۔ خدا کی شان کہ پہلے ہی حملے میں مصر فتح ہوگیا۔ اسی دور میں آپ فلسطین کے قاضی بھی مقرر کیے گئے۔ خلافتِ حضرت عثمانؓ کے آخری ایاّم میں 34ھ میں آپ بیمار ہوئے اور 72 سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیّک کہا اور فلسطین میں دفن کیے گئے۔

آپؓ کا شمار صحابۂ کبار میں ہوتا ہے۔ آپؓ نے آنحضورؐ کے دور میں پورا قرآنِ پاک حفظ کرلیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو قرأت کے فن میں خصوصی مہارت عطا کی تھی۔ آپؓ مسجدِ نبویؐ میں اصحابِ صُفّہ کو قرأت سکھانے پر مامور ہوئے۔ اشاعتِ حدیث میں بھی آپؓ کی خدمات بڑی قابلِ قدر ہیں۔ آپؓ نے الفاظِ روایت میں جو مدارج قائم کیے وہ آج بھی روایتِ حدیث

Marfat.com

کا جُز مانے جاتے ہیں۔

آپؓ ایک خوش بیان واعظ اور شعلہ بیاں خطیب تھے یہاں تک کہ آپ نصرانیوں کے گرجاؤں میں بھی جا کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ آپؓ کی مجالسِ وعظ وخطبات سے اسلام میں بڑی مدد ملی۔ حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابوامامہؓ، حضرت سلمہ بن محبقؓ، حضرت محمد ربیعؓ، حضرت رفاعہؓ بن رافع اور حضرت اوسؓ بن عبداللہ جیسے وابستگانِ رسولؐ بھی آپؓ کے مخزنِ علم سے فیض یاب ہوئے اور آگے چل کر ایسے قابلِ فخر شاگردوں نے دینِ اسلام کے لیے بے مثال کارنامے انجام دیے۔

مشہور صحابیہ حضرت امِ حرام بنت ملحانؓ آپؓ کی زوجہ محترمہ تھیں جن کو حضورِ پاکؐ نے شہید ہونے کی خبر دی تھی۔

Marfat.com

حضرت حسّان بن ثابتؓ

(شاعرِ رسولؐ و شاعرِ دربارِ نبوّتؐ)

آپ کا نام حَسان ابوالولید کنیت والد کا نام ثابت اور والدہ کا نام فریعہ بنت خالد تھا۔ آپ کا تعلق مدینہ کے مشہور قبیلہ خزرج کی شاخ بنونجار سے تھا۔ آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب کا ننھیال بھی بنونجار شاخ سے ہی تھا۔ آپ کی والدہ قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ کی بنت عم اور خزرج کی دوسری شاخ بنوسعدہ سے تھیں، اسلام قبول کر کے صحابیہٗ رسولؐ کی جماعت میں شامل ہوئیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا گھرانہ مسجدِ نبویؐ کے مغرب میں قلعہ فارع میں واقع تھا۔ جب آنحضورؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، اُس وقت آپ کی عمر 66 برس تھی اور اُسی وقت آپ دیگر انصار کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت حسان نے جس خاندان میں آنکھ کھولی، شعروشاعری سے لگاؤ اور مدینہ میں طویل العمری کی بنا پر خاص شہرت کا حامل تھا۔ حضرت حسان کے پردادا حرام بن عمرو نے ایک سو بیس برس عمر پائی، دادا منذر کی عمر بھی ایک سو بیس برس تھی اور اِن کے باپ ثابت بھی ایک سو بیس برس تک زندہ رہے اور جب حسان کا انتقال حضرت معاویہؓ کے دور میں 54ھ میں ہوا تو آپ کی عمر بھی ایک سو بیس برس ہی تھی۔ آپ کے دادا پردادا والد اور پورا خاندان کئی پشتوں سے شاعروں کا خاندان کہلاتا تھا، یہاں تک کہ آپ کے بیٹے اور پوتے بھی نامی گرامی شاعر تھے۔ گویا شاعری

Marfat.com

اُن کے گھر کی لونڈی تھی۔ حضرت حسّان اُس دور میں شعراء مذہبات میں شامل تھے یعنی وہ نامی گرامی شعراء جن کا کلام سونے کے پانی سے لکھا جاتا تھا۔

آپ کی شاعری میں اشارے کی لطافت، وزن کی خوبی اور قافیہ کی بندش بڑی عمدگی کے ساتھ پائی جاتی تھی۔ دورِ جاہلیت کی شاعری میں آپ مبالغہ سے کام لیتے تھے لیکن عہدِ اسلامی کی شاعری میں یہ عنصر ختم ہو کر رہ گیا۔ آپ کی اسلامی شاعری کا موضوع مدافعتِ دین اسلام اور ہجوِ کفار تھا۔ آپ کی شاعری عام بازاری شاعروں کی طرح نہ تھی بلکہ وہ ہر طرح کے تعصّب اور فحش سے پاک ہوتی تھی۔

آپ کی مدح بھی بڑی عمدہ ہوتی تھی۔ حضور اکرمؐ کی مدح میں آپ کا ایک شعر جس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے ''آپؐ ایسے نبیؐ ہیں جو ناامیدی اور انبیاء کے سلسلۂ بعثت کے طویل وقفے کے بعد ہم تک آئے اور اُس وقت تشریف لائے جب ہر طرف بتوں کی پرستش ہو رہی تھی۔ آپؐ ایک روشن چراغ، روشنی دینے والے اور ہادی بن کر آئے۔ آپ نے ہمیں جہنم سے ڈرایا، جنّت کی بشارت دی، اسلام سکھایا۔ پس اللہ ہی ہے جس کی ہم حمد کرتے ہیں اور تو ہی ساری مخلوق کا خالق، میرا رب ہے، ہم زندگی بھر اُس کی شہادت دیتے رہیں گے۔''

آنحضرتؐ کے پاس ایک دفعہ بنوتمیم کا وفد آیا تو حضرت حسان ثابتؓ نے قریش کی مدح میں شعر پڑھے تو سب کے سب بول اٹھے کہ محمدؐ کا خطیب ہمارے خطیب اور اُن کا شاعر ہمارے شاعر سے اچھا ہے۔ حضورِ اکرمؐ اکثر مسجدِ نبویؐ میں منبر رکھوا دیتے جہاں پر کھڑے ہو کر حضرت حسّانؓ حضورؐ کے لیے مدحیہ اشعار پڑھتے۔

آپ کو شاعرِ دربارِ نبوّتؐ اور شاعرِ رسولؐ، جیسے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔ ایک روز نبی کریمؐ نے شاعرِ دربارِ نبوّت حضرت حسّان بن ثابتؓ سے پوچھا ''اے حسّان! کیا تم نے شانِ صدیقؓ میں بھی اشعار کہے ہیں''؟ انہوں نے عرض کیا ''ہاں، یارسول اللہؐ، میں نے آپؐ کے یارِ غار کی مدحت سرائی بھی کی ہے''۔ آپؐ نے کہا ''سناؤ میں سُننا چاہتا ہوں''۔ حضرت حسّانؓ نے عرض کیا ''آپ (حضرت صدیقؓ) دو میں دوسرے تھے، اُس بابرکت غار میں اور دشمن نے اُس کے گرد چکر لگایا، جب وہ پہاڑ پر چڑھا۔ ابوبکر، اللہ تعالیٰ کے رسول کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس

Marfat.com

بات کا علم تھا کہ حضورؐ ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ (حضرت صدیقؓ) کے ہم پلّہ نہ سمجھتے''۔

حضرت حسّان کے یہ شعر سُن کر حضورِ اکرمؐ ہنس پڑے اور فرمایا: ''اے حسّان تم نے سچ کہا ہے، ابو بکرؓ ایسے ہی ہیں''۔

حضرت حسّان بن ثابتؓ زمانہ جاہلیت ہی میں عرب کے عظیم اور معروف شعراء میں شمار ہونے لگے تھے لیکن اُن کا سرمایۂ افتخار دورِ جاہلیت کی شاعری نہیں بلکہ اُن کا وہ کلام ہے جو اُن کے قبولِ اسلام کے بعد معرضِ وجود میں آیا اور اہلِ حق کے دِلوں کی دھڑکن اور ترجمان بن گیا۔ حضرت حسّانؓ ایسے شاعر تھے جنھوں نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا اور دورِ اسلام کا بھی۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے وقت اُن کا عالمِ ضعیفی شروع ہو چکا تھا یعنی اُس وقت اُن کی پینسٹھ، چھیاسٹھ برس عمر تھی لیکن اُن کی شاعری کے فن اور صِنف کو اسلام سے ایک جدّت ملی اور وہ جوان ہوگئی۔ عہدِ رسالتؐ میں حضرت حسّان کی زندگی کا سب سے جلی عنوان 'جہاد باللّسان' ہے۔ انہوں نے دشمنانِ حق کے شعراء کو دندان شکن جواب دیا کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

ابنِ اثیر نے غزوہ احزاب (5ھ) کے سلسلہ میں حضرت حسّانؓ کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ اس غزوہ میں سارے عرب کے مشرکین و یہود نے متحد ہو کر مدینہ پر دھاوا بول دیا اور مدینہ منورہ کے اندر یہود بنو قریظہ نے غداری پر کمر باندھ رکھی تھی۔ مسلمانوں کے لیے یہ بہت بڑا امتحان تھا۔ اس موقع پر حضورؐ نے مسلم خواتین اور بچوں کو بنو قریظہ کے مارِ آستین یہودیوں کے شر سے بچانے کے لیے قلعہ فارع میں منتقل کر دیا جو حضرت حسّانؓ کے خاندان کا مسکن تھا۔ آپؐ نے بنظرِ احتیاط حضرت حسّانؓ کو خواتین اور بچّوں کی نگرانی کے لیے قلعہ میں چھوڑ دیا۔

ایک دن ایک یہودی قلعہ کی طرف آنکلا اور مسلمانوں کی سُن گُن لینے لگا۔ حضورِ اکرمؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب بھی وہاں ہی موجود تھیں۔ انہوں نے جب یہودی کو تجسّس میں مصروف پایا تو حضرت حسّانؓ سے کہا کہ باہر نکل کر اس یہودی کو قتل کر دیں۔ حضرت حسّان نے کہا ''عبد المطلب کی بیٹی! خدا آپ کو معاف فرمائے۔ آپ جانتی ہیں کہ میں اس یہودی سے لڑنے کے قابل نہیں (اس وقت آپ کی عمر 70 سے تجاوز کر چکی تھی)۔ حضرت صفیہؓ

Marfat.com

بہت دلیر خاتون تھیں، وہ حضرت حسّان کا جواب سُن کر خود اٹھیں، خیمے کی ایک چوب اکھاڑی اور باہر نکل کر اُس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ وہیں واصلِ جہنم ہوگیا۔ حضرت صفیہؓ نے واپس آ کر حضرت حسانؓ سے کہا کہ آپ جا کر یہودی کا سر کاٹ لیں اور اُس کا سامان اتار لیں، حضرت حسّانؓ بولے ''اے عبدالمطلب کی بیٹی، مجھے سامان سے کیا واسطہ''؟

سرورِ عالمؐ حضرت حسانؓ پر کس قدر شفیق تھے، اُس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضورؐ حضرت حاطبؓ کو مقوقس والی مصر کے پاس دعوتِ اسلام کا خط اور کچھ تحائف بھیجے۔ شاہِ مقوقس نے اسلام تو قبول نہ کیا البتہ حضرت حاطبؓ کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔ جب وہ واپس مصر سے عازم مدینہ ہونے لگے تو مقوقس نے سرورِ عالمؐ کے لیے بہت سے تحائف اُن کے ہمراہ کر دیے۔ اُن میں دو قبطی بہنیں ماریہ اور سیرین بھی تھیں۔ یہ دونوں بہنیں حضرت حاطبؓ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوگئیں۔ مدینہ پہنچ کر حضرت حاطبؓ نے انہیں حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؐ نے حضرت ماریہؓ کو اپنے حرم میں داخل فرما کر نکاح کر لیا اور اُن کی دوسری بہن سیرین کو حضرت حسّان کی خدمت میں دے دیا، جس سے انہوں نے نکاح کر لیا۔ اس طرح حضرت حسّانؓ حضور اکرمؐ کے ہم زلف بن گئے۔ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور حضرت سیرینؓ کے بطن سے حضرت حسان بن ثابتؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ بڑے ہو کر انہوں نے نعت گو شاعر کی حیثیت سے شہرت پائی۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ بن محمدؐ اور حضرت عبدالرحمٰنؒ آپس میں حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔ آنحضورؐ کے صاحبزادے صرف اٹھارہ ماہ زندہ رہ کر وفات پا گئے۔ حضرت حسّانؓ سرورِ عالمؐ کے وصال کے بعد 43 سال زندہ رہے۔ اس دوران وہ کبھی کبھی مسجدِ نبویؐ میں بیٹھ کر لوگوں کو اپنے اشعار سنایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت حسّانؓ حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں اسی طرح اشعار پڑھ رہے تھے۔ امیر المومنین نے دیکھا تو منع فرمایا کہ مسجد میں اشعار نہ پڑھیے۔ حضرت حسّان بن ثابتؓ جلال میں آگئے اور فرمایا ''میں آپ سے بہتر ہستی کے سامنے مسجدِ نبویؐ کے اندر اِسی طرح اشعر پڑھا کرتا تھا، اِس لیے اب مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ خلیفۃ المسلمین حضرت

Marfat.com

عمر فاروقؓ اُن کا یہ جواب سُن کر خاموش ہو گئے اور سَر جھکا لیا۔

حضرت حسّان بن ثابتؓ نے حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں 54ھ میں 120 برس ہی میں انتقال فرمایا۔ انہوں نے اپنا ایک فرزند حضرت عبدالرحمٰن چھوڑا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے چند احادیث بھی روایت کی ہیں۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ

آپ کا نام عبداللہ اور ابو محمد کنیت تھی۔ آپ کا تعلق مدینہ میں خزرج کے خاندان حارث بن خزرج سے تھا۔ آپ کی والدہ کبشہ بن واقد بھی اسی قبیلے سے تھیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ اپنے قبیلہ کے ممتاز اور صاحبِ اثر لوگوں میں سے تھے۔ آپ نہ صرف لکھنا پڑھنا جانتے تھے بلکہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ آپ زمانۂ جاہلیت میں بھی بہت ذی وقار شخصیت کے مالک تھے۔ دینوی عزت اور مرتبے کے ساتھ اللہ نے آپ کو سلیم الفطرت سے بھی نوازا تھا۔ بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے بعد جب مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا پھیلا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے بھی بلا تامّل دعوتِ اسلام قبول کر لی۔ 13 ن میں آپ کو بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں شریک ہونے کی سعادتِ عظیم نصیب ہوئی۔

ہجرت کے بعد آنحضورؐ نے مدینہ کو اپنے قدمِ برکت سے مشرف فرمایا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اُن رؤسائے مدینہ میں سے تھے جنہوں نے آپؐ کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا اور آپؐ سے یہ بھی التجا کی کہ انہیں شرفِ میزبانی بخشیں لیکن یہ شرف اللہ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قسمت میں لکھ رکھا تھا۔ چند ماہ بعد جب آنحضورؐ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو عبداللہ بن رواحہؓ کو جلیل القدر مہاجر صحابی حضرت مقداد بن عمرو الاسودؓ کا دینی بھائی بنایا اور جب مدینۃ النبیؐ کی پہلی مسجد، مسجدِ نبویؐ کی تعمیر شروع ہوئی تو آپؐ صحابہ کرام کے ساتھ خود بھی گارا اور اینٹیں ڈھوتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے بھی مسجد کی تعمیر میں بڑھ

Marfat.com

چڑھ کر حصّہ لیا۔

ہجرتِ نبویؐ کے چند سال بعد ایک دن ایک انصاری صحابی جن کا چہرہ نورِ ایمان سے چمک رہا تھا، آپؐ کی خدمت میں حاضری کی نیت سے بڑے ذوق وشوق سے مسجد نبویؐ کی طرف روانہ ہوئے۔ اُس وقت آپؐ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ وہ ابھی مسجد سے باہر ہی تھے کہ آپؐ نے خطبہ کے دوران میں مسجد میں کھڑے چند لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ''اے لوگو، بیٹھ جاؤ'' مذکورہ انصاری صحابی وہیں بیٹھ گئے۔ جب آپؐ خطبہ سے فارغ ہوئے تو کسی نے یہ واقعہ آپؐ کے گوش گزار کیا۔ آپؐ کو اِن صاحب کے جذبۂ اطاعتِ رسول پر بڑی مسرّت ہوئی اور آپؐ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا ''اللہ تمہارے دِل میں اللہ اور اُس کی اطاعت کا جذبہ اور زیادہ کرے''۔ یہ صاحبِ رسولؐ جن کے جذبۂ اطاعت نے آپؐ کو اس قدر مسرور کیا کہ لسانِ رسالتؐ پر اُن کے لیے دعائے برکت جاری ہوگئی۔ یہ صاحب عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ تھے۔ اُن کے شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ بدر سے موتہ (جس میں شہادت کے رتبہ سے سرفراز ہوئے) تک کوئی غزوہ ایسا نہیں تھا، جس میں اُنہوں نے آپؐ کے ہمرکاب ہو کر سرفروشی اور جانبازی کا حق ادا نہ کیا ہو۔

غزوۂ بدر کے بعد آپؐ نے حضرت عبداللہ بن روحہؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کو فتح کی خوشخبری سنائی۔ حضرت عبداللہ رواحہؓ نے مدینہ کی شمالی آبادی کو اور حضرت زید بن حارثہؓ نے جنوبی حصہ شہر کو یہ مژدۂ فتح سنایا۔ پھر 4ھ میں آپؐ ایک غزوہ میں تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ 5ھ میں غزوہ احزاب پیش آیا۔ اس میں سارے مشرکینِ عرب مدینہ پر چڑھ آئے اور مسلمانوں کو شہر کے گرد خندق کھود کر اپنا دفاع کرنا پڑا۔ محاصرہ کے دوران میں مدینہ منورہ کے یہود بنو قریظہ نے غداری پر کمر باندھی لیکن آپؐ کی بروقت تدابیر نے اُن کو کھیل کھیلنے کا کوئی موقع نہ دیا۔ اس نازک موقع پر آپؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو دوسرے صاحبِ اثر مسلمانوں کے ساتھ یہود بنو قریظہ سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے واپس آکر آنحضورؐ کو یہود کے عزائم بد سے آگاہ کیا۔

6ھ میں حدیبیہ کے مقام پر بیعتِ رضوان کے موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو اُن

Marfat.com

چودہ سو سرفروشوں میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا، جنہوں نے آپؐ کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی اور اِن سب کو بارگاہِ الٰہی سے 'اصحابِ شجرہ' کا لقب اور رضائے خداوندی عطا فرمائی۔ 7ھ میں خیبر فتح ہوا تو وہاں کی پیداوار کا تخمینہ لگانے کے لیے آپؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مامور فرمایا۔ انہوں نے یہ کام نہایت حسن وخوبی سے انجام دیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرتؐ نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس تبلیغی دعوت نامے ارسال کئے تھے۔ اِن میں ایک خط حضرت حارث بن عمیر کے ہاتھ حاکمِ بصرہ کے نام بھی بھیجا تھا۔ جب حارث بن عمیر موتہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں کے حاکم شرجیل غسانی نے اِن کو گرفتار کر کے شہید کر ڈالا، حالانکہ قاصد کا قتل کسی مذہب یا قانون میں جائز نہیں۔ جب آپؐ کو اپنے قاصد کی مظلومانہ شہادت کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ آپؐ نے جمادی الاوّل 8ھ میں اپنے قاصد حارث بن عمیر کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں مدینہ سے روانہ فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ اگر لڑائی میں زیدؓ بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب امیر لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ لشکر کی قیادت کریں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو مناسب سمجھیں اپنا امیر منتخب کر لیں۔ ایک یہودی بھی اِس موقع پر موجود تھا، اُس نے جب آپ کا ارشاد سُنا تو کہا کہ یہ تینوں ضرور مارے جائیں گے، کیونکہ پہلے انبیاء کے اِس قسم کے کلام کا یہی نتیجہ ہوتا تھا۔ تینوں بزرگوں نے کہا: آپؐ سچے نبیؐ ہیں، اگر ہماری قسمت میں شہادت لکھی ہے تو زہے قسمت۔ آپؐ نے ایک سفید عَلَم بنا کر حضرت زیدؓ کے حوالے کیا اور آپؐ خود لشکر کو خدا حافظ کہنے کے لیے مدینہ سے باہر تک تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اہلِ مدینہ سے رخصت ہونے لگے تو اُن کو پورا یقین تھا کہ اب اِس دنیا میں دوبارہ اِن لوگوں سے ملاقات نہ ہوگی۔

جب آپ لشکر کو خدا حافظ کہہ کر واپس مدینہ پلٹ گئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا جی بھر آیا اور اُن کی زبان پر بے ساختہ ایک شعر آ گیا، جس کا ترجمہ ہے ''اس ذات پر آخری سلام کہ مَیں نے جن کو کھجوروں کے درختوں میں رخصت کیا''۔

اس لڑائی میں حضرت زیدؓ بن حارثہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس کے

Marfat.com

بعد فرمانِ رسول اللہ کے مطابق حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے علَم سنبھالا، وہ بھی زخم کھا کر خلدِ بریں کو سدھارے اس کے بعد آپؐ کے ارشاد کے مطابق حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے لشکر کی قیادت سنبھال لی۔ پھر آپ شمشیر بدست علَم لے کر دشمنوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑے۔ لڑتے لڑتے انگلی میں شدید زخم آیا جس سے وہ لٹک گئی۔ حضرت عبداللہ گھوڑے سے اُتر پڑے اور پاؤں سے اُس انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا اور انگلی کو جسم سے آزاد کر دیا۔ خون زیادہ بہہ جانے سے سخت ناتوانی محسوس ہوئی۔ اِس کے بعد پھر مردانہ وار دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور دادِ شجاعت دیتے رہے۔ اِسی دوران دشمن کے کسی سپاہی نے برچھی کا ایسا وار کیا کہ آپ کے سینے سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا، پھر اِسی حالت میں مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا ''مسلمانوں، اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ''، یعنی دشمن میری لاش کو خراب نہ کرنے پائے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اُن کے گرد گھیرا ڈال دیا اور کفار کو پیچھے دھکیل دیا۔ اسی اثناء میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے لشکرِ اسلام کی کمان سنبھال لی۔ انہوں نے غازیانِ اسلام کو اپنے انداز سے مجتمع کر کے ایسا بھرپور وار کیا کہ دشمن کو پسپائی پر مجبور ہونا پڑا۔

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ جس وقت موتہ کے میدان میں مسلمان موت اور زندگی کی جنگ لڑ رہے تھے سیکڑوں میل دور مدینہ میں آپؐ مسجدِ نبویؐ کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپؐ کی آنکھوں سے سیلِ اَشک رواں تھا اور زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے ''علَم لیا زید نے اور وہ شہید ہوئے، علَم لیا اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اور اُس کو فتح دی گئی''۔

طبقات میں ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے تو آپؐ نے تینوں کے لیے فرداً فرداً نام لے کر دعائے مغفرت فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے دِل میں دین کی راہ میں سر کٹوانے کی آرزو مچلتی رہتی تھی۔ اللہ نے اُن کی آرزو پوری کر دی۔ آپ سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں۔

Marfat.com

حضرت زید بن خطابؓ

آپ کا نام زید، والد کا نام خطاب اور ابو عبدالرحمٰن کنیت تھی۔ آپ کا تعلق قریش کے خاندان بنو عدی سے تھا۔ آپ حضرت عمر فاروقؓ کے سوتیلے بھائی تھے۔ حضرت زید بن خطابؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ آپ اُن عظیم المرتبت ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے بعثتِ نبویؐ کے ابتدائی برسوں کے دوران دعوتِ حق پر لبیک کہا اور پھر سالہا سال تک مشرکینِ مکہ کے مظالم سہتے رہے۔

نبوت کے تیرھویں سال جب اللہ اور اُس کے رسولؐ نے مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ سے ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت زید بن خطابؓ بھی مہاجرین کے پہلے قافلے کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ ہجرت کے چھٹے مہینے حضورؐ نے حضرت ابوطلحہؓ انصاری (خادمِ رسولؐ حضرت انسؓ کے سوتیلے والد) کے مکان پر انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور اُن میں مواخات قائم کی۔ حضورؐ نے حضرت زیدؓ بن خطاب کو حضرت معنؓ بن عدی انصاری کا دینی بھائی بنایا۔ پھر 2ھ میں بدر کے مقام پر حق و باطل کے درمیان پہلا معرکہ ہوا تو حضرت زیدؓ بن خطاب کو اصحابِ بدر میں شامل ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا اور اس کے اگلے سال غزوۂ اُحد میں انہوں نے جس جوش و خروش سے دادِ شجاعت دی، وہ بھی ایک مثال ہے۔ حضرت زیدؓ بن خطاب قمیض اور زرہ سے بے نیاز ننگے بدن مشرکینِ مکہ کی صفوں کی طرف بڑھ رہے تھے، حضرت عمرِ فاروقؓ نے اُنہیں اس حالت میں دیکھا تو بیتاب ہو گئے۔ آپ نے آگے بڑھ کر حضرت زیدؓ کو روک لیا اور کہا

Marfat.com

''خدا کی قسم، میں آپ کو اس حالت میں دشمن کا مقابلہ نہیں کرنے دوں گا''۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے اپنی زرہ اتاری اور اُن کو پہنا دی۔ اُس وقت تو انہوں نے اپنے بھائی حضرت عمرؓ کی بات مان لی لیکن تھوڑی ہی دیر بعد زرہ اتار پھینکی اور پھر اپنا سینہ عریاں کیے ہوئے شمشیر ہاتھ میں پکڑے دشمن کی صفوں میں جا گھُسے۔ حضرت عمر فاروقؓ پھر دوڑے ہوئے اُن کے پاس گئے اور پوچھا ''آپ نے زرہ کیوں اتار دی''؟ حضرت زیدؓ نے کڑک کر کہا ''عُمر میرے راستے سے ہٹ جاؤ، اگر تم شہادت کے تمنائی ہو، میرے دل میں بھی شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ زرہ تو وہ پہنے جس کو اپنی زندگی عزیز ہو۔ میں تو اپنی زندگی راہِ حق کے نام وقف کر چکا ہوں''۔ حضرت عمرؓ اپنے بھائی کا یہ جواب سُن کر خاموش ہو گئے اور سر جھکائے ہوئے اپنی زرہ پکڑ کر واپس اپنی صف میں آ گئے۔

ادھر حضرت زیدؓ برہنہ بدن ہی دشمنوں کی صفوں میں گھُس گئے اور اس جوش اور جذبے سے لڑنے لگے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اُٹھی۔ یہ مردِ جری جنہیں شوقِ شہادت، قمیض اور زرہ سے بے نیاز اپنی زندگی سے بھی بیگانہ کر دیا تھا، یہ حضرت زیدؓ بن خطاب تھے۔

6ھ میں انہوں نے حدیبیہ کے مقام پر بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کی لازوال سعادت حاصل کی۔ آپ فتح مکہ کے بعد حنین اور طائف کے معرکوں میں بھی برابر رحمتِ عالمؐ کے ہمرکاب رہے۔ حجۃ الوداع 10ھ میں بھی آپ حضورِ اکرمؐ کے ساتھ تھے۔ حجۃ الوداع کے دنوں میں ایک دن سرورِ عالمؐ نے حضرت زید بن خطّاب کے سامنے یہ حدیث بیان فرمائی:

''جو تم کھاتے ہو، وہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ، جو پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کو پہناؤ، اگر وہ کوئی خطا کریں جو تم معاف نہ کر سکو، تو اُنہیں فروخت کر ڈالو''۔

غرض عہدِ رسالت میں شائد ہی کوئی ایسا شرف ہو جو حضرت زید بن خطابؓ نے حاصل نہ کیا ہو۔ وہ امام الانبیاءؐ کے اُن جانثاروں میں سے تھے جو حق کی حمائت میں ہمیشہ سر بکف رہتے تھے۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو مسیلمہ کذاب سے معرکہ آرا ہونے کا حکم دیا اور اُن کی کمک کے لیے تازہ دم فوج روانہ کی۔ اس فوج میں انصار کے

Marfat.com

سردار حضرت ثابتؓ بن قیس اور مہاجرین کے امیر حضرت زیدؓ بن خطاب تھے۔ یمامہ کے مقام پر مسلمانوں اور مسیلمہ کے لشکر کا آمنا سامنا ہوا۔ مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی جبکہ مسلمانوں کی کل تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔ لڑائی کے دوران حضرت زیدؓ کا سامنا مسیلمہ کے ایک حواری نہار سے ہوا۔ نہار وہ بدبخت شخص تھا جو عہدِ رسالتؐ میں پہلے ہجرت کر کے مدینہ چلا گیا تھا اور سرورِ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے قرآنِ حکیم اور دینی مسائل کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جب ضروری تعلیم حاصل کر چکا تو حضورِ اکرمؐ نے اُسے اہلِ یمامہ کی تعلیم پر مامور فرما کر یمامہ بھیج دیا۔ یہ بدقسمت یمامہ پہنچ کر مسیلمہ کذّاب سے جاملا اور نہایت بے حیائی اور ڈھٹائی سے مسیلمہ کے جھوٹے دعوے کی اِن الفاظ میں شہادت دی کہ میں نے خود رسول اللہ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ نعوذُ باللہ مسیلمہ میری نبوّت میں شریک ہے'' چونکہ نہار آنحضرتؐ کی خدمت میں رہ چکا تھا اور حضورؐ کی جانب ہی سے معلّم اور مبلّغ بن کر آیا تھا، اس لیے ہزاروں لوگ اُس کی چکنی چپڑی باتوں سے گمراہ ہو گئے اور اُنہوں نے مسیلمہ کا جھوٹا دعویٰ تسلیم کر لیا۔

میدانِ جنگ میں جب اُس کا مسلمانوں سے سامنا ہوا تو حضرت زیدؓ بن خطاب جوشِ غضب سے بیقرار ہو گئے اور تیر کی طرح اُس پر جھپٹے۔ نہار ایک آزمودہ کار جنگجو شخص تھا۔ اُس نے نہایت ہوشیاری سے حضرت زیدؓ کا مقابلہ کیا اور اُن کے جوشِ ایمانی کے سامنے اُس کی کچھ پیش نہ چلی اور وہ حضرت زیدؓ کے ہاتھوں بُری طرح مارا گیا اور مسلمانوں سے دغابازی کی سزا پا کر واصلِ جہنّم ہوا۔

حضرت زیدؓ بن خطاب نے شمشیر بکف ہو کر مرتدین پر حملہ کیا اور اُن کی صفوں کو درہم برہم کرتے دور تک چلے گئے۔ بالآخر مرتدین نے نرغہ کر کے حضرت زیدؓ پر تلواروں اور برچھیوں کی بارش کر دی۔ بنو عدی کے یہ شیر اور حق کے جانباز سپاہی جامِ شہادت نوش فرما کر خلدِ بریں کو پہنچ گئے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور پھر مرتدین پر اِس زور کا حملہ کیا کہ اُن کے قدم اُکھڑ گئے۔ اِسی اثناء میں مسیلمہ کذّاب بھی حضرت وحشی (جن کے ہاتھوں میدانِ اُحد میں حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ نے جامِ شہادت نوش

Marfat.com

فرمایا تھا) کے ہاتھوں مارا گیا۔ اِس کے بعد مُرتدین اپنے حواس کھو بیٹھے اور میدانِ جنگ میں اپنے دس ہزار مقتولین چھوڑ کر تتر بتر ہو گئے۔ اس فتنۂ عظیم کے لیے حضرت زیدؓ بن خطاب اور اُن جیسے دوسرے جانبازوں نے جس شجاعت، استقامت اور دشمن کے مقابلے میں مزاحمت کا مظاہرہ کیا وہ بلاشبہ تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے۔

حضرتِ عمر فاروقؓ کو حضرت زیدؓ سے بے پناہ محبت تھی۔ اس محبت کی وجہ صرف یہ نہیں کہ زیدؓ بن خطاب اُن کے برادر بزرگ تھے بلکہ اس لیے کہ حضرت زیدؓ اپنی جاں راہِ حق میں قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اُن کے اِس جذبہ کی وجہ سے حضرت عمرؓ اُن سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت زید بن خطّاب کے شہید ہونے کی خبر سنی تو وہ فرطِ غم سے نڈھال ہو گئے اور فرمانے لگے۔ ''زید دو نیکیوں میں مجھ سے فضیلت لے گیا ایک قبول اسلام میں پہل کرنے میں دوسرے جامِ شہادت نوش کرنے میں پہل کرنے میں''۔ صدمہ اتنا شدید تھا کہ بھلائے نہ بھولتا تھا۔

ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''بادِ صبا چلتی ہے تو مجھے اُس میں زیدؓ کی خوشبو آتی ہے اور اِس کے ساتھ ہی اُن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے''۔

Marfat.com

حضرت سعد بن مُعاذؓ

ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل جناب رسالت مآبؐ نے سعید الفطرت شہریوں کی درخواست پر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے لیے مدینہ بھیجا تھا۔ مدینہ میں قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبدالاشہل کے سردار حضرت سعد بن مُعاذ تھے۔ انہوں نے جب یہ سُنا کہ مسلمانوں کے نبیؐ نے ایک شخص کو اشاعتِ اسلام کے لیے یہاں بھیجا ہے اور وہ اُن کے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کو دینِ اسلام کی دعوت دینے میں مشغول ہے تو وہ یہ سُن کر بہت آگ بگولہ ہو گئے لیکن اپنے خالہ زاد بھائی کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لی۔

اُس وقت سعد بن مُعاذ ابھی حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ ایک دن کسی نے سعد بن مُعاذ کو اطلاع دی کہ مصعبؓ بن عمیر اور اسعد اُن کے قبیلہ کے باغ میں بیٹھ کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں تو اِن کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انہوں نے اپنے چچا زاد کو بُلا کر کہا کہ تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ دیکھو یہ دونوں ہمارے گھروں میں آ کر ہمارے ہی لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ تم جاؤ اور اُنہیں سختی سے منع کر دو کہ وہ آئندہ اوس کے محلوں میں نہ آئیں۔

جب حضرت مصعبؓ بن عمیر اور اسعد نے اپنے قبیلہ کے دو بڑوں کو ادھر آتے دیکھا تو مصعبؓ کے کان میں کہا کہ یہ عبدالاشہل کے دو بڑے سرداروں میں سے ایک ہیں۔ اگر یہ دینِ حق قبول کر لیں تو ہمیں بڑی تقویت ملے گی۔ آپ پوری کوشش کریں کہ یہ کُفر کی دلدل سے نکل آئیں''۔ اُسید قریب آتے ہی داعیانِ حق پر برس پڑے اور حضرت مصعبؓ بن عمیر سے

Marfat.com

مخاطب ہو کر فرمایا "تم ہمارے آدمیوں کو بیوقوف بنا رہے ہو، اپنی خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے خاموشی سے واپس چلے جاؤ"۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اُن کی غضب آلود گفتگو بڑے تحمل سے سُنی اور نہایت نرمی سے فرمایا "عزیز بھائی، آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر تحمل سے میری بات سُنیں اگر پسند آئے تو قبول کرلیں ورنہ رد کردیں" حضرت مصعبؓ کی نرم گفتگو سے آگ پر پانی کے چھینٹوں کا کام کیا اور وہ یہ کہہ کر بیٹھ گئے کہ 'اچھا' کیا کہتے ہو"؟

اُن کے خاموشی سے بیٹھنے پر حضرت مصعبؓ بن عمیر نے نہایت دلنشیں انداز میں اسلام کے اصول بیان کیے اور پھر قرآنِ حکیم کی چند آیات تلاوت کیں۔ اُسید بے اختیار پکار اٹھے، واہ کیا اچھا دین ہے اور کیا اعلیٰ کلام ہے، بھائی مجھے اپنے دین میں داخل کرو، گویا وہ حضرت مصعبؓ کی پُر اثر گفتگو سُن کو مچل پڑے اور دینِ اسلام میں داخل ہونے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ نے اُنہیں غُسل کرنے اور پاک صاف رہنے کی تلقین کی اور پھر اُن کو کلمۂ شہادت پڑھوا کر قبولِ اسلام کا اعلان کروایا۔

جب سعد بن معاذ نے بھی صدقِ دل سے اسلام قبول کرلیا تو سارے خاندان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے عاقل اور معاملہ فہم ہیں۔ سعد بولے تو سُن لو کہ میں نے دینِ حق قبول کرلیا ہے اور جب تک تم بھی سب مِل کر خدائے واحد اور اُس کے رسولؐ پر حق ایمان لے آؤ، اسی میں ہم سب کی بھلائی اور بہتری ہے۔ حضرت سعد کا اپنے خاندان میں بے پناہ اثر ورسوخ تھا۔ جو باقی رہ گئے تھے، شام تک سارے مسلمان ہو گئے اور مدینہ کے بام و دَر تکبیر کے نعروں سے گونج اُٹھے۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت سعد بن معاذ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اپنا خاص مہمان بنالیا۔ پورے قبیلے کو ایک ہی دن میں دائرہ اسلام میں داخل کرلینا حضرت سعد بن معاذؓ کا ایک ایسا کارنامہ تھا جس میں کوئی دوسرا اُن کا حریف نہیں۔ ہجرتِ نبویؐ کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ نے آپؐ اور مہاجرین صحابہ کی خدمت اور اعانت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ آپ اکثر دربارِ رسالتؐ میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہوتے۔

رمضان 2ھ میں غزوۂ بدر کا معرکہ پیش آیا۔ لڑائی پر روانہ ہونے سے قبل حضرت

Marfat.com

ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت مقدادؓ نے اِس موقع پر پر جوش تقاریر کیں اور آپ کو یقین دلایا کہ ہم راہِ حق میں اپنی جانوں کی پرواہ نہیں کریں گے۔ تقریریں کرنے والے یہ تینوں جانباز مہاجر تھے۔ آپؐ اہلِ انصار کا منشاء بھی معلوم کرنا چاہتے تھے۔ مہاجرین کی تقاریر کے بعد رئیسِ اوس حضرت سعد بن معاذؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور پُر جوش لہجہ میں عرض کیا 'یارسول اللہ! ہم آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی، آپؐ کی فرمانبرداری کا دِل سے عہد کیا۔ ربِ اکبر کی قسم، جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا، آپؐ اگر ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم کود جائیں، ہمارا ایک تنفس بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ انشاءاللہ آپؐ ہمیں میدانِ جنگ میں ثابت قدم پائیں گے۔ اللہ ہماری طرف سے آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائے۔ حضرت سعدؓ کا جوش جہاد اور جذبہ دیکھ کر آپؐ کا چہرہ اقدسؐ فرطِ انبساط سے چمک اُٹھا۔

لشکر کی ترتیب کا وقت آیا تو آپؐ نے قبیلہ اوس کا علم حضرت سعد بن معاذؓ کو اپنے دستِ مبارک سے عطا فرمایا۔ غزوہ بدر میں حضرت سعد بن معاذؓ نے امیہ بن خلف کے بارے میں آپؐ کی پیش گوئی کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لیا۔ مشرکین میں جب بھگدڑ مچی تو امیہ اور اُس کا بیٹا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ وہ اُنہیں لے جا رہے تھے کہ حضرت بلالؓ نے دیکھ لیا۔ انہوں نے زور سے آواز دی ''مشرکین کا سرغنہ امیہ بن خلف ہے، دیکھنا بچ کے نہ جانے پائے''۔ اُن کی آواز سُن کر مسلمان امیہ اور اُس کے بیٹے پر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً دونوں کو واصلِ جہنم کر دیا (یہ اُمیہ بن خلف ہی تھا جو حضرت بلالؓ پر اُن کے ایامِ غلامی میں ظلم و ستم ڈھاتا رہا، آج اپنے انجام کو پہنچ گیا)۔

غزوۂ احد میں حضرت سعد بن معاذؓ کو آستانۂ نبوّت کی پاسبانی کا شرف ہوا۔ اِس معرکہ میں آپ کے بھائی عمرو بن معاذؓ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ عمرو بن ثابت جو غزوہ میں روانگی کے وقت گھر سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے تو دیکھا کہ محلّہ سنسان پڑا ہوا تھا، پوچھا لوگ کہاں گئے؟ جواب ملا ''آپؐ کے ہمراہ اُحد گئے ہیں''۔ یہ سُن کر طبیعت میں جوش پیدا ہوا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھے اُحد میں بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور پوچھا ''حضورؐ فرمائیے کہ پہلے اسلام قبول کروں یا آپؐ کی حمایت میں لڑوں''؟ آپؐ نے فرمایا ''دونوں کام

Marfat.com

کرو، پہلے اسلام قبول کرو اور پھر راہِ خدا میں لڑو" عرض کی "یارسول اللہ! میں نے تو دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھی، اگر لڑائی میں کام آ گیا تو کیا میری مغفرت ہو جائے گی"؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں اسلام لانے سے پہلے کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اللہ بڑا غفور الرحیم ہے" یہ سُن کر اُسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت کے درجہ پر سرفراز ہوئے۔

صحابہ کرامؓ کو جب کبھی یہ واقعہ یاد آتا تو ایک دوسرے سے پوچھتے "بھلا وہ کون خوش قسمت شخص تھا جس نے ایک وقت کی نماز بھی نہ پڑھی اور سیدھا جنت میں گیا؟ جواب ملتا "عمرو بن ثابتؓ"۔

حضرت سعد بن معاذؓ نے 5ھ میں جنگ خندق میں بھی حصہ لیا، جس میں آپ کو شدید زخم آئے۔ غزوہ خندق کے بعد آپؐ نے حکمِ الٰہی کے مطابق بنی قریظہ (یہودیوں) کے محلّے کا محاصرہ کر لیا اور اتنی سختی برتی کہ چند ہی دنوں کے بعد انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ اُن کے معاملے میں رئیس الاوس حضرت سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں گے اُسے ہم مان لیں گے۔ اِن غداروں نے حضرت سعد کو اس امید پر ثالث تسلیم کیا کہ وہ اُن کا لحاظ کریں گے کیونکہ قبیلہ اوس اور بنو قریظہ میں آپس میں مدتوں سے حلیفانہ تعلقات قائم تھے۔ آپؐ نے حضرت سعدؓ کو بلا بھیجا۔ وہ بیماری کی حالت میں موقع پر پہنچے۔ پھر آپؐ نے یہود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ "یہ لوگ تمہارے فیصلے کے منتظر ہیں"۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں فیصلہ دیتا ہوں کہ اِن کے لڑنے والے تمام مرد قتل کیے جائیں۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور اُن کی املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے۔" آپؐ نے فرمایا "سعدؓ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا"۔

اس فیصلے کے چند دن بعد حضرت سعدؓ کی علالت خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ داغے جانے کے بعد اُن کے ہاتھ کے زخم سے خون بہنا رُک گیا تھا لیکن ہاتھ پھول گیا۔ ایک دِن اُن کا زخم کھل گیا اور خون کا پرنالہ جاری ہو گیا اور اِس کے کچھ دیر بعد اُن پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت سعدؓ کا سر اپنے زانوئے اقدس پر رکھا اور فرمایا:

Marfat.com

''الٰہی! تیری راہ میں سعدؓ نے بڑی زحمت اٹھائی، اُس نے تیرے رسولؐ کی تصدیق کی، بارِالہا! اِس کی روح کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کر جیسا کہ اپنے دوستوں کی رُوح کے ساتھ کرتا ہے''۔

حضرت سعدؓ نے آپؐ کی آواز سن کر آنکھیں کھولیں اور السلام علیکم کہہ کر اپنا سر زانوئے مبارکؐ سے علیحدہ کرلیا تا کہ ادب میں گستاخی نہ ہونے پائے۔ آپؐ نے انہیں مسجد سے اُن کے گھر منتقل کروادیا جہاں انہوں نے چند لمحوں کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت سعدؓ کی وفات کے بعد مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور بے اختیار رونے لگے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کی آخری آرامگاہ کھودنے کی خدمت حضرت ابوسعیدؓ خدری نے انجام دی۔ اُن کا بیان ہے کہ جنت البقیع میں جب اُن کی قبر کھودرہا تھا تو مجھے اس میں سے مُشک کی خوشبو آرہی تھی۔

آپ کی والدہ کبشہؓ بھی صحابیہ تھیں جو نامور فقیہہ اور جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعیدؓ خدری کی چچازاد بہن تھیں۔

Marfat.com

حضرت سعد بن عبادہؓ

آپ کا نام سعد، ابو ثابت کنیت اور لقب سیّد الخزرج تھا۔ آپ کے والد بنوخزرج قبیلہ کے سردارِ اعظم تھے۔ آپ مذہباً پہلے بُت پرست تھے۔ بچپن ہی سے تیراندازی، تیراکی، لکھنا پڑھنا بڑے اہتمام سے سیکھا، جس کی وجہ سے آپ شروع ہی سے عربی بولنے، لکھنے پڑھنے اور تقریر کرنے میں بہت مشہور تھے۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ 13 ن (نبوت) میں آپ آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ہجرت کے بعد آپ رسولِ اکرمؐ کے سچے دِل سے دست و بازو بنے۔ اسلام کی اشاعت اور غلبے کے لیے ہر طرح سے جان لڑا کر کام کیا۔ آپ انصارِ مدینہ کے سردار اور زبردست خطیب جانے جاتے تھے۔ اِس لیے آنحضورؐ آپ کی آواز کو انصار کی آواز مانتے تھے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر آنحضرتؐ نے جب انصار اور مہاجرین کو جمع کر کے مشاورت کی تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے انصارِ مدینہ کی طرف سے اپنی مدد اور تعاون کا اِن الفاظ میں یقین دلایا جو اپنے زورِ بیاں اور بلاغت میں بے نظیر ہے۔ ''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آپ حکم دیں تو سمندر پامال کر ڈالیں اور اگر خشکی کا حکم دیں تو برکِ غماد اونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں''۔

آپ ایک نڈر، بے باک اور جری جوان تھے۔ کسی معاملے میں ذلت و ہزیمت گوارا نہ تھی۔ ایک دفعہ غزوۂ خندق کے موقع پر آنحضورؐ نے آپ اور حضرت سعد بن معاذؓ کو ایک مشورہ

Marfat.com

کے لیے طلب کیا۔ عینیہ بن حصن کو مشرکینِ مکہ کی امداد سے باز رکھنے کے لیے ایک تجویز زیرِ غور تھی۔ حضورؐ نے بتلایا کہ عینیہ مدینہ کا پیداوار کا نصف مانگتا ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا ''کہ جناب اگر یہ وحی ہے تو انکار کی مجال نہیں ورنہ اِس بات کا جواب تو صرف تلوار ہے، خدا کی قسم، ہم اُس کو پھل کے بجائے تلوار کا پھل دیں گے''۔ آنحضرتؐ نے بتلایا ''یہ تجویز قطعاً کوئی وحی نہیں''۔ اس پر حضرت سعدؓ کہنے لگے 'اب پھر لازماً اس کا جواب تلوار ہوگا۔ ہم نے جاہلیّت میں بھی ایسی ذلّت کبھی گوارا نہیں کی اور اب تو آپؐ کی وجہ سے اللہ نے ہم کو ہدایت بخشی ہے''۔ آنحضورؐ آپ کے اس جواب پر بہت خوش ہوئے اور دونوں کو دعائے خیر دی۔

فتح مکہ کے روز حضورِ اکرمؐ کا جھنڈا حضرت سعدؓ کو بخشا گیا۔ نبی اکرمؐ کی رحلت کے بعد آپؓ کو انصار نے خلیفہ نامزد کرنے کے لیے اجتماع کیا۔ حضرت سعدؓ کو تمام مسلمانوں میں سیّد الانصار ہونے کی وجہ سے وجاہت اور امارت میں ایک انفرادیت حاصل تھی۔ اُس وقت حضرت سعدؓ بیمار تھے۔ انصار انہیں اٹھا کر اجتماع میں لائے اور مسند پر تکیہ کے سہارے بٹھا دیا۔ حضرت سعدؓ نے اس موقع پر جو خطبہ دیا اُس کا ماحصل یہ تھا کہ انصار کو جو شرف اور سبقت فی الدین حاصل ہے عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں۔ آنحضورؐ دس برس سے زیادہ اپنی قوم میں رہے لیکن اِن کو کسی نے نہ سُنا اور جو لوگ اُن پر ایمان لائے، وہ تعداد میں نہایت کم ہونے کی وجہ سے آپؐ کی کوئی زیادہ مدد نہ کر سکے۔ وہ دین سربلند کرنے اور اپنی حفاظت کرنے میں عاجز تھے۔ خدا نے انصار کو یہ فضیلت بخشی کہ وہ ایمان لائے اور مسلمانوں کے لیے پناہ گاہ اور مددگار بنے۔ آنحضورؐ کو اُنہوں نے اپنی جان اور مال سے عزیز سمجھا اور انہوں نے اُن کے دشمنوں سے جہاد کیا۔ یہاں تک کہ سارا عرب خلافتِ الٰہی میں شامل ہو گیا اور بعید و قریب کے سب لوگوں کی اکڑی گردنیں اُن کے سامنے جھک گئیں۔

حضرت سعد بن عبادہؓ خلافتِ صدیقؓ تک مدینہ میں ہی مقیم رہے۔ بعد میں ترکِ وطن کر کے شام کی سکونت اختیار کر لی۔

Marfat.com

حضرت ابوطلحہؓ

آپ کا نام زید بن سہل تھا۔ انصاریوں کے قبیلہ بنونجار سے آپ کا تعلق تھا۔ آپ پہلے مُشرک تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک کی والدہ حضرت اُمِ سلیم اور حضرت انسؓ کے والد مالک بن نضر کے درمیان علیحدگی ہوگئی تو حضرت طلحہؓ نے اسلام قبول کر کے اُن سے نکاح کیا۔ ہجرت کے بعد حضورِ اکرمؐ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ سے اِن کا بھائی چارہ قائم کیا۔ غزوہ اُحد میں نبی کریمؐ کا مُشرکوں سے دفاع کرتے ہوئے آپ کو 35 سے زیادہ زخم آئے۔

آپ مدینہ میں کھجور کے باغات کے مالک ہونے کی وجہ سے سارے انصار سے مال دار تھے۔ آپ کو اپنے باغات میں سے 'بیرَحاء' نامی باغ جو مسجدِ نبویؐ کے بالکل سامنے تھا زیادہ پسند اور عزیز تھا۔ جناب رسولِ اکرمؐ اس باغ میں وقتاً فوقتاً تشریف لے جایا کرتے اور اِس کا میٹھا پانی پیا کرتے۔ حضرت انسؓ جو اِن کے سوتیلے بیٹے بھی تھے، کہتے ہیں کہ جب یہ آیت

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آلِ عمران 92)

''جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے، ہرگز بھلائی نہ پا سکو گے''۔ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہؓ رسولِ اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

اے اللہ کے رسولؐ اس قرآنی آیت کی روشنی میں، میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مال ''بیرَحاء'' کا باغ ہے، میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ اس کی نیکی،

Marfat.com

بھلائی اور اِس کے ذخیرۂ آخرت ہونے کا امیدوار ہوں۔ لہٰذا اللہ کے حکم کے مطابق جہاں آپؐ چاہیں، اسے خرچ کریں۔

رسول اکرمؐ نے حضرت ابوطلحہؓ کی اس عظیم سخاوت پر ارشاد فرمایا ''بہت خوب، یہ تو بہت ہی نفع بخش سودا ہے، تم یہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دو'' جناب حضرت ابوطلحہؓ نے وہ باغ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اپنے قریبی رشتہ داروں اور اپنے چچا کے لڑکوں میں تقسیم کر دیا۔

حضرت ابوطلحہؓ نے 34ھ میں حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں 70 سال کی عمر میں وفات پائی۔

Marfat.com

حضرت عُثمان بن مظعونؓ

(وہ پہلی برگزیدہ ہستی جو جنت البقیع میں دفن ہوئی)

حضرت عثمان بن مظعونؓ خاندانِ قریش کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عثمانؓ بن مظعون بن حبیب بن دہب بن خذّافہ بن جمع بن عمرو بن کعب بن لوی بن غالب۔ آپ کی شادی حضرت خولہ بنت حکیم سے ہوئی جو بنوسلیم سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت خولہ رشتہ میں آنحضرتؐ کی خالہ تھیں۔ یہ حضرت خولہ وہی خاتون ہیں جنہوں نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے فوت ہونے کے بعد آپؐ کی تنہائیوں کو بانٹنے کے لیے حضرت سودہؓ سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ حضرت خولہ حضرت خدیجہؓ کی بہن تھیں۔

حضرت عثمان بن مظعون اور اُن کی زوجہ محترمہ حضرت خولہؓ بنت حکیم دونوں کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیم سے نوازا تھا۔ جب رحمتِ دوعالمؐ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو اُن دونوں نے بلا تامّل اُس پر لبیک کہا اور السابقون الاوّلون کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ جن دنوں آپ نے اسلام قبول کیا اُن دنوں اسلام کا کھلے عام قبول کرنا کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ شہادت گاہِ عشق میں قدم رکھنے کے مترادف تھا۔ جو شخص سعادتمندی سے ایمان قبول کرتا وہ کفار کے غیض وغضب کا نشانہ بن جاتا۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔

Marfat.com

جب مکہ میں دن بدن اسلام قبول کرنے والوں کے لیے حالات میں تلخی بڑھتی گئی تو آنحضورؐ نے مسلمانوں سے فرمایا ''بہتر ہے تم لوگ یہاں سے نکل کر حبشہ چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اِس مصیبت کو دور کرنے کی صورت پیدا نہ کرے تم لوگ وہیں قیام کرو''۔ حضورِ اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق سب سے پہلے گیارہ مردوں اور چار خواتین نے حبشہ کی راہ لی۔ ان اولین مہاجرینِ حبشہ میں حضرت عثمان بن مظعونؓ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی حضرت خولہؓ اور بیٹے حضرت سائبؓ کو مکہ میں ہی رہنے دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد اِن مہاجرین کو یہ خبر ملی کہ رسول اللہؐ اور کفار کے درمیان صلح ہوگئی ہے کیونکہ کفار نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ یہ خبر سُن کر بیشتر مہاجرین عازمِ مکہ ہوگئے۔ مگر واپسی پر مکہ شہر کے قریب یہ معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے۔ باہم مشورے کے بعد انہوں نے طے کیا کہ اب واپس جانا مناسب نہیں چنانچہ اُن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہوگیا۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون نے ولید بن مغیرہ (حضرت خالد بن ولید کے باپ) کی پناہ لی لیکن انہوں نے دیکھا کہ دوسرے مسلمان بدستور مشرکین کے ظلم و ستم کا ہدف بن رہے ہیں تو انہوں نے ولید کی پناہ واپس کردی۔ لیکن جب مشرکینِ مکہ کا مسلمانوں پر ظلم شدید سے شدید تر ہوتا گیا تو 6ن میں حضورؐ نے پھر ہدایت فرمائی کہ یہ مظلوم لوگ حبشہ ہی کی طرف ہجرت کر جائیں، چنانچہ 85 افراد پر مشتمل ایک قافلہ عازمِ حبشہ ہوگیا۔ اس قافلے میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کے دو بھائی حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعونؓ اور اُن کے فرزند حضرت سائبؓ بھی شامل تھے۔ اللہ کے یہ پاکباز بندے کئی سال تک حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ پھر جب حضورؐ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا تو حضرت عثمان بن مظعونؓ بھی اپنے فرزند سائب اور بھائیوں کے ہمراہ مدینہ ہجرت کر گئے اور وہاں کچھ عرصہ بعد آنحضورؐ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ اور بھائیوں کو تعمیرات کے لیے زمین کے قطعات دے دیے۔

2ھ میں غزوہ بدر سے قبل حضرت عثمان بن مظعونؓ سخت علیل ہوگئے۔ اُن کے اہل

Marfat.com

خاندان اور انصاری بھائیوں نے بڑی دلسوزی کے ساتھ اُن کی تیمارداری کی لیکن اُن کا مرض روز بروز شدت اختیار کرتا گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ حضورؐ کو اُن کی وفات کی خبر سُن کر سخت صدمہ ہوا۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ آنحضورؐ کے بہت جلیل القدر صحابی تھے۔ آپؐ افسردہ چہرہ کے ساتھ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ آنحضرتؐ نے تین مرتبہ جھک کر آپ کی میت کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ وہ پہلی برگزیدہ ہستی ہیں جو جنتُ البقیع میں دفن ہوئیں۔ اس مبارک قبرستان میں پہلے اُگے ہوئے بہت سے درخت تھے۔ اِن درختوں کو صاف کیا گیا اور جنت البقیع میں سب سے پہلی قبر کھود کر اُس میں آپ کو دفن کیا گیا۔ یہ ایک ایسا مبارک وجود تھا جس کی پیشانی کو رحمت اللعلمینؐ نے بوسے دیے۔ یہی وہ جسدِ اطہر تھا جس کی قبر کے سرہانے میں آنحضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے نشانی کے طور پر پتھر نصب فرمایا۔ یہ وہ سعادت نصیب اور خوش بخت مقربینِ رسولؐ میں سے تھے جن پر جنابِ رسولؐ اللہ نے اپنی محبت و شفقت، رضا و خوشنودی کی مہر ثبت کردی۔ حضورؐ کا اُن کے جسم کو بوسہ دینا جنتُ الفردوس کی نوید و بشارت تھی۔ جس خوش نصیب سے سیّدُ الکونینؐ راضی ہوئے اُس کو عدم کی کٹھن منزلوں پر کوئی تکلیف چھو نہیں سکتی۔

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا عثمان بن مظعونؓ کو جنت البقیع میں دفن کرو، یہ مقدۃُ الجیش ہوں گے۔ رسولِ کریمؐ کے یہ الفاظ اِس خوش قسمت صحابی کی قسمت تھے۔

اے عثمان بن مظعونؓ تو کتنا خوش قسمت انسان ہے جس نے زندگی اور آخرت کی منزل میں رسول اللہؐ کی رضا کے مہکتے ہوئے پھولوں سے اپنا دامن بھرلیا۔ یہ تمہارے لیے بہترین زادِ راہ ہے۔

جب حضورِ اکرمؐ کی لختِ جگر حضرت رقیہؓ کا وصال ہوا تو آپؐ فتح بدر سے واپس آکر جنتُ البقیع گئے اور آپؐ نے فرمایا ''عثمان بن مظعونؓ پہلے جاچکے اب تم بھی اُن سے جا ملو''۔

پھر جب حضورِ اکرمؐ کے سب سے چھوٹے لختِ جگر حضرت ابراہیمؑ کا اٹھارہ ماہ کی عمر میں انتقال ہوا تو آپؐ نے فرمایا ''میرے بیٹے کو جنتُ البقیع میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کے

Marfat.com

احاطے میں دفن کرو"۔

اِس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جنتُ البقیع کا جو بھی مقام ہے وہ اپنی جگہ مصدقہ ہے لیکن اس میں احاطۂ عثمان بن مظعونؓ کا اپنا ایک خاص بلند مقام بھی ہے۔

Marfat.com

حضرت خباب بن ارتؓ

آپ کا نام خباب تھا کنیت ابو عبداللہ اور والد کا نام ارت تھا۔ آپ قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نبوت سے 23 سال قبل 17 عام الفیل کو پیدا ہوئے۔ آپ کو عہدِ جاہلیت میں ڈاکوؤں نے غلام کی حیثیت سے مکہ میں بیچ دیا تھا۔ آپ کی مالکن کا نام امِ انمار بنت سجاع تھا جو بہت ظالم خاتون تھی۔

حضرت خباب اُن سعادتمند بزرگوں میں سے تھے جنھوں نے اوائل ہی میں اسلام کی حقانیت کو پہچانا اور آنحضرتؐ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ قرآن نے ایسے نیک اور سعادت مند لوگوں کو السابقون الاوّلون کہا ہے۔ حضرت خباب اسلام قبول کرنے والے چھٹے مسلمان تھے، اسی بنا پر آپ کو 'سادس الاسلام' کہا جاتا ہے۔ اُس وقت ابھی آنحضرتؐ دارِ ارقم میں قیام پذیر نہیں ہوئے تھے۔

اسلام کا ابتدائی دور اُن مسلمانوں کے لیے انتہائی کٹھن، اذیّت ناک اور صبر آزما تھا۔ آنحضرتؐ اپنے چچا ابوطالب کی وجہ سے محفوظ تھے اور حضرت ابوبکرؓ صدیق اپنی قوم میں ممتاز تھے، اِس لیے وہ بھی کفار کے شر سے امن میں تھے۔ حضرت خبابؓ غلام تھے کوئی اُن کا دوست اور مددگار نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو منکرین اسلام کا غیظ و غضب اُن کے خلاف اُبل پڑا۔ یہ اُن مصیبت زدہ لوگوں میں سے تھے جن کو لوہے کی زرہیں پہنا کر آگ برساتی دھوپ میں لٹا دیا جاتا تھا اور سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا جاتا تھا۔ لوہے کی گرمی

Marfat.com

سے اِن کا جسم تپنے لگتا، لیکن اِن تمام سختیوں کے باوجود جو زبان توحید کی مٹھاس سے آشنا ہو چکی تھی وہ بھلا کس طرح اُن کے ظلم و ستم سے مرعوب ہو کر کلمہ حق سے انحراف کرتی۔ رحمتِ دو عالمؐ حضرت خبابؓ کی ان مصیبتوں کا حال سُن کر انتہا درجہ ملول ہوتے۔

اُمّ انمار کو سرورِ عالمؐ کی اِن دلجوئیوں کا علم ہوتا تو اپنے ظلم و ستم میں اور شدّت پیدا کر دیتی اور لوہا آگ میں تپا کر حضرت خبابؓ کا سر داغتی۔ ایک بار جب حضرت خباب پر اُس ظالم عورت کے ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی تو حضرت خبابؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں درخواست کی کہ میرے لیے دربارِ خداوندی میں دعا فرمائیں کہ وہ مجھ کو اس عذاب سے نجات فرمائے۔ آپؐ نے بارگاہِ خداوندی میں ہاتھ اٹھا دیے اور بارگاہِ ربّ العزت میں فرمایا ''خدایا خبابؓ کی مدد کر''۔ آنحضرتؐ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ اُمّ انمار کے سَر میں ایسی تکلیف شروع ہوئی کہ وہ کُتوں کی طرح بھونکتی تھی۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ سَر کو داغ لگوانا چاہیے، چنانچہ حضرت خبابؓ گرم کیا ہوا لوہا لے کر اُمّ انمار کے سَر پر داغ دیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت خبابؓ سے فرمائش کی کہ تم نے مکہ میں اسلام قبول کرنے کے بعد جو مصیبتیں برداشت کی ہیں، اُنہیں بیان کرو۔ آپ نے اپنی پشت دکھائی تو حضرت عمرؓ بولے ''آج تک میں نے کسی شخص کی پشت نہیں دیکھی'' حضرت خبابؓ نے فرمایا ''آگ جلائی جاتی تھی اور اُس پر میرے جسم کو تپایا جاتا تھا یہاں تک کہ میری پشت کی چربی اُس کو بجھا دیتی تھی۔

جسمانی سزا کے علاوہ اسلام کے دشمنوں نے مالی نقصان پہنچانے میں بھی کمی نہیں کی۔ پیشے کے لحاظ سے حضرت خبابؓ لوہار کا کام کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں اُن کا ایک کافر پر (حضرت عمر بن العاصؓ کے والد عاص بن وائل) کچھ قرض تھا۔ آپ جب کبھی اپنا قرضہ وصول کرنے کا تقاضا کرتے تو وہ کہتا کہ میں اُس وقت تک ادا نہیں کروں گا جب تک تم محمدؐ کا دامن نہیں چھوڑو گے۔ حضرت خبابؓ فرماتے ''جب تک تو دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں نہیں آئے گا، میں حضرت محمدؐ کا دامن نہیں چھوڑوں گا''۔ اس پر وہ بولتا ''اچھا میں مر کر دوبارہ زندہ ہوؤں گا اور اپنے مال و دولت کی طرف لوٹ کر آؤں گا تب تمہارا قرضہ ادا کروں گا''۔ اس واقعہ پر قرآن مجید

Marfat.com

کی یہ آیت نازل ہوئی:

''اے محمد، کیا تو نے اُس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا ہے اور اُس نے کہا کہ مجھ کو مال اور اولاد دی جائے گی۔ یہ شخص کیا غیب سے باخبر ہو گیا ہے یا اُس نے خدا سے عہد لے لیا ہے، ہرگز نہیں، یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اُس کے وارث ہوں گے اور یہ تنہا ہمارے سامنے لایا جائے گا''۔

(سورہ مریمؑ۔آیات 77 تا 80)

حضرت عمرِ فاروقؓ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ میں آپ کا ذکر اِس طرح آتا ہے کہ آپ حضرت عمرؓ کی بہن حضرت زینبؓ بنت خطاب اور اُن کے خاوند حضرت سعید بن زیدؓ (عشرہ مبشرہ) کو اُن کے گھر قرآنِ پاک کی تعلیم دینے جایا کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کی خبر ملی تو آپ غصّے سے لال پیلے ہو کر، ہاتھ میں ننگی تلوار لیے اپنے بہنوئی کے گھر پر اچانک پہنچ گئے۔ گھر میں خبابؓ بن ارت ہی اُن دونوں کو قرآن پاک پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کی آمد کا پتہ چلا تو دروازہ کھولنے سے قبل آپ گھر میں کہیں چھپ گئے تھے مبادا حضرت عمرؓ آپ کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ خیر بعد میں حضرت عمرؓ نے قرآن کی آیات سُنیں تو اللہ نے ہدایت کے لیے اُن کا دل نرم کر دیا اور وہ دارِارقم میں دربارِ رسالت مآبؐ میں حاضر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آغازِ اسلام ہی سے حضرت خبابؓ بن ارت کو دینِ اسلام اور قرآن سے کس قدر لگاؤ تھا۔ حضرت خبابؓ علم کی بڑی جستجو رکھتے تھے۔ کبھی کبھی رات رات بھر آنحضورؐ کے طریقۂ عبادت کو بغور دیکھتے رہتے اور صبح کو آنحضرتؐ سے استفسار کرتے۔

احتیاط و انکسارِ نفس کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ مسجد میں چند اصحاب بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت خبابؓ تشریف لے آئے اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ اُن لوگوں نے کہا ہم سب اس وقت آپ کے پاس اس لیے جمع ہیں کہ آپ ہم سے کوئی بات کہیں یا کسی چیز کا حکم کریں۔ آپ نے فرمایا ''میں کس بات کا حکم کروں، ممکن ہے میں آپ لوگوں کو کسی اَمر کا حکم کروں اور خود اسے

Marfat.com

نہ کرتا ہوں''۔

آپ نے زمانہ جاہلیّت میں اور اُس کے بعد عرصہ تک آہنگری کا پیشہ اختیار کیے رکھا۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ بڑی تنگی میں بسر ہوا مگر کچھ دنوں بعد اللہ نے خوشحالی دی اور اتنی دولت ملی کہ پھر کسی پیشہ وغیرہ کی ضرورت نہ رہی۔ وفات کے وقت آپ نے چالیس ہزار درہم چھوڑے۔

37ھ میں کوفہ میں بیمار ہوئے اور چند روز کے بعد وہیں وفات پا گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر 73 برس تھی۔ اُس وقت حضرت علیؓ کا دورِ خلافت تھا۔ حضرت خبابؓ نے مرض الموت میں اس قدر تکلیف اٹھائی کہ وہ خود فرماتے ہیں ''اگر آنحضرتؐ نے موت کی دُعا سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اپنے لیے موت کی دُعا مانگتا''۔

Marfat.com

حضرت زید بن ثابتؓ

(کاتبِ وحی، جامع القرآن وترجمانِ رسولؐ)

آپ کا نام زید، ابوسعید اور عبدالرحمٰن آپ کی کنیت تھی۔ والد کا نام ثابت تھا۔ مقریٰ، کاتب الوحی اور صبر الامت آپ کے القاب تھے۔ نسب نامہ اس طرح سے ہے۔ زیدؓ بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار۔ والدہ کا نام نوار بنت مالک بن معاویہ بن عدی تھا۔ آپ کی والدہ حضرت انسؓ بن مالک کے خاندان سے تھیں۔ انصار میں اسلام سے قبل جو لڑائیاں لڑی گئیں اُن میں ''یوم بعاث'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ حضرت زیدؓ کے والد اسی لڑائی میں قتل ہوئے۔ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل کا ہے۔ اُس وقت حضرت زیدؓ کی عمر 6 سال تھی۔

بچپن میں والد کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد حضرت زید والدہ ہی کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے۔ جب گیارہ سال کے ہوئے تو سفیر رسولؐ حضرت مصعبؓ بن عمیر کی وعظ و تبلیغ کے ذریعے اسلام کی آواز آپ کے کانوں میں پڑی۔ حضرت زید چھوٹی عمر ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ آپ نے مسلمان ہوتے ہی قرآنِ پاک پڑھنا شروع کر دیا، اس وجہ سے حلقۂ اسلام میں آپ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ جب آنحضورؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت زید 17 سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے۔ ایک دن انصار آپ کو حضورِ اکرمؐ

Marfat.com

کی خدمت میں لے آئے اور کہا کہ یہ بنی نجار سے ہیں اور قرآنِ پاک کی سترہ سورتیں پڑھ چکے ہیں۔ آنحضرتؐ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے۔ زید نے قرآن سنایا تو آپ کو بڑا تعجب ہوا۔ ابھی حضرت زید کی عمر 13 سال تھی کہ غزوہ بدر پیش آیا۔ حضرت زیدؓ نے بھی لڑائی میں شامل ہونے کے ارادے کا اظہار کیا اور جناب رسولؐ اللہ کے سامنے بچوں کی ایک جماعت کے ساتھ پیشِ خدمت ہوئے۔ آپؐ نے اِن کی کم سِنی کو دیکھتے ہوئے غزوہ میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ غزوہ اُحد میں بھی ایسا ہی ہوا، کیونکہ اُس وقت آپ کی عمر ابھی چودہ سال تھی جبکہ نبی اکرمؐ کا اصول تھا کہ پندرہ سال کے لڑکوں کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دی جاتی تھی۔

غزوہ خندق (5ھ) کے موقع پر آپ کی عمر 16 برس ہو چکی تھی تو آپ نے آنحضورؐ کے ہمراہ اس میں خندق کھودنے والی جماعت میں شامل تھے اور مٹی نکال کر باہر لاتے تھے۔ آنحضرتؐ کی نظر پڑی تو فرمایا ''کتنا اچھا لڑکا ہے''۔

غزوہ تبوک (9ھ) میں حضرت زیدؓ بن ثابت کے قبیلہ بنو نجار کا عَلَم پہلے عمارہ بن حزم کے ہاتھ میں تھا، بعد میں آنحضورؐ نے عَلَم اُن سے لے کر زیدؓ کو عطا فرما دیا۔ عمارہ نے کہا یارسولؐ اللہ! مجھ سے کونسی خطا ہوئی؟ فرمایا ''کچھ نہیں، مجھے قرآن کا لحاظ مدِّنظر ہے، زیدؓ تم سے زیادہ قرآن پڑھ چکے ہیں'' آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں جنگِ یمامہ جو مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی، میں بھی شرکت کی تھی۔

حضرت زیدؓ بن ثابت کی عظیم الشان زندگی اعمالِ صالحہ کا مجموعہ تھی۔ قرآنِ مجید جو ہم تک پہنچ چکا ہے اور اسلام کا اصل الاصول ہے، اِس کے جمع کرنے کا فخر اور سہرا جس مقدّس انسان کو حاصل ہوا، وہ حضرت زیدؓ بن ثابت کاتبِ وحی ہیں۔ حقیقت میں آپ ہی جامع القرآن ہیں، اِس میں اُن خلفائے راشدین کا اتنا ہی دخل ہے جن کی زیرِ نگرانی میں یہ اہم کام سرانجام ہوا۔ صحابہ میں بہت سے بزرگ تھے، جن کو حفظِ قرآن کا شوق پیدا ہو گیا تھا اور وہ قرآنِ پاک کے حافظ ہوئے۔ حضرت زید بن ثابت بھی انہی حفاظ میں سے تھے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد عرب کا ایک گروہ مُرتد ہو کر مسیلمہ کذاب سے جاملا، جس نے یمامہ میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُس پر فوج کشی کی جس میں

Marfat.com

مسیلمہ کذاب شکست کھا کر مارا گیا لیکن اس لڑائی میں 70 حفاظِ قرآن نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ کو قرآن جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ "اگر حفاظِ قرآن کی شہادت کی یہی حالت رہی تو دینِ اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا اور قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا، اس لیے قرآن مجید کو جمع کیا جانا چاہیے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی تجویز پر مثبت اظہار کیا۔ آپ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو بلا بھیجا اور اُن کے آنے پر کہا "تم عقلمند ہو اور جوان آدمی ہو، تمہاری طرف سے سب کو اطمینان ہے۔ تم نے جنابِ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وحی لکھی تھی، اس لیے یہ اہم فریضہ تم ہی انجام دو۔"

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ یہ کام مجھ پر ایک پہاڑ سے زیادہ گراں تھا۔ چنانچہ ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ وہ کام کرنا چاہتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا "یہ سچ ہے لیکن کارِ خیر میں کیا مضائقہ"؟ حضرت زیدؓ کو پھر بھی اس کام کو انجام دینے میں تامّل ہوا لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے مختلف پہلوؤں سے سمجھایا تو وہ آمادہ ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس کام کے لیے صحابہ کی ایک جماعت تشکیل دی، جن کی تعداد 75 تک تھی۔ ان میں حضرت ابی بن کعب اور حضرت سعید بن العاص بھی موجود تھے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے قرآن مجید کو جو کھجور کی شاخوں اور پتلے پتلے پتھروں پر لکھا ہوا تھا، جمع کیا، حفّاظ سے قرآن سُنا۔ آپ خود بھی قرآنِ پاک کے حافظ تھے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن جمع کر چکے تھے اور کاتبِ وحیِ قرآن بھی تھے۔ اس طرح کی کاوشوں سے آپ نے یہ اہم کام انجام دیا اور پورا قرآن لکھ لیا۔ ماشاء اللہ! یہ بہت بڑا کارنامہ تھا جو حضرت زیدؓ کا تمام امتِ مسلمہ پر ایک گرانقدر احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر سے نوازے (آمین)

حضرت زیدؓ بن ثابت کا جمع کیا ہوا یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پاس محفوظ کر لیا (یاد رہے آپ کا دورِ خلافت صرف سوا دو سال رہا)۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے مکان میں موجود و محفوظ رہا۔ عہدِ عثمانی میں جب اختلافِ قرأت رونما ہوا تو حضرت حذیفہؓ بن الیمان نے حضرت عثمانؓ سے کہا "قبل اس کے کہ اسلام میں یہود و نصاریٰ جیسا اختلاف پیدا ہو آپ اُس کا جلد تدارک کریں۔ انہوں نے بھی اس

Marfat.com

ضرورت کو محسوس کیا اور حضرت زید کا تحریر کردہ مصحف حضرت حفصہؓ سے منگوایا اور چار بزرگوں کو جن میں ایک زید بھی تھے، کتابِ قرآن پر مامور کیا۔ اِن بزرگ صحابہ نے مصحفِ صدیقیؓ کی پانچ نقلیں تیار کیں۔ حضرت عثمانؓ نے اُن کو ممالکِ اسلامیہ میں بھجوایا اور مصحفِ صدیقی کو حضرت حفصہؓ کے پاس بہ احتیاط محفوظ کروادیا۔

آنحضرتؐ نے وحی لکھنے کا کام مختلف صحابہؓ کرام کے سپرد کیا ہوا تھا۔ اِن متعدد اصحاب میں حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت معاویہؓ بھی شامل تھے، اِن میں حضرت زیدؓ بن ثابت کا نامِ نامی ممتاز تھا۔ حضرت زیدؓ قلم دوات، کھال، چوڑی ہڈی یا پتلے پتلے پتھر لے کر آنحضورؐ کے پاس بیٹھ جاتے اور جب وحی آتی تو آپؐ بولتے جاتے اور حضرت زیدؓ لکھتے جاتے تھے۔

آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مختلف ممالک کے سلاطین اور والیان کے خطوط موصول ہوتے رہتے جو اکثر عبرانی زبان میں ہوتے تھے۔ مدینہ میں سریانی جاننے والے صرف یہود تھے، جن کو اسلام اور اہلِ اسلام سے شدید بغض و عناد تھا۔ اس بنا پر مصلحت اور دور اندیشی کا تقاضا تھا کہ خود مسلمان بھی اِس زبان کو سیکھیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نہایت ذکی اور فطین تھے۔ حضرت رسولِ اکرمؐ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم عبرانی سیکھ لو۔ چنانچہ حضرت زیدؓ نے پندرہ یوم کے قلیل عرصے میں عبرانی اور سریانی میں اِس قدر مہارت پیدا کرلی کہ خطوط پڑھ لیتے، اُن کا ترجمہ کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں گوش گزار کرتے اور پھر آپؐ ہی کی طرف سے جوابات لکھ دیتے تھے۔ آپ کی اس ذہانت اور علم کی بنا پر آنحضرت نے اِن کو اپنے لیے خاص کتابت کے عہدہ سے سرفراز فرمایا تھا، جس پر وہ آنحضرتؐ کے وصال تک فائز رہے۔ کیونکہ یہ ایک بڑے اعتماد اور بھروسے والا منصب تھا اس لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں اُن کا یہ منصب بحال رہا۔

ملتِ اسلامیہ کا ایک جلیل القدر اور اہم منصب قضاۃ (انصاف) ہے جو حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں قائم ہوا۔ حضرت عمرؓ فاروق نے اس کی بنیاد قائم کی اور حضرت زیدؓ بن ثابت کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا اور اُن کی باقاعدہ تنخواہ مقرر کی۔ اُس وقت تک قاضی کے لیے عدالت

Marfat.com

کی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی، اس لیے حضرت زیدؓ کا گھر دارالقضاۃ کا کام دیتا تھا۔ دارالخلافت اور قرب و جوار کے مقدمات حضرت زیدؓ کے پاس آتے تھے، یہاں تک کہ خود خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ پر بھی یہاں دعوے داخل کیے جاتے تھے اور اُن کا فیصلہ بھی یہیں ہوتا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں انصار اور مہاجرین کے ممتاز اصحاب کی جو مجلسِ شوریٰ تھی حضرت زیدؓ بھی اُس کے ایک رُکن تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اُسی جماعت کو باضابطہ کونسل قرار دیا۔ حضرت زیدؓ اُس کے بھی رُکن تھے۔ حضرت زید میں علمی و دینی کمالات کے ساتھ انتظامی صلاحیت و قابلیت بھی بدرجۂ اُتم موجود تھی اور اُن پر اتنا اعتماد تھا کہ حضرت عمرؓ نے جب مدینہ سے سفرِ فلسطین و شام کیا تو امورِ سلطنت کے لیے اپنا جانشین حضرت زیدؓ کو ہی مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ کا بھی یہی طرزِ عمل برقرار رہا۔ وہ جب حج کو مکہ معظّمہ روانہ ہوتے تو زید کو ہی کاروبارِ خلافت سپُرد کر جاتے تھے۔

45ھ میں آپ کا پیامِ اَجل آگیا۔ اُس وقت آپ کی عمر 56 برس تھی اور حضرت معاویہؓ کا دورِ خلافت تھا۔ مروان بن حکم مدینہ کا امیر تھا چنانچہ اُسی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تمام اہلِ مدینہ بہت غمگین تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ کی وفات کی خبر سُن کر کہا' آج حبرالامّت ' اٹھ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ بھی جنازہ میں شریک تھے۔ قبر میں جب جسدِ مبارک اُتارا گیا تو حضرت ابنِ عباسؓ نے نہایت حسرت سے کہا:

"دیکھو علم اِس طرح جاتا ہے، آج علم کا بڑا حصّہ دفن ہو گیا"۔

Marfat.com

حضرت قثم بن عباسؓ

حضرت قثم حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام لبابہ بنت حارث تھا جن کی اُم الفضل کنیت تھی۔ حضرت لبابہ حضرت خدیجہؓ کے بعد دوسری مسلم خاتون تھیں اس لیے اُن کا شعار السابقون الاوّلون میں ہوتا ہے۔ آپ آنحضرتؐ کے عہد میں کم سِن تھے۔ آنحضورؐ کو اپنے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد سے بڑی محبت تھی۔ ایک مرتبہ قثمؓ عبداللہؓ اور جعفرؓ کہیں اکٹھے کھیل رہے تھے۔ حضورِ اکرمؐ کی سواری اُدھر سے گزری تو آپؐ نے جعفرؓ اور قثمؓ کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔

حضورِ اکرمؐ کے وصالِ دنیا کے وقت آپ کسی حد تک شعور کو پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ آپؐ کے غسلِ میت اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے اور غُسل مبارک دیتے وقت اہل بیتِ رسول میں حضرت علیؓ کے ساتھ جسدِ اطہر کو کروٹیں دلاتے رہے اور قبرِ انور میں اتارتے وقت بھی قبر میں اُترے تھے اور جسدِ اطہر کو فرشِ خاک پر لٹانے کے بعد سب سے آخر میں قبر سے نکلے تھے۔

حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں مکہ کی امارت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں سعید بن عثمانؓ کے ہمراہ خراسان پر فوج کشی کی۔ وہاں اسی سلسلے کے معرکہ سمرقند میں جامِ شہادت نوش کیا اور وہیں سمرقند میں دفن ہوئے۔

38ھ میں خلیفۃ المسلمین حضرت علی المرتضیٰؓ نے آپ کو امیر حج بھی مقرر فرمایا تھا۔

شباہت کے لحاظ سے حضرت قثمؓ آنحضرتؐ کے ہم شبیہہ تھے۔

مصنف کو یہ سعادت حاصل رہی کہ تاشقند میں طویل قیام کے دوران کئی دفعہ سمرقند جانا ہوا اور ہمیشہ حضرت قثمؓ کے مزار پر حاضری دیتا رہا جو کہ ایک پہاڑی پر واقع ہے۔

Marfat.com

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب

تاریخِ اسلام میں جب بھی مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کا ذکر آتا ہے تو وہاں شاہِ نجاشی کا ذکر ضرور آئے گا اور جب شاہِ نجاشی کا ذکر آئے گا تو وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب کا ذکر بھی ضرور آئے گا۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب حضرت علیؓ کے سگے بھائی اور حضرت علیؓ سے دس سال بڑے تھے۔ آپ کی پیدائش بعثت سے بیس سال قبل ہوئی تھی۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ آپ ابتدا ہی سے مشرف بہ اسلام ہوئے، اُس وقت صرف 31 افراد ہی مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت جعفرؓ اُن لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے مشرکینِ مکّہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی، آپ کی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ بھی آپ کے پیچھے ہجرت کر گئیں۔ کفارِ قریش نے وہاں بھی مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا اور ایک وفد حبشہ روانہ کیا۔ اُس وفدِ قریش نے شاہ نجاشی کے دربار میں اُس کو مسلمانوں کے خلاف اُکسایا اور گرانقدر تحائف دے کر اِن مظلوم افراد کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش کی تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں وہ یادگار خطبہ دیا جس سے اہلِ قریش کی سیاہ کاریوں کے غبارے سے ہوا نکل گئی اور شاہ حبشہ نے پناہ دینے سے بڑھ کر مسلمانوں کو ہر ممکن سہولت فراہم کی۔

حبشہ بھیجے جانے والے مشرکینِ قریش کے نمائندہ وفد میں عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ بھی شامل تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ انہوں نے شاہِ نجاشی سے مطالبہ کیا کہ

Marfat.com

مسلمانوں نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے اور وہ ہمارے مجرم ہیں، اس لیے انہیں ہمارے حوالے کیا جائے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں کے نمائندہ وفد کو اپنے دربار میں بلایا اور اُن سے کچھ سوالات کیے جن کے جوابات وضاحت سے حضرت جعفرؓ نے دیے۔

بادشاہ نے دربار میں طلب کرنے پر مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ نے عربوں کی جہالت اور جنابِ رسول اکرمؐ کی تعلیمات پر ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ یہ خُطبہ ادب کا شہہ پارہ اور اِسلام کا خلاصہ تصوّر کیا جاتا ہے:

''بادشاہ سلامت! ہم انتہائی جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے، بُتوں کو پوجتے، مُردار کھاتے، بدکاریاں کرتے اور صلہ رحمیاں توڑ دیتے تھے۔ پڑوسیوں کو بھول جاتے تھے اور طاقتور اپنے سے کمزور کو کھا جاتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے حسب ونسب کو ہم اچھی طرح جانتے تھے۔ اُس کی صداقت، امانت، دیانت اور پاکبازی سے سب ہی آگاہ ہیں۔ اُس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی اور کہا کہ اُس ذات کا ہم کسی کو شریک نہ کریں اور بتوں کی عبادت سے الگ ہو جائیں۔ ہمیں راست بازی، دیانت داری، صلۂ رحمی، پڑوسیوں سے حسنِ سلوک، رشتہ داروں اور عزیزوں سے محبت کا درس دیا۔ ہمیں بدکاری، دروغ گوئی اور یتیم کے مال کو کھانے سے منع کیا، ہمیں نماز اور روزے کا حکم دیا۔ ہم اس پر ایمان لائے اور اُس کی تصدیق کی۔ وہ سب کچھ ہم نے اپنے اوپر حرام کرلیا جو اُس نے حرام کیا اور وہ سب کچھ حلال جان لیا جو اُس نے حلال کیا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر زیادتیاں شروع کر دیں اور ہمیں طرح طرح کے عذاب اور مشکلات میں مبتلا کر کے ہمیں ہمارے دین سے ہٹانے اور بتوں کی عبادت کرنے پر مجبور کیا۔ جب اُن کے ہم پر قہر اور ظلم بڑھ گئے اور یہ ہمارے دین اور دنیا کے درمیان حائل ہو گئے تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور آپ کو اپنا مختار بنالیا۔ ہمیں امید ہے کہ اب آپ کے پاس ہم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا''۔

شاہ نجاشی نے مسلمانوں کے وفد کے راہنما حضرت جعفرؓ کی تقریر بڑی توجہ سے سُنی اور قرآن پاک کا کچھ حصہ سننے کی فرمائش کی۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ اس کا نجاشی پر بہت اثر ہوا اور

Marfat.com

اس نے مسلمانوں کو کفارِ مکہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا، کفار کے دیئے ہوئے تحائف بھی اُن کو واپس لوٹا دیئے اور مسلمانوں کو حبشہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ کہا جاتا ہے کہ اس ہجرت کے دوران میں انہوں نے نجاشی کو مشرف بہ اسلام بھی کر لیا تھا، چنانچہ نبی کریمؐ نے نجاشی کے وفات پا جانے کی خبر کے بعد اُس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔

حضرت جعفرؓ 7ھ میں واپس آئے جب مسلمان غزوۂ خیبر جیت کر واپس آ رہے تھے۔ روایت کے مطابق آنحضرتؐ حضرت جعفرؓ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ ملاقات تقریباً پندرہ سال بعد ہو رہی تھی۔ یہ ایک طویل جدائی تھی جو چچازاد بھائی کے درمیان صرف دینِ اسلام کی سربلندی کی خاطر برداشت کرنی پڑی۔ آپؐ نے فرمایا "معلوم نہیں کون سی چیز زیادہ دِل خوش کن ہے، جعفرؓ کا آنا یا جنگ خیبر جیتنا"۔

حبشہ میں حضرت جعفرؓ کا قیام تقریباً پندرہ سال رہا وہاں ہی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس کے بطن سے تین لڑکے عبداللہ، محمد اور عون پیدا ہوئے۔ آپ کے فرزندوں میں سے عون اور محمد تو حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا کے میدان میں شہید ہو گئے، فقط اُن کے فرزند عبداللہ سے اُن کی نسل چلی (دائرہ معارفِ اسلامیہ) اسوۂ صحابہ۔ عبدالسلام ندوی

حضرت جعفرؓ آنحضورؐ کے اُن رشتہ داروں میں سے ہیں جو آپؐ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ خود آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے "جعفرؓ، تم میری صورت اور سیرت دونوں میں مجھ سے مشابہہ ہو"۔

ابھی آپ کو حبشہ سے آئے ایک سال ہی گزرا تھا کہ جمادی الاول 8ھ میں موتہ کا معرکہ پیش آیا۔ اپنے قاصدوں کے قصاص کے لیے آپؐ نے تین ہزار جانثاروں کی فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی۔ اس کا سپہ سالار زید بن حارثہؓ کو مقرر کیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو امیرِ لشکر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو لشکر کی قیادت حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سنبھالیں۔ موتہ پہنچ کر ان کا مقابلہ دشمنوں کی ایک لاکھ فوج سے ہوا۔ امیرِ لشکر حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہو گئے تو آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق علَم حضرت جعفرؓ نے سنبھالا اور غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ دشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ

Marfat.com

تھا۔ اِن کا تمام بدن زخموں سے چھلنی ہوگیا۔ دونوں بازو کٹ گئے مگر انہوں نے علَم سرنگوں نہ ہونے دیا اور کٹے ہوئے بازوؤں سے علَم سینے سے لگائے رکھا۔ بالآخر آپ شہید ہوکر گر گئے تو آپ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی شہادت کے درجہ پر پہنچ گئے۔ آپ کی شہادتوں کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے علَم ہاتھ میں لے کر بڑی بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کیا۔

حضرت جعفرؓ کے تمام جسم پر زخموں کا شمار تقریباً 90 سے زیادہ تھا لیکن کوئی زخم پشت پر نہیں تھا۔ حضرت زید بن حارثؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ موتہ میں ایک قبر موجود ہے جس پر حضرت جعفرؓ کا نام کا ایک کتبہ کوفی رسم الخط میں تحریر ہے۔ یہ قبر اُردن کے شہر عمان سے 140 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر تقریباً اکتالیس سال تھی۔

آپ کی شہادت کی خبر آنے پر آنحضورؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ آپؐ کو عرصے تک شدید غم رہا۔ یہاں تک کہ حضرت جبرائیلؑ نے یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے جعفرؓ کو دو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے دو نئے پَر عنایت کیے ہیں جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروفِ پرواز رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت جعفرؓ کو آپؐ نے 'طیّار' کا خطاب دیا۔

Marfat.com

حضرت امام حسنؓ

آپ کا نام حسن اور ابو محمد کنیت تھی۔ جنابِ رسولؐ اللہ کے بڑے نواسے آپ کی جگر گوشہ حضرت فاطمہ الزہراؓ اور حضرت علیؓ کے پہلے صاحبزادے تھے۔ 15 رمضان المبارک 3ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ والدِ محترم حضرت علیؓ نے حرب نام رکھا مگر نانا جان جنابِ رسولؐ اللہ نے بدل کر حسن رکھا۔ اُن کی کنیت ابو محمد بھی آنحضرت نے تجویز فرمائی مگر اِن کا اس نام کا کوئی فرزند نہیں تھا۔ حضرت حسنؓ کو آنحضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی زوجہ محترمہ حضرت ام الفضلؓ نے اپنے بیٹے حضرت قثمؓ بن عباس کے ساتھ دودھ پلایا تھا، اس طرح حضرت قثمؓ رشتے میں حضرت حسنؓ کے چچا ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھے۔

حضرت ابوبکر ثقفی فرماتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ سے سُنا، آپؐ منبر پر تشریف فرما تھے، اور حضرت حسنؓ آپؐ کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ دورانِ وعظ آپؐ ایک دفعہ حضرت حسن کی طرف دیکھتے اور ایک دفعہ سامنے بیٹھے حاضرین کی طرف، اِسی حال میں فرمایا 'یہ میرا بیٹا ہے اور اُمید ہے خدا اُس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ سرورِ دو عالمؐ انہیں ''شبابِ اہلِ جنت'' بھی کہا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ کوئی شخص حضرت حسنؓ بن علی سے زیادہ جنابِ رسولؐ اللہ سے مشابہ نہ تھا۔

عہدِ صدیقی میں حضرت حسنؓ کی اصغر سنی کا زمانہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد تھا کہ اہلِ بیت کے معاملے میں سرورِ عالمؐ کا خیال کرو۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عصر کی

Marfat.com

نماز پڑھائی۔ بعدازاں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت علیؓ اکٹھے مسجد سے نکلے۔ حضرت صدیقؓ نے حضرت حسنؓ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو محبت وشفقت سے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔

حضرت عمرؓ فاروق نے اپنے عہدِ خلافت میں جب بیت المال قائم کیا اور مسلمانوں کے لیے مراتب کے لحاظ سے سالانہ وظیفے مقرر کیے تو سب سے زیادہ رقم اُن بزرگوں کے لیے تجویز ہوئی جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اگرچہ غزوۂ بدر کے وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے تاہم حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں وہ دونوں بھائی بدری صحابہ کے برابر پانچ پانچ ہزار درہم وظیفہ پاتے تھے۔ اِس دیوان (دفتر) میں پہلا نام حضرت عباسؓ کا دوسرا حضرت علیؓ کا تیسرا حضرت حسنؓ کا تھا۔

حضرت عثمانؓ کا برتاؤ بھی حضرت حسنؓ کے ساتھ نہایت شفقت آمیز تھا۔ اُن کے عہدِ خلافت میں وہ جوان ہو چکے تھے (عمر 24 سال) اس لیے مجاہدات میں شریک ہوتے۔ 30ھ میں سعید بن العاص کی ماتحتی میں جب طبرستان پر فوج کشی ہوئی تو حضرت حسنؓ نے بھی اِس میں حصہ لیا۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنے کا طوفان اٹھا اور باغیوں نے مدینہ میں اُن کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے متعیّن کر دیا۔ اس مدافعت میں حضرت حسنؓ زخمی بھی ہوئے، سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا۔ باغی اُس دروازے سے تو داخل نہ ہو سکے جہاں حضرت حسنؓ کا پہرہ تھا، تاہم وہ ایک دوسری دیوار پھاند کر اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کو بہ حالتِ تلاوت قرآن پاک شہید کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جانشینی کے متعلق رائیں مختلف تھیں، لیکن جو گروہ برسرِ اقتدار تھا، اُس کی اکثریت حضرت علیؓ کے حق میں تھی اور انہی کی طرف سے قبولِ خلافت کے لیے اصرار ہو رہا تھا۔ حضرت حسنؓ نے اِس نازک موقع پر اپنے والدِ ماجد کو مشورہ دیا کہ جب تک ممالکِ اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں، اُس وقت تک آپ اُسے قبول نہ کریں۔

17 رمضان المبارک 40ھ میں ابنِ ملجم نے حضرت علیؓ پر مہلک وار کیا آپ زخمی ہونے کے بعد تین دن زندہ رہے۔ اِسی اثناء میں حضرت حسنؓ کی جانشینی کے متعلق پوچھا گیا تو

Marfat.com

فرمایا ''نہ میں حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں''۔ حضرت علیؓ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد کوفے کی جامع مسجد میں حضرت حسنؓ کے لیے بیعت خلافت ہوئی۔ قیس بن سعد کی بیعت کے بعد تمام اہلِ عراق نے بیعت کی اور رمضان 40ھ میں حضرت حسنؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہی حضرت معاویہؓ والیٔ شام کے دل میں عالمِ اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تلملا رہی تھی جو حضرت علیؓ کی زندگی میں پوری نہ ہو سکتی تھی۔ حضرت حسنؓ بڑے نرم خُو، مُتحمل مزاج، امن پسند اور صلح جو شخصیت تھے۔ جنگ و جدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی۔ حضرت معاویہؓ کو اس کا اندازہ تھا اِس لیے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اُن کو اپنی دیرینہ خواہش پوری کرنے کا موقع ملا، چنانچہ انہوں نے عراق (کوفہ) پر فوج کشی کر دی۔

حضرت امام حسنؓ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ نے مقابلے کی تیاری کی۔ سپاہ کے پڑاؤ کے دوران عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور کچھ لوگوں نے حضرت حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر دیا۔ جس فرش پر آپ بیٹھے تھے اُسے چھین لیا۔ فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ مصالحت کے لیے آمادہ ہو گئے۔

کوفیوں میں سے بعض لوگوں نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرنے پر آپ کو طعنے بھی دیئے، لیکن آپ نے ہر طعنے کو صبر سے برداشت کیا اور اپنی اس رائے پر قائم رہے جس میں امتِ مسلمہ کی صلاح و فلاح کے سوا کچھ بھی پیشِ نظر نہ تھا۔ آپ کی بیعتِ خلافت 20 رمضان 40ھ کو ہوئی اور پندرہ جمادی الاوّل 41ھ کو آپ خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اس طرح آپ کی مدتِ خلافت سات ماہ اور 26 روز رہی۔

صُلح کے بعد حضرت حسنؓ مدینہ چلے گئے اور باقی عمر اپنے نانا جنابِ رسولؐ اللہ کے جوار میں گزار دی۔ وقت کا بڑا حصہ عبادتِ الٰہی میں صرف ہوتا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے تو اُس نے کہا فجر کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک مُصلّے پر رہتے ہیں پھر آنے جانے والوں سے ملتے ہیں، دن چڑھتے چاشت کی نماز ادا کر کے اُمہات المومنین کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ مکہ میں ہوتے تو معمول تھا کہ عصر کی نماز حرم میں ادا کر کے طواف میں مشغول ہو جاتے۔

Marfat.com

صدقہ وخیرات میں بڑے دریا دل واقع ہوئے تھے۔ تین دفعہ کل مال کا نصف حصّہ خدا کی راہ میں دے دیا، یہاں تک کہ دو جوڑے جوتوں میں ایک خیرات کر دیتے۔ 15ھ سے آپ کے لیے پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر تھا۔ اُس وقت آپ کی عمر مبارک بارہ تیرہ برس تھی۔ یہ وظیفہ 40ھ یعنی والدِ مکرّم کی خلافت کے خاتمہ تک جاری رہا۔ حضرت معاویہؓ سے صلح کے بعد عہدنامے کی رُو سے آہواز کا خراج آپ کے لیے مخصوص ہوگیا، جس کی مقدار دس لاکھ درہم سالانہ تھی، یہ رقم آپ کو دس سال (سالِ وفات) تک ملتی رہی۔

خلافت سے دستبرداری کے نو سال بعد آپ نے 28 صفر 50ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا، اُس وقت آپ کی عمر 47 برس تھی۔ آپ کی موت کے سبب کے متعلق مشہور بیان یہی ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا۔ آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ حضرت عائشہؓ سے اُس کی اجازت طلب کی، انہوں نے نہایت مسرّت سے اجازت دے دی۔ حضرت حسنؓ نے احتیاطاً پھر وصیت کردی کہ میرے فوت ہو جانے کے بعد دوبارہ اجازت لینا، ممکن ہے زندگی میں میری مروّت سے دے دی ہو۔ اگر اُس وقت بھی وہ اجازت دے دیں تو مجھے روضۂ نبویؐ میں دفن کرنا، مجھے خطرہ ہے اُس میں بنواُمیہ مزاحم ہوں گے۔ اگر یہ صورت پیش آئے تو روضۂ نبویؐ میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور جنتُ البقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا۔

وفات کے بعد وصیّت کے مطابق حضرت امام حسینؓ نے دوبارہ حضرت عائشہؓ سے اجازت چاہی۔ انہوں نے اُسی فراخدلی سے مرحمت فرمائی، لیکن بنوامیہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ مروان والیٔ مدینہ کو اُس کی خبر ہوئی تو اُس نے کہا ''حسنؓ کسی طرح روضۂ نبویؐ میں دفن نہیں کیے جاسکتے، اِن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسنؓ کو دفن کرنا چاہتے ہیں، یہ نہیں ہوسکتا۔ حضرت امام حسینؓ بزور دفن کرنے پر آمادہ تھے اور قریب تھا کہ بنی ہاشم اور بنوامیہ میں تلواریں چل جاتیں، اتنے میں آنحضورؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہ پہنچ گئے اور چلائے ''یہ کیا ستم ہے کہ ابنِ رسولؐ اللہ کو نانا کے پہلو میں دفن کیے جانے سے روکا جاتا ہے۔ پھر حضرت حسینؓ کو حضرت حسنؓ کی وصیّت یاد دلائی کہ اگر خونریزی کا

Marfat.com

خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کرنا۔ اِس یاددہانی پر حضرت حسینؓ کا غُصّہ ٹھنڈا ہو گیا۔ نمازِ جنازہ حضرت سعید بن العاصؓ نے پڑھائی۔ حضرت امامِ حسینؓ نے خود انہیں آگے کیا اور فرمایا کہ سنّت یہی ہے کہ امیرِ شہر نماز پڑھائے۔ جنازے پر بے شمار لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔

یہ وہ مقدّس و مطہر ہستی تھی جسے سرورِ کائناتؐ نے گود کھِلایا، جس کو آنحضرتؐ کے لبِ اقدس نے بوسے دیئے، جو پروردۂ بنتِ رسولؐ اور خانوادۂ نبوّت کے گوہرِ نایاب تھے۔

Marfat.com

حضرت اِمام حسینؓ

حضرت امام حسینؓ مدینہ میں ہجرت کے چوتھے برس پیدا ہوئے۔ ولادت کے بعد آنحضرتؐ نے مولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور بچے کو اپنے لعاب دہن کو پہلی غذا (گھٹی) مرحمت فرمائی۔ حسین نام رکھا اور ساتویں دن عقیقہ کیا، سر کے بال اتروائے، بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی اور دو مینڈھے ذبح کیے۔

جناب حسینؓ حضرت رسولِ اکرمؐ کے محبوب نواسے حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرزند تھے۔ حضرت حسینؓ نے آنحضورؐ کی آغوش میں پرورش پائی۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب سیدُ الشہداءُ ہے۔ اپنے بھائی حضرت حسنؓ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ آنحضرتؐ دونوں بھائیوں سے یکساں محبت فرماتے تھے۔ دونوں بھائی اپنے نانا کی تصویر تھے۔ حضرت حسنؓ سر سے سینہ تک اور حضرت حسینؓ سینہ سے پاؤں تک اپنے نانا حضورِ اکرمؐ سے مشابہت رکھتے تھے۔ حضرت حسینؓ کی پاکیزگی ذات وصفات کے لیے رسولؐ اللہ کا یہ فرمان کتب حدیث میں آیا ہے کہ "حُسینُ مِنّی وَ اَنَا مِنَ الحُسین احبُّ اللہ من احبَّ حُسیناً حُسین سبطٌ مِّن الاسباط" (حسینؓ مجھ سے ہے، میں حسینؓ سے ہوں، جو حسینؓ سے محبت کرے اللہ اُس سے محبت کر، حسین میری اولاد کی اولاد ہے) (الترمذی)

اس کے علاوہ بھی آنحضرتؐ کو جناب حسینؓ سے جو گہری محبت تھی اور آپؐ نے جس طرح اُن کی فضلیت بیان کی، اُس کی تفصیل سب کتبِ احادیث میں موجود ہے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ آنحضرتؐ حضرت فاطمۃؓ الزہرا کے گھر تشریف لائے اور حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سب کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا ''پروردگار! یہ میرے اہلِ بیت ہیں اِن سے ہر قسم کے عیب و رجس کو دور رکھنا'' اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ''اِنما یُرِیدُ اللّٰہ.... (بلاشبہ اللہ نے ارادہ کیا ہے کہ اہلِ بیت، تم سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھے اور جس طرح طہارت کا حق ہے، اُس کمالِ طہارت سے تمہیں آراستہ رکھے)

(الاحزاب:33)

یہ واقعہ حدیث کسا (چادر) کے نام سے مشہور ہے اور اسی واقعے کی بنا پر آنحضورؐ، علی المرتضیٰؓ فاطمۃؓ الزہرا، حسنؓ اور حسینؓ کو 'اصحاب کِسا' کہا جاتا ہے۔

ربیع الاوّل کی 11ھ میں آنحضرتؐ نے وصال فرمایا، جمادی الثانی 11ھ کو حضرت حسینؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمۃؓ الزہرا نے رحلت فرمائی۔ یکے بعد دیگرے دونوں حادثے اہلِ بیت کے لیے براہِ راست انتہائی سخت تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے لیے پانچ، پانچ ہزار درہم کا وظیفہ مقرر کیا۔

فتح ایران کے بعد بادشاہ یزدگرد کی دو شہزادیاں مدینے آئیں، جن میں سے ایک کو جناب حسینؓ سے منسوب کیا گیا اور دوسری محمدؓ بن ابی بکر کو مرحمت فرمائی۔ حضرت حسینؓ کی زوجہ شہربانو ہوئیں، جن کے بطن سے 38ھ میں حضرت زین العابدین پیدا ہوئے۔ حضرت زین العابدین 61ھ میں سانحۂ کربلا کے وقت سخت بیمار تھے اور اپنے والد کے ساتھ لڑائی میں حصّہ نہ لے سکے، اُس وقت حضرت زین العابدین کی عمر 23 سال تھی۔

21 رمضان 40ھ کو حضرت علیؓ دُنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت امام حسینؓ کوفے میں موجود تھے اور والدِ بزرگوار کی تجہیز و تکفین میں اپنے بڑے بھائی امام حسنؓ کے ساتھ رہے۔ اِس کے بعد حضرت امام حسنؓ کے معاملات پیش آئے اِس تمام روداد میں حضرت امام حسینؓ ساتھ رہے۔ حضرت امام حسنؓ کی حضرت معاویہؓ سے صلح کے بعد تمام اہلِ بیت کوفہ سے مدینہ تشریف لے آئے۔ مدینے میں امام حسینؓ بھائی کے زمانے میں خاموشی کے ساتھ دینی خدمات بجالاتے رہے۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آتے بلکہ حضرت امام حسنؓ

Marfat.com

اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ اس قدر شفقت اور تعظیم سے پیش آتے جیسے امام حسینؓ آپ سے بڑے ہیں۔ اسی محبت اور عقیدت کے ماحول میں حضرت امام حسنؓ اپنے فرائض انجام دیتے رہے تا آنکہ 28 صفر 50ھ میں آپ نے شہادت پائی۔

حضرت امام حسینؓ ابتدائی عمر ہی سے اصلاح و تعلیم کی طرف رجحان رکھتے تھے، یہاں تک کہ اکابرِ مدینہ اسلامی مسائل میں آپ سے رجوع کرتے تھے۔ حضرت حسینؓ قرآنِ مجید کے مطالب اور احادیث بیان فرماتے تھے۔ عبادت و ریاضت آپ کا معمول تھا، بکثرت نوافل پڑھتے تھے۔ قیامُ اللیل آپ کا عام دستور تھا۔ روزے بکثرت رکھتے اور ہمیشہ سادا غذا سے افطار کرتے۔ آپ نے 25 حج کیے۔ رمضان المبارک میں کم از کم ایک مرتبہ قرآنِ مجید ضرور ختم کرتے۔

حضرت امام حسینؓ نے اسلام کے ارتقا کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اسلامی تاریخ کے جملہ واقعات اُن کے سامنے رونما ہوئے۔ حضرت امام حسینؓ نے تبلیغ و دعوت کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رکھا۔ 56ھ میں صورتِ حال اُس وقت بگڑی جب حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا، جس کی حضرت امام حسینؓ نے سخت مخالفت کی، اِس پر شام (دارالخلافہ) سے جواب طلبی ہوئی۔ اِس کے جواب میں اُنھوں نے معاویہ حکومت پر سخت تنقید کی اور اپنے خیالات واضح کرتے ہوئے یزید کی ولی عہدی کے ناجائز ہونے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد رجب 60ھ یزید نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور مدینہ میں اپنے والد کی وفات کا خط لکھا اور مختصر حکم بھیجا کہ حسینؓ اور عبداللہؓ بن عمر اور مکہ میں عبداللہؓ بن زبیر کو بیعت پر مجبور کرو اور اس کے لیے پوری سختی کرو یہاں تک کہ یہ لوگ بیعت کر لیں۔ اُن دنوں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان مدینے کا گورنر تھا۔

آپ کو اہلِ کوفہ دعوت دے رہے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کوفہ براستہ مکہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت حسینؓ نے پہلے روضۂ رسولؐ اللہ پر حاضری دی، پھر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر آئے اور اُس کے بعد 4 شعبان 60ھ کو مکہ میں آ گئے۔ یہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ملاقات ہوئی، پھر آپ نے حج کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، فرزوق شاعر اور کئی دوسرے لوگوں نے اُنہیں سفرِ کوفہ ترک کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا ''میں نے رسولؐ اللہ کو

Marfat.com

خواب ... دیکھا ہے اور اب میں اُن کا حکم پورا کروں گا''۔ پوچھا گیا ''وہ خواب کیا تھا''؟ آپ نے فرمایا ''نہ وہ خواب میں نے بیان کیا ہے اور نہ ہی ملاقات باری تعالیٰ تک کسی سے کروں گا''۔

2 محرم 61ھ حضرت حسینؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کربلا پہنچے۔ مکہ سے کربلا کا فاصلہ بیس دنوں میں طے کیا۔ کربلا پہنچ کر حضرت حسینؓ اور اُن کے تمام ساتھی رات بھر نماز و دعا اور خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت میں مصروف رہے۔ رات ختم ہوئی، صبح کی نماز حضرت امام حسینؓ نے پڑھائی۔ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ 32 سوار اور چالیس پیدل ساتھی تھے۔ 10 محرم کو یزیدی فوج سے مقابلہ ہوا۔ آپ کے ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہوتے گئے۔ عصر کا وقت تھا۔ امام یادِ الٰہی میں مصروف تھے۔ کھڑے ہونے کی قوّت جواب دے چکی تھی۔ پورا جسم لہولہان ہو چکا تھا۔ کسی یزیدی فوجی کو ہمت نہ پڑتی تھی کہ وار کرے۔ آخر شمر نے شہہ دی۔ نیزہ سے وار کیا اور تلوار سے آپ کا سَر تن سے جدا کر دیا گیا۔ حضرت امامؓ کی شہادت کے بعد آپ کے خیمے لوٹے اور جلائے گئے۔ اہلِ بیت اسیر ہوئے۔ آپ کا سر مبارک اہلِ حرم کے ساتھ اکٹھے پہلے کوفہ پھر شام بھیجے گئے۔ آپ کی اولادِ نرینہ میں صرف حضرت امام زین العابدینؓ ہی باقی بچے جو شدید بیماری کے سبب والدِ محترم کے ساتھ لڑائی میں حصّہ نہ لے سکے تھے۔

حضرت امام زین العابدینؒ

آپ نواسہِ رسولؐ کے لختِ جگر حضرت امام حسینؓ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ 38ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام شہر بانو تھا جو ایران کی شہزادی تھیں۔ جب حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایران کے حکمران یزدگرد ثانی کے خلاف لڑائی ہوئی تو اُس لڑائی میں ایرانیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں عبرتناک شکست کا سامنا ہوا۔ اُسی فتح کے نتیجہ میں بہت سے قیدی گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے، اُن میں شہزادی شہر بانو بھی شامل تھیں۔ حضرت علیؓ نے خلیفہ المسلمین حضرت عمرؓ کی اجازت سے شہزادی شہر بانو کو خرید لیا اور مسلمان کر کے اُس کے ساتھ اپنے دوسرے صاحبزادے حضرت حسینؓ کا نکاح کر دیا۔ اُنہیں کے بطن سے حضرت زین العابدین پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کے دس دن بعد آپ کی والدہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ آپ کے دادا حضرت علیؓ نے آپ کی پرورش کی۔ جب آپ کی عمر دو سال تھی تو آپ کے دادا حضرت علیؓ کو کوفہ کی جامع مسجد میں شہید کر دیا گیا۔ جب آپ کی عمر بارہ سال تھی تو آپ کے تایا جان حضرت حسنؓ کو بھی زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔

60ھ میں حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے یزید کی بیعت کے مسئلہ نے سر اٹھایا تو حضرت حسینؓ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا اور اس کے نتیجہ میں محرم 61ھ میں میدانِ کربلا میں لڑائی ہوئی جس میں آپ کے والد حضرت امام حسینؓ اور اُن کے جانثار ساتھی شہید کر دیئے گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر 23 سال تھی۔ شہادت کے بعد یزید کی فوجوں نے آپ

Marfat.com

سب کو قیدی بنالیا۔ پہلے آپ کو کوفہ لے جایا گیا اور پھر 750 کلومیٹر کے فاصلہ پر خلافتِ اسلامیہ کے دارالخلافہ دمشق لے جایا گیا۔ فاصلہ بہت طویل اور دشوار تھا۔ یہ فاصلہ آپ نے کبھی اونٹ کی ننگی پیٹھ پر اور کبھی ریت کے صحراؤں میں پیدل چل کر طے کیا۔ قیدیوں کو یزید کے روبرُو پیش کیا تو اُس نے قافلہ حسینی کے خاندان کو باعزت مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور آپ مدینہ آ گئے۔

تمام ساداتِ حسینی آپ کی اولاد سے ہیں۔ واقعۂ کربلا کے المیہ کی ہر ساعت اور درد و غم کا ہر لمحہ بنفسِ نفیس دیکھا۔ ساری عمر اس قیامتِ صغریٰ کا ہر منظر آپ کی نگاہوں کے سامنے موجود رہتا تھا۔ آپ نے مصائب و آلام کے اِس دور کی داستان کو ایک قصیدے میں بیان کیا ہے۔

اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک حج کے لیے مکہ آیا ہوا تھا۔ طواف کرنے والوں کا ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ وہ انتہائی کوشش کے باوجود حجرِ اسود کو بوسہ نہ دے سکا بلکہ بعض زائرین اُس کی بے بسی پر مسکرا رہے تھے۔ اتنے میں حضرت زین العابدینؒ تکبیر و تہلیل کی فضا میں حجرِ اسود کی طرف تشریف لائے۔ تمام زائرینِ حرم آپ کی عقیدت و احترام کے پیشِ نظر خود بخود پیچھے ہٹ گئے اور حضرت امام کے لیے راہ کشادہ کر دی۔ ہشام نے آلِ رسولؐ کی عظمت و توقیر کا یہ منظر دیکھا اور غضب ناک ہو کر ایک منبر پر بیٹھ گیا۔ حاضرین میں سے کسی نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون برگزیدہ ہستی ہے جس کے قدموں پر اہلِ حرم دیدہ دل نچھاور کر رہے ہیں۔ اُس نے حقارت آمیز تجاہل سے جواب دیا کہ وہ نہیں جانتا۔ اِس خورشیدِ جہاں تاب کو کس نے نہ دیکھا تھا، وہ تو ہشام کے سینے کی جلن، ذہن کی خلش، دل میں حسد اور خلافت کا غرور بول رہا تھا۔

حُسنِ اتفاق کہ عرب کا مشہور شاعر فرزدق بھی وہاں موجود تھا۔ اُس کے دل میں ایک ساعت کے لیے یہ خیال گزرا کہ عمر بھر جھوٹے قصیدے لکھ کر نامہ اعمال سیاہ کیا ہے، آج حق کی بات کہہ کر فردِ عمل کو صاف کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرزدق کے دل میں شاہی خوف اور رعب کی جگہ امام کی محبت ڈال دی۔ خانوادۂ نبوت کا عشق رگ و ریشے میں موجزن ہوا۔ بلا خوف و جھجک امام عالی مقام حضرت زین العابدینؓ کی مدح سرائی شروع کی دی۔ فی البدیہہ اشعار

Marfat.com

پڑھنا شروع کر دیئے:۔

"یہ وہ شخص ہے کہ سرزمینِ بطحا اُن کے قدموں کی چاپ پہچانتی ہے،
خانہ کعبہ سرزمینِ حرم اور غیر حرم تمام مقامات انہیں جانتے ہیں۔ قریش
انہیں دیکھ کر کہتے ہیں کہ تمام شرف و کرم اُن کے بلند اخلاق پر پہنچ کر ختم
ہو جاتے ہیں۔ اُن کی آنکھیں حیا کے سبب نیچے جھکی رہتی ہیں لیکن
لوگوں کی آنکھیں اُن کے سامنے رعب وجلال کی وجہ سے نیچی رہتی ہیں۔
اُن سے صرف اُس وقت گفتگو کی جا سکتی ہے، جب وہ مسکرا رہے ہوں۔
رکنِ حطیم بھی اُن کی ہتھیلی کو پہنچاننے کی وجہ سے جب یہ اُسے بوسے
دیتے ہیں ان کو پکڑ لینا چاہتا ہے"۔

خلیفہ کو سرِ عام اپنی توہین کیونکر برداشت ہو سکتی تھی۔ اُس نے مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام عسفان پر فرزوق کو قید کر دیا۔ یہاں زنداں خانے میں فرزوق نے ہشام کی ہجو کہی۔ ہشام نے مزید رسوائی کے خوف سے اُسے رہا کر دیا۔

سیدنا حضرت امام زین العابدینؒ خانوادۂ رسول کی وعظیم المرتبت ہستی ہیں جن کی بدولت واقعۂ کربلا کے بعد دینی علوم کا سرچشمہ جاری رہا۔ آپ حسن و جمال اور صورت کمال میں بے مثال تھے۔ جب بھی کسی کی نظر آپ کے چہرہ مبارک پر پڑتی تو وہ بے اختیار آپ کی تعظیم کرنے لگتا تھا۔ آپ انتہائی نرم خُو اور غریب نواز تھے۔ فقرائے مدینے کے 100 گھروں کی کفالت فرماتے اور تمام ضروریات زندگی کا سامان اُن تک پہنچاتے۔ آپ خانوادۂ رسولؐ کے وہ چشم و چراغ ہیں جو علومِ دینی کا سرچشمہ ہیں۔ آپ کے اجداد علم و عمل کے مجمع البحرین ہیں، اس لیے علم آپ کو خاندانی ورثے میں ملا۔ واقعۂ کربلا کے بعد آپ کا دل دنیا کی ہر شے سے اُچاٹ ہو گیا۔

امام زہریؒ کہتے ہیں کہ "میں نے مدینہ میں اُن سے افضل کسی کو نہیں پایا"۔ امام نوویؒ تحریر کرتے ہیں کہ ہر شے میں آپ کی جلالت وعظمت پر سب کو اتفاق ہے"۔ آپ حفظِ حدیث میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ حدیث میں اپنے والد حضرت امام حسینؓ، اپنے تایا جان سیدنا حضرت امام حسنؓ، آپ کے چچیرے حضرت ابن عباس اپنی نانی اُمّ المومنین حضرت عائشہ

Marfat.com

صدیقہؓ، حضرت اُمِّ سلمہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ابورافعؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ سے استفادہ کیا۔ فقہ میں آپ نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن حسینؓ سے بڑھ کر کسی کو زاہد نہیں دیکھا۔

آپ کے صاحبزادے حضرت محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ نصیحت فرمائی کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ کبھی نہ رہنا۔ میں نے عرض کیا وہ کون سے ہیں؟ فرمایا: ''فاسق کے ساتھ، وہ تم کو ایک لقمہ بلکہ اِس سے بھی کم میں بیچ دے گا۔ پوچھا دوسرا کون؟ ''بخیل، تیسرا کاذِب، چوتھا احمق اور پانچواں قاطع رحم''

سیدنا امام زین العابدین کی ذات بابرکت فضائلِ اخلاق کی ایسی نورانی شمع ہے جس سے آج بھی دنیا فیض یاب ہو رہی ہے۔ آپ خلقِ نبویؐ کی تصویرِ کامل تھے۔ آپ کا قلبِ مبارک خشیتِ الٰہی سے لبریز رہتا۔ آپ زہد و عبادت کا پیکر تھے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ جو خود بھی بڑے متقی اور پرہیزگار تھے، فرمایا کہ ''علی بن حسینؓ سے زیادہ متقی میری نظر سے نہیں گزرا''۔ عبادتِ الٰہی آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی۔ شبانہ روز میں ایک ہزار سے زیادہ نوافل پڑھتے اور آخر دم تک اس معمول میں فرق نہ آیا، اسی عبادت کی وجہ سے آپ کا لقب زین العابدین ہو گیا، حتیٰ کہ قیام واللیل سفر و حضر، کسی بھی حالت میں آپ ناغہ نہ فرماتے۔

حضرت امام زین العابدینؒ اگر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن آپ کے روحانی اقتدار کی وجہ سے بادشاہِ وقت نے آپ کو زہر دلوا کر شہید کروا دیا۔ آپ کی شہادت 25 محرم 97ھ کو ہوئی۔ آپ کی نمازِ جنازہ آپ کے فرزند حضرت امام محمد باقرؒ نے پڑھائی اور آپ کو اپنے تایا جان حضرت امام حسنؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر 58 سال تھی۔

آپ مدینے کی زینت، تقویٰ کے پیکر، شرافت و نجابت کا حسین امتزاج اور شانِ مصطفویؐ کے علم بردار تھے۔ جنت البقیع میں ان کی قبر، دوسری قبور کی طرح بے نشان ہے۔ یہ گوہر یکتا خاک کے نیچے تابندہ ہے۔ یہ وہ ارفع و اعلیٰ برگزیدہ ہستی ہے جس کی زیارت کے لیے مدینہ کے لوگ سرو قامت کھڑے ہو جاتے تھے، جن کی رگوں میں حضورِ ختمی مرتبتؐ کا خونِ مطہر موجزن تھا، ملائکہ جن کی پاکیزگی کی قسم کھاتے تھے۔

Marfat.com

حضرت معاویہؓ

آپ کا نام معاویہ، ابو عبدالرحمٰن کنیت اور ابو سفیان کے فرزند تھے۔ والدہ کا نام ھند بنت عُتبہ تھا۔ آپ کا شجرۂ نسب پانچویں پشت پر آنخضور صلعم سے جا ملتا ہے۔ آپ بعثت سے پانچ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندانِ قریش کے قبیلہ بنو امیہ سے تعلق تھا۔ آپ کا خاندان بنو امیہ زمانہ جاہلیت ہی سے قریش میں معزز و محترم مانا جاتا تھا۔

آپ کے والد ابو سفیان آغازِ بعثت سے لے کر فتح مکہ 8ھ تک اسلام کے خاص دشمن رہے۔ فتح مکہ کے دن باپ بیٹا اپنے دوسرے خاندان کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت معاویہ صلح حدیبیہ کے زمانہ سے ہی دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے لیکن باپ کے خوف سے اس کا برملا اظہار نہ کر سکے۔ آپ نے بدر اور احد کی لڑائیوں میں بالکل حصہ نہیں لیا تھا۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضورؐ نے آپ کو مبارک باد دی اور آپ کو کتابتِ وحی کے جلیل القدر منصب پر فائز کیا۔ آپ نے غزوات میں شرکت بھی کی۔ غزوہ حنین کے مالِ غنیمت سے آنخضورؐ نے آپ کو سو اونٹ، 140 اوقیہ سونا اور چاندی مرحمت فرمائی۔

عہدِ صدیقی میں آپ نے فتوحاتِ شام میں حصہ لیا۔ خلافتِ فاروقی میں آپ دمشق کے حاکم رہے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہ کی تجربہ کاری کے پیشِ نظر آپ کو سارے شام کا ولی بنا دیا۔ اسلامی تاریخ میں آپ نے پہلی دفعہ بحری بیڑہ تیار کیا اور بازنطینیوں کے پیچھے قسطنطنیہ تک چڑھائی کی۔ میزبانِ رسولؐ حضرت ایوب انصاریؓ آپ ہی کے لشکر میں شامل ہو کر قسطنطنیہ

Marfat.com

پہنچے اور وہیں شہادت کے مرتبے سے سرفراز ہو کر استنبول میں دفن ہوئے۔ آپ نے کئی بے مثال فتوحات حاصل کر رومی علاقوں پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ حضرت معاویہؓ بڑے مدبّر، کامیاب سیاستدان اور اعلیٰ منتظم تھے۔ انہوں نے ملک کے تمام اہم مراکز میں قلعے اور چھاؤنیاں قائم کیں آپ بیس سال (40ھ تا 60ھ) تک مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔

حضرت عثمانؓ بنو امیہ خاندان کے پہلے خلیفہ تھے اور آپ اسی خاندان کے دوسرے خلیفہ تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر حضرت علیؓ سے اختلافات پیدا ہوئے، جس کے نتیجہ میں فریقین کے درمیان جنگ صفین جیسے خونریز تصادم ہوئے اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ مسندِ خلافت پر فروکش ہوئے تو صلح و آتشی کے لیے فضا سازگار ہوئی۔ حضرت حسنؓ نے برضا و رغبت اور امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے حق میں دس ماہ بعد ہی خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ آپ کے عہدِ امارت میں متعدد فتوحات ہوئیں۔

آپ ایک بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ آپ میں انتظامی صلاحیتیں بدرجہ اُتم موجود تھیں۔ آپ نے اپنے دور میں نظام حکومت اعلیٰ بنیادوں پر استوار کیا۔ بحری جہاز سازی کے کارخانوں کی بنیاد رکھی۔ ذرائع خبر رسانی اور پولیس کے نظام کو مزید منظم کیا۔ آپ نے رفاہِ عامہ کے کاموں میں متعدد نہروں کی کھدائی کروائی اور قیروان جیسے نئے شہر آباد کیے۔

آپ ایک فصیح البیان مقرر تھے۔ اپنی تقریر سے بڑے بڑے اجتماع کو مسحور کر لیا کرتے تھے۔ آپ اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ کے بھائی ہونے کے ناطے آنحضورؐ کے برادرِ نسبتی بھی تھے۔ آپ نے گو بڑا مختصر وقت آنحضورؐ کے ساتھ گزارا، پھر بھی آپ دینی علم کے رسیا تھے۔ آنحضورؐ نے کاتبِ وحی جیسے اہم منصب پر فائز کیا ہوا تھا۔ آپ سے 163 احادیث بھی مروی ہیں۔ آنحضورؐ نے آپ کو دعا دی تھی کہ ''اے اللہ! اسے حساب کتاب کا علم عطا فرما'' (مسندِ احمد۔ تاریخ الخلفاء)۔ آپ ایک زبردست ریاضی دان اور حساب کتاب کے ماہر جانے جاتے تھے۔ آنحضورؐ نے یہ دعا بھی فرمائی تھی کہ ''میری اُمت کا وہ گروہ جو سمندری جہاد کرے گا، اُس کے لیے جنت واجب ہے''۔ (بخاری: 2924)

Marfat.com

حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ ''معاویہؓ کو بُرا نہ کہو، جب یہ تمہارے اندر سے اٹھ جائیں گے تو بہت سے سرتن سے جدا کیے جائیں گے''۔ حضرت علیؓ کی یہ بات سو فیصد دُرست ثابت ہوئی۔ کیونکہ اِن کی وفات کے بعد سانحۂ کربلا، سانحۂ مکہ جس میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے اور مدینہ میں حرا کا واقعہ جیسے اندوہناک واقعات رونما ہوئے اور یہ سب حضرت معاویہؓ کے ناخلف بیٹے یزید کے کھاتے میں ہی جاتے ہیں۔

59ھ میں جب آپ بیمار ہوئے تو طاقتِ جسمانی جواب دے چکی تھی۔ آپ رجب 60ھ میں 78 سال کی عمر میں دمشق میں فوت ہوئے۔ فوت ہونے سے قبل آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ ''میرے مرنے کے بعد حضورؐ کے بال اور ناخن میرے چہرے پر رکھ دیئے جائیں''۔
(تاریخ الخلفاء)

Marfat.com

حضرت براءؓ بن مالک

دو بھائیوں میں سے ایک حضرت براءؓ بن مالک اور دوسرے حضرت انسؓ بن مالک ہیں۔ جن کو اُن کی والدہ حضرت اُمّ سلیمؓ جو خود بھی صحابیہ تھیں، ایک روز جنابِ رسول اللہ کی خدمت میں لے گئیں، اُس وقت آپ کی عمر صرف دس سال تھی۔ والدہ محترمہ نے جنابِ نبی کریمؐ سے درخواست کی ''یا رسول اللہؐ! یہ انس ہے، آپ کا بچہ، آپؐ کی خدمت انجام دیا کرے گا، آپ اُس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے۔ رسول اللہؐ نے حضرت انسؓ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور حضرت انس کے لیے ایسی دعا فرمائیں جو تا قیامت آپ کو خیر و برکت کی طرف لے جاتی رہی۔ رسول اللہ نے دعا فرمائی ''یا اللہ اِس کے مال و اولاد میں اضافہ فرما۔ اس کے لیے برکت کا سامان فرما اور اُس کو جنت میں داخل فرما''۔ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ آپ سو سال سے زیادہ عرصہ زندہ رہے اور آپ کی اولاد کی تعداد بھی (آپ کی زندگی ہی میں 80 تک پہنچ گئی تھی'' اس طرح آپ کو رزقِ دنیا میں سے ایک وسیع و عریض باغ بھی عطا ہوا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا اور اس میں ایک پودا ایسا تھا جس کی خوشبو کستوری سے بھی زیادہ تھی۔

حضرت انسؓ کے دوسرے بھائی حضرت براءؓ بن مالک تھے جنہوں نے عظیم اور جرأت مندانہ زندگی گزاری اور ساری زندگی اُن کا شعار ''اللہ اور جنت'' ہی رہا۔ عمر بھر آپ کے پیشِ نظر یہی دو مقاصد اور اہداف تھے۔ حضرت براءؓ بن مالک کو رسول اللہؐ نے خوشخبری دی تھی کہ آپ ''مستجاب الدّعوٰۃ'' ہیں، اس لیے آپ ہمیشہ اپنے رب سے یہی دعا کرتے تھے کہ اللہ آپ

Marfat.com

کوشہادت کے مرتبے پر سرفراز فرمائے۔ پھر آپ پر یہ بھی واجب تھا کہ آپ جلد بازی سے کام نہ لیں کیونکہ ہر کام کا ایک وقت مقرر رہوتا ہے۔

میدانِ جنگ میں جو شخص بھی آپ کو راہِ خدا میں لڑتے دیکھتا، حیرت میں ڈوب جاتا۔ حضرت براءؓ اُن لوگوں میں سے نہیں تھے جو تلوار کے ذریعے مشرکین سے جہاد کرتے ہوئے فتح و نصرت کے متلاشی ہوتے ہیں لیکن آپ اُس وقت بھی شہادت کی تلاش میں ہوتے۔ آپ کی تمام عمر خواہش وتمنا یہ ہوتی کہ مجھے شہادت کی موت نصیب ہو۔ آپ کا یہ وہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے آپ زندگی میں کسی غزوہ سے پیچھے نہ رہے۔

ایک دفعہ آپ بیمار تھے۔ دوست احباب آپ کی عیادت کے لیے حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ نے اُن کے سامنے قرآنِ کریم کی کچھ تلاوت کی پھر فرمایا:

"شائد تم ڈر رہے ہو کہ میں اپنے بستر پر جان دے رہا ہوں، نہیں اللہ کی قسم میرا رب مجھے شہادت سے ہرگز محروم نہیں رکھے گا"۔

اُن کو اتنا یقینِ کامل تھا کہ اللہ اُن کی خواہش ضرور پوری کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اِس یقین کو سچ کر دکھایا، آپ اپنے بستر پر فوت نہ ہوئے بلکہ اسلامی معرکوں میں سے ایک عظیم معرکے میں اعزازِ شہادت سے سرفراز ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دلی خواہش کو پورا کر دیا۔

جنگ یمامہ کے روز جب اسلامی لشکر حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں میدانِ جنگ میں اترنے کے لیے تیار تھا تو حضرت براءؓ انتظار کے اِن لمحات کو اس طرح بے چینی اور بیتابی کے ساتھ گزار رہے تھے گویا لمحے نہیں سال ہوں۔ اس موقع پر تیزی کے ساتھ حرکت کرتے ہوئے آپ کی آنکھیں میدانِ جنگ کا بغور جائزہ لیتی رہیں گویا وہ جائے شہادت کے لیے موزوں ترین جگہ تلاش کر رہے ہوں۔

حضرت خالدؓ بن ولید۔ نے باآواز بلند اَللّٰہُ اَکْبَر کہا...... اللہ کی کبریائی کا یہ اعلان سُن کر اسلامی لشکر کی مضبوط صفیں اپنے اہداف کی طرف چل پڑیں۔ موت کے عاشق حضرت براءؓ بن مالک بھی لشکر کے ہمراہ متحرک ہوگئے۔ میدانِ جنگ گرم ہوا تو آپ کی تلوار سے باطل کے

Marfat.com

پجاریوں کی ایک کثیر تعداز مین پر خزاں کے پتوں کی طرح گرنے لگی۔ مسیلمہ کذّاب کا لشکر کمزور تھا نہ قلیل بلکہ یہ مرتدین کا خطرناک ترین لشکر تھا۔ اس لشکر نے اتنی سختی کے ساتھ مسلمانوں کے حملے کی مزاحمت کی کہ قریب تھا کہ جنگ کے منہ زور گھوڑے کی لگام اُن کے ہاتھ میں آجاتی اور مزاحمتی صورتِ حال سے نکل کر حملہ آور کی حیثیت اختیار کر لیتے۔

حضرت براءؓ بن مالک بلند آواز کے مالک تھے۔ سپہ سالارِ لشکر حضرت خالدؓ بن ولید نے آپ کو بلایا کہ اے براء تم ہی اعلان کرو۔ حضرت براءؓ نے پوری قوت سے مسلمان سپاہ کے سامنے اعلان کیا:

''اے اہلِ مدینہ! آج کسی مدینہ کے بارے میں نہ سوچو بلکہ صرف اللہ اور جنت کو اپنی نظروں کے سامنے رکھو''

حضرت براءؓ کے یہ الفاظ اسلامی فوج کے دل و جاں میں سرائت کر گئے۔ تھوڑی دیر بعد میدانِ جنگ کا نقشہ پلٹ گیا۔ اب مسلمان پیش قدمی کر رہے تھے اور اللہ کی نصرت آگے بڑھ کر اُن کے استقبال کے لیے اپنے بازو پھیلائے کھڑی تھی۔ مشرک بڑی ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو کر زمیں پر گر رہے تھے۔ حضرت براءؓ اپنے ہی ساتھیوں کے ساتھ تھے۔ مشرک پسپا ہو کر بھاگ اٹھے اور انہوں نے ایک بہت بڑے باغ میں داخل ہو کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی۔ جو اُس کے بعد تاریخ میں ''حدیقۃ الموت'' کے نام سے مشہور ہوا اس لیے اُس روز اِس باغ میں بہت کثیر تعداد میں لوگ قتل ہوئے اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

''حدیقۃ الموت'' ایک بہت وسیع و عریض باغ تھا۔ مسیلمہ کذّاب اور اِس کی فوج نے اس باغ کے اندر پناہ لینے کے بعد اُس کے دروازے اندر سے بند کر دیئے اور اس کی اونچی دیواروں کے پیچھے خود کو محفوظ کر لیا اور اندر سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ اس وقت اسلام کے جانباز فرزند حضرت براءؓ بن مالک آگے بڑھے اور بولے کہ مجھے ڈھال پر بٹھا کر نیزوں کے سہارے اوپر اٹھاؤ۔ اور دروازے کے قریب باغ کے اندر پھینک دو تا کہ یا تو میں شہادت کا درجہ حاصل کر لوں یا تمہارے لیے باغ کے اندر جا کر دروازہ کھول دوں۔ حضرت براءؓ نہایت ہلکے پھلکے اور دبلے پتلے جسم کے مالک تھے۔ وہ فوراً ایک ڈھال پر بیٹھ گئے اور کئی

Marfat.com

ساتھیوں نے انہیں نیزوں کی مدد سے اوپر اٹھایا اور انہیں باغ کے اندر مسیلمہ کے ہزاروں فوجیوں کے درمیان پھینک دیا۔ اندر پہنچتے ہی وہ دشمنوں کے اوپر بجلی بن کر گرے۔ وہ دروازے کے پاس برابر لڑتے رہے اور اُن کی گردنیں تلوار سے گاجر مُولی کی طرح کاٹتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے دشمن کے دس آدمیوں کو تہہ تیغ کیا اور بالآخر باغ کا دروازہ کھول دیا۔ اسلامی فوج اس کے اندر داخل ہوگئی، مگر قدرت کے فیصلے دیکھیئے کہ اس کے باوجود حضرت براءؓ کا خواب پورا نہ ہوا۔ مشرکین کی تلواریں آپ کو پا سکیں نہ شہادت آپ کو مل سکی جس کی خواہش وتمنا آپ کے دل میں مچل رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے سچ فرمایا ''موت کے حریص رہو، تمہیں زندگی عطا ہوگی''۔

اُس روز حضرت براءؓ بن مالک کے جسم پر 90 زخم آئے۔ مسلمانوں نے دروازوں اور دیواروں کے راستے پورے باغ پر دھاوا بول دیا اور اس میں پناہ لینے والے مرتدین کو اپنی تلواروں کی دھار پر رکھ لیا اور تقریباً 20 ہزار مشرکین کو واصل جہنم کرنے کے بعد مسیلمہ کذّاب تک پہنچ کر اُسے بھی فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید حضرت براءؓ کے علاج کے سلسلہ میں ایک ماہ تک اُن کے پاس ٹھہرے رہے یہاں تک اللہ نے اُن کو شفائے کاملہ سے نوازا اور اُن کے ہاتھوں مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ حضرت براءؓ بن مالک اس دولت وشہادت کو پانے کی آرزو کو اپنے سینے سے لگائے رہے اور اپنے مقصدِ حیات کو حاصل کرنے کے متلاشی رہے جو حدیقۃُ الموت کے روز اُن کے قریب آ کے بھی دور چلا گیا۔

حضرت براءؓ بن مالک اپنے اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے اور نبی کریمؐ کی ملاقات سے سرفراز ہونے کے لیے یکے بعد دیگرے بہت سے معرکوں میں شریک ہوئے حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا جب مسلمانوں نے ایران کے شہر ''تُس تر'' فتح کرنے کے لیے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ فارس ایک مضبوط قلعے میں پناہ گزیں ہوگئے اور مسلمانوں نے اُس کو چاروں طرف سے اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ جب محاصرہ کافی طویل ہوگیا اور اہلِ ایران کی پریشانیاں حد سے بڑھ گئیں تو وہ قلعہ کی فصیلوں سے لوہے کی زنجیریں پھینکنے لگے جن کے سروں سے فولادی آنکس جڑے ہوئے تھے جن کو دہکتی آگ میں تپا کر انگاروں کی طرح سرخ کر دیا جاتا۔ وہ نوکیلے اور دہکتے ہوئے آنکس مسلمانوں کے جسموں میں دھنس جاتے اور وہ اُن میں پھنس کر رہ جاتے اور ایرانی اوپر

Marfat.com

سے زنجیروں کے ذریعے اُن کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔ ان آنکسوں میں پھنس کر مسلمان یا تو موت کے گھاٹ اتر جاتے یا قریب الموت ہو جاتے تھے۔ اسی کش مکش میں حضرت براءؓ بن مالک اپنے بھائی حضرت انسؓ بن مالک کو بچاتے بچاتے خود اُس آنکس میں پھنس کر رہ گئے جس سے اُن کے ہاتھوں کا سارا گوشت جل گیا اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔

اس جنگ کے موقع پر حضرت براءؓ بن مالک نے دعا کی تھی کہ اللہ انہیں نعمتِ شہادت سے بہرہ ور فرمائے۔ اُن کی یہ دعا بارگاہِ ربّ العزت میں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوئی اور اُن کی وہ دیرینہ تمنا پوری ہوئی جس کو مدتوں سے وہ اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ وہ میدانِ جنگ میں شہیدؓ ہو کر گرے اور قابلِ رشک نعمت سے سرفراز ہوئے۔

Marfat.com

حضرت مالک بن سنانؓ

(حضرت ابوسعید خُدریؓ کے والدِ محترم)

آپ کا تعلق بنوخزرج قبیلہ کے خاندان خُدرہ سے تھا۔ حضرت مالکؓ بن سنان نے ہجرت نبویؐ سے کافی عرصہ قبل خاندان عدی بن نجار کی ایک بیوہ انیسہ بنت ابی حارثہ سے نکاح کیا۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ و ثانیہ کے بعد مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا پھیل گیا۔ حضرت مالک بن سنان اور اُن کی بیوی کو اللہ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ اُن کے کان جونہی صدائے توحید سے آشنا ہوئے انہوں نے بلا تامل اس پر لبیک کہا۔ مشہور صحابی رسولؐ اور متعدد احادیث کے راوی حضرت ابوسعید خدریؓ انہی سعادت مند والدین کے بیٹے تھے۔

غزوہ اُحد کے موقع پر حضرت مالکؓ نے اپنے بیٹے ابوسعیدؓ کے ہمراہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ حصہ لینے کے لیے بارگاہِ نبوتؐ میں حاضر ہوئے۔ عام طور پر نبی کریمؐ پندرہ برس سے کم عمر لڑکوں کو جنگوں میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے، اِسی لیے آپؐ نے حضرت مالک سے فرمایا کہ وہ اپنے تیرہ برس کے بیٹے کو گھر واپس بھیج دے۔ حضرت مالکؓ نے اپنے بیٹے کے ہاتھ پکڑ کر نبی اکرمؐ کو دکھلائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، ابوسعید کے ہاتھ تو پورے مرد کے ہیں۔ تاہم نبی کریمؐ نے اُن کے بیٹے کو معرکہ اُحد میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی اور آپؐ ہی کے ارشاد کے مطابق انہوں نے اپنے بیٹے کو گھر واپس بھیج دیا۔

Marfat.com

حضرت مالک بن سنانؓ سربکف ہو کر لڑے اور شجاعت کا حق ادا کیا۔ لڑائی کے دوران آنحضورؐ کا روئے انور زخمی ہوا تو حضرت مالکؓ بے تاب ہو گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر چہرہ اقدس سے ٹپکنے والے خون کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور ادب کے خیال سے اُسے زمین پر پھینکنے کی بجائے پی گئے۔ اِس کے بعد حضرت مالکؓ مردانہ وار تلوار چلاتے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور شجاعت کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ نبی اکرمؐ نے مالکؓ بن سنان کی عاشقانہ ادا کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس کے خون میں میرے خون کی آمیزش ہو، وہ مالکؓ بن سنان کو دیکھ لے''۔

Marfat.com

حضرت عامر بن فُہیرہؓ

آپ کا نام عامر، ابو عمر کنیت اور والدہ کا نام فہیرہ تھا۔ آپ طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے۔ مکہ میں جب آفتابِ رسالت طلوع ہوا تو اُس کی کرنوں کی روشنی آپ کے دل و دماغ تک بھی پہنچی۔ آنحضورؐ ابھی دارِ ارقم میں تشریف نہیں لے گئے تھے کہ حضرت عامر نے بحالتِ غلامی ہی اسلام قبول کرلیا۔ حضرت بلالؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیر اور حضرت عمارؓ کی طرح آپ پر بھی مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے، مگر آپ نے بڑی پامردی، استقلال اور ثابت قدمی سے ان سب تکلیفوں کا مقابلہ کیا اور اسلام کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو خرید کر آزاد کیا۔

جب سرکارِ دو عالمؐ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کے ارادے سے مکہ سے نکلے اور غارِ ثور میں قیام کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عامر کو یہ خدمت سپرد کی کہ وہ دن بھر حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چراتے اور شام کو غارِ ثور کے پاس لے آتے، یہاں اُن کا دودھ دوہ کر برگزیدہ مسافروں کو دیا جاتا اور وہ یہ دودھ نوش فرماتے۔ صبح کے وقت حضرت عبداللہ بن ابو بکر کے پاؤں کے نشانات کے اوپر اُن بکریوں کو لے چلتے تاکہ اُن کے غار میں آنے کے متعلق مشرکین کو شبہ نہ ہو۔ پھر جب تین دن کے بعد یہ قافلہ غارِ ثور سے روانہ ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے اُن کو پیچھے بٹھا لیا۔ مدینہ پہنچ کر حضرت سعد بن خثیمہؓ کے مہمان ہوئے اور تھوڑے عرصے بعد حضرت حارثؓ بن اوس سے آپ کی مؤاخات کرادی گئی۔

Marfat.com

مدینہ کی آب وہوا شروع میں جن حضرت کی موافق نہ آئی، اُن میں ایک حضرت عامرؓ بھی تھے۔ بخار کا اس قدر غلبہ ہوا کہ زندگی سے مایوس ہو گئے۔

آنحضرت کو مہاجرین کی ناسازی طبع کی خبر ہوئی تو آپؐ نے دعا فرمائی ''اے اللہ! تو مکہ کی طرح مدینہ کو بھی ہمارے لیے خوشگوار بنا دے اور اس کو بیماریوں سے پاک وصاف کر دے''۔آپؐ کی دعا اللہ نے قبول کر لی اور حضرت عامر بن فہیرہؓ تندرست ہو گئے۔

حضرت عامر بن فہیرہؓ غزوۂ بدر اور اُحد میں شریک ہوئے تھے۔ صفر 4ھ میں آنحضرتؐ نے ابو برا کلابی جو کلاب قبیلے کا سردار تھا، اُس کی درخواست پر ستر قاریوں کی ایک جماعت کو جن میں اکثر قاری اصحابِ صفہ میں سے تھے، تبلیغ اسلام کے لیے اِس قبیلہ کی طرف روانہ کیا۔ اُس جماعت میں حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے۔ اس جماعت نے بیرِ معونہ پہنچ کر قیام کیا۔ عامر بن طفیل نے قبیلہ والوں کے ساتھ مل کر اُن کے ساتھ غداری کر کے اُن تمام حضرات کو مع حضرت عامر بن فہیرہؓ شہید کر دیا صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری زندہ گرفتار ہوئے۔ حضرت عامر بن فہیرہؓ کی اُس وقت عمر 40 برس تھی۔ اس کے بعد عامر بن طفیل آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کہا کہ میں نے عامر بن فہیرہؓ کی لاش کو قتل ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے، یہاں تک کہ آسمان وزمین کے درمیان معلق نظر آئے پھر زمین پر رکھ دیئے گئے۔

تاریخِ اسلام کے مشہور مؤرخ حضرت عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ اِن شہداء کرام میں حضرت عامرؓ کی لاش تلاش کی گئی تو نہیں ملی۔ اس پر لوگوں کو خیال ہوا کہ فرشتے اُس کو اُٹھا کر لے گئے یا انہوں نے تدفین کر دی۔ سرورِ کائنات کو اس سانحہ معونہ کا بڑا صدمہ ہوا اور آپؐ چالیس روز تک صبح کی نماز کے بعد ان غداروں کے لیے بددعا فرماتے رہے یہاں تک آیت ''لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شیء'' (آپؐ کو اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے) نازل ہوئی۔

ظاہری طور پر حضرت عامرؓ سیاہ فام حبشی تھے مگر آپ کا دل اور سینہ انوارِ نبوتؐ کی شمع سے روشن وتاباں تھا۔ حضرت عامرؓ کی فضیلت اور بزرگی کے لیے یہ شرف ہی کیا کم ہے کہ

Marfat.com

آنحضرتؐ نے اُن کو غارِ ثور ایسے نازک موقع پر اپنا معتمد بنایا۔ آپ کے استقلال و پامردی کا یہ عالم تھا کہ بیرٔ معونہ کے واقعہ میں اُن کے قاتل جبار بن سلمہ کا نیزہ اُن کے سینہ سے پار ہوا تو اضطراب وتشویش کے بجائے بے ساختہ زبانِ مبارک سے نکلا ''فُزْتُ والله (میں اللہ کی قسم کامیاب ہوگیا)۔

Marfat.com

حضرت ابُو رافع رضؓ

آپ کا نام اسلم اور ابورافع کنیت تھی۔ ابتدا میں آپ آنحضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے غلام تھے۔ آپ کو حضرت عباسؓ نے حضور اکرمؐ کو بطورِ ہبہ دے دیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عباسؓ کے اسلام قبول کرنے کی خوشی میں آپ کو آزاد کر دیا لیکن حضرت ابورافعؓ نے آپؐ ہی کے ساتھ رہنا منظور کیا اور اُن کی زندگی کا کافی عرصہ آنحضورؐ کی معیت میں ہی گزرا۔

حضرت رافعؓ اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش نے مجھ کو کسی کام سے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا۔ آپؐ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! اب میں قریش کے پاس واپس نہیں جانا چاہتا۔ سرورِ کونینؐ نے فرمایا:

> ''میں عہد شکنی کو پسند نہیں کرتا اور قاصد کو نہیں روکتا، اب تو تم واپس چلے جاؤ۔ اگر پھر بھی تم اسلام کی طرف میلان کا جذبہ اپنے اندر پاؤ تو واپس آجانا''

چنانچہ ارشادِ نبویؐ کے مطابق حضرت رافع واپس چلے گئے اور پھر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

آپ نے غزوہ بدر تک قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا۔ ایک دن آپ خانہ کعبہ کے پاس چاہِ زم زم کے پاس بیٹھے تھے اور حضرت عباسؓ کی بیوی بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی

Marfat.com

تھیں۔ اتنے میں ابولہب آیا اور آ کر وہیں بیٹھ گیا۔ پھر ابوسفیان بھی آ گیا اور بدر کے واقعات کے متعلق گفتگو شروع ہوگئی۔ ابولہب بولا ’’کیا بتاؤں، مسلمانوں نے ہماری قوت تباہ کر کے رکھ دی۔ ہمارے کتنے ہی سورما تھے، جن کو تہہ تیغ کیا گیا، کافی گرفتار ہوئے۔ اسی سلسلہ میں ایک عجیب وغیرب واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ میدانِ جنگ میں زمین سے آسمان تک سفید پوش سوار بھرے ہوئے تھے۔ بیچ میں ابورافعؓ بولے ’’وہ اللہ کے فرشتے تھے‘‘ یہ سن کر ابولہب نے اُن کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا۔ ابورافع سنبھل کر اُس سے گُتھم گُتھا ہوگئے، مگر کمزور تھے، غالب نہ آ سکے۔ ابولہب نے آپ کو زمین پر پٹخ دیا اور جتنا مار سکتا تھا، مارا۔ حضرت عباسؓ کی بیوی جو پاس ہی موجود تھیں، اس ظلم کو برداشت نہ کر سکیں، ایک ستون اُٹھا کر اُس زور سے رسید کیا کہ ابولہب کا سر کھُل گیا اور بولیں ’’اُس کا آقا موجود نہیں، کمزور سمجھ کر مارتا ہے‘‘۔

آپ غزوہ بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے۔ کچھ دنوں بعد آنحضورؐ نے آپ کو اور زید بن حارثہؓ کو دو اونٹ دے کر مکہ بھیجا کہ میرے اہلِ خانہ حضرت سودہؓ، اُمّ ایمنؓ، حضرت اُمّ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ کو مدینہ لے کر آ جائیں۔ آپ کے ساتھ اسی قافلے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اہلِ خانہ اُن کی زوجہ محترمہ اُمّ رومانؓ، بیٹی حضرتِ عائشہؓ اور اسماءؓ بھی ساتھ تھیں۔

حضرت ابورافعؓ ایک خادم کی حیثیت سے آنحضرتؐ کے سفر و حضر میں ساتھ رہتے تھے، اس لیے سرورِ کائناتؐ کی زندگی کی معمولی معمولی جزئیات سے متعلق بہ نسبت دوسروں کے زیادہ واقفیت تھی۔ اسی بنا پر بڑے بڑے جلیل صحابہ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ حضرت ابو رافعؓ کے پوتے عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ میرے دادا کے پاس ایک کاتب کو لے کر آئے اور آنحضرتؐ کے متعلق سوال کرتے کہ آپؐ نے فلاں فلاں دن کیا کیا کام کیے تھے؟ میرے دادا ابورافعؓ بتاتے جاتے اور کاتب تحریر کرتا جاتا تھا۔

حضرت ابورافعؓ کی فضیلت اور مرتبہ اس بات سے عیاں ہوتا ہے کہ آنحضورؐ نے آپ کو آزاد کر کے اپنے خاندان میں شامل کر لیا تو فرمایا ’’مولی القومِ منِ انفُسِھُم‘‘۔ اس کے بعد آپ کے لیے فضیلت و بزرگی کا کون سا مرتبہ باقی رہ جاتا ہے۔

Marfat.com

آنحضرتؐ نے حضرت رافعؓ کا نکاح اپنی آزاد کردہ باندی جاریہ سلمہؓ سے کر دیا تھا جو آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ (عمر اٹھارہ ماہ) کی آیا تھیں۔ اُن سے حضرت رافعؓ کے بیٹے عبداللہ تولد ہوئے۔ اُن کے علاوہ حضرت رافعؓ کی اولاد کے نام ہیں:۔ حسن رافع، مضمر، مغیرہ، سلمٰی۔

آپ کا انتقال حضرت علیؓ کے عہد خلافت کے ابتدائی دور میں 36ھ میں ہوا۔ حضرت ابو رافعؓ سے 68 احادیث بھی روایت کی گئی ہیں جو بخاری، مسلم اور دوسری احادیث میں مرقوم ہیں۔

Marfat.com

حضرت شقران صالحؓ

آپ کا نام صالح، شقران لقب اور والد کا نام عدی تھا۔ آپ حبشی نژاد تھے۔ حضرت شقران صالح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے غلام تھے جنہیں بعد میں انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کر دیا۔ پھر آپؐ نے حضرت شقران کو خلعتِ آزدی سے مشرف فرمایا۔ آنحضرتؐ نے ان کو غزوہ مریسع میں اموالِ غنیمت کے جمع کرنے اور بدر میں قیدیوں کی دیکھ بھال پر بھی مامور کیا تھا۔ انہوں نے قیدیوں کی نگرانی میں نرمی برتی کہ اُن سب نے اُن کو اس قدر معاوضہ دیا کہ مالِ غنیمت میں سے جن کو حصہ ملا تھا، حضرت شقرانؓ اُن سب سے اچھے رہے۔

آنحضورؐ حضرت شقرانؓ کی حُسنِ خدمات سے بہت خوش تھے، یہاں تک کہ آپؐ نے وفات کے وقت خاص طور پر اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنے کی وصیت فرمائی۔ حضرت شقرانؓ بھی اپنے آقا کے ایسے جانثار غلام ثابت ہوئے کہ جس دامن کرم سے ایک دفعہ وابستہ ہو گئے، آخر تک اُس کو نہیں چھوڑا۔ آپ کی وفا کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب تاجدارِ مدینہ کا وصال ہوا تو جب جسم مطہر کی امانت زمین کے سپرد کی جا رہی تھی تو اُس موقع پر حضرت شقرانؓ بھی اہلِ بیت کے ساتھ موجود تھے۔ اور جو چادر اس وقت رسول اللہؐ کے زیبِ بدن تھی، حضرت شقرانؓ ہی اُس کو اپنے ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ملاءِ قدس کی یہ امانت باعظمت سپردِ زمین ہو کر چشمِ ظاہر سے قیامت تک عوام الناس کی نگاہوں سے مستور

Marfat.com

ہوگئی۔

حضرت شقرانؓ سے بعض احادیث بھی مروی ہیں۔ آنحضورؐ کے وصال پا جانے کے بعد کہا جاتا ہے کہ آپ بصرہ چلے گئے، اس لیے آپ کی جائے وفات اور وقتِ وفات کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔

Marfat.com

صحابیاتؓ

Marfat.com

Marfat.com

حضرت اَسماء بنت ابُو بکرؓ

آپ کا نام اَسماء، والدِ مکرم کا نام ابو بکرؓ اور والدہ کا نام قتیلہ تھا۔ آپ حضرت عائشہؓ سے عمر میں اٹھارہ سال بڑی تھیں اور وہ آپ کی سوتیلی بہن تھیں، جبکہ حضرت عائشہؓ کی والدہ محترمہ کا نام اُمّ رومانؓ تھا۔ جب آپ ہجرت سے 27 سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں تو اُس وقت آپ کے والدِ محترم حضرت ابو بکرؓ کی عمر 20 سال تھی۔ حضرت اسماء بڑی جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ آپ کی شادی حضرت زبیر بن العوامؓ سے ہوئی جو اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے۔ آپ کو ماشاءاللہ کتنا بابرکت ماحول نصیب ہوا، اس کا اندازہ اس بات لگایا جا سکتا ہے کہ والدِ محترم اور خاوند دونوں عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور آپ کے خاوند حضرت زبیرؓ آنحضورؐ کے پھوپھیرے بھائی تھے۔ آپ نے آنحضرتؐ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ قبولِ اسلام میں آپ کا شمار السابقونَ الاوّلُون میں کیا جاتا ہے۔

جب آنحضورؐ کو کفارِ مکہ نے بہت پریشان کیا، یہاں تک کہ آپؐ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے تو آپ نے مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی طرف ہجرت کا قصد کیا۔ حضرت ابو بکرؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ ایک رات رسول اللہؐ حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ مکہ سے باہر جا کر تھوڑے فاصلے پر جبلِ ثور کے ایک غار میں مقیم ہو گئے۔ اِن رفقاء میں سے جو اُس وقت آنحضورؐ کی خُفیہ طور پر امداد کرتے تھے، اُن میں حضرت عبداللہ بن ابو بکرؓ کے علاوہ حضرت اسماءؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔

Marfat.com

حضرت اسماءؓ روزانہ رات پڑتے ہی غارِ ثور میں آنحضورؐ کے پاس تازہ کھانا تیار کر کے لے جاتیں اور کھانا ناشتہ کھلا کر واپس آ جاتی تھیں۔ حضرت اسماءؓ کے بھائی دن بھر کافروں کے ارادوں اور باہم مشوروں کا پتہ لگایا کرتے اور رات کو غارِ ثور میں پہنچ کر جنابِ رسول اللہؐ کے خدمت میں وہ تمام خبریں بتا دیا کرتے۔ مدینہ روانہ ہونے سے ایک دن قبل جب حضرت اسماء تین دن کا کھانا ناشتہ تیار کر کے لے گئیں، ناشتہ اور پانی کا مشکیزہ باندھنے کی ضرورت ہوئی، اُس وقت جلدی میں کوئی رسی کا ٹکڑا نہ ملا تو حضرت اسماءؓ نے اپنی کمر سے بندھا ہوا انطاق (وہ رومال جسے عرب عورتیں قمیض کے اوپر لپیٹ کر باندھ لیتی ہیں) اپنی کمر سے کھول کر اُس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ناشتہ کھانا اور دوسرے سے پانی کے مشکیزے کا منہ باندھ دیا۔ اس سے خوش ہو کر آنحضورؐ نے حضرت اسماءؓ کو ''ذات النطاقین'' کا لقب عطا کیا۔

آنحضورؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جب مدینہ پہنچ گئے تو کچھ دن بعد مکہ سے مستورات کو مدینہ بلانے کی تجویز پیش ہوئی۔ چنانچہ آنحضورؐ نے زید بن حارثہؓ اور اپنے غلام ابورافعؓ کو مکہ بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنے غلام عامر بن فہیرہؓ کو ساتھ روانہ کیا۔ مکہ سے حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ اپنی والدہ ام رومانؓ اور دونوں بہنوں حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ کو لے کر عازم مدینہ ہوئے۔ حضرت اسماءؓ جب مقامِ قبا میں پہنچیں تو عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی۔

حضرت اسماءؓ اپنے لختِ جگر کو لے کر آنحضورؐ کی خدمتِ اقدسؐ میں لائیں۔ آپؐ نے نومولود کو گود میں لے کر گھٹی پلائی اور دعا سے سرفراز فرمایا۔ یہ مہاجرین کے ہاں پہلی ولادت باسعادت تھی جو ہجرت کے بعد اسلام میں ہوئی۔ اس ولادت سے قبل مدینہ کے یہود نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے کہ اُن کے ہاں ہجرت سے لے کر اب تک کوئی ولادت نہیں ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی پیدائش سے انہوں نے منہ کی کھائی اور آپ کی پیدائش پر مدینہ میں تمام مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت اسماءؓ کے بطن سے حضرت زبیر بن العوامؓ کے پانچ صاحبزادے عبداللہ، عُروہ، مُنذر، عاصم، مہاجر اور تین صاحبزادیاں خدیجہ، اُمُ الحسن اور عائشہ پیدا ہوئیں۔

Marfat.com

حضرت اسماءؓ، نہایت متواضع اور منکسر المزاج خاتون تھیں۔ محنت و مشقت میں آپ کوئی عار محسوس نہ کرتیں۔ آپ راسخ العقیدہ مسلمان عورت تھیں۔ گھر میں ہر چیز کو بقدرِ ضرورت ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں۔ حضرت اسماءؓ بعد میں جاہ وثروت اور دولت سے مالا مال ہوگئیں تھیں لیکن انہوں نے کفایت شعاری اور اسلام کی سادگی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آپ ہمیشہ موٹا کپڑا زیب تن کرتیں۔ آپ کبھی علیل ہو جاتی تھیں تو غلاموں کو آزاد کر دیتی تھیں۔ حضرت اسماءؓ مجسم پیکرِ اخلاق تھیں۔ آپ نے کئی حج کیے، پہلا حج آنحضورؐ کے ساتھ ہی کیا تھا۔ آپ نے آنحضرت سے 56 احادیث بھی روایت کی ہیں۔ آپ نے سو (100) سال کی عمر پائی اور جمادی الاوّل 73ھ میں بمقام مکہ معظمہ انتقال فرمایا۔

آپ کے شوہر کی وفات (قتل) اور لختِ جگر نورِ نظر حضرت عبداللہؓ کی شہادت (مکہ میں) دونوں واقعات قیامت سے کم نہ تھے لیکن مرحبا و آفرین! باوجود ان سخت واقعات کے جس عزم و استقلال اور صبر و شکر سے آپ نے کام لیا، وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

Marfat.com

حضرت امامہ بنت ابی العاصؓ

(نواسی رسولؐ)

بنت رسول اللہ حضرت زینبؓ کے ہاں مکہ میں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام امامہ تھا۔ آپ آنحضورؐ اور حضرت خدیجہؓ کی نواسی تھیں۔ والدِ محترم کا نام ابوالعاص تھا گھر میں پہلی نواسی حقیقی پیاری اور عزیز ہوتی ہے، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

حضرت امامہؓ آپؐ کو بہت محبوب تھیں آخر وہ آپ کی لختِ جگر کی لختِ جگر تھیں، محبت و پیار بھلا کیوں نہ ہوتا؟ حتیٰ کہ آپ اُن کو نماز میں بھی جدا نہ کرتے۔ نماز پڑھتے وقت آپ امامہؓ کو اپنے شانوں پر بٹھا لیتے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرمؐ کو دیکھا کہ آپ جماعت کرا رہے تھے۔ آپؐ نے امامہؓ بنت العاصؓ کو اپنے کندھوں پر اُٹھایا ہوا تھا۔ رکوع و سجود میں جاتے وقت اسے فرش پر بٹھا دیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اُسے دوبارہ اٹھا لیتے تھے۔ (حدیث: 543، صحیح مسلم)

آپ کی والدہ محترمہ حضرت زینب 8ھ میں مدینہ میں انتقال فرما گئی تھیں۔ 11ھ میں آپ کے نانا جان آقائے دو جہاںؐ نے وصال فرمایا اور پھر حضرت امامہؓ کو ایک اور صدمہ اُس وقت برداشت کرنا جب آپ کے والد حضرت ابوالعاصؓ بھی 12ھ میں وفات پا گئے۔ انہوں نے اپنی وفات سے قبل حضرت زبیر بن العوامؓ جو اُن کے قریبی رشتہ دار تھے، وصیت فرمائی تھی کہ

Marfat.com

میرے فوت ہونے کے بعد بیٹی امامہؓ کی وہ کفالت کریں۔ روایت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت علیؓ حضرت امامہؓ سے شادی کرلیں۔ حضرت زبیر بن العوامؓ نے وصیت کے مطابق امامہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کردیا۔ امیر المومنین حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اُن کا نکاح، مغیرہ بن نوفل سے ہوا اور ایک بیٹا یحییٰ پیدا ہوا، جس کی وجہ سے آپ کی کنیت اُمّ یحییٰ مشہور ہوئی۔ حضرت مغیرہ بن نوفل سے نکاح کی اجازت حضرت حسنؓ نے دی۔

ایک دفعہ شاہ حبشہ نجاشی نے آپؐ کی خدمت میں ایک قیمتی ہار بھیجا۔ آنحضرتؐ وہ ہار لے کر گھر میں تشریف لائے اور فرمایا ''یہ ہار میں اُس کو دوں گا جو میرے اہلِ بیت میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہوگا'' ازواج مطہرات کو خیال ہوا کہ شاید یہ حضرت عائشہؓ کے حصہ میں آئے لیکن آنحضرتؐ نے یہ ہار اپنی پیاری نواسی حضرت امامہؓ کے گلے میں ڈال دیا۔

حضرت امامہؓ کی آخری زندگی مغیرہ بن نوفل کے ساتھ بسر ہوئی اور آپ کا انتقال بھی حضرت مغیرہ کے گھر میں ہوا۔

Marfat.com

حضرت صفیہؓ

آپ کا نام صفیہ ہے۔ حضورؐ کے دادا عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، اس طرح آپ آنحضورؐ کی پھوپھی تھیں۔ آپ کی والدہ آنحضرتؐ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی سگی بہن ہالہ بنت وہب تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کی شادی ابوسفیان کے بھائی حارث بن حرب سے ہوئی۔ اُس کی وفات کے بعد آپ کی شادی اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد کے ساتھ ہوئی۔ اُن سے تین بیٹے زبیر، صائب اور عبدالکعبہ پیدا ہوئے۔ حضرت زبیر بن العوامؓ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ تقریباً آنحضورؐ کی ہم عمر تھیں۔

اس بات پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کی پھوپھیوں میں سے صرف حضرت صفیہؓ ہی اسلام لائی تھیں۔ آپ نے اپنے بیٹے حضرت زبیر بن العوامؓ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔ آپ نے کئی غزوات میں حصہ بھی لیا۔

جب رسول اللہ غزوۂ خندق کے موقع پر محاذ پر گئے تو آپ نے عورتوں اور بچوں کو حضرت حسان بن ثابتؓ کے ساتھ ایک قلعہ میں ٹھہرایا اور حضرت حسانؓ کو اُن کی حفاظت کے لیے متعین کیا۔ یہ موقع ایسا تھا کہ عورتیں تنہا تھیں۔ دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ کے دروازہ تک پہنچ کر

Marfat.com

کان لگا کر جاسوسی کرنے لگا اور موقع کی تاڑ میں تھا کہ عورتوں اور بچوں پر حملہ کرے۔ اُسے حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا۔ آپ چونکہ طبیعت کی دلیر تھیں، اس سے حضرت حسانؓ سے بولیں ''آگے بڑھ کر اس یہودی کو قتل کر ڈالو''۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اگر اس قابل ہوتا تو آنحضورؐ کے ساتھ غزوہ میں شرکت نہ کرتا؟

حقیقت میں ایک بیماری کی وجہ سے حضرت حسانؓ جسمانی لحاظ سے کمزور تھے۔ اس قسم کی جرأت نہ کر سکے اور معذوری ظاہر کی۔ حضرت حسانؓ کی معذوری دیکھ کر حضرت صفیہؓ اٹھیں، ایک خیمے کی چوب کو اکھاڑا اور زور سے اُس یہودی کے سر پر دے ماری، وہ یہودی جاسوس اُسی وقت واصلِ جہنم ہوگیا۔ اِس یہودی کا سر کاٹ کر اُن یہودیوں پر جو قلعے کے باہر موجود تھے، پھینک دیا۔

غزوہ احد میں جب آپ کے سگے بھائی حضرت حمزہؓ شہید ہوگئے تو کفار نے حضرت حمزہؓ کی لاش کا مُثلہ کیا۔

آنحضرتؐ نے آپ کے بیٹے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ہدایت کی کہ حضرت صفیہؓ حضرت حمزہؓ کی لاش کو دیکھنے نہ پائیں کیونکہ لاش اس قابل نہ تھی کہ ایک عورت ذات اور وہ بھی سگی بہن یہ اندوہناک منظر دیکھ کر اپنے آپ پر ضبط کر سکیں گی۔ آپ کو معلوم ہوا اور کہا کہ ''مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کا مُثلہ کیا گیا ہے، تاہم میں ضرور صبر سے کروں گی اور انشاء اللہ ضبط سے کام لوں گی''۔

حضرت زبیرؓ نے یہ آنحضورؐ سے بیان کر دیا۔ یہ سُن کر آپؐ نے اجازت دے دی۔ پھر حضرت صفیہؓ اپنے سگے بھائی کی لاش پر آئیں، جسم کے ٹکڑے اپنی آنکھوں سے دیکھے، مگر اتنا ضبط کیا کہ کچھ نہ بولیں اور صرف اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْن کہہ کر دعائے مغفرت مانگنے لگیں۔ جب آپ واپس چلی گئیں تو آنحضورؐ کے حکم کے مطابق اُن کو دفن کیا گیا۔

حضرت صفیہؓ نے ہجرت کے بیسویں سال حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں 73 سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مغیرہ بن شعبہ کے احاطے میں دفن ہوئیں۔

Marfat.com

حضرت اُمّ سلیمؓ

آپ کا نام غمیصاء تھا، اُمّ سلیم کنیت اور قبیلہ بنونجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ سلمٰی بنت زید کی پوتی تھیں۔ سلمٰی حضورِ اکرمؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی والدہ تھیں۔ اسی رشتے سے اُمّ سلیم حضورؐ کی خالہ سمجھی جاتی تھیں۔ آپؐ کے والد کا نام ملحان تھا۔

آپ کی شادی زمانہ جاہلیت میں مالک بن نضر کے ساتھ ہوئی تھی۔ حضرت انسؓ انہی سے پیدا ہوئے اور صحابۂ رسولؐ میں انسؓ بن مالک کے نام سے معروف ہوئے۔ انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی، اُن میں اُمِ سلیمؓ بھی شامل تھیں۔ حضرت انسؓ اُس وقت بچہ تھے۔

حضرت اُمّ سلیمؓ اُن کو کلمہ پڑھاتی تھیں تو اُس کا والد مالک بن نضر جو ابھی تک اپنے مذہب پر قائم تھا اور مشرک تھا، بہت ناراض ہوتا اور کہتا کہ تم بیٹے کو بے دین کیے دیتی ہو؟ اُمّ سلیمؓ اُس کے جواب میں کہتیں "میں اپنے بچے کو بگاڑ نہیں رہی ہوں بلکہ اُس کی زندگی سنوار رہی ہوں" مالک گھر کے اس ماحول سے بیزار ہو کر ملک شام چلا۔ یہاں اُس کا دشمن پہلے ہی سے اُس کا منتظر تھا، اُس نے موقع پا کر اُس کو قتل کر دیا۔

Marfat.com

اب اُمِّ سلیم بیوہ تھیں اور اپنے بیٹے انس کے بچپن سے پریشان، اگر ایسے وقت میں نکاح کر لیتیں تو یہ بات کوئی قابلِ الزام نہ تھی۔ مگر انہوں نے بڑے استقلال سے کام لیا اور کئی پیغام نکاح یہ کہہ کر رد کر دیئے کہ جب تک میرا بیٹا انس بڑا ہو کر مجلسوں میں اُٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے قابل نہ ہو جائے، نکاح نہ کروں گی۔ اُن کا یہ کہنا اُس خیال سے تھا کہ سوتیلے باپ سے انس کو تکلیف نہ ہو۔

جب حضرت انس سنِ شعور کو پہنچے تو انہی کے قبیلہ کے ایک شخص ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام دیا، مگر وہ ابھی مشرک تھا۔ اس لیے اُمِّ سلیمؓ نے عذر کیا اور کہا ''میں تو محمدؐ پر ایمان لا چکی ہوں اور گواہی دیتی ہوں کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ تمہارے اوپر البتہ افسوس ہے کہ پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے بُت پوجتے ہو۔ وہ بُت جس کا درخت زمین سے پیدا ہوا، جو تمہیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے''۔ یہ تلقین کچھ ایسے انداز میں کی گئی کہ اسلام کی صداقت ابوطلحہ کے دل میں سرایت کر گئی اور چند دن کے غور کے بعد اُمِّ سلیم کے پاس آ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ نوجوان طلحہ کی عمر اُس وقت بیس سال تھی۔ اُس کا نام زید بن سہیل تھا۔ پھر ابوطلحہ کی اُمِّ سلیم کے ساتھ شادی ہو گئی اور اسلام کا قبول کرنا ہی حق مہر قرار پایا۔

ابوطلحہ سے نکاح ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لا چکے تھے۔ اُمِّ سلیمؓ نے اپنے لختِ جگر کو آنحضورؐ کی خدمت اقدس میں دے دیا۔ حضرت انسؓ آپؐ کے خدامِ خواص میں سے تھے اور آپ کو بہت محبوب تھے۔ ایک بار آپؐ اُمِّ سلیمؓ کے گھر آئے تو اُمِّ سلیمؓ نے مکھن اور کھجوریں پیش کیں۔ آپؐ نے اُمِّ سلیمؓ اور اُن کے خاندان کے لیے دعا فرمائی۔ اُمِّ سلیمؓ نے دیکھا کہ اِس وقت محبتِ نبویؐ جوش پر ہے تو کہا: ''یا رسول اللہ! میں سب سے زیادہ انس کو چاہتی ہوں، جو آپ کا خدمتگار ہے، اُس کے لیے خصوصیت سے دعا فرمائیے۔ آپؐ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

> ''اے اللہ! اس کو مال دے، اولاد دے، اِس کی عمر میں برکت دے اور اُسے جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما'' (ترمذی:3829)

یہ اِسی دعا کا اثر تھا کہ حضرت انسؓ تمام انصار میں متموّل ہوئے اور معمر ہوئے۔ آپ

Marfat.com

نے ایک سوایک برس عمر پائی اور کثرت اولاد ہوئی۔ آپ کے پاس ایک ایسا باغ تھا جس میں سال میں دو دفعہ پھل لگتا تھا اور اس میں ایک ایسا پودا تھا جس کی خوشبو کستوری سے زیادہ تھی۔

ابو طلحہؓ سے شادی کے بعد آپ کے شب و روز جنابِ رسول کریمؐ کے فرامین کی اطاعت میں گزرنے لگے اور انہیں کی روشنی میں تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنے گھر کا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

حضرت اُمّ سلیمؓ کی زندگی کا وہ واقعہ اُمتِ مسلمہ سے تعلق رکھنے والی ماؤں کے لیے نہایت نصیحت آمیز ہے جب اُن کے لختِ جگر کا انتقال ہوگیا اور وہ کمالِ عقل و دانش سے اپنے شوہر کے درد کا مداوا بن گئیں۔ اس بچے کی وفات کا واقعہ صحیح مسلم میں ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ کسی ضروری کام کے سلسلہ میں گھر سے باہر گئے ہوئے تھے، اُن کا ایک بیٹا جو اُمّ سلیمؓ کے بطن سے تھا، اُن کی عدم موجودگی میں وفات پا گیا۔ اُمّ سلیمؓ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ "جب ابو طلحہؓ گھر آئیں تو تم لوگ انہیں بچے کی وفات بارے کچھ خبر مت دینا"۔ جب ابو طلحہؓ گھر آئے تو پوچھا "بچے کا کیا حال ہے"؟ اُمّ سلیمؓ نے کہا: "اسے پہلے کی نسبت بہت آرام ہے"۔ ابو طلحہ مطمئن ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد اُمّ سلیم نے اُن کے سامنے رات کا کھانا پیش کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو اُمّ سلیمؓ نے خاص اہتمام سے بناؤ سنگھار کیا اور پھر وظیفۂ زوجیت ادا کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ابو طلحہؓ اب پر سکون ہیں تو وہ شوہر سے یوں گویا ہوئیں:۔

"آپ بتائیں کہ اگر کچھ لوگ کسی گھر والے کے مانگنے پر کوئی چیز عاریتاً دیں، پھر وہ چیز واپس مانگیں تو کیا گھر والوں کو اُسے روکنے کا حق ہے"؟

ابو طلحہؓ نے کہا "ہرگز نہیں" اُمّ سلیمؓ نے کہا:

"تو پھر آپ اپنے بچے کو بھی ویسا ہی تصور کریں"

یہ سن کر ابو طلحہ سخت جھنجلاہٹ کا شکار ہوئے اور کہنے لگے "تم نے مجھے پہلے خبر کیوں نہ دی، اب جا کر میرے بیٹے کے متعلق بتا رہی ہو"؟ پھر انہوں نے آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقتِ حال بیان کی۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا آپ لوگوں نے گذشتہ رات ازدواجی تعلق قائم

Marfat.com

کیا''؟ عرض کیا: ''جی ہاں''۔

آپؐ نے فرمایا ''اے اللہ اِن کی گذشتہ رات میں برکت عطا فرما''۔ چنانچہ آپؐ کی دعا کے نتیجے میں عبداللہ بن ابوطلحہ کی پیدائش ہوئی۔ (بخاری: 5470)

محدثینِ کرام نے لکھا ہے کہ اُمّ سلیمؓ کا اللہ کے رسولؐ کے ساتھ اس قسم کا رشتہ تھا، جس سے وہ آپؐ سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ آپؐ کا ننھیال کا رشتہ تھا۔ اُمّ سلیمؓ رشتے میں آپؐ کی خالہ تھیں یا رضاعی خالہ تھیں۔ حضور اکرمؐ گاہے بگاہے اُمّ سلیمؓ کے گھر تشریف لے جاتے، وہ آپؐ کے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں تیار رکھتیں اور کبھی کبھی آپؐ دوپہر کو اُن کے ہاں قیلولہ کرتے۔ اُمّ سلیمؓ آپ کے بدن سے نکلنے والا پسینہ بوتل میں جمع کرتیں اور اُسے خوشبو کے لیے استعمال کرتی تھیں۔ (مسند احمد: 287/3)

حضرت اُمّ سلیمؓ رسول اللہؐ کے ساتھ جنگوں میں بھی شریک ہوا کرتی تھیں۔ جنگِ اُحد میں یہ بھی شریک تھیں، پیاسے مجاہدین اور زخمیوں کو پانی پلایا کرتی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں بھی شریک تھیں، ان دنوں یہ حمل سے تھیں اور آپ کے بطن میں عبداللہ بن ابوطلحہ پرورش پا رہے تھے۔

فراغتِ حج کے بعد آنحضورؐ نے مقام منیٰ میں موئے مبارک ترشوائے تو اُمّ سلیمؓ نے ابوطلحہؓ سے کہا:

'' حجام سے اِن بالوں کو مانگ لو اور برکت کی غرض سے اِن بالوں کو ایک شیشی میں بند کر کے رکھ دیا۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے اُمّ سلیمؓ کے گھر اُن کے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیا تو اُمّ سلیمؓ نے مشکیزہ کا دہانہ کاٹ کر سنبھال کر رکھ لیا جہاں سے رسول اللہ کا دہن مبارک مَس ہوا تھا۔

حضرت اُمّ سلیمؓ نے حضورِ اکرمؐ سے بہت سی احادیث سُنی تھیں جو انہوں نے دوسروں کو سنائیں۔ رسولِ اکرمؐ سے عورتوں کے بارے میں فقہ کے مسائل پوچھے اور انہیں دوسروں کو بتایا۔ مسند احمد ہے کہ اُن کی منزلت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ جیسے غیر معمولی عالموں میں ایک مسئلے کے بارے میں اختلاف رائے

Marfat.com

ہوا تو تصفیہ حضرت اُمّ سلیمؓ کے بیان پر فرمایا۔

مدینہ میں چند صحابیات تھیں جن کے گھر اللہ کے رسولؐ تشریف لے جاتے، اُن میں حضرت اُمّ سلیمؓ بھی تھیں البتہ اُمہات المومنین حضرت اُمّ سلیمؓ کے گھر کے علاوہ اور کسی کے گھر نہ جاتی تھیں۔ اللہ کے رسولؐ سے انہیں بے حد محبت تھی۔ جیسے ہی آنحضرتؐ ہجرت فرما کر مدینہ آئے تو انہوں نے اپنے لختِ جگر حضرت انسؓ کو خدمتِ نبویؐ میں پیش کیا۔ حضرت انسؓ کی عمر اُس وقت دس برس کی ہوگی۔ عرض کیا: ''یارسول اللہؐ یہ آپؐ کی خدمت کے لیے ہر وقت حاضر رہے گا''۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی تمام زندگی میں یہ شرف حاصل رہا اور وہ زندگی بھر اپنی اِس سعادت مندی پر فخر کرتے رہے۔

حضرت اُمّ سلیمؓ کی دینی غیرت وحمیت ہی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی زبانی انہیں دنیا ہی میں خوشخبری سنادی تھی۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے ایک مرتبہ فرمایا:

> ''میں نے جنت کی سیر کی تو مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی، میں نے پوچھا، یہ کون ہے؟'' فرشتوں نے بتایا: ''یہ غمیصا بنت ملحان، انسؓ بن مالک کی والدہ ہیں'' (بخاری:3679، مسلم:2458)

حضرت اُمّ سلیمؓ کو تربیتِ اولاد کا جو سلیقہ تھا، اِس کا اندازہ حضرت انسؓ کے اِس فقرے سے ہوسکتا ہے۔ ''اللہ میری اماں کو جزائے خیر دے، انہوں نے میری بہت خوبی سے کفالت کی''۔

Marfat.com

حضرت فاطمہ بنت اسدؓ

آپ کا نام فاطمہ اور والد کا نام اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ آپ ابو طالب بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں۔ انہیں سے حضرت علی پیدا ہوئے۔ آپ پہلی ہاشمی عورت ہیں جن سے ہاشمی اولاد ہوئی۔

اللہ نے آپ کو اسلام کے ساتھ ہجرت کا شرف بھی عطا کیا۔ جب آپ مدینہ آئیں تو حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت فاطمہ الزہراؓ بنتِ رسولؐ کی شادی ہوئی۔ آپ کے گھر میں سارا کام خود ہی کر لیا جاتا تھا اور ملازم وغیرہ کا تصور بھی نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے اپنی والدہ سے کہا کہ "میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور میری زوجہ محترمہ فاطمہؓ بنتِ رسولؐ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔ آپ نہایت نیک مزاج اور شریف النفس خاتون تھیں۔ جنابِ رسول اللہؐ آپ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔

آپ کی اولاد میں حضرت طالب، عقیل، جعفر علی بیٹے اور ام ہانی، عمانہ اور ربطہ بیٹیاں تھیں۔

آپ کی وفات ہجرت اور حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کی شادی کے بعد ہوئی۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو آنحضرتؐ نے آپ کو اپنی قمیض میں کفنایا اور خود اُن کی قبر میں لیٹ گئے۔ صحابہ نے تعجب سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

"حضرت ابوطالب کے بعد اِن سے زیادہ کسی نے میرے ساتھ اتنی

Marfat.com

مہربانی نہیں کی، اس لیے میں نے اُن کو اپنی قیمض پہنائی کہ جنت میں اُن کی بہشتی لباس پہنایا جائے اور قبر میں اس لیے لیٹ گیا تا کہ اِن کو قبر میں آسانی ہو''۔

Marfat.com

حضرت اُمِّ الفضلؓ

آپ کا نام لبابہ، الکبریٰ لقب اور اُمِّ الفضلؓ کنیت تھی۔ والد کا نام حارث بن حزن اور والدہ کا نام ہند بنت عوف، جن کا تعلق قبیلہ کنانہ سے تھا۔ آپ کا آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ سے نکاح ہوا تھا۔ خواتینِ مکہ میں آپ پہلی خاتون ہیں جو حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے بعد اسلام لائیں۔ حضرت عباسؓ کے اسلام لانے کے بعد آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

آنحضورؐ اپنے چچا کے گھر کبھی کبھی دوپہر کو تشریف لے جاتے اور انہی کے ہاں گھر میں دوپہر کے وقت تھوڑی دیر آرام بھی فرماتے تھے۔ حضرت اُمِّ الفضلؓ کی کئی حقیقی بہنیں اور اخیافی بہنیں تھیں اور یہ سب بہنیں خاندان قریش اور ہاشم کے معزز و ممتاز گھرانوں میں بیاہی ہوئی تھیں۔ آپ کی حقیقی بہن حضرت میمونہؓ کو آنحضرتؐ کے رشتۂ ازواج سے وابستہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ دوسری بہن سلمیٰ حضرت حمزہؓ اور تیسری بہن اسماء حضرت جعفر بن ابی طالب اور پھر اُن کی جنگ موتہ میں شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیاہی گئی تھیں۔

آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ اُمِّ الفضلؓ، میمونہؓ، سلمیٰؓ اور اسماءؓ چاروں مومنہ ہیں۔

حضرت اُمِّ الفضلؓ آپؐ کی ہمرکابی میں حجۃ الوداع میں شریک ہوئیں۔

حضرت اُمِّ الفضلؓ کی اولاد میں فضلؓ، عبداللہؓ، عبیداللہؓ، معبدؓ، قثمؓ، عبدالرحمٰنؓ اور اُمِّ حبیبہؓ تھیں۔ آپؐ کی مکی زندگی میں کسی عورت کو یہ شرف نہ تھا کہ رسول اللہ کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ کر آپ کی زلفیں سنوارتیں یا سرمہ لگاتی اور نہ آنحضرتؐ اُس کو پسند فرماتے لیکن یہ

Marfat.com

شرفِ خصوصیت سے حضرت ام الفضلؓ کو حاصل ہوا کہ آپؐ کا سر مبارک اپنی گود میں لے کر آپؐ کے بالوں میں کنگھی کرتیں۔

ایک دفعہ حضرت اُمّ الفضلؓ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپؐ کے اعضائے مبارک میں سے ایک عضو میرے گھر میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''انشاء اللہ ''فاطمہؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور تم اُس کو دودھ پلاؤ گی اور کفیل ہوگی'' چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ کے ہاں فرزند ارجمند حضرت حسینؓ پیدا ہوئے تو ام الفضلؓ نے اُن کو دودھ پلایا اور اُن کی کفیل رہیں۔ ایک دن آپ حسینؓ کو آپؐ کے پاس لائیں، حسینؓ نے آپؐ پر پیشاب کر دیا تو ام الفضلؓ نے اُن کو آپؐ کی گود میں سے لے لیا اور غصہ سے جھڑک بھی دیا اور کہا ''تو نے آنحضرتؐ پر پیشاب کر دیا''؟ آپؐ نے فرمایا ''تم نے میرے بچے کو جھڑک کر مجھے تکلیف پہنچائی''۔ پھر آپؐ نے پانی بہا کر پیشاب دھو دیا۔

حضرت اُمّ الفضلؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا، اُس وقت آپ کے شوہر حضرت عباسؓ زندہ تھے۔ آپ نے حضرت رسولِ اکرمؐ سے تقریباً تیس احادیث روایت کی ہیں۔

Marfat.com

حضرت اسماءؓ بنت عمیس

آپ کا نام اسماء ہے۔ آپ کے والد کا نام عمیس اور والدہ کا نام ہند تھا۔ آپ کا پہلے حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے نکاح ہوا، جن کو جعفرؓ طیار بھی کہا جاتا ہے۔ آپ اپنے شوہر حضرت جعفرؓ کے ساتھ آنحضرتؐ کے دارِ ارقم میں مقیم ہونے سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئیں اور نبی اکرمؐ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ آپ نے اپنے شوہر ہی کے ہمراہ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی۔ حبشہ میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے صُلب سے تین لڑکے محمد، عبداللہ اور عون پیدا ہوئے۔

حبشہ میں پندرہ سال قیام کرنے کے بعد 7ھ میں جب خیبر فتح ہوا تو آپ سب اہلِ خانہ کے ہمراہ مدینہ آ گئے۔ آنحضرتؐ نے آپ کو فرمایا کہ آپ اُن لوگوں سے افضل ہیں جنہوں نے ایک ہجرت کی بلکہ آپ نے اسلام کی راہ میں دو ہجرتیں کیں۔

جمادی الاوّل 8ھ میں غزوہ موتہ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے آپ کے شوہر حضرت جعفرؓ شہید ہو گئے۔ جب آپؐ کو اُن کی شہادت کی خبر ملی تو حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا:

جعفرؓ کے لڑکے کہاں ہیں۔ میرے پاس لاؤ''؟ حضرت اسماءؓ لڑکوں کو آپؐ کی خدمت میں لائیں۔ آپؐ ان یتیم بچوں کو دیکھ کر غمگین و آب دیدہ ہو گئے۔ حضرت اسماءؓ آپؐ کے آب دیدہ ہونے سے پریشان ہوئیں اور دریافت کیا ''یا رسول اللہ، کیا جعفرؓ کی کوئی خبر ہے''؟ آپؐ نے فرمایا ''ہاں، وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے''۔ حضرت اسماءؓ اِس جانگداز سانحہ کی خبر سُن کر چیخ

Marfat.com

اُٹھیں اور گھر میں قیامت بپا ہوگئی۔ تمام عورتیں اُن کے پاس جمع ہوگئیں اور آپؐ نے اُن سے کہا ''نہ سینہ ہاتھ سے کوٹو، نہ بین کرو''۔

آنحضرتؐ یہ ہدایت فرما کر گھر تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ ''جعفرؓ کے بچوں کے لیے کھانا تیار کرو، کیونکہ آج اسماءؓ رنج و غم میں مبتلا ہیں''۔ اس کے بعد آنحضرتؐ مسجد میں جا کر مغموم و مخزون بیٹھے حضرت جعفرؓ کی شہادت کا اعلان کیا۔

تیسرے دن رسول اللہؐ حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لائے اور آپؐ نے سوگ کی مخالفت فرمائی۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے چھ ماہ بعد شوال 8 ھ میں حضرت اسماءؓ کا دوسرا عقد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا۔ دو برس بعد ماہ ذیقعد 10 ھ میں حضرت ابوبکرؓ کے صُلب سے محمد پیدا ہوئے۔ اُس وقت حضرت اسماءؓ حج کی غرض سے مکہ آئی ہوئی تھیں اور انہی دنوں حج سے ایک ماہ قبل ذوالحلیفہ کے مقام پر محمد کی ولادت ہوئی تو حضرت اسماءؓ متردّد ہوئیں کہ اب میں حج کس طرح ادا کروں؟ اِس لیے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا: ''غُسل کر کے احرام باندھ لو''۔

13 ھ میں حضرت ابوبکرؓ انتقال فرما گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وصیت تھی کہ اسماءؓ انھیں غُسل دے، لہٰذا حضرت اسماءؓ ہی نے حضرت ابوبکرؓ کو غسل دیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت اسماءؓ حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں۔ محمد بن ابوبکر بھی اپنی والدہ کے ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کے آغوشِ عاطفت میں فخرِ تربیت حاصل کیا۔ حضرت علیؓ کے صُلب سے ایک فرزند یحیٰی پیدا ہوئے۔

38 ھ میں آپؓ کے فرزند محمد بن ابوبکرؓ مصر میں شہید ہوگئے۔ آپؓ صبر و شکر کے ساتھ ثابت قدم رہیں۔ آپؓ نے جائے نماز بچھائی اور نماز میں مصروف ہوگئیں۔

حضرت اسماءؓ سے ساٹھ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ آپؓ خواب کی تعبیر میں دخل رکھتی تھیں چنانچہ حضرت عمرؓ بھی اکثر اُن سے خوابوں کی تعبیر دریافت کیا کرتے۔

40 ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی۔ کم و بیش اُسی زمانہ میں حضرت اسماءؓ کا بھی انتقال ہوا۔

Marfat.com

حضرت اُمِّ رومانؓ

آپ کا نام زینب اور اُمِّ رومان کنیت تھی۔ والد کا نام عامر تھا اور آپ کا تعلق قبیلہ کنانہ سے تھا۔ حضرت اُمِّ رومانؓ پہلے عبداللہ بن حارث کے نکاح میں تھیں، اُن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام طفیل تھا۔ جب عبداللہ بن حارث نے وفات پائی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ سے نکاح کرلیا۔ حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکرؓ کے صُلب سے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت اُمِّ رومانؓ بھی اسلام لے آئیں۔ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ تنہا آنحضورؐ کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہوگئے تھے لیکن آپ کا خاندان مکہ ہی میں مقیم تھا۔ مدینہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے زید بن حارثہؓ اور حضرت ابورافعؓ کو مکہ سے مستورات کو مدینہ لانے کے لیے بھیجا۔ اُمِّ رومانؓ بھی اپنے بچوں کے ساتھ ہی مدینہ آگئیں۔

حافظ ابنِ حجر نے اصابہ میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت اُمِّ رومانؓ کی وفات ۹ھ میں ہوئی۔ آپ بہت نیک اور پارسا عورت تھیں۔ جب آپ کو قبر میں رکھا گیا تو آنحضرتؐ نے دعائے مغفرت فرمائی اور یہ بھی الفاظ ارشاد فرمائے:

''جو شخص عورتوں میں حُورِعین کو دیکھنا چاہے، وہ اُمِّ رومانؓ کو دیکھ لے''

حضرت عفان کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ رسول اللہؐ نے اُن کو خود قبر میں اتارا۔

Marfat.com

حضرت اُمِّ حرامؓ بنتِ ملحان

اُمِّ حرام کنیت ہے، بنی خزرج کے خاندان نجار سے تھیں۔ آپ کے والد ملحان مدینہ کے باشندے اور انصار کے قبیلہ نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ والدہ کا نام ملکیہ تھا جو مالک بن عدی کی بیٹی تھیں۔ آنحضورؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبادہ بن صامتؓ آپ کے شوہر تھے۔

آنحضرتؐ نے اُمِّ حرامؓ کو شہید ہونے کی خبر دی تھی۔ ایک دن آپؐ اُن کے گھر تشریف لے گئے اور کھانا کھا کر وہیں آرام فرمانے لگے۔ آپؐ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد مسکراتے ہوئے اُٹھے تو فرمایا:

> ''میں نے خواب دیکھا ہے، میری اُمت کے کچھ لوگ سمندر میں غزوہ کے ارادے سے سوار ہیں''۔
>
> اُمِّ حرامؓ بولیں:
>
> ''یا رسول اللہؐ! میرے لیے دعا فرمائیں کہ میں بھی اُن میں شامل ہوں''۔
>
> آپؐ نے دعا کی اور پھر سو گئے۔ کچھ دیر بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور وہی خواب بیان فرمایا۔ اُمِّ حرامؓ نے بھی پھر دعا کی درخواست کی تو ارشاد ہوا تم انہیں میں سے ہو''۔

Marfat.com

27 ھ میں حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت میں جب حضرت معاویہؓ شام کے حاکم تھے، جزائر قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی اور حملہ آوروں کا ایک بیڑہ تیار کیا جس میں حضرت ابوذرؓ، ابو دردأؓ، عبادہ بن صامتؓ اور بہت سے صحابہ شامل تھے۔ اُمّ حرامؓ بھی سواری پر چڑھیں لیکن ایک جانور نے چڑھنے نہ دیا اور پٹخ کر زمین پر گرا دیا۔ چوٹ اتنی سخت آئی کہ جانبر نہ ہوسکیں، مجبوراً وہیں دفن کردی گئیں۔

اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔ کبھی کبھی اُن کے گھر اُن کو دیکھنے تشریف لے جاتے اور وہیں آرام بھی فرمایا کرتے۔

Marfat.com

حضرت اُمِّ حکیمؓ

اُمِّ حکیمؓ قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھیں۔ آپ حارث کی بیٹی تھیں اور والدہ کا نام فاطمہ بنت الولید تھا جو حضرت خالد بن ولید کی بہن تھیں۔ عکرمہ بن ابی جہل آپ کے چچازاد تھے، انہی سے آپ کا نکاح ہوا۔ اُمِّ حکیمؓ نے جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے خلاف شرکت کی لیکن جب اللہ نے فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کو فتحِ عظیم سے ہمکنار فرمایا تو اُمِّ حکیمؓ اپنی والدہ کے ساتھ دولتِ اسلام سے بہرہ مند ہوئیں۔

آپ کے شوہر عکرمہ جو اُس وقت مُشرک ہی تھے اور اپنے باپ کی طرح اسلام سے سخت متنفر، فتح مکہ کے وقت اپنی جان بچانے کے لیے یمن کی طرف بھاگ گئے تھے۔ اُن کی بیوی اُمِّ حکیمؓ نے رسول اللہ سے اپنے شوہر کی جان کی امان طالب کی تو آپؐ نے فرمایا: تیرے شوہر کو امان ہے''۔ یہ بات اپنی جگہ حقیقت تھی کہ عکرمہ اُن نو افراد میں شامل تھے جن کے جرائم اسلام کے خلاف بے حد سنگین نوعیت کے تھے۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ نو افراد کعبہ کے پردوں کے پیچھے بھی چھپے ہوئے ملیں، تو بھی انہیں قتل کر دو۔ لیکن آپؐ کے جذبہ رحمت کے سبب جس سے ہر خاص و عام بہرہ مند ہو رہا تھا، اُن میں سے صرف تین افراد کو ہی قتل کیا گیا اور باقیوں کو معاف کیا گیا جن میں عکرمہ بن ابو جہل بھی شامل تھے۔

جب آپؐ نے عکرمہ کو معاف فرمایا تو اُن کی بیوی اُمِّ حکیمؓ اُن کے پیچھے یمن چلی گئیں اور عکرمہ کو اپنے ساتھ واپس لے آئیں۔ مکہ آ کر عکرمہ نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا

Marfat.com

اور غزوات میں شرکت کر کے بڑے جوش و خروش سے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں رومیوں سے جنگ ہوئی تو عکرمہ اپنی بیوی اُمّ حکیمؓ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت عکرمہؓ نے اجنادین کے معرکہ میں بڑی دلیری سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

عدت کے چار ماہ دس دن گزر جانے پر لوگوں نے اُمّ حکیمؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ یزید بن ابو سفیان (برادرِ معاویہؓ) کی بھی خواہش تھی لیکن اُنہوں نے سب کو جواب دے دیا۔ پھر خالد بن سعیدؓ بن العاص سے آمادۂ نکاح ہوئیں۔ وہیں 400 دینار حق مہر پر اُن سے نکاح ہوا۔ ابھی رخصتی کی رسم ادا نہیں ہوئی تھی کہ جنگ پیش ہوئی۔ خالد بن سعیدؓ نے شبِ زفاف منانی چاہی۔ وہ بولیں "کاش! آپ دشمنوں کے لشکر کی شکست کا انتظار کر لیتے"۔ لیکن خالد نے کہا "مجھے اِس معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے"۔ انہوں نے کہا "تو ٹھیک ہے" رسمِ عُروسی ادا ہوئی صبح کو دعوتِ ولیمہ کا انتظام ہوا اور لوگ کھانے کے لیے بلائے گئے مگر ابھی کھانے سے فراغت نہ ہوئی تھی کہ رومی سر پر آ پہنچے اور مسلمان جنگ میں کود پڑے۔ میدانِ کارزار گرم ہو گیا اور گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔

حضرت خالد بن سعیدؓ بہادری سے لڑے اور شہید ہو گئے۔ اُمّ حکیمؓ اپنے جسم پر کپڑے لپیٹ کر نکلیں۔ گذشتہ رات والی خوشبو اُن کے کپڑوں سے مہک رہی تھی۔ نہر پر جنگ ہوئی، اگرچہ آپ ابھی عروسی لباسِ میں تھیں۔ اُمّ حکیم نے اپنے خیمہ کے ایک بانس سے سات رومیوں کو قتل کیا۔ یہ بانس اُسی خیمے کا تھا جس میں حضرت خالد بن سعیدؓ نے گذشتہ رات اپنی نئی دُلہن کے ساتھ گزاری تھی۔

وہ پُل جہاں یہ لڑائی لڑی گئی تاریخ اسلام میں وہ مقامِ قنطرہ اُمّ حکیم کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت اُمّ حکیم سے شادی کر لی اور اُن سے ایک بیٹی فاطمہ پیدا ہوئی۔

Marfat.com

حضرت فاطمہؓ بنت خطاب

آپ کا نام فاطمہ اور ام جمیل کنیت تھی۔ آپ حضرت عمرؓ بن خطاب کی سگی بہن تھیں۔ آپ کے شوہر کا نام سعید بن زید تھا جن کا شمار صحابہ عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ آغاز ہی میں آپ اپنے شوہر کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ آپ اُن دس مسلمانوں میں سے ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ آپ کے اسلام لانے کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ اپنے بھائی حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کا باعث بنیں۔ آپ نے اپنے شوہر سعید بن زیدؓ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔

آپ نے حضرت عمرؓ فاروق کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ آپ کے چار بیٹے عبداللہ، عبدالرحمٰن، ازید اور اسود تھے۔

Marfat.com

حضرت اُمّ ایمنؓ

آپ کا نام برکہ تھا، اُمِّ ایمنؓ کنیت اور والد کا نام ثعلبہ تھا۔ آپ حبشہ کی رہنے والی تھیں۔ آپ حضورؐ کے والد حضرت عبداللہ کی کنیز تھیں۔ حضرت عبداللہ نے ترکہ میں چند بکریوں کے ساتھ ایک لونڈی اُمِّ ایمن بھی چھوڑی تھی۔ آپ تقریباً عام الفیل سے آٹھ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس طرح آپ حضور اکرمؐ سے آٹھ سال بڑی تھیں۔ جب آنحضرتؐ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ فوت ہوئیں تو اُمِّ ایمنؓ نے ہی آپ کی پوری نگہداشت کی اور ایک طرح آپ کو ماں بن کر پالا۔

عبید خزرجی سے آپ کا نکاح ہوا اور اُن سے ایمن پیدا ہوا، اِسی وجہ سے آپ کی کنیت اُمِّ ایمن تھی۔ آپ کا پہلا خاوند ایک لڑائی میں مارا گیا تو آنحضورؐ نے اُمِّ ایمن کا نکاح اپنے غلام زید بن حارثؓ سے کر دیا۔ اُنہی سے اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ جب آنحضرتؐ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو کچھ ہی عرصہ بعد آپؐ نے اپنے اہلِ خانہ کو بھی مدینہ بلوایا۔ اُس وقت حضرت اسامہ کی عمر آٹھ سال تھی۔

جن مسلمانوں کو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا اُن میں اُمِّ ایمن بھی شامل تھیں۔ پہلی دفعہ آپ دخترِ رسول اللہ حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئیں اور پھر دوسری مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ آپ نے غزوہ احد اور خیبر میں بھی شرکت کی۔ غزوہ احد میں اُمِّ ایمنؓ نے زخمیوں کو پانی پلانے اور اُن کی تیمارداری کرنے کی خدمت سرانجام دی۔

Marfat.com

آنحضرتؐ آپ کی بہت تعریف کرتے اور ہمیشہ آپ کو امیؒ کہہ کر مخاطب ہوتے اور فرماتے کہ انہوں نے میری والدہ کے وفات پانے کے بعد ایک ماں بن کر میری پرورش کی۔

حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ بنتِ رسولؐ سے رشتہ حضرت اُمِّ ایمنؓ نے ہی طے کروایا تھا۔ آپ کے پہلے خاوند کو وفات کے بعد آنحضورؐ نے فرمایا ''جو شخص جنت کی عورت سے نکاح کرنا چاہے اُس کو اُمّ ایمنؓ سے نکاح کرنا چاہیے''۔

جب رسول اللہؐ نے وصال فرمایا تو اُمّ ایمنؓ بہت رنجیدہ ہوئیں۔ آخر انہوں نے حضورِ اکرمؐ کو بچپن میں ایک ماں کی آغوش دی، آپ رونے لگیں۔ لوگوں نے سمجھایا تو بولیں ''مجھے یہ تو معلوم ہے کہ رسول اللہ سے مفارقت ہوگئی، میں تو اِس پر روتی ہوں کہ اب ہم سے وحی آسمانی کا سلسلہ منقطع ہوگیا''۔ یہ جواب اس قدر موثر تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ضبط نہ کر سکے اور زاروقطار رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ شہید ہوئے تو اُمّ ایمنؓ رونے لگیں اور کہا ''آج اسلام ضعیف ہوگیا''۔

آپ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں 85 سال کی عمر میں وفات پائی آپ کی اولاد میں پہلے شوہر سے حضرت ایمنؓ اور دوسرے شوہر زید بن حارثہؓ سے اُسامہ بن زید پیدا ہوئے اور یہ دونوں صحابی رسولؐ تھے۔ آپ سے کچھ احادیث کی روایت بھی ہے۔

Marfat.com

حضرت شیما السعدیہ ؓ

جب اسلام مکہ اور مدینہ سے پھیل کر دوسرے قبائل میں متعارف ہوا تو مجاہدین اسلام کی ایک جماعت قبیلہ ہوازن پر حملہ آور ہوئی۔ مالِ غنیمت کے ساتھ چند قیدی بھی ہاتھ آئے۔ انہی قیدیوں میں سے ایک سن رسیدہ قیدی عورت نے اپنے قید کرنے والوں کو ڈانٹ پلائی اور کہا: ''اللہ کی قسم میں تمہارے سردار کی بہن ہوں''۔ مجاہدین نے اُن کی بات پر یقین نہ کیا، پھر بھی انہوں نے ان کو رسول اللہؐ کے حضور پیش کر دیا۔ اُس نے کہا: ''محمدؐ میں تمہاری بہن ہوں''۔ رسول اللہؐ نے عالمِ حیرت سے اُن کو غور سے دیکھا۔ وہ تقریباً ستر سال کی خاتون تھیں۔ آپؐ نے سوال فرمایا ''تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے''؟ آپؐ کے سوال کے جواب میں اس نے پشت کھول کر دکھائی کہ ایک مرتبہ بچپن میں آپؐ نے مجھے کھیلتے کھیلتے دانت سے کاٹا تھا، یہ نشان اُس کا ہے۔ مزید کہنے لگی ''یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں آپؐ کو سرار کی وادی میں لیے جا رہی تھی۔ وہ کاٹنے کی علامت دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو گئے۔ فی الحقیقت وہ آپؐ کی رضائی بہن شیما تھی۔ رسولِ اکرمؐ نے دیکھا وہ سچ بول رہی تھیں۔ آپؐ کو اپنا بچپن یاد آ گیا۔ آپؐ کو اپنی رضائی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ ؓ کے گھر کے مناظر آنکھوں میں گھوم گئے۔ آپؐ کو ساٹھ سال پرانی یاد آ گئی جب آپؐ شیما کی انگلی تھامے دور وادیوں میں نکل جاتے۔ فرطِ محبت سے آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

آپ کا نام حذافہ تھا اور عرفیت شیما تھی۔ آپ ؓ آنحضرتؐ کی رضائی بہن تھیں۔ وہ

Marfat.com

آپ کو حضرت سعدیہؓ کے ساتھ کھلایا کرتی تھیں۔ آپؐ کے سنِ شعور تک پہنچنے سے پہلے شیماؓ اپنے قبیلہ میں واپس چلی گئی تھیں۔ آپؐ اپنی رضاعی بہن کی تکریم کے لیے فوراً اٹھے۔ اُن کے بیٹھنے کے لیے آپؐ نے اپنی چادر بچھائی اور اُن سے کہا کہ بہن یہاں بیٹھو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ ''اگر تم یہاں رہنا چاہو تو میرا گھر حاضر ہے، عزت واحترام سے رہو۔ اگر اپنے قبیلہ میں واپس جانا چاہو تو میں تمہیں واپس بھیج دوں گا''۔

حضرت شیماؓ نے کہا کہ وہ اسلام میں داخل ہونا چاہتی ہے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ آنحضورؐ نے ان کی خواہش کے مطابق اُن کو واپس بھیج دیا۔ جاتے وت آنحضورؐ نے اُن کو تین غلام، لونڈی، کچھ رقم اور ایک بکری دے کر رخصت کیا بعد میں اُن کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت شیماؓ بچپن میں دعائیہ اشعار پڑھا کرتی تھیں۔

''یا اللہ محمدؐ کو زندہ رکھ، یہاں تک کہ ہم اُن کو جوان دیکھیں، پھر ہم اُن کو ایک معزز سردار دیکھیں، اس حال میں اُن سے حسد رکھنے والے دشمن سرنگوں ہوں، اے اللہ! اُن کو عزتِ دوام عطا فرما''۔

کیا اچھی دعا تھی کہ بارگاہِ الٰہی میں حرف بہ حرف قبول ہوئی۔

Marfat.com

حضرت اُمّ معبدؓ

آپ کا نام عاتکہ اور اُمّ معبد کنیت تھی۔ آپ بنوخزاعہ قبیلے سے تھیں۔ آپ کا تمیم بن عبدالعزیٰ سے نکاح ہوا۔

یہ اُمّ معبد وہی ہیں جن کے ہاں ہجرت کے موقع پر رسول اللہ نے مدینہ جاتے وقت راستے میں مختصر قیام فرمایا تھا۔ آپ کا مکان مقامِ قدید میں تھا۔ آنحضرتؐ جب اُمّ معبد کے ہاں رونق افروز ہوئے تو آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ، اُن کا غلام عامر بن فہیرہ اور راہبر عبداللہ بن اریقط بھی تھے۔ اُمّ معبد نے ایک بکری ذبح کرنے کے غرض سے پیش کی جو دودھ دیتی تھی۔ آپؐ نے اُس کے تھن چھوئے اور فرمایا ''اِس کو ذبح نہ کرو''۔ اُمّ معبد دوسری بکری لائیں اور اُس کو ذبح کر کے آنحضرتؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا اور رخصت ہوتے وقت ناشتہ بھی ساتھ دے دیا۔

اُمّ معبد کا بیان ہے کہ جس بکری کے تھن آنحضرتؐ نے اپنے دستِ مبارک سے مس فرمائے وہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت تک ہمارے پاس رہی۔ ہم اُس کو صبح و شام دوہا کرتے تھے اور اُس کا دودھ پیتے تھے۔

بروایت محمد ابنِ عمر اُمّ معبد اُسی زمانہ میں مسلمان ہو چکی تھیں جب آپؐ کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ بعض کے نزدیک وہ بعد میں آپ کی خدمت میں اپنے خاوند کے ساتھ حاضر ہوئیں اور دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔

Marfat.com

حضرت عُمر بن عبد العزیزؒ

مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ لوگوں کو دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ گشت کرتے ہوئے مدینہ کے اطراف میں نکل گئے۔ ملازم حضرت اسلم ساتھ تھے، رات گئے جب تھک کر چور ہو گئے تو ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اندر سے آواز آئی کہ ایک عورت اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی ''اُٹھ! دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دے''۔ بیٹی بولی ماں! تجھے معلوم نہیں کہ امیر المومنین نے دودھ میں پانی ملانے میں سختی سے منع کیا ہوا ہے''۔ بوڑھی نے کہا ''بیٹی! دودھ میں پانی ملا دے، تو ایسی جگہ ہے جہاں تجھے عمرؓ یا عمرؓ کا منادی نہیں دیکھ رہا''۔ وہ بولی ''ماں! اگر عمرؓ نہیں دیکھ رہا عمرؓ کا خدا تو دیکھ رہا ہے، خدا کی قسم، مجھے پسند نہیں کہ مجمع میں اُس کی بات مانوں اور تنہائی میں نہ مانوں''۔

حضرت عمرؓ ماں بیٹی کی یہ ساری گفتگو سُن رہے تھے۔ اُن کے دل میں یہ بات گھر کر گئی، فرمایا ''اے اسلم! اس دروازے پر نشان لگا دے، اس گھر اور مقام کو اچھی طرح پہچان لے''۔ پھر آپ وہاں سے اٹھے گشت میں مصروف ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو کہا ''اے اسلم! رات والے اُسی مقام پر جا اور دیکھ کہ کہنے والی کون تھی اور جس سے کہہ رہی تھی، وہ کون تھی اور آیا اُن دونوں کے شوہر ہیں یا نہیں''؟ خلیفۃ المسلمین کے حکم کے مطابق حضرت اسلم وہاں گئے۔ پتہ چلا کہ وہ لڑکی بیوہ ہے اور اُس کی والدہ بھی بیوہ ہے، اسلم نے آکر خلیفۃ المسلمین کو اطلاع دے دی۔

Marfat.com

دن کو آپ حکومتی امور سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے، اپنے تینوں بیٹوں عبداللہ، عبدالرحمٰن اور عاصم کو بُلا کر کہا: ''کیا تم میں سے کسی کو کسی عورت کی ضرورت ہے کہ میں اُس کی شادی کرادوں''؟ اگر تمہارے باپ کو عورت کی طرف رغبت ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی اُس کے ساتھ شادی نہ کرسکتا''۔ آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ نے کہا ''میرے پاس تو بیوی ہے''۔ حضرت عبدالرحمٰن بولے ''میرے پاس بھی ہے''۔ حضرت عاصم نے کہا ''ابا جان! میرے پاس کوئی بیوی نہیں، مجھ سے شادی کرا دیجئے''۔

حضرت عمرؓ نے لڑکی کو بلا بھیجا اور اپنے بیٹے حضرت عاصم سے شادی کرا دی۔ ان سے ایک لڑکا محمد اور ایک لڑکی اُمّ عاصم پیدا ہوئی۔ اُمّ عاصم سے عبدالعزیز بن مروان نے شادی کر لی اور اُن سے 62ھ میں عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ یعنی آپ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ فاروق کی پوتی کے بیٹے تھے۔

یہ ہیں وہ عمر ثانی جو پانچویں خلیفہ راشد اور پہلی صدی ہجری کے مجدد قرار پائے۔ خلفاء راشدین کے بعد جس مسلمان فرمانروا کا نام تاریخ اسلام کے افق پر مہر تاباں کی طرح روشن اور ضُوفشاں ہے، اُن کو دنیا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نام سے جانتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خاندانِ امیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے۔ جب 99ھ میں مسند خلافت پر آپ رونق افروز ہوئے، اسلامی سلطنت بہت وسعت اختیار کر چکی تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ نظامِ حکومت میں بہت خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ آپ نے اپنے مختصر دورِ خلافت (99ھ تا 101ھ) میں اِن تمام خرابیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اپنے مجددانہ کارناموں کی بدولت پوری ملت میں نئی روح پھونک کر خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ کر دی، اس لیے آپ کو بجا طور پر خلیفۂ راشد قرار دیا گیا اور آپ فاروقِ ثانی کے لقب کے سزاوار ٹھہرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز قبیلہ قریش کی شاخ بنو امیہ کے چشم و چراغ تھے۔ والدہ کا نام عاصمہ جو حضرت فاروقِؓ اعظم کی پوتی تھیں، اس لیے آپ کی رگوں میں فاروقی خون دوڑ رہا تھا۔ 65ھ میں خلیفۂ وقت مروان نے آپ کے والد گرامی عبدالعزیز کو مصر کا گورنر مقرر کیا، لیکن انہوں نے اپنے بیٹے عمر کو حصولِ علم کے لیے مدینہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ (آپ کی والدہ

Marfat.com

کے تایا جان) کے پاس بھیج دیا۔ تحصیلِ علم کے بعد آپ اپنے والد کے پاس مصر واپس پہنچ گئے۔ شاہی خاندان کا فرد ہونے کے ناطے وہ بڑے تزک و احتشام سے رہتے تھے۔ نفاست پسند اور شاہ خرچ ایسے تھے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ لباس پہنتے اور بہترین خوشبو استعمال کرتے۔

86 ھ میں آپ کے والد عبدالعزیز وفات پا گئے، اُس وقت آپ کی عمر 24 سال تھی۔ اسی سال آپ کے چچا عبدالملک بن مروان نے جو خلیفۂ وقت بھی تھا، اپنی دختر نیک اختر فاطمہ کی شادی آپ سے کر دی اور ایک علاقے کی گورنری بھی سونپ دی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ آپ نے چھ سال سے زائد عرصہ تک نہایت خوش اسلوبی سے مدینہ کی گورنری کی۔ رعایا نہایت خوش تھی اور اپنے دور میں آپ نے بہت سے رفائی کام بھی کروائے۔ 93 ھ میں آپ اس عہدے سے دستبردار ہو گئے۔ خلیفہ کے ساتھ شکر رنجی کی وجہ سے آپ نے استعفیٰ دے دیا۔

96 ھ میں ولید کی وفات پر سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اُس نے آپ کو اپنا مشیر مقرر کر دیا۔ سلیمان آپ کا بہت قدر دان تھا۔ وصیت نامے کے مطابق اُس نے کافی جائداد آپ کے نام کر دی۔ اُس کی ذمہ داری سنبھالتے ہی آپ کی زندگی میں یکسر انقلاب آ گیا۔ وہ عمر جس میں خوش لباسی، خوش خوراک اور تزک و احتشام نظر آتے تھے، آپ فاروق ثانی بن گئے اور آپ کے اطوار یک دم، مصعب بن عمیرؓ، ابو ذر غفاریؓ اور ابو ہریرہؓ کے قالب میں ڈھل گئے تمام سرکاری سواریاں واپس کر دیں اور خود اپنے خچر پر سوار ہو کر گھر پہنچتے۔

پہلے اموی خلیفہ کے دور میں طاقتور لوگوں نے جو مظلوموں کی جائیداد پر قبضہ کیا ہوا تھا، واپس کروا دیا۔ غصب شدہ اموال اور جائیداد کی واپسی پر آپ کے خاندان والے آپ سے رنجیدہ ہو گئے بلکہ کئی نے زبانی شکوہ بھی کیا لیکن آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔

رجب 101 ھ کے آغاز میں آپ علیل رہنے لگے۔ مرض روز بروز بڑھتا رہا۔ آلِ مروان نے محسوس کیا کہ اگر عمر کی حکومت یونہی قائم رہی تو اُنہیں فاقے کرنے پڑیں گے اور اقتدار سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ چنانچہ آپ کو راستے سے ہٹانے کے لیے انہوں نے ایک غلام کو ایک ہزار دینار دے کر آپ کو زہر دلوا دیا۔ آپ کو دورانِ علالت اس سازش کا علم ہو گیا اور

Marfat.com

غلام کو بُلا کر کہا کہ اشرفیاں بیت المال میں داخل کروا دو، میں نے تمہیں معاف کیا۔ اب کہیں ایسی جگہ زوپوش ہو جاؤ کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ لے ورنہ وہ تمہیں قتل کر دیں گے۔ چنانچہ غلام نے اشرفیاں بیت المال میں جمع کروا دیں اور خود وہاں سے کسی نامعلوم مقام کی طرف چلا گیا۔

آپ بیماری کی ابتدا سے بیس دن تک، جب آپ کی موت واقع ہوئی تھی، نہایت تحمل اور بُردباری سے اس تکلیف کا مقابلہ کرتے رہے۔ تکلیف زیادہ ہونے کی صورت میں کسی نے علاج کا مشورہ دیا۔ فرمایا کہ ''مجھے اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت میں جانے دو، اِس سے بڑھ کر مجھے کوئی چیز بھی عزیز نہیں۔ وصال کے وقت آپ کی عمر 39 سال تھی۔

آپ کے وصال پر اسلامی ریاست کے طول وعرض میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ علماء سلف نے آپ کو عمر ثانی، پانچواں خلیفہ رُاشد اور پہلی صدی ہجری کا مجدد قرار دیا۔

مالک بن دینار آپ کے متعلق یہ فرمایا کرتے تھے ''لوگ کہتے ہیں کہ مالک (بن دینار) زاہد ہے، مالک کا زُہد کیا، زُہد تو عمر بن عبدالعزیز میں تھا کہ دنیا منہ کھولے ہوئے اُن کے سامنے آئی لیکن آپ نے اُس سے منہ موڑ لیا''۔

Marfat.com

حضرت امام جعفر صادقؒ

آپ کا نام جعفر تھا اور آپ امام محمد باقر کے صاحبزادے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح سے ہے:۔ جعفر بن محمد باقر بن زید العابدین بنؒ حسینؓ بن علی المرتضیٰؓ۔ آپ کی والدہ کا نام اُمِّ فروہ تھا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اوّل کی پڑپوتی، قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں۔ آپ 17 ربیع الاوّل 83 ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا لقب صادق تھا۔

آپ کے نانا قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے تھے۔ آپ کو اپنے والد اور والدہ دونوں کی طرف سے سلسلۂ نسب پر فخر تھا۔ جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اُس وقت آپ کے دادا حضرت امام زین العابدینؓ حیات تھے اور والدِ محترم محمد باقر کی عمر 26 برس تھی۔ بارہ برس آپ نے اپنے دادا محترم کے زیرِ سایہ تربیت پائی۔ شہادتِ حسینؓ کے بعد سے 35 برس تک آپ کے دادا حضرت زین العابدین زندہ رہے۔ سانحۂ کربلا کے وقت آپ کے والد تین سال کے تھے۔ آپ کے دادا کے وفات پا جانے کے بعد انیس برس آپ نے اپنے والدِ ماجد حضرت امام محمد باقرؒ کے دامنِ تربیت میں گزارے۔

یہ وہ وقت تھا جب سیاستِ بنو امیہ کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور خلائق فیوضِ علمی حاصل کرنے کے لیے حضرت امام محمد باقر کی طرف رجوع کر رہی تھی۔ اِس وقت اپنے پدرِ بزرگوار کے عملی درس میں امام جعفر صادقؒ ہی وہ طالب علم تھے جو قدرت کی طرف سے علم کے سانچے میں ڈھل چکے تھے۔ آپ سفر و حضر میں اپنے والدِ محترم کے ساتھ رہتے تھے۔

Marfat.com

114ھ میں آپ کے والد وفات پا گئے اور امامت کی ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر آن پڑیں۔ اس وقت دارالخلافہ دمشق میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی حکومت تھی۔ اُس وقت ساری سلطنت میں سیاسی خلفشار بہت زیادہ پھیل رہا تھا۔ عوام میں مظالم بنوامیہ کے انتقام کا جذبہ تیز ہو رہا تھا اور بنی فاطمہ میں متعدد افراد حکومت کے مقابلے کے لیے تیار ہو رہے تھے، اُن میں نمایاں ہستی حضرت زید کی تھی جو حضرت زین العابدینؓ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ اُن کی عبادت اور زہد و تقویٰ کا سارے عرب میں دُور دُور تک شہرہ تھا۔ وہ ایک مستند عالمِ دین اور حافظِ قرآن تھے۔ بنوامیہ کے مظالم سے تنگ آ کر انہوں نے بھی جہاد میں قدم رکھا۔

حضرت امام جعفر صادقؓ کے لیے یہ موقع نہایت نازک تھا۔ تمام عالمِ اسلامی میں آپ کی علمی جلالت کا شہرہ تھا۔ دُور دُور سے علم کی شمع کے پروانے تحصیل علم کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی۔ اِن شاگردوں میں فقہ کے علماء بھی تھے، تفسیر کے متکلمین بھی اور مناظرِ اسلام بھی۔ کبھی آپ خود بھی مخالفینِ اسلام بالخصوص دہریوں سے مناظرہ فرماتے تھے۔ علومِ فقہ و کلام کے علاوہ علومِ ریاضی اور کیمیا وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ کے شاگردوں میں جابر بن حیان جیسے مایۂ ناز شاگرد پیدا ہوئے جو تاریخِ عالم کے پہلے کیمیا گر تسلیم کیے جاتے ہیں، جو ریاضی اور الجبرا کے مشہور امامِ فن تھے۔ انہوں نے اپنے استاد ذی وقار حضرت امام جعفر صادقؓ کے افادات کو حاصل کر کے چار سو رسالے تصنیف کیے۔ آپؒ کے شاگردوں میں بڑے بڑے مشہور فقہا پیدا ہوئے جنہوں نے مشہور کتب تصانیف کیں، اُن کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔

جو معرفتِ الٰہی کی بلندیوں پر مائل پرواز ہوں، اُن کو دنیوی جاہ و سلطنت کو حاصل کرنے کی فکر سے بھلا کیا سروکار؟ مگر آپ کی علمی مرجعیتِ کمالات کی شہرت سلطنت وقت کے لیے ایک مستقل خطرہ محسوس ہوتی تھی، یہاں تک کہ لوگ سمجھنے لگ گئے تھے کہ اصلی اور حقیقی خلافت کے حق دار آپ ہی ہیں۔ حقیقت میں بھی آپ بلند پایہ بزرگ اور عظمت وعزت کے بلند تر مرتبہ پر فائز تھے۔ یہاں تک حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی آپ کے شاگردوں میں شامل تھے۔

جب حکومت کی تمام کوششوں کے باوجود اُنہیں آپ کے خلاف کوئی بہانہ نہ مل سکا تو

Marfat.com

انہوں نے آپ کو اپنے راستے سے ہٹانے کا خاموش مگر خوفناک حربہ استعمال کیا۔ آپ کی خدمت میں حاکم مدینہ کے ذریعے زہر آلود انگور پیش کیے گئے جن کے کھانے سے زہر آپ کے جسم میں سرائت کر گیا اور 15 شوال 148ھ کو آپ اس فانی دنیا سے وصال فرما گئے۔ اس وقت آپ کی عمر 65 سال تھی۔

آپ کے فرزندِ اکبر اور جانشین حضرت امام موسیٰ کاظمؒ نے تجہیز و تکفین کی اور خود ہی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ کو جنت البقیع کے اُس احاطے میں دفن کیا گیا جہاں آپ کے جدِ امجد حضرت امام زین العابدینؒ، اُن کے چچا حضرت امام حسنؓ اور والدِ محترم حضرت امام محمد باقرؒ دفن تھے۔ آپ کی اولاد میں 6 بیٹے ایک بیٹی کے علاوہ دو بیویاں بھی تھیں۔

Marfat.com

حضرت امام مالکؒ

آپ کا نام مالک کنیت ابوعبداللہ اور لقب امام دارالہجر تھا۔ آپ کے والد کا نام انس بن ابی عامرؒ تھا۔ آپ 93 ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد یمن سے ہجرت کر کے مدینہ میں آباد ہوئے۔ آپ کے دادا ابی عامرؓ آنحضور کے صحابہ میں سے تھے۔ وہ غزوہ بدر کے سوا تمام غزوات میں نبی اکرمؐ کے ساتھ شریک رہے۔

امام مالک کی ابتدائی زندگی میں اور نبی اکرمؐ کے وصال کے بعد مدینہ منورہ علمِ رشد و ہدایت کا مرکز بن چکا تھا۔ حالانکہ آپؐ کی زندگی کے بعد بہت سے صحابہ کرام مدینہ چھوڑ کر دین اسلام کی ترویج کے لیے دنیا کے دور دراز مقامات پر چلے گئے۔ حضور اکرمؐ کے خادمِ خاص اور کثیر تعداد میں احادیثِ رسولؐ کے راوی حضرت انسؓ بصرہ میں رہتے ہوئے 93 ھ میں وفات پا چکے تھے۔ حضرت انسؓ وہ صحابی رسولؐ تھے جنہوں نے تمام صحابہ کی جماعت میں ایک طویل عمر پائی۔ اس کے باوجود مدینہ پھر بھی دینی علوم کا منبع و مرکز رہا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوھریرۃؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ (کاتب وحی) کی درسگاہیں دینِ اسلام کی ترقی میں مصروف رہیں۔ بعد میں اِن کے شاگردوں کی کوششوں اور کاوشوں نے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھایا۔ اُن دنوں پورے بلادِ اسلامیہ میں مدینہ دینی علوم کے حصول کے لیے نمایاں مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

مدینہ کے علمی ماحول اور پاکیزہ فضا میں امام مالک کی تربیت نے ایک ناتراشیدہ

Marfat.com

ہیرے کو تراش کر ایک چمکدار ہیرا بنا دیا۔ آپ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن ہرمز کے شاگرد ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک اُن سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا۔ انہوں نے وہیں سے قرآن پاک حفظ بھی کیا۔ مدینہ کے قاری اور مشہور استاد حضرت امام نافع ابن عبدالرحمٰن سے تجوید اور قرأت کی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں امام مالک نے محمدؒ بن شہاب الزہری کی بھی شاگردی اختیار کی جن کا رتبہ روایتِ حدیث میں بہت بلند تھا۔ الزہری کے بے شمار شاگردوں میں امام مالک سب سے بلند تر سمجھے جاتے ہیں۔

آپ نے علمِ حدیث کے حصول کے لیے قاری شیخ نافع اور الزہری کے علاوہ حضرت امام جعفر صادق، محمد بن یحییٰ کی شاگردی بھی اختیار کی۔ امام مالک کے اساتذہ کی فہرست کو دیکھا جائے تو 93 شیوخ سے آپ کے استفادے کی تفصیل ملتی ہے۔ امام مالک نے صرف انہی اساتذہ سے علم سیکھا جو صدق، سچائی، حفظ اور فقہ میں ممتاز تھے۔

امام مالک نے طلبِ علم کے لیے اپنی زندگی میں کہیں سفر نہیں کیا۔ شائد اس کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ کا شہر آنحضرتؐ کے دور سے لے کر دینی علوم کا مرکز رہا، پھر تمام دنیائے اسلام کے طالبانِ علم دور دراز سے خود مدینہ منورہ کی مشہور درسگاہوں میں چل کر آتے، اِس کے علاوہ بڑے بڑے شیوخ بھی زمانۂ حج میں خاص طور پر یہاں تشریف لاتے اور علم کے موتی بکھیرتے۔ امام صاحب کی جب عہدِ طفولیت میں آنکھ کھلی تو سارے شہر میں ہر طرف علمِ قرآن و حدیث کا بول بالا تھا، اس لیے آپ کو مدینہ سے باہر کہیں علم حاصل کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

امام مالک نہایت کم عمری ہی میں درس حدیث وفقہ کی مسند پر جا بیٹھے۔ کوفہ شہر کا ایک عالم امام مالک کے استاد قاری امام نافعؒ کی وفات کے ایک سال بعد مدینہ آیا تو دیکھا کہ امام مالک ایک حلقہ کے صدر ہیں۔ اُس وقت آپ کی عمر ابھی 24 برس تھی۔ مستقلاً درس کا حلقہ قائم کرنے سے پہلے خود فرماتے ہیں کہ ''جب تک 70 مشاہیر علماء نے اس بات کی گواہی نہ دی کہ میں فتویٰ دینے کا اہل ہوں، میں نے اس وقت تک اس منصب کو اختیار نہ کیا''۔ ابھی آپ کے استاد ربیعہ رائی زندہ تھے کہ آپ حدیث وفقہ میں ماہر سمجھے جانے لگے۔ آپ کے استاد ربیعہ کی وفات (136ھ) کے بعد آپ فقہ و اجتہاد کے امام تسلیم کر لیے گئے۔

Marfat.com

امام صاحب کی مجلسِ درس ہمیشہ پر تکلف اور شاندار ہوتی تھی۔ بیش قیمت قالین بچھائے جاتے، خوشبو مہکائی جاتی۔ صفائی کا یہ عالم تھا کہ فرش پر ایک تنکا بھی پڑا دکھائی نہ دیتا۔ امام مالک مجلس کے وسط میں اُس جگہ اونچی نشست پر بیٹھتے جہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ بیٹھا کرتے، خوشبو لگاتے، صاف ستھرے عمدہ کپڑے زیب تن کرتے اور پھر درس کا آغاز کرتے۔ مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں ''جب آپ نبی اکرمؐ کا تذکرہ کرتے تو کمالِ ادب کی وجہ سے کبھی پہلو نہ بدلتے، آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا اور سر بتقاضائے ادب جھک جاتا۔

آپ کی تمام عمر مدینہ میں درس و تدریس میں گزری۔ حرمِ نبویؐ کا احترام اس قدر تھا کہ قضائے حاجت کے لیے حدودِ حرم سے باہر تشریف لے جاتے۔ عمر بھر مدینہ میں سوار ہو کر نہیں پھرے، آپ کہتے کہ ''مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس سواری کے کھروں سے اس جگہ کو روندوں جس مبارک زمین پر حضورِ اکرمؐ آرام فرما رہے ہیں۔ جہاں آپؐ کے قدموں کے نشان ہیں، وہاں اپنی سواری کے پاؤں کیوں رکھوں۔ یہ سوئے ادب کے خلاف ہے''

اگر کوئی شخص مسجد میں بوقتِ درسِ حدیث اپنی آواز بلند کرتا تو آپ اُس کو آواز پست کرنے کو کہتے، اس لیے کہ اللہ کا حکم ہے کہ ''اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو'' (سورۃ الحجرات: آیت 2) آپ نے ایک دفعہ خلیفۂ وقت منصور کو مسجدِ نبویؐ میں بلند آواز سے بولنے پر تنبیہہ کر دی تھی۔

عمر کے آخری حصہ میں آپ مدینہ سے باہر کا سفر اختیار نہ کرتے، اس کے پیچھے تمنا یہ تھی کہ میں یہیں پر مروں اور مدینہ ہی میں دفن ہوؤں۔ اس لیے پوری زندگی میں صرف ایک بار حج پر تشریف لے گئے کہ ایک دفعہ حج کرنا فرض تھا، بس یہ فرض بجا لائے۔ ایک دفعہ ہارون الرشید عباسی کے والد خلیفہ مہدی نے دو ہزار اشرفیاں بھیجیں اور اپنے ساتھ بغداد لے جانے کے لیے اصرار کرنے لگا۔ آپ نے انکار کر دیا تو اُس نے کسی کے ہاتھ دوبارہ بغداد آنے کا پیغام دیا۔ آپ نے ''المدینہ خیرُ الّھم (مدینہ اُن کے حق میں بہتر ہے) والی حدیث نقل فرمائی اور قاصد کو کہا کہ ''خلیفہ کی طرف سے بھیجی گئی اشرفیوں کی تھیلی پڑی ہے، چاہو تو اٹھا کر واپس لے جاؤ، مگر مدینہ سے دور جانا گوارا نہیں''۔

Marfat.com

اللہ کے نبیؐ کی ذات، آپؐ کے ارشادات اور آپؐ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے آپ کو محبت تھی۔ مختلف روایات میں آتا ہے کہ خواب میں کئی بار آپ کو آنحضورؐ کا دیدار نصیب ہوا۔

ابو جعفر منصور خلیفہ بنا تو وہ 140ھ میں حج اور زیارت کے لیے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ آیا۔ منصور امام مالک کا زبردست معتقد تھا۔ وہ خلیفہ بننے سے پہلے مدینہ کی درسگاہ کا طالبِ علم اور امام مالک کے حلقۂ درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ وہ آپ کی عزت اور قدر و منزلت سے خوب واقف تھا۔

امام مالک صاحبِ علم کے علاوہ صاحبِ بصیرت اور صاحبِ حق بھی تھے۔ اللہ نے آپ کی زبان پر حق کو جاری کر دیا تھا اور آپ کے دل کو حق بات کا محافظ بنایا۔ آپ اپنے دور کے بہت بڑے فقیہہ تھے۔ ایک فقیہہ کا رتبہ یقیناً ایک محدث سے زیادہ ہوتا ہے۔ محدث علمِ حدیث پر عبور رکھتا ہے، جبکہ ایک فقیہہ علمِ حدیث پر قدرت رکھنے کے ساتھ ساتھ اجتہاد اور قوانین کی تشریح و تدوین میں کمال رکھتا ہے۔ اس کے لیے فقیہہ میں اصابت رائے اور اہلِ بصیرت ہونا ضروری ہے، ہر شخص اس رتبے پر فائز ہونے کا اہل نہیں۔ جب کہ آپ اللہ کے فضل و کرم سے اس اعلیٰ رتبے پر فائز تھے۔ امامِ مالک کے نزدیک یہ ایک ایسا منصب تھا کہ جب تک ستر (70) فقہاء نے اس بات کی گواہی نہ دی کہ میں فتویٰ دینے کے لائق ہوں، اس وقت تک اس ذمہ داری کا بار اپنے سر پر نہیں اٹھایا تھا۔

موطا امام مالکؒ

موطا امام مالک کی سب سے مشہور تصنیف ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک نے خلیفہ منصور ہی کے مشورہ پر موطا کی تالیف کا کام شروع کیا۔ موطا کی تالیف 130ھ سے 140ھ کے درمیان ہوئی۔ اس گرانقدر تالیف میں احادیث کے علاوہ آثارِ صحابہ و تابعین، اقوالِ فقہاء، فتاویٰ اور امام مالک کے اجتہادات شامل ہیں۔ ابتدا میں اس میں کم و بیش دس ہزار احادیث شامل کی گئیں۔ تنقید و بحث کے بعد آٹھ ہزار خارج کر دی گئیں اور 1720 روایات کو برقرار رکھا اور موطا میں شامل کیا گیا۔

Marfat.com

موطا، کے معنی روندنے کے ہیں۔ موطا اس راستے کو کہتے ہیں جس پر بکثرت لوگ گزرتے ہیں۔ سنت کے معنی بھی راستے کے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر آنحضور کے بعد صحابہ گزرے۔ غرض موطاً کا لفظ اپنی حقیقت کا آپ مفسر ہے۔ موطا کا موضوع احکامِ فقہ ہیں، اس لیے اس کتاب کو ''کتاب السنن'' کہا جاتا ہے۔ موطا امام مالک کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ کلام اللہ کے بعد مسلمانوں کے لیے دوسری صحیح کتاب تھی جو احادیثِ رسولؐ پر مشتمل تھی۔ اس کی ایک فضلیت یہ بھی ہے کہ بخاری شریف کی بیشتر روایات پانچ یا چھ واسطوں کے بعد بخاری میں تحریر کی گئیں، جبکہ موطا میں نہ صرف ثلاثیات (تین واسطے) بلکہ ثنیات (دو واسطے) میں بھی موجود ہیں۔ ثلاثیات وہ روایات ہیں جن میں آنحضور تک صرف تین واسطے ہوں اور ثنایات وہ روایات ہیں جن میں آنحضرتؐ تک صرف دو واسطے ہوں۔ اس کے بارے میں امام شافعیؒ کی یہ گواہی کافی ہے ''روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب موطا امام مالک سے زیادہ صحیح نہیں''۔ (یاد رہے امام شافعیؒ کا یہ قول بخاری شریف کے مرتب ہونے سے بہت پہلے کا ہے جب کہ امام بخاریؒ 194ھ میں پیدا ہوئے اور امام مالک 179ھ میں وفات پا چکے تھے) امام شافعیؒ آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔

آپ نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران صرف ایک بار حج کیا۔ کسی نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا ''ایک حج فرض تھا وہ بحمداللہ ادا ہوگیا، اب میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہؐ کے مقدس شہر سے باہر نکلوں اور اس حالت میں مجھے موت آجائے۔ میری یہ خواہش ہے کہ سرکارِ مدینہؐ کے قدموں میں دم نکل جائے اور میں اسی مقدس شہر میں دفن ہونے کا آرزومند ہوں، اللہ کبھی اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا''۔

آپ 179ھ میں بیمار ہوئے اور تین ہفتہ بعد آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اُس وقت آپ کی عمر 86ھ برس تھی۔ جنازے میں خلقت کا ہجوم تھا۔ والی مدینہ خود پاپیادہ شریک ہوا اور وہ آپ کے جنازے کو کندھا دینے والوں میں شامل تھا۔ امام مالک اپنے استادِ مکرم شیخ القرا حضرت امام نافعؒ کی قبر کے ساتھ جنت البقیع کے احاطے میں دفن ہوئے۔

اللہ نے آپ کا آخری ٹھکانہ آپ کی آرزو کے مطابق حضورؐ کے قدموں میں ہی بنایا۔

Marfat.com

شیخ القراء حضرت امام نافعؒ

حضرت امام نافعؒ کے اباؤ اجداد اصفہان سے ہجرت کر کے مدینہ رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت امام نافعؒ مدینہ ہی میں 70ھ میں پیدا ہوئے۔

درسِ قرآن مجید آپ کی زندگی کا شعار رہا۔ آپ قرأت سبعہ کے پہلے قاری تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینۂ قرآن پاک کے نور سے منور، دل کثرتِ تلاوت سے معمورِ روح کلام پاک کے فیضان سے تابندہ اور دماغ فرقانِ حمید کے الفاظ سے روشن تھا۔ آپ تابعی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے مگر کلام پاک کے نور و برکت نے اُن کی شخصیت کو سب کے نزدیک لائقِ صد احترام بنا دیا تھا۔ ہر شخص کی خواہش ہوتی کہ شیخ القراء قرأت کریں۔ اِن کی آواز کے سوز سے لوگوں کا ایمان اور مضبوط ہوتا تھا۔

جب آپ تلاوتِ قرآن پاک کرتے تو منہ سے مُشک کی خوشبو اس طرح آتی کہ ساری محفل مہک اُٹھتی۔ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ کوئی خاص خوشبو استعمال کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں ایک بار خواب میں سرکارِ دو عالمؐ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ محبوبِ دو عالمؐ نے میرے منہ کے نزدیک ہو کر تلاوتِ قرآن پاک کی۔ اُسی روز سے یہ کیفیت ہے کہ جب کلام پاک کی تلاوت کرتا ہوں تو میرے منہ سے خوشبو آتی ہے۔ جب شیخ القراء تلاوت فرماتے تو محفل میں ہر شخص پر ایسی محویت طاری ہوتی کہ گردو پیش کی خبر نہ رہتی۔ اہلِ مدینہ اِن کی تلاوت پر گوش بر آواز رہتے۔ ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، والیٔ مدینہ نے اِن کو مصر بھیجا کہ وہاں جا کر

Marfat.com

حدیث کی تعلیم دیں۔

تلاوت کلامِ پاک تو ویسے تزکیہ نفس کا موجب ہے۔ تلاوتِ قرآن سے ایمان میں زیادتی اور پختگی ہوتی ہے۔ قلوب مجلے اور مطہر ہو جاتے ہیں، پھر اُس شخص کی تلاوت کا عالم کیا ہوگا جو فنِ قرآت میں امام اور جس کو سرکارِ دو عالمؐ نے خاص کرم سے نوازا ہو۔

اپنے دورِ غلامی میں آپ نے تیس سال تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت کی اور قرآن وحدیث کے علم سے فیض یاب ہوتے رہے۔

آپ نے 117ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں حضرت امام مالکؒ کی قبر کے ساتھ اُسی احاطے میں محوِ خواب ہوئے۔

Marfat.com

حضرت عُروہ بن زُبیر

حضرت عُروہ بن زبیر کا شمار مدینہ منورہ کے مشہور فقہا میں ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش عہدِ فاروقی کے آخر میں 23 ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام حضرت زبیر بن العوامؓ ہیں جن کا عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے اور آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے اور اُن کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کے صاحبزادے ہیں۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی خالہ تھیں۔ آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے: عروہ بن زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی بن کلاب القرشی الاسدی۔ حضرت عروہ کے دادا حضرت العوام اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھائی تھے۔ حضرت عُروہ کو اپنے شاندار خاندانی شجرۂ نسب پر فخر تھا۔ آپ کے والدِ محترم حضرت زبیر بن العوامؓ سابقون الاولون میں سے تھے اور آپ کے بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر مکی اور مدنی اصحابِ رسولؐ کی اولاد کے قائد تھے۔ جنہوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے انکار کیا اور وقت کے خلیفہ کی بیعت نہ کرنے کی پاداش میں مکہ میں سولی پر چڑھنا منظور کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے 64ھ سے 73ھ تک مکہ میں حکومت کی۔

حضرت عُروہ حضرت عبداللہ سے بائیس سال چھوٹے تھے۔ عروہ نے جنگِ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمائت میں شرکت کی جس میں آپ کے والد حضرت عبداللہ بن زبیر مارے گئے اور اس وقت حضرت عُروہ کی عمر تیرہ سال تھی۔ حضرت عُروہ مدینہ میں پلے بڑھے اور وہیں جوان ہوئے۔ مصر کا سفر بھی کیا اور وہاں ایک مصری خاتون سے شادی کی۔ آپ سات

Marfat.com

سال تک مصر میں مقیم رہے۔ کئی بار دمشق بھی گئے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک کے دربار میں تشریف لے گئے۔ حضرت عروہ کی تمام تر توجہ علم اور دین پر مرکوز رہی۔ آپ کو دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر رہتی۔

آپ نے بہت سے صحابہ کرام سے احادیث روایت کیں۔ آپ نے اپنی خالہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ سیرت کے عالم اور قابلِ اعتماد حافظ الحدیث تھے۔ آپ سے آگے آپ کے فرزند ہشام نے روایت کیں۔ ابنِ ہشام سیرۃ النبیؐ کے ممتاز مؤرخ مانے جاتے ہیں۔

عروہ بحیثیتِ سیرت نگار بڑی شہرت کے مالک ہیں۔ آپ کا شمار مدینہ کے مشہور فقہاء، مغازی (غزوات کے احوال لکھنے والے) کے اولین مصنفین میں ہوتا ہے۔ حضرت عروہ مدینہ کے سات فقہاء میں سے ایک ہیں۔ آپ کو اپنے خاندانی رشتوں کی وجہ سے اسلام کی بہت سی روایات اولین ذرائع سے فراہم کرنے کے مواقع حاصل تھے، یعنی اپنے والد بزرگوار، اپنی والدہ محترمہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ اور سب سے زیادہ اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جن سے وہ کثرت سے ملتے اور سوال کیا کرتے تھے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے اُن کو ایک ایسا دریا پایا جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ آپ نے 94ھ میں 71 برس کی عمر میں وفات پائی۔

Marfat.com

Marfat.com

مدینہ کی مساجد

Marfat.com

Marfat.com

مسجد نبوی ﷺ

مسجدِ نبویؐ سعودی عرب کے دوسرے مقدس شہر مدینہ میں واقع ہے۔ یہی وہ شہر ہے جہاں پر آقائے دو جہاں آنحضرت ﷺ کی آرام گاہ ہے۔ مسجدِ نبویؐ دنیا میں دوسری مسجد ہے جو اس روئے زمین پر تعمیر کی گئی۔ اس مسجد کی تعمیر سے قبل دُنیا کی سب سے پہلی مسجد مسجدِ قبا تھی۔ جو آنحضور ﷺ نے مکہ سے ہجرت کے وقت مدینہ شہر میں داخلہ سے پہلے مدینہ ہی کے مضافات میں قبا کی بستی میں خود اپنے جانثار صحابہ کے ساتھ مل کر تعمیر کی۔ سن 2ھ میں جناب رسالتمآب ﷺ نے اپنے سینکڑوں صحابہ کرام کی موجودگی میں خود اپنے ہاتھوں سے مسجدِ نبویؐ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس لیے اس مسجد کو تمام روئے زمین کی دوسری مساجد کی نسبت ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ اور یہی وہ مسجد ہے جس میں روضۂ رسول ﷺ موجود ہے۔ یہ مسجد، مسجدِ الحرام کے بعد دُنیا کی سب سے دوسری بڑی مسجد ہے اور پھر اس مسجد میں ایک مقدس جگہ کا وجود ہے جسے آنحضور ﷺ نے روضتہ الجنتہ سے تعمیر کیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے " مابین قبری و منبری روضة من ریاض الجنته" یعنی میری قبر اور میرے منبر کے درمیان کی جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے"۔

جب آنحضور ﷺ نے مدینہ میں قیام فرمایا تو آپ ﷺ کی رہائش کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے مسجد بنانے کا قصد کیا۔ یہ قریب کی جگہ دراصل دو یتیم بھائیوں کی ملکیت تھی وہ اس جگہ کھجوریں سکھایا کرتے تھے۔ جب اُن تیم بچوں کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہاں

Marfat.com

مسجد تعمیر کروانے کا علم ہوا تو انہوں نے تحفتاً یہ جگہ آنحضور ﷺ کو دینی چاہی لیکن آپ ﷺ نے وہ جگہ دس دینار کے عوض اُن بچوں سے خرید لی اور اُس جگہ مسجد تعمیر شروع کردی۔ اس مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرام کے ساتھ آپ ﷺ نے بنفس نفیس حصہ لیا۔ یہ مسجد اوپر سے کھلی تھی۔ اس وقت اس مسجد کی لمبائی 115 فٹ اور چوڑائی 98 فٹ تھی۔ کھجور کے پتوں اور گارے سے اس کی تعمیر ہوئی۔ اس مسجد میں داخل ہونے کے لیے تین دروازے تھے ایک دروازہ جنوب میں بابِ رحمت تھا۔ مغرب کی طرف بابِ جبرائیلؑ اور مشرق کی جانب بابُ النساء تھا۔ شمال کی جانب قبلہ (قبلہ اوّل بیت المقدس) تھا۔ یاد رہے کہ تحویل قبلہ کا حکم 2ھ میں نازل ہوا اور ہجرت سے تقریباً 20 ماہ تک آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف منہ کرکے ہی نماز پڑھائی۔ مسجد کے ایک کونے میں اصحابہ صُفّہ کے لیے ایک چبوترہ بھی بنوایا جہاں پر بیٹھ کر وہ اسلامی تعلیمات سے اپنے دلوں کو منور فرماتے۔

جب دن بدن مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں 7ھ میں خیبر کی واپسی پر مسجد میں توسیع کروائی۔ اُس وقت مسجدِ نبویؐ سات آٹھ فٹ بلند تھی۔ اس مسجد کا صحن پہلے سے دُگنا کردیا گیا۔ اس مسجد میں سب سے اہم ترین جگہ روضۂ رسول ﷺ اور اس کے اوپر تعمیر کیا گیا گُنبدِ خضرا ہے جو کہ مسجد کے جنوب مشرقی کونے میں واقع ہے۔ دراصل یہی جگہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا گھر تھا جہاں آقائے دو جہاں ﷺ نے وفات پائی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت کے پہلے چار سال تک مسجدِ نبویؐ کو ہاتھ نہ لگایا۔ لیکن اسلامی فتوحات کی وجہ سے جب مدینہ کی آبادی بڑھنے لگی تو نمازیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ 17ھ میں حضرت عمرؓ نے مسجدِ نبویؐ کو وسیع کرنا چاہا۔ اس غرض سے ازواجِ مُطہرات کے مکانات چھوڑ کر مسجدِ نبویؐ کے گرد جس قدر مکانات اور عمارتیں تھیں گرا کر مسجد کو توسیع دی گئی۔ اس سے پہلے مسجد کا طول 100 گز تھا، آپؓ نے 140 گز کردیا اور عرض بھی 120 گز تک بڑھا دیا۔ حضرت عمرؓ کے دور سے قبل مسجد میں روشنی کا انتظام نہیں تھا۔ روشنی کا انتظام کرنے کی ابتدا بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی۔

Marfat.com

مسجدِ نبویؐ میں تیسری دفعہ توسیع حضرت عثمان غنیؓ نے 29ھ میں کروائی مسجد کی چھت میں ساگوان کی لکڑی استعمال کی گئی اور اس کا طول بڑھا کر 160 گز اور عرض 150 گز کر دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے نئے مفتوحہ علاقوں میں ایسا ہی حکم دیا کہ نئی مساجد تعمیر کی جائیں اور پہلے سے تعمیر کی گئی مساجد کو وسیع کیا جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے پتھر سے مسجد کا صحن پختہ کروایا۔ مسجدِ نبویؐ کی بلندی بھی سات فٹ سے بڑھا کر گیارہ فٹ کر دی گئی اور مسجد میں چونے اور پتھر سے 35 ستون بنائے گئے۔

یوں تو مسجدِ نبویؐ کا گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ مقدس ہے لیکن روضہ مقدس کی زمین کی فضیلت بقول مشہور محدث قاضی عیاضؒ مالکی تمام روئے زمین سے بڑھ کر ہے۔ اس قطعۂ زمین کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے:۔

ادب گاہ ہست زیر آسمان از عرشِ نازک تر
نفس گم کردہ می آئند جنید و بایزید ایں جا

(یہ آسمان کے نیچے ایک ادب گاہ ہے جو بتقاضائے ادب عرش سے بھی
نازک ہے اس جگہ جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگان دین بھی
سانس روک کر حاضر ہوتے ہیں)

آنحضرت ﷺ کے پہلو میں ذرا نیچے کی طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ آرام فرما ہیں۔ روضہ اطہر کی عمارت 52 فٹ لمبی اور 49 فٹ چوڑی ہے۔ بالکل اسی جگہ پر اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ مبارک تھا اور اسی حجرہ میں آپؐ دفن ہوئے۔ مدینۃ المنورہ سے کعبۃ اللہ جنوب میں ہے اور جنوبی رُخ کی طرف مواجہہ شریف ہے۔ جس کے سامنے کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے۔

مدینہ منورہ کا ہر حصہ خیر اور برکتوں سے مالا مال ہے لیکن مسجدِ نبویؐ روئے زمین پر خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کے بعد ایسی جگہ ہے جہاں دن رات اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

☆ "جس کو مدینہ تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور وہ میری زیارت کو نہ آئے (یعنی حج

Marfat.com

کر کے واپس چلا جائے) اُس نے میرے ساتھ بڑی بے مروّتی کی''۔

☆ ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی''۔

☆ ''جس نے میری وفات کے بعد میری (قبر) کی زیارت کی ایسے ہی ہے جیسے کہ اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی''۔

☆ ''میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ایک ہزار نمازیں پڑھنے سے افضل ہے سوائے مسجد الحرام کے کہ وہاں نماز پڑھنا میری مسجد میں سو نمازیں پڑھنے سے افضل ہے''۔

☆ ''جس نے مسجدِ نبویؐ میں چالیس نمازیں مسلسل باجماعت ادا کیں، روز قیامت کو میری شفاعت اس کے لیے واجب ہوگئی''۔

گنبدِ خضرا:

روضۂ اقدسؐ کے اوپر گنبدِ خضرا ہے۔ سب سے پہلے 687ھ میں الملک المنصور قلدون نے روضۂ اقدسؐ پر ایک گنبد بنوایا جو نیچے سے مربع اور اوپر سے آٹھ گوشوں کا تھا، جو لکڑی کے تختوں اور سیسے کی پلیٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ 886ھ میں الملک اشرف قائیت بائی نے اس گنبد کا رنگ سفید کر دیا جسے ''قبۃ البیضا'' کہا جاتا تھا۔ دسویں صدی ہجری کے وسط میں سلطان سلیمان رومی نے روضۂ اقدس کا فرش سنگِ مرمر کا بنوایا جو آج تک موجود ہے۔

سلطان محمودؒ نے 1233ھ میں گنبدِ نبویؐ کو از سرِ نو تعمیر کروایا اور 1255ھ میں گنبد کے پہلے والے سفید رنگ کے اوپر سبز رنگ کرایا گیا اور اُسی وقت سے اِسے گنبدِ خضرا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہی وہ گنبدِ خضرا ہے جس کی زیارت کو عاشقانِ رسولؐ نے اپنے دلوں کا سرور اور اپنے خوابوں کی تعبیر سمجھ رکھا ہے۔ حقیقت میں مسجد نبویؐ کا سارا حُسن و جمال اس روضۂ اطہرؐ کی وجہ سے ہے۔

ریاض الجنۃ:

اگر آپ بابُ البقیع سے مسجد نبویؐ میں داخل ہوں تو روضۂ رسولؐ آپ کے دائیں

Marfat.com

ہاتھ ہوگا اور جونہی آپ روضہ رسولؐ سے گزریں گے تو روضہ کی مشرقی دیوار سے لے کر منبر رسولؐ تک درمیانی جگہ مسجد کی دوسری جگہوں سے کافی نمایاں نظر آئے گی کیونکہ اس جگہ بچھے قالین اور صفیں سبز رنگ سے نمایاں کیے گئے ہیں جب کہ مسجد میں باقی جگہ قالین اور صفیں سرخ رنگ کی ہیں اور یہی سبز رنگ والا حصہ ریاض الجنتہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''میرے روضہ اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ ہی ریاضُ الجنتہ ہے اور یہ متبرک حصہ جنت سے اُتارا گیا ہے اور جب روزِ قیامت ہوگا تو اس حصہ کو سب سے پہلے آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ کیونکہ مسجد نبویؐ کا یہ حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے''۔

اس میں کسی قسم کا شک اور مبالغے کا پہلو موجود نہیں ہے اس لیے سب زائرین اس جگہ چند لمحے گزارنے اور دو نفل ادا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسے وہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔

منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

مسجد نبویؐ کی پہلی تعمیر مکمل ہونے کے بعد اور جب پہلا جمعتہ المبارک پڑھانے کا موقع آیا تو جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے صحن میں ایک کھجور کے خُشک تنے کے ساتھ کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمایا۔ طویل خطبہ کے دوران آپ تھک بھی جاتے تھے جس کی وجہ سے آپؐ کو بیٹھنا بھی پڑ جاتا تھا۔ اس کیفیت کو دیکھ کر آپؐ کے ایک صحابی تیم داریؓ نے آپؐ کے لیے ایک لکڑی کا منبر تیار کرنے کا قصد ظاہر کیا جسے آپؐ نے پسند فرمایا۔ تیم داریؓ نے لکڑی سے تین سیڑھیوں والا منبر تیار کیا اور جس جگہ کھجور کا تنا تھا اسے کاٹ کر وہیں دفن کر دیا گیا۔ آپؐ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین بھی خطبہ کے لیے یہ منبر استعمال کرتے رہے لیکن بتقاضائے ادب آخری سیڑھی پر بیٹھنے سے گریز کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں اس لکڑی کے منبر پر ایک قیمتی کپڑا ڈالا گیا اور منبر کے نیچے ایک فٹ اُونچی چوکی سنگِ مرمر سے تیار کروائی ور منبر اُس پر رکھ دیا گیا۔ اس منبر کی لمبائی ایک گز اور چوڑائی نصف گز تھی۔

Marfat.com

حضرت امیر معاویہؓ نے 50 ھ میں جب دارالخلافہ شام منتقل کیا تو اس منبر کو بھی شام لے جانے کا قصد کیا جب منبر مبارک کو اُس مقام سے حرکت دی گئی تو سورج گرہن ہو گیا اور اتنا اندھیرا چھا گیا کہ دن کے وقت بھی ستارے نظر آنے لگے۔ ہوا کے شدید طوفان کے ساتھ زلزلہ کی وجہ سے زمین جنبش کرنے لگ گئی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر منبرِ رسولؐ کو مسجد نبویؐ سے باہر کسی بھی جگہ منتقل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔ بعد میں مروان بن حکم نے اس خیال کے پیش نظر کہ لکڑی کے اس منبر کو کہیں دیمک لگ سکتی ہے، نو سیڑھیوں والا ایک نیا منبر تعمیر کروایا۔ لہذا یہ نو زینوں والا منبر مبارک آج تک نو ہی زینوں والا بلند منبر شریف ہے۔ بعد میں اکثر خلفا اور خلفائے عباسیہ بھی اپنے خلوص اور محبت کے اظہار کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ منبر تیار کروا کر مسجد نبویؐ سے عقیدت کا اظہار کرتے رہے۔ 563 ھ میں ایک نیا منبر بنایا گیا جو 654 ھ میں آگ سے جل گیا۔ 888 ھ میں ملک اشرف قائیت بائی نے سنگِ مرمر کا منبر مبارک تعمیر کروایا جو اس وقت مسجدِ قبا میں رکھا ہوا ہے۔ 888 ھ میں سلطان روم سلطان مراد خاں نے بھی سنگِ مرمر کا ایک عالیشان منبر تعمیر کروا کر اپنی دِلی عقیدت کا اظہار کیا۔ یہی منبر مبارک ابھی تک مسجد نبویؐ میں موجود ہے۔

سات ستون

یوں تو مسجد نبویؐ کا ہر حصہ بابرکت اور مقدس ہے مگر ''ریاض الجنۃ'' کے وہ سات ستون جنہیں مسجد نبویؐ کے دوسرے ستونوں سے نمایاں اور ممیّز کر دیا گیا ہے، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ انہی ستونوں کے درمیانی حصہ میں ''ریاض الجنۃ'' واقع ہے۔ ان ستونوں کی مختصر تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

ستونِ حنانہ:

یہ ستون محراب النبیؐ کے قریب ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ اس ستون کے سہارے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ اسی جگہ کھجور کا وہ تنا (درخت) دفن ہے جو لکڑی کا منبر تیار کیے جانے کے بعد آپؐ کے فراق میں بلک بلک کر رویا تھا۔ آپؐ نے اُس کھجور کے تنے کو اس طرح تسلی دی کہ روزِ قیامت کو تم میرے ساتھ جنت میں جاؤ گے تو اس درخت نے رونا بند کر دیا اور

Marfat.com

خوشی کا اظہار بھی کیا۔

ستونِ عائشہ صدیقہؓ:

ایک مرتبہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

''میری مسجد میں ایک ایسی جگہ موجود ہے کہ اگر لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا علم ہو جائے تو وہ اس جگہ نماز پڑھنے کی باری حاصل کرنے کے لیے قرعہ اندازی کرنے لگیں''۔ (طبرانی)

اس متبرک جگہ کی نشاندہی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمائی تھی۔ پھر اس جگہ پر ستونِ عائشہؓ بنا دیا گیا۔

ستونِ ابولبابہؓ:

حضرت ابولبابہؓ آنحضورؐ کے ایک صحابی تھے اُن سے ایک لغزش سرزد ہوگئی۔ اُس گناہ کو معاف کروانے کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو مسجدِ نبویؐ کے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے گڑگڑا کر اللہ کے حضور اپنے گناہ کی صدقِ دل سے معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ جس کا ذکر سورہ توبہ میں موجود ہے۔ آنحضورؐ پر جب اُن کی توبہ قبول ہونے کے بارے میں وحی نازل ہوئی تو آپؐ نے ابولبابہؓ کی برات کا بتایا اور خود اپنے ہاتھوں سے اس صحابی کو ستون سے کھولا۔ اس لیے اُس ستون کا نام ستون ابولبابہ ہے۔

ستونِ وفود:

اس ستون کے پاس آنحضرتؐ مدینہ کے باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ اس لیے اس ستون کا نام ستون وفود ہے۔

ستونِ سریر:

اس ستون کے پاس آنحضورؐ اعتکاف فرمایا کرتے اور رات کو اسی جگہ آپؐ کا بستر بچھا دیا جاتا تھا۔

Marfat.com

ستونِ حرس:

اس مقام پر حضرت علیؓ اکثر نماز پڑھا کرتے تھے اور یہیں بیٹھ کر سرکارِ دو عالمؐ کی پاسبانی کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ اس ستون کو ستون علیؓ بھی کہتے ہیں اور یہ ستون باب جبرئیل کے سامنے ہے۔

ستونِ تہجد:

نبی کریمؐ اس جگہ اکثر نمازِ تہجد ادا فرمایا کرتے، اس لیے اس ستون کا نام ستونِ تہجد رکھا گیا ہے۔

اصحاب صُفّہ کا چبوترہ:

باب جبرائیل سے داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ ایک ڈیڑھ فٹ اونچا چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جس کے اردگرد پیتل کا جنگلہ لگایا گیا ہے۔ اس چبوترے کی لمبائی اور چوڑائی 40،40 فٹ ہے۔ یہاں وہ صحابہ کرام بیٹھے رہتے جن کا کوئی گھر بار نہیں تھا بلکہ انہوں نے اپنی بقیہ زندگی اسلام کی تعلیمات حاصل کرنے میں وقف کر رکھی تھی۔ اِن صحابہ کو اصحاب صُفّہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان اصحابہ صُفّہ میں آنحضورؐ کے بڑے جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ جن میں کچھ اسماء گرامی یہ ہیں۔

> حضرت بلالؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو بشر کعب بن عمرؓ، حضرت عمیر بن عوفؓ، حضرت سلیمان فارسیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت عبداللہ بن زیدؓ، حضرت ابو ذر غفاریؓ، حضرت زید بن خطابؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سعید بن عامرؓ۔
>
> حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ:
>
> ''میں اُن ستر اصحاب صُفّہ میں سے تھا جن کے پاس سوائے ایک چادر کے اور کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا۔ جسے وہ گلے میں پہنے رکھتے''۔

یہ چبوترہ آج بھی اسی طرح موجود ہے یہاں پر اب بھی کئی فرشتہ صورت اور نیک

Marfat.com

سیرت بیٹھے رہتے ہیں اِن میں کئی ولی اللہ بھی ہو سکتے ہیں اور مجدّد بھی، مجذوب بھی اور ابدال بھی، لیکن کون جانے کہ وہ کس بھیس میں بیٹھا ہے۔

مسجدِ نبویؐ میں توسیع کا عمل:

آنحضورؐ نے جب مسجدِ نبویؐ کا سنگ بنیاد اپنے دستِ مبارک سے رکھا اس وقت سے تقریباً بیس مرتبہ مختلف ادوار میں اس میں توسیع کی جا چکی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور میں مسجدِ نبویؐ کے چار مینار تعمیر کروائے جن کی اونچائی اٹھاسی، اٹھاسی فٹ تھی۔ سلطان عبدالمجید نے مسجدِ نبویؐ کی تزئین و آرائش اور توسیع کا کام 1265ھ میں شروع کیا اور 1277ھ میں مکمل کیا۔ مسجد میں نئے ستون تیار کروائے۔ اُن کے دور میں مسجدِ نبویؐ کے ستونوں کی تعداد 296 تھی اور ہر ستون کے نچلے حصہ پر سلطان عبدالمجید نے سونے کے کڑے چڑھائے۔ مسجدِ نبویؐ کا شمالی جانب والا دروازہ بابِ مجیدی انہی کے نام سے مشہور ہے۔

شاہ عبداللہ کا عظیم توسیعی منصوبہ:

ابھی حال ہی میں دو سال قبل سابق شاہ عبداللہ نے مسجدِ نبویؐ میں توسیع کا پروگرام ترتیب دیا تھا۔ شاہ عبداللہ 24 ستمبر 2012ء کو مدینہ منورہ پہنچے۔ مدینہ میں اُن کی آمد کا مقصد اُس عظیم منصوبے کا سنگ بنیاد رکھنا تھا جس میں مسجدِ نبویؐ کی توسیع مقصود تھی۔ یہ توسیع منصوبہ تین مرحلوں میں مکمل کیا جائے گا۔ پہلے مرحلے میں نمازیوں کی گنجائش 800,000 تک بڑھائی جائے گی۔ جبکہ دوسرے اور تیسرے مرحلے میں مسجد کی گنجائش دس لاکھ کر دی جائے گی۔ اور جب 2040ء میں مسجدِ نبویؐ کی توسیع کا عمل مکمل ہوگا تو مسجد میں نمازیوں کی گنجائش بارہ لاکھ تک بڑھ جائے گی۔ اس توسیعی عمل کو بروئے کار لانے کی خاطر بڑے بڑے 23 ہوٹل اور کئی بلند و بالا عمارتوں کو مسمار کرنا پڑے گا۔ جس کے نتیجہ میں اُن میں زائرین کے ٹھہرنے کے لیے 1760 کمرے کم پڑ جائیں گے۔ لیکن ساتھ ساتھ مدینہ شہر کے ترقیاتی ادارے (ایم ڈی اے) نے یہ منصوبہ بندی بھی کی ہے کہ ایک سال کے اندر مزید 21 ہوٹل شہر میں تعمیر کر دیے جائیں گے۔ تاکہ زائرین کو مدینہ منورہ میں دوران قیام کسی پریشانی یا دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مسجدِ نبویؐ

Marfat.com

کے اس توسیعی منصوبے کے مکمل ہونے کے بعد مدینہ شریف کا وہ پورا شہر جو آنحضورؐ کے دور میں آباد تھا۔ مسجدِ نبویؐ میں شامل ہو جائے گا۔

جب مسجدِ نبوی کے مینار نظر آئے
اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے

Marfat.com

مسجدِ قباء

اِس روئے زمین پر پوری دنیا میں جو مسجد سب سے پہلے تعمیر ہوئی، وہ مسجدِ قبا ہی تھی۔ اِس لیے اِس مسجد کو دنیا کی پہلی مسجد کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا منفرد اعزاز ہے جو کسی اور مسجد کو حاصل نہیں۔اس مسجد کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت مبارک الفاظ میں کیا ہے۔اللہ تعالیٰ سورہ توبہ میں ارشاد فرماتا ہے:

''اِس مسجد کی بنیاد روزِ اوّل سے ہی تقویٰ اور پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے''

اس مسجدِ قبا کی ایک اور بڑی فضلیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد آنحضورؐ نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی۔ جب رسالت مآب ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے کے لیے عازمِ سفر ہوئے تو مدینہ میں داخل ہونے سے قبل مدینہ سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر طریقِ مکہ پر قبا کی بستی تھی، جہاں آپؐ نے اپنے جانثار صحابہؓ کے ساتھ جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ شامل تھے، بیس دن قیام فرمایا۔ وہ اس لیے کہ آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کے وقت حضرت علیؓ کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے تاکہ وہ حضورؐ کے پاس رکھی گئی امانتوں کو اُن کے مالکوں کو واپس لوٹا کر مدینہ کی طرف چلے آئیں۔ قبا میں دورانِ قیام آپؐ نے ایک مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا، وہ یہی مسجد، مسجدِ قبا تھی۔ آپؐ نے خود مسجدِ قبا کی تعمیر میں حصہ لیا۔ خود پتھر اور ریت اٹھا کر مسجد کی دیواروں کی تعمیر میں صحابہ کرامؓ کی مدد فرمائی۔ جس دن آپ ﷺ بستی قبا میں پہنچے تو وہ پیر کا دن تھا، ماہِ ربیع الاوّل کی 12 تاریخ تھی اور سن عیسوی کی 24 ستمبر 622، اُسی دن سے اسلامی کیلنڈر

Marfat.com

اور اسلامی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔

آنحضورؐ کی حیاتِ مبارکہ کے بعد اس مسجد کی اصحابہ کرامؓ نے توسیع کی۔ اس وقت اس مسجد کے چھ گنبد اور چار مینار ہیں جو چاروں کونوں پر تعمیر کیے گئے ہیں۔ اس میں چھ داخلی دروازے ہیں جو کہ شمال، مشرق اور مغربی سمت ہیں۔ مسجد کا محراب جنوب، یعنی قبلہ کی جانب ہے۔ مسجد کا صحن سفید، سرخ اور سیاہ ماربل سے بنایا گیا ہے۔ جو دیکھنے میں انتہائی خوبصورت ہے۔ خواتین کے لیے مردوں سے علیحدہ جگہ مخصوص کی گئی ہے۔

فضیلت میں مسجدِ قبا، مسجدِ الحرام، مسجدِ نبویؐ اور مسجدِ اقصیٰ کے بعد دنیا کی تمام مساجد سے اعلیٰ وارفع مقام رکھتی ہے۔ تمام احادیث کی کتب میں اکثر احادیث میں مسجدِ قبا کی فضیلت کا ذکر موجود ہے۔ اس مسجد کو مسجدِ تقویٰ بھی کہا جاتا ہے۔

آنحضورؐ کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ ہفتہ کے دن اگر کوئی گھر سے وضو کر کے اشراق کی نماز مسجدِ قبا میں ادا کرے گا تو اُس کو ایک حج اور ایک عُمرے کا ثواب ملے گا (سنن ابن ماجہ)۔ ایک دوسری حدیث میں روایت ہے کہ اس مسجد میں جو کوئی دو نفل نماز ادا کرے گا اسے ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔ آپؐ خود بھی گاہے گاہے ہفتہ کے روز اس مسجد میں تشریف لے جاتے اور نفل نماز ادا فرمایا کرتے۔ مسجدِ قبا جانے کے لیے کبھی آپؐ پیدل تشریف لے جاتے اور کبھی سواری پر۔ آج بھی ہر زائر جس کو ایام حج اور عمرہ پر جانے کا شرف حاصل ہوتا ہے مسجدِ قبا میں اپنی اولین فرصت میں زیارت اور نماز کے لیے جاتا ہے۔ مسجدِ قبا کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اِس میں آنحضرتؐ نے پہلی دفعہ اپنے صحابہؓ کو علانیہ طور پر نماز باجماعت پڑھائی۔

Marfat.com

مسجدِ قبلتین

یہ مسجد مدینہ منورہ سے چار کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مسجد تاریخ اسلام میں اس قدر اہمیت اور فضیلت کی حامل ہے کہ اللہ کے رسولؐ کو دورانِ نماز ہی اپنا رُخِ انور خانہ کعبہ کی طرف موڑنے کا حکم ہوا۔ اس سے قبل مکہ سے ہجرت سے لے کر سولہ(16) ماہ تک آپؐ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کیں۔ بیت المقدس بھی مسلمانوں کے لیے اس لیے قابلِ احترام تھا کہ حضورؐ اوپر آسمانوں پر معراج کے لیے بیت المقدس سے ہی تشریف لے گئے تھے۔ حضورؐ کی یہ دلی تمنا اور خواہش تھی کہ اُمتِ مسلمہ جدالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے تعمیر کردہ خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرے۔ حضورؐ دل میں یہ تمنا لیے بار بار آسمان کی طرف دیکھا کرتے۔ ایک روز آپؐ بنو سلمہ کے ہاں نماز ظہر کی امامت فرما رہے تھے۔ ابھی آپؐ نے دو رکعت ہی پڑھی تھیں کہ تیسری رکعت میں بذریعہ وحی تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی:۔

(ترجمہ)

''یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا ہم دیکھ رہے تھے۔ لو، ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف رُخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو اُسی (قبلہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو''۔ (البقرہ:144)

یہ تحویلِ قبلہ کا حکم شعبان 2 ھ میں نازل ہوا تھا۔ جب دورانِ نماز تحویل قبلہ کا حکم نازل

Marfat.com

ہوا تو جہاں آپؐ نے اپنا رُخِ انور خانہ کعبہ کی طرف موڑ لیا، آپؐ کے پیچھے کھڑے مقتدیوں نے بھی بالکل ایسا ہی کیا اور انہوں نے بھی حضورؐ کی اقتدا میں اپنا اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔ یہ اہم واقعہ کیونکہ اس مسجد میں رونما ہوا اس لیے یہ مسجد، مسجد قبلتین کہلاتی ہے۔ (یعنی دو قبلوں والی مسجد)۔

جب تحویلِ قبلہ کا حکم آیا تو اہلِ کتاب (یہودیوں اور عیسائیوں) نے بڑا شور مچایا کہ ہمارا قبلہ بیت المقدس مسلمانوں نے کیوں بدل لیا ہے۔ حالانکہ اُن کو پہلے سے اِس بات کا علم تھا کہ مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے بدل کر خانہ کعبہ کر دیا جائے گا اور یہ بات اُن کی کتابوں اور صحیفوں میں موجود بھی تھی۔ مگر اُن کا نسلی غرور اور حسد قبولِ حق میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

یہ تحویلِ قبلہ کے حکم والا دن جہاں مسلمانوں کے لیے خوشی کا دن تھا وہاں مدینہ کے اہلِ یہود کے لیے افسوس، غم اور حُزن کا دن تھا کیونکہ اِس بارے میں اُن کی کتاب میں جیسا لکھا ہوا تھا، بالکل صحیح ثابت ہوا۔ حقیقت میں اُس دن یہودیوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ چکی تھی۔

ابھی حال ہی میں مسجدِ قبلتیں کی تزئین و آرائش نئے سرے سے کی گئی ہے۔ اب یہ مسجد دنیا کی خوبصورت مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ حاجی صاحبان لازمی اس تاریخی مسجد کی زیارت کو جاتے ہیں۔

مسجدِ جمعہ:

مسجدِ قبا سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر بنو سالم کی بستی آباد تھی۔ نبی اکرمؐ جب بستی قبا سے مدینہ جانے لگے تو راستہ میں نبی سالم پہنچے تو جمعہ کا وقت ہو گیا چنانچہ آپؐ نے اسی جگہ نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ بنو سالم نے اسی جگہ مسجد بنالی جو مسجد جمعہ کہلاتی ہے۔ اس جمعہ کی نماز میں تقریباً ایک سو نمازی موجود تھے۔ اس تاریخی اہمیت کے پیشِ نظر خادمین شریفین شاہ فہد کے زمانہ میں اس کی تعمیر و توسیع کا انتظام کیا گیا۔ اس مسجد میں 650 نمازیوں کی گنجایش ہے اور مینار کی بلندی 82 فٹ ہے۔

مسجد الفتح:

جبلِ سلع کے دامن میں شمال مغرب کی طرف ایک مسجد ہے جس کا نام مسجدِ الفتح ہے۔

Marfat.com

روایات کے مطابق اس جگہ نبی اکرمؐ نے غزوہ خندق کے موقع پر تین دفعہ اللہ کے حضور دعا فرمائی تھی کہ وہ کفار کے لشکروں کو تتر بتر کردے، مدینہ اور اہلِ مدینہ کو اُن کے شر سے محفوظ رکھ۔ تیسری دفعہ جب حضور نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ آپؐ کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار نظر آنے لگے۔ بدھ کے دن حضرت جبرائیلؑ اللہ کی طرف سے فتح و نصرت کی خوشخبری لے کر حاضر ہوئے۔ بعد میں اس جگہ جو مسجد بنائی گئی وہ مسجد فتح کے نام سے متعارف ہوگئی۔

مسجدِ غمامہ:

مسجدِ نبویؐ کے جنوب مغرب میں 305 میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آنحضورؐ آخری سالوں میں یہاں عید کی نماز ادا فرماتے تھے۔ یہ مسجد باب شامی سے عنبریہ کو جاتے ہوئے راستے میں آتی ہے۔ پہلے یہاں مسجد نہیں تھی بلکہ ایک کھلی جگہ تھی۔ مسجد غالباً دوسری صدی ہجری میں بنی۔

عربی میں غمامہ کا مطلب ہے بادل۔ اس مسجد کو مسجد غمامہ اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ کچھ عرصہ سے مدینہ میں بارش نہیں ہو رہی تھی۔ آنحضورؐ نے اپنے صحابہ کی معیت میں یہاں آکر نمازِ استسقاء ادا فرمائی۔ قدرت کا کرنا کیا ہوا کہ ابھی آپؐ دعا کے فوراً بعد شہر واپس آ رہے تھے کہ کسی سمت سے بادل آئے اور اتنی بارش ہوئی کہ پورا مدینہ جل تھل ہوگیا۔ اسی مناسبت سے اس جگہ جو بعد میں مسجد بنائی گئی، مسجدِ غمامہ کہلاتی ہے۔ یہ مسجدِ پہلی صدی ہجری میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنوائی۔ موجودہ عمارت ترکی کے سلطان عبدالمجید کے زمانہ کی ہے۔ شاہ فہد کے زمانہ میں اس میں ترمیم وتجدید کی گئی۔

مساجدِ سبعہ:

سلع پہاڑ کے دامن میں سبعہ مسجد واقع ہیں۔ مسجدِ فتح، مسجد سلمان فارسی، مسجد علیؓ، مسجد عمرؓ، مسجدِ ابوبکر، مسجد سعد بن معاذؓ، مسجدِ بی بی فاطمہؓ، غزوہ خندق کے دوران مسجدِ فتح کی جگہ آنحضورؐ نے دعائیں کی تھیں۔ شاہ فہد کے زمانہ 1424ھ میں جبل سلع کے اسی دامن میں مسجدِ خندق کے نام سے ایک بڑی مسجد بنا دی گئی اور کئی مساجد اس میں شامل ہوگئی ہیں۔

Marfat.com

مسجدِ ابی بکر صدیقؓ:

مسجدِ غمامہ سے 40 میٹر اور مسجدِ نبویؐ سے 335 میٹر کے فاصلہ واقع ہے۔ آنحضورؐ نے بعض اوقات عید کی نماز یہاں ادا فرمائی۔ پھر آپؐ کے بعد خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نمازیں یہاں پڑھائیں۔ یہ مسجد ترکی کے سلطان محمود خاں نے بنوائی اور تزئین آرائش شاہ فہد نے کروائی۔ مسجد کا رقبہ 2925 مربع میٹر ہے۔

مسجدِ عمرؓ بن خطابؓ:

مسجدِ نبویؐ سے 455 میٹر اور مسجدِ غمامہ سے 133 میٹر کے فاصلہ پر مسجدِ عمر واقع ہے۔ نوویں صدی ہجری میں اس کی ابتدائی تعمیر ہوئی۔ 1411ھ میں شاہ فہد نے اس کی مرمت کروائی۔ اس مسجد کا رقبہ 335 مربع میٹر ہے اور گنبد سطحِ زمین سے 40 فٹ بلند ہے۔

Marfat.com

حُورِ عرب

(مدینہ کی کھجوریں)

جس طرح مکہ شہر کا خاص تحفہ آبِ زم زم ہے اسی طرح مدینہ منورہ کا خاص تحفہ اور سوغات مدینہ کی کھجوریں ہیں۔ جو حلاوت و مٹھاس اور ذائقہ مدینہ کی کھجور میں ہے، دنیا کے کسی اور خطے کی کھجوروں میں ملنا مشکل ہے۔ ان کھجوروں میں تر و تازگی اور حلاوت پر یہاں کی آب و ہوا کا اثر اپنی جگہ لیکن اس مٹی میں وجود مطہرؐ کی قُربت کا اثر سب خصوصیات پر حاوی ہے۔ عرب کی کھجوروں کی خصوصیت، مٹھاس، انفرادیت اور کھجور کے درخت کی خوبصورتی کی بنا پر شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے اسے ''حُورِ عرب'' کا نام دیا ہے۔

میری آنکھوں کا نُور ہے تو
میرے دل کا سرور ہے تو
مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا
صحرائے عرب کی حُور ہے تو

(بالِ جبریل)

یہ مدینہ سے کھجور کی نسبت کا ہی سبب ہے کہ عرب کی حکومت کے قومی نشان جھنڈے پر کلمۂ طیبہ کے ساتھ ساتھ کھجور کے درخت کو بھی ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ رمضان المبارک

Marfat.com

کے مہینے میں آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ روزہ کھجور ہی سے افطار فرماتے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ کھجور برکت والی ہوتی ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اگر کسی گھر میں کھجور نہ ہو تو اسے مفلس سمجھنا چاہیے۔ ایک اور حدیث کے مطابق کھجور کو بنی آدم کی پھوپھی فرمایا گیا ہے کہ اسے اس مٹی سے بنایا گیا جو حضرت آدم کے بنانے کے بعد بچ رہی تھی۔

جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو وہاں کا سرسبزہ اور کھجوروں کے باغات اُن کے لیے ایک خوشگوار تبدیلی تھی۔ مدینہ کے یہودی تو کھجوروں کے باغات کے مالک تھے ہی، بہت سے انصار گھرانے بھی ایسے تھے جن کے کھجوروں کے اپنے باغات تھے۔ انہوں نے آنحضورؐ کے مؤاخات کا رشتہ متعارف کروانے کے بعد کئی مہاجرین کو بھی ان باغات میں شامل کر کے فراخ دلی اور بھائی چارہ کا عملی ثبوت دیا۔ مدینہ کے اکثر گھروں میں کھجوروں کے درخت عام تھے اور جب یہ درخت پکے ہوئے زرد یا سرخ پھل سے لدے ہوتے تو گھر کے صحن میں خوب بہار دکھاتے۔

کتنے خوش نصیب تھے وہ لوگ جن کے گھروں اور کھجوروں کے باغات میں شاہِ دو جہاںؐ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تشریف لے جایا کرتے۔ اُنہی دنوں مدینہ میں کھجوروں کے بہترین باغات یہودیوں کے پاس تھے۔ اِن یہودیوں میں سے ایک یہودی کے باغ میں حضرت سلمان فارسیؓ بطور غلام اُس کے ہاں کام کرتے تھے۔ اُن کو آنحضورؐ کی تجویز پر اِس شرط پر اُس سے آزادی ملی کہ وہ یہودی کو زمین میں 300 کھجوروں کے درختوں کا باغ لگا کر دے۔ پھر یہ باغ صحابہ کرامؓ کی مدد سے لگایا گیا اور اس باغ کے لگانے میں آنحضورؐ نے خود بھی حصہ لیا۔ بعد میں یہودیوں کو تو اپنی کرتوتوں اور شرارتوں کی وجہ سے مدینہ ہی سے بے دخل ہونا پڑا اور اُن کی ساری جائیداد مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی۔ اس لیے وہ باغ بھی سلمان فارسیؓ کا باغ کہلایا جو اُس وقت سے لے کر گذشتہ صدی تک موجود تھا۔ کچھ مصلحتوں کے پیشِ نظر موجودہ سعودی حکومت نے وہ باغ کٹوا دیا جسے حضرت سلمان فارسیؓ کی آزادی کے لیے آنحضورؐ کے ارشاد پر صحابہ کرام نے مل کر لگایا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس باغ میں ایک سو کھجوروں کی قسمیں موجود تھیں۔

جہاں تک مذہبی پہلو کا تعلق ہے کھجور اُن سات جنتی پھلوں میں شامل ہے جن کا ذکر

Marfat.com

قرآن مجید میں کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: انار، انجیر، زیتون، کیلا، بیری، انگور اور کھجور۔ ان سب پھلوں میں سب سے زیادہ ذکر کھجور کا آیا ہے۔ آنحضورؐ کی حدیث ہے کہ درختوں میں ایک درخت بہت ہی برکت والا ہے اور وہ ہے کھجور کا درخت۔

اِس بات پر سب ہی متفق نظر آتے ہیں کہ مدینہ کی کھجوروں کی بے مثال لذت، پُر لطف ذائقہ اور نفاست آنحضرتؐ کے کسی معجزے ہی کا نتیجہ ہے۔ اِن کھجوروں میں 85 فیصد مٹھاس، 15 فیصد پروٹین اور حرارے وافر مقدار میں موجود ہیں اور کھجور ایک مکمل خوراک ہے۔

پورے سعودی عرب میں تقریباً 350 اقسام کی کھجوریں پائی جاتی ہیں۔ اِن میں 250 کے قریب اقسام مدینہ میں موجود ہیں۔ کیفیت کے اعتبار سے دنیا بھر میں تین اقسام کی کھجوریں پائی جاتی ہیں۔ نرم، نیم خشک اور خشک۔ مدینہ میں یہ تینوں اقسام پائی جاتی ہیں۔ مدینہ کی کھجوریں جولائی اور اگست میں پک کر تیار ہو جاتی ہیں۔ یاد رہے کہ آنحضورؐ کے اُس دور میں جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مسجدِ نبوی تعمیر کی گئی۔ جس جگہ مسجد تعمیر کی گئی پہلے اس جگہ وہ دو یتیم بچے جن سے مسجد کے لیے زمین خریدی گئی تھی، اس جگہ کُھلے میدان میں کھجوریں خشک کیا کرتے تھے۔

مدینہ اور اُس کے نواح میں کئی اقسام کی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں لیکن اِن میں بہترین اور اعلیٰ ترین اقسام یہ ہیں۔

عجوہ، اَمبر، خُدری، حلوہ، مبروم، صُغری، قلمی، سُبا، سکری اور سَنگی۔

عجوہ:

عجوہ مدینہ کی نہ صرف قدیم ترین بلکہ لذیذ ترین کھجور مانی جاتی ہے۔ یہ وہ کھجور کی قسم ہے جس کا ذکر آنحضورؐ کی احادیث میں ملتا ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی ایک مشترکہ حدیث حضرت سعدؓ نے روایت کی ہے کہ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا:

''سات دانہ عجوہ کھجور صبح سویرے نہار منہ کھانے سے انسان دن بھر ہر قسم کے زہر اور جادو کے اثرات سے محفوظ رہتا ہے''۔

Marfat.com

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک حدیث کے مطابق عجوہ کھجور زہر کا تریاق ہے یعنی اگر کوئی شخص زہر کھالے تو عجوہ استعمال کرنے سے اس کا علاج ہو سکتا ہے۔ ایک اور حدیث کے مطابق ایک شخص جسے دل کا شدید عارضہ تھا، عجوہ کھجور گٹھلی سمیت کوٹ کر استعمال کروائی تو وہ شخص اچھا ہو گیا۔ اس طریقہ علاج کا ذکر طب نبویؐ کی تمام کتابوں میں ملتا ہے۔ چنانچہ عجوہ کی اس اہمیت اور فوائد کے پیشِ نظر ایک عرصہ دراز سے یہ کھجور مدینہ کے خاص اور قیمتی تحفہ کے طور پر پوری اسلامی دنیا میں مقبول اور مشہور ہے۔ اس میں ایک عجیب چیز دیکھنے میں یہ آئی ہے کہ عجوہ کھجور کی کاشت مدینہ تک ہی محدود رہی ہے اور اسے مدینہ سے باہر لے جا کر اُگانے کے تجربے زیادہ تر ناکام ہی رہے ہیں۔ شاید یہ بھی ایک معجزہ دکھائی دیتا ہے کہ عجوہ کھجور کو دیارِ نبیؐ کا ماحول اس قدر پسند ہے کہ مدینہ سے باہر کسی دوسرے علاقے میں جانا پسند نہیں کرتی۔

عجوہ کھجور پکنے پر اس کا رنگ چاکلیٹی سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہ تقریباً خشک استعمال کی جاتی ہے اور کافی عرصہ کیڑا لگے بغیر محفوظ رہ سکتی ہے۔ اس قدر خوبیوں کے پیشِ نظر اس کی مانگ دوسری اقسام کی تمام کھجوروں سے زیادہ ہے اور یہ پھل دنیا کا مہنگا ترین پھل بھی ہے۔

اُمبر:

امبر مدینہ میں پیدا ہونے والی تمام کھجوروں کی اقسام میں لمبی اور بڑی کھجور ہے۔ امبر کی گٹھلی پتلی اور لمبوتری ہوتی ہے۔ خشک حالت میں کھجور کا رنگ چاکلیٹی ہوتا ہے جس میں گلابی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ اس کی مٹھاس درمیانہ ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک قیمتی کھجور ہے۔ مدینہ کی مارکیٹ میں اس کی قیمت عجوہ کے بعد سب سے زیادہ ہے۔

خُدری:

اس کو خدری حلوہ بھی کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کھجور نہایت میٹھی ہوتی ہے۔ عام طور پر ذخیرہ کرنے پر یا کسی بند برتن میں ڈالنے پر شہد کی طرح شیرہ چھوڑنے لگتی ہے۔ ذائقہ اور خوشبو کی وجہ سے اس کو امبر کھجور سے فوقیت حاصل ہے۔ یہ ایک بے مثال کھجور ہے۔ اس کی گٹھلی چھوٹی اور سیدھی ہوتی ہے۔ نہایت شیریں ہونے کے باوجود کیڑے وغیرہ سے تقریباً محفوظ

Marfat.com

رہتی ہے۔ تحفہ کے طور پر دینے کے لیے یہ بہترین کھجور ہے۔

مبرُوم:

مبُروم بھی مدینہ کی ایک بہترین کھجور ہے۔ ڈوکا کی حالت میں اِس کا رنگ زرد اور پکنے پر اُودی چاکلیٹی مائل ہو جاتا ہے۔ مبروم ایک پر کشش اور خوش نظر کھجور ہے۔ اس کا چمکیلا پن دور سے نمایاں نظر آتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ میٹھا ذائقہ مخصوص خوشبو کی وجہ سے بہت عمدہ اور دیر تک زبان کو محسوس ہوتا رہتا ہے۔

صُغری:

یہ مدینے کی سب سے زیادہ بکنے والی کھجور ہے۔ اِس کا ذائقہ انتہائی میٹھا ہوتا ہے مگر خدری کی طرح شیرہ نہیں چھوڑتی اور اِس کے دانے بھی آپس میں پیوست نہیں ہوتے حالانکہ شیرینی میں اُس کے تقریباً برابر ہے۔ پُر کشش جلد شیریں ذائقہ اور نرم گودے کی وجہ سے یہ بہت زیادہ فروخت ہوتی ہے۔ یہ قسم مکہ اور مدینہ کی کھجور مارکیٹوں میں عام بکتی ہے۔

قلمی:

یہ کھجور دیکھنے میں صغری کی طرح لیکن رنگ قدرے سیاہ ہوتا ہے۔ زیادہ مٹھاس کی وجہ سے پھل خشک حالت قدرے شیرہ چھوڑتا ہے۔ ذائقہ نہایت عُمدہ اور پُر لطف ہوتا ہے۔ یہ بھی عام فروخت ہونے والی مقبول کھجور ہے اور زائرین اسے خرید کر اپنے وطن لے جاتے ہیں۔

سُبا:

یہ قسم بیر کی طرح گول اور دیسی بیروں کے سائز میں ہوتی ہے۔ درخت پر ہی خشک ہو جاتی ہے، پکنے پر بھی رنگ گلابی ہی رہتا ہے۔ یہ کھجور چونکہ نہایت خُشک ہوتی ہے اس لیے بوڑھے اور کمزور دانتوں والے اسے چبا نہیں سکتے۔ ذائقہ نہایت عمدہ اور شیریں ہوتا ہے۔ مارکیٹ میں دوسری اقسام کے مقابلے میں قدرے سستی ہوتی ہے۔

Marfat.com

سُکری:

سُکری ایک عمدہ اور خشک قسم کی کھجور ہے۔ یہ قسم درخت پر ہی خشک ہوتی ہے۔ ذائقہ بے حد میٹھا، خوشبو دار اور منجمد شہد کی طرح محسوس ہوتا ہے۔ رنگ زردی مائل سفید اور سائز درمیانہ ہوتا ہے۔ یہ اپنے حجم کی وجہ سے قدرے موٹی ہوتی ہے۔ زیادہ مٹھاس اور سختی کی وجہ سے کیڑا نہیں لگتا۔

روایت ہے کہ ہجرت رسول اللہؐ سے قبل مدینے میں اس موسم میں بہت بارشیں ہوتی تھیں اور کھجور کی فصل برباد ہو جایا کرتی تھی۔ انصار نے آپؐ سے دعا کی درخواست کی کہ اس موسم میں بارشیں نہ ہوا کریں، چنانچہ آپؐ نے دعا فرمائی۔ اس دعا کے اثر سے اب تک مدینہ میں جون، جولائی، اگست وغیرہ میں بارشیں نہیں ہوتیں۔

شُگئی:

یہ کھجور دیکھنے میں عجوہ کی طرح لگتی ہے۔ اسے عجوہ کے بعد مدینہ کی بہترین کھجور قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا سائز لاجواب ہے، خشک ہونے پر بھی پانچ سے چھ سنٹی میٹر ہوتی ہے۔ رنگ کھِلا کھلا زرد۔ ذائقہ بالکل شہد کی طرح۔ اسے خشک ہونے کے چند ماہ تک استعمال کر لیا جاتا ہے۔ یہ عموماً درخت پر ہی پک کر خشک ہو جاتی ہے۔ اُسے خوبصورت پیکٹوں میں فروخت کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

مدینہ کے کنویں

بئرِ اریس:

یہ کنواں مسجد قبا سے 70 میٹر کے فاصلہ پر مغربی جانب واقع تھا۔ کہا جاتا ہے پہلے اِس کا پانی کھارا تھا، نبی اقدسؐ نے اپنے دہن اقدس کا لعاب اس میں ڈالا، جس کی برکت سے اس کھارے کنویں کا پانی میٹھا ہوگیا۔ یہ وہ کنواں تھا جس کے پانی کو آپ پینے کے لیے استعمال کرتے، وضو بھی فرمایا کرتے اور غسل کے لیے بھی اکثر استعمال کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے وصال کے بعد اِسی کنویں کے پانی سے آپؐ کو غسل دیا گیا۔

حضورِ اکرمؐ جس چاندی کی انگوٹھی کو پہنا کرتے تھے، اُس پر ''محمد الرسول اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم:291) وہ انگوٹھی آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کو ملی۔ وہ انگوٹھی ایک دن حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے گر کر اس کنویں میں جا گری اور پھر تلاشِ بسیار کے باوجود وہ انگوٹھی نہ مل سکی۔ اس لیے اس کنویں کو بئرِ خاتم بھی کہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو اِس انگوٹھی کے گُم ہونے کا ساری عمر افسوس رہا۔

بئرِ رومہ:

مسجدِ نبویؐ سے چار کلومیٹر اور مسجدِ قبلتین سے ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر وادی عقیق کے کنارے واقع ہے۔ جب آنحضورؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میٹھے پانی کا یہ بڑا کنواں

Marfat.com

ایک یہودی کی ملکیت تھا، جو لوگوں کو پینے کا پانی قیمتاً بہت مہنگا دیتا تھا۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا جو کوئی شخص مسلمانوں کے لیے بئرِ رومہ خریدے گا اُسے جنت میں اِس سے بہتر انعام ملے گا۔ حضرت عثمانؓ نے اُسی وقت یہ کنواں اُس کے یہودی مالک سے بیس ہزار درہم میں خرید کر حضورِ اکرمؐ کی خواہش کے مطابق عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ اس لیے اس کنویں کو بئرِ عثمان بھی کہتے ہیں۔

بئرِ حا:

یہ کنواں مسجدِ نبویؐ کے بابِ عثمانؓ سے شمال کی جانب حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کے باغ میں واقع تھا۔ نبی اقدسؐ اکثر اس کنویں کا پانی پیتے اور باغ میں جا کر آرام بھی کیا کرتے تھے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی: لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون

(ترجمہ)

تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک وہ خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہو۔ (آل عمران: 92)

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے اِس فرمانِ الٰہی کے حوالے سے عرض کیا ''آقا! بئرِ حا والا باغ جو مجھے زیادہ پسند ہے، اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں، آپؐ اُسے جہاں مناسب سمجھیں استعمال فرمائیں'' رسول اللہ نے فرمایا: ''ٹھہرو، یہ تو بڑا نفع بخش سودا ہے۔ اب میری رائے ہے کہ تم اِسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو'' حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کیا ''آقا! ایسا ہی کرتا ہوں''۔ (صحیح بخاری: 4554)

بئرِ عُروہ:

حضرت عُروہ بن زبیرؓ نے یہ کنواں کھدوایا تھا۔ مسجدِ نبویؐ سے چار کلومیٹر کے فاصلہ پر شارع عمر پر وادی عقیق کے پل کے قریب واقع ہے۔ اس کنویں کا پانی بہت ہلکا اور میٹھا تھا۔ قریب ہی قصرِ عُروہ ہے۔ یہ کنواں ابھی تک محفوظ ہے۔

Marfat.com

مدینہ کے پہاڑ

جبلِ اُحد:

مدینہ منورہ کے پہاڑیوں میں جبل اُحد کی فضیلت سب پہاڑوں سے زیادہ ہے۔ یہ پہاڑ مدینہ شہر اور مسجدِ نبویؐ کے شمال میں واقع ہے اور مسجدِ نبویؐ سے اس کا فاصلہ آٹھ کلومیٹر ہے۔ کوہِ اُحد سطح سمندر سے 3533 فٹ بلند ہے۔ یہ پانچ کلومیٹر لمبا اور درمیان میں چوڑائی تقریباً ایک ہزار گز ہے لیکن کونوں پر زیادہ چوڑائی نہیں ہے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جس کی وادی میں 3ھ میں کفارِ قریش کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ ہوئی تھی۔

کوہِ اُحد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ آس پاس کے سلسلہ کوہ سے ایک الگ اور منفرد پہاڑ ہے۔ شہر مدینہ سے دیکھیں تو گہرے سرخ رنگ کا نظر آتا ہے۔ جبلِ اُحد کی فضیلت میں فرمانِ نبویؐ ہے جسے حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا "اُحد ہمیں دوست رکھتا ہے اور ہم اُسے دوست رکھتے ہیں"۔ جبلِ اُحد مدینہ کا وہ پہاڑ جس کو جناب رسول اللہؐ نے محبوب اور پسند فرمایا اور اِس پہاڑ کو مختلف احادیث میں بھی بعض مثالوں کی تشبیہہ کے لیے استعمال فرمایا۔

Marfat.com

جبلِ سَلَع:

مسجدِ نبویؐ سے اگر شارع سلطانہ پر جائیں تو شارع کے ابتداء میں جو پہاڑ ہے وہی جبلِ سَلَع ہے۔ یہ پہاڑ مدینہ سے متصل شمال مغرب کی سمت واقع ہے۔ اس کا دوسرا سرا مغرب کی جانب، سبع مساجد جو غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ نے بنائی تھیں، کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ سَلَع کافی بلند اور بڑا پہاڑ ہے۔ مدینہ سے کوہِ اُحد کی طرف جائیں تو یہ بائیں جانب نظر آتا ہے۔ غزوہ خندق کے موقع پر نبی اکرمؐ اور صحابہ کرام نے مل کر جو خندق کھودی تھی وہ جبلِ سَلَع کے شمال اور مغربی دامن کے ساتھ ساتھ ہوتی ہوئی مغرب کی طرف چلی گئی تھی۔ جبلِ سَلَع ہی کے دامن میں مسلمانوں کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔

کوہِ سَلَع کے دامن میں شمال مغرب کی طرف ایک مسجد پہاڑ کی چوٹی پر بنی ہوئی ہے، یہ مسجد الفتح ہے۔ اسی جگہ نبی اکرمؐ نے تین دفعہ اللہ کے حضور دعا فرمائی تھی کہ لشکرِ کفار کو تتر بتر کر دے۔ تیسری مرتبہ جب آنحضورؐ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی اور آپؐ کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ لشکرِ کفار مدینہ سے ناکام و نامراد ہو کر واپس چلے گئے اور اسی جگہ پر ایک مسجد بنائی جس کا نام ''مسجدِ الفتح'' ہے۔

جبلِ رماۃ:

وادی قناۃ کے کنارے شہداء اُحد کی جنوبی طرف چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ جنگِ اُحد کے روز نبی اکرمؐ نے حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کو اس پر کھڑا کیا اور فرمایا ''دشمن کے سواروں کو ہمارے پیچھے سے حملہ آور ہونے سے روکنا۔ مشرکین کو شکست ہوئی تو تیر اندازوں نے خیال کیا کہ جنگ ختم ہو گئی ہے لہٰذا وہ مالِ غنیمت جمع کرنے لگ گئے۔ مشرکین نے یہ محاذ خالی دیکھا تو مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ آور ہوئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے صحابہ شہید ہوئے، رسولِ اکرم بھی زخمی ہو گئے اور آپؐ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے۔ اسی پہاڑ کے مشرقی دامن میں چھپ کر وحشی نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا۔ جنہیں آقائے مدنی نے سید الشہداء کے لقب سے نوازا۔

Marfat.com

مدنیہ کی وادیاں

یوں تو مدینہ کا پورا علاقہ سرسبز و شاداب وادیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہ مہکتے مہکتے کھیت اور طویل قامت کھجوروں کے باغات جن کو نخلستان کہا جاتا ہے، اپنی وادیوں کے مرہونِ منت ہیں۔ جہاں مدینہ کے باسی سبزہ و گل اور تازہ سبزیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں وہاں اِن وادیوں میں بہتے ہوئے ندی نالے جو کبھی کبھی دریاؤں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، نقصانات کا سبب بھی بنتے رہے ہیں۔ لیکن اب موجودہ حکمرانوں نے جہاں پانی برساتی موسم میں وافر مقدار میں بہتا ہے، اُن کے آگے بند (ڈیم) بنا کر سیلابوں کو نکیل ڈال دی ہے۔ مدینہ شریف کے اطراف میں چند مشہور وادیاں ہیں، جہاں رسالت مآبؐ کبھی کبھی تشریف لے جاتے، عبادت کرتے او اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعائیں بھی کیا کرتے اِن وادیوں کی بہت فضیلت بھی کتب احادیث میں موجود ہے۔

وادی عقیق:

طائف سے شروع ہو کر مدینہ سے گزرنے والی یہ حجاز کی طویل ترین وادی ہے۔ وادی مدینہ کے جنوب میں شہدائے اُحد بئر عثمان اور مدینہ یونیورسٹی سے ہوتی ہوئی ذوالحلیفہ تک چلی گئی ہے۔ مدینہ سے باب عنبریہ کی طرف تقریباً تین چار کلومیٹر کا فاصلہ، شہدائے احد او بئر عثمانؓ کا علاقہ وادی عقیق میں ہی شامل ہے۔ مسجدِ قبلتین کے بالکل سامنے حضرت معاویہؓ کے

Marfat.com

دور کا ایک اموی امیر سعید بن وقاص کا محل تھا، جس کی جگہ پر اب شاہ سعود کا محل بنا ہوا ہے۔ وادی عقیق میں پرانے تعمیر شدہ کئی محلات اب کھنڈرات میں بدل چکے ہیں اسی لیے تو کہتے ہیں کہ:

مکاں کو ہے اپنے مکیں سے شرف اسدؔ
مجنوں جو مر گیا تو جنگل اداس ہے

نبی اکرمؐ نے اپنی زبانِ مبارک سے اس وادی کو ''وادی مبارک'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے حضرت عمر سے سُنا کہ ایک دفعہ رسولِ اکرمؐ وادی عقیق میں تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ آج میری طرف میرے رب کی طرف سے کوئی آیا (فرشتہ) ہے تو انہوں نے کہا کہ اس وادی مبارک میں نماز پڑھو''۔ ایک دوسری جگہ حدیثِ رسولؐ میں لکھا ہے جسے حضرت سالم بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ اسی وادی عقیق میں ذوالحلیفہ کے نشیب میں رات کو اترے ہوئے تھے تو آپؐ کو کہا گیا کہ'' آپؐ اس مبارک میدان میں ٹھہرے ہوئے ہیں''۔ اب اس جگہ مسجدِ میقات تعمیر کی گئی ہے۔

وادی بطحان:

یہ وادی مسجدِ نبویؐ سے تقریباً 8 کلومیٹر کے فاصلہ پر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ مسجدِ غمامہ سے نکلنے والی شارع جس کا نام اب شارع الامیر عبدالمحسن ہے پر سفر کریں تو ٹریفک کے چوراہے سے ایک سڑک مسجدِ قبا اور طریقِ ہجرہ کو چلی جاتی ہے یہ سیدھی سڑک وادی بطحان کی طرف جاتی ہے۔ تھوڑا سا آگے چل کر اسی سڑک کے آخر میں مشرقی سمت پر جو ڈیم بنا ہوا ہے، یہ سدِ بطحان کہلاتا ہے۔ اس سڑک کے بائیں طرف کا شرقی علاقہ سارا کا سارا وادی بطحان ہی کا علاقہ ہے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ'' بطحان جنت کی نہروں میں سے ایک ہے''۔ وادی بطحان میں بطحان ڈیم شاہ فیصل کے دور میں بنایا گیا تھا تا کہ مدینہ کے جنوبی بالائی علاقوں سے آنے والا برساتی پانی جو سیلاب کی صورت میں مدینہ پہنچ کر تباہی مچایا کرتا تھا، اس سے بچاؤ کے لیے وادی بطحان کے جنوبی علاقے کو بچایا جا سکے۔ رسولِ اکرمؐ کے دور میں کوہ اُحد سے اوپر تک کا

Marfat.com

علاقہ جو بنو قریظہ کا علاقہ تھا، اُسے وادی بطحان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

وادی قناۃ:

پانی کے بہاؤ کے اعتبار سے یہ مدینہ منورہ کی سب سے بڑی وادی ہے۔ یہ وادی طائف سے شروع ہو کر مدینے کا رخ کرتے ہوئے راستے میں دوسری وادیوں کو بھی ساتھ ملا لیتی ہے۔ مدینہ میں شمال مشرق کی سمت میں داخلہ سے قبل یہ وادی احد پہاڑ اور اسلامیہ یونیورسٹی کے پاس سے گزر کر وادی عقیق میں جاملتی ہے۔ جبلِ احد، مدینہ ایئر پورٹ اور مدینہ کے جنوب کا علاقہ وادی قناۃ میں شامل ہے۔

وادی مہزور:

یہ وادی مدینہ منورہ کی مشرقی جانب چالیس میل (64 کلومیٹر) کے فاصلہ سے شروع ہوتی ہے۔ شدید بارشوں کے ایام میں یہ وادی ایک سیلابی ریلے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اِسی کے کناروں پر کھجور کے نخلستان موجود ہیں۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ اس وادی کے پاس آباد تھا۔ اس وادی کے کنارے انہوں نے قلعے بنائے اور زراعت شروع کر دی۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں مدینہ کے شہریوں کو یہ خوف غالب ہوا کہ کہیں وادی مہزور کا سیلابی پانی نقصان نہ پہنچائے، انہوں نے اس کا راستہ تبدیل کروا کر آگے بند بنا دیا۔ 156ھ میں بھی لوگوں کو اس طرح خطرہ محسوس ہوا، انہوں نے مدینہ کے گورنر سے ملاقات کی کہ کہیں سیلابی پانی مسجدِ نبوی کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچائے تو اِس نے اس کی پرانی گزرگاہ تلاش کر کے شہر کے گرد بند بنوایا اور اِس طرح سیلاب کا خطرہ ٹل گیا۔

وادی مذینب:

حارہ شرقیہ میں جنوب کی طرف سے سدِّ بطحان کے دائیں طرف کا علاقہ جو قبا کے ارد گرد پھیلا ہوا ہے، یہی وادی مذینب ہے۔ یہ وادی بطحان کی ایک شاخ ہے جس کے کنارے بنو نضیر کے یہودی آباد تھے۔ یہ مدینہ منورہ کی مرکزی آبادی سے تقریباً دس کلومیٹر دُور سے شروع ہو کر غابہ میں پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس

مدینہ

سرزمینِ عرب میں شہر مکہ کو ایک منفرد اور ممتاز مقام اس لیے حاصل ہے کہ یہاں پر اللہ کا گھر خانہ کعبہ موجود ہے۔ یہ وہی شہر ہے جہاں فاران کی پہاڑیوں سے آفتاب رسالتؐ طلوع ہوا اور اُسی آفتاب نے جزیرہ نمائے عرب کے دوسرے شہر مدینہ میں نصف النہار پر پہنچ کر چار دانگ عالم کو منور کیا۔ مدینہ شہر کو یہ اعلیٰ مقام اور بلند مرتبہ اس لیے بھی حاصل ہے کہ اِس کی آغوش میں امام الانبیاء آقائے دو جہاںؐ آرام فرما رہے ہیں۔ اس شہر کے مقام کو مزید بلند کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماںؐ پر نازل ہونے والی مقدس کتاب کی اشاعت وطباعت کا اہم فریضہ بھی اس شہر کے مکینوں کو تفویض فرما دیا۔ اس اہم فرض کی تکمیل کے لیے سعودی حکمرانوں کو جہاں ان دونوں مقدس شہروں کی خدمت کرتے ہوئے خادمین حرمین کے لقب سے سرفراز فرمایا وہاں اُنہی میں سے ایک ''خادم'' شاہ فہد کو یہ سعادت نصیب فرمائی کہ وہ قرآن پاک کی اشاعت وطباعت کا اہم فریضہ بھی سرانجام دے اور آج شاہ فہد کی کوششوں ہی سے مدینہ میں قرآن پاک کی اشاعت کا پوری دنیا میں سب سے بڑا ادارہ باحسن وخوبی قائم ہو چکا ہے۔

شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ سے شمال مغرب کی جانب 10 کلومیٹر کے فاصلہ پر شارعِ تبوک پر واقع ہے۔ کھجوروں کے جھنڈ میں گھرا ہوا یہ کمپلیکس ایک چھوٹے سے شہر کی

Marfat.com

صورت آباد ہے۔ اس قرآن کمپلیکس کا سنگِ بنیاد شاہ فہد نے ایک سرکاری فرمان کے ذریعے 16 محرم 1403 بمطابق (3 نومبر 1982ء) کو رکھا اور اس کی تکمیل پر 6 صفر 1405ھ (30 اکتوبر 1984ء) کو اس کے افتتاح کی سعادت بھی اللہ نے شاہ فہد ہی کو عطا فرمائی۔

شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس کا کل رقبہ اڑھائی لاکھ مربع میٹر ہے اور اس میں سالانہ ایک کروڑ قرآن پاک چھاپے جا رہے ہیں، اگر تینوں شفٹوں میں کام جاری رکھا جائے تو اس جدید کمپلیکس میں قرآن پاک چھاپنے کی استعداد تین کروڑ سالانہ تک جا پہنچتی ہے۔ اس کمپلیکس میں 1700 سے زائد ملازمین کام کر رہے ہیں، جن میں علماء دین، حفاظ کرام، مختلف زبانوں کے مترجم، یونیورسٹیوں کے پروفیسرز، سکالرز، پروف ریڈرز، انٹرنیٹ کے ماہر اور انجینئرز شامل ہیں۔ ان سب حضرات کی کاوشوں سے ہر طرح کی غلطیوں سے مُبرّا قرآن پاک کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا ہے جس پر سو فیصد مہر تصدیق ثبت کی جاسکتی ہے۔

یہ قرآن پرنٹنگ کمپلیکس براہِ راست سعودی حکومت کی وزارتِ اسلامی و مذہبی امور کی زیرِ نگرانی کام کر رہا ہے۔ اس قرآن کمپلیکس میں قرآن پاک کو دنیا کی 44 زبانوں کے ترجمے کے ساتھ چھاپا جا رہا ہے جن میں 23 ایشیائی، 10 یورپین اور 11 افریقی زبانیں ہیں۔ جلد ہی قرآن پاک ترجمے کے ساتھ چھاپے جانے والی زبانوں کی تعداد 60 تک ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اس کمپلیکس میں قرآنِ پاک کی طباعت اور اشاعت کے علاوہ سیرۃ النبیؐ، احادیث، فقہ اور دیگر اسلامی کُتب بھی چھاپی جا رہی ہیں۔ دنیا کے معروف قری کی آواز میں قرآن پاک کی تلاوت والی سی ڈی اور ڈی وی ڈی پر بھی ریکارڈنگ کرنے کا ایک جدید سٹوڈیو موجود ہے۔ اس کے علاوہ نابیناؤں کے لیے بریل سسٹم پر قرآن پاک بھی تیار کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ اس قرآن کمپلیکس میں ہر وہ جدید سہولت مہیا کی گئی ہے جس کو بروئے کار لا کر قرآنِ کریم کو عام فہم زبان میں تراجم کے ساتھ دنیا کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہنچایا جاسکے۔ قرآنِ پاک کی اشاعت کے لیے نفیس کوالٹی کا کاغذ اٹلی سے بطور خاص منگوایا جاتا ہے۔ یہ اسی کوالٹی کا کاغذ ہے جس پر بائیبل بھی چھاپی جا رہی ہے۔

اس کمپلیکس کے درمیان ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ وسیع عمارت میں

Marfat.com

پرنٹنگ پلانٹ کے علاوہ استقبالیہ، دفتر، وئیر ہاؤس، کلینک، لائبریری اور ریستوران بھی بنائے گئے ہیں۔ اس کمپلیکس کی تعمیر میں ایک بلین سعودی ریال (270 ملین ڈالر) خرچ ہوئے۔ اس کمپلیکس میں چھپنے والے قرآن کی خطاطی ایک مشہور ماہر خوش نویس عثمان طٰہٰ کی انگلیوں کا کمال ہے۔ عثمان طٰہٰ کا تعلق ملک شام کے شہر حلب سے ہے۔ انہوں نے دمشق یونیورسٹی سے علوم شریعہ میں ڈگری حاصل کر رکھی ہے۔ وہ سنی العقیدہ مسلمان ہیں۔ انہوں نے اپنی خطاطی سے پہلا قرآن پاک 1970ء میں تحریر کیا، جس کی عرب دنیا میں بہت پذیرائی ہوئی۔ 1988ء میں وہ سعودی عرب چلے آئے اور اپنی خدمات شاہ فہد قرآن کمپلیکس کو پیش کیں۔

اس کمپلیکس میں چھپے ہوئے قرآنِ پاک ہر سال لاکھوں کی تعداد میں دنیا سے آئے ہوئے تمام حاجیوں میں بطورِ تحفہ تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ان حاجیوں کی تعداد تیس لاکھ تک ہے۔ اس کے علاوہ سعودی عرب کی دوسری مساجد میں بھی ہزاروں کی تعداد میں رکھے جاتے ہیں۔ اس کمپلیکس کے چھاپے ہوئے قرآنِ پاک دنیا کے تمام اسلامی ممالک کے سفارتخانوں اور یونیورسٹیوں کی لائبریریوں میں بطور تحفہ بھیجے جاتے ہیں۔ سعودی حکومت کے لیے یہ نہ صرف ایک اعزاز بلکہ قرآن پاک کا معجزہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں چھاپ کر یہ قرآن دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

قرآنِ پاک کی چھپائی میں اُس کی کوالٹی، معیار، نفاست اور جلد بندی پر کسی قیمت پر سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔ ترجمہ میں الفاظ کی صحت، درستگی اور گرائمر پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے، جس کے لیے سکالرز، پروفیسرز اور علماء پر مشتمل ایک خاص بورڈ تشکیل دیا گیا ہے۔ اس کمپلیکس میں طلباء اور سکالرز کے لیے ایک ریسرچ سنٹر کی سہولت بھی موجود ہے، جس میں یونیورسٹی کے طلباء، سکالرز اور پروفیسر خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ غرضیکہ شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس اُن کے لیے ایک اکیڈیمی کا درجہ رکھتا ہے۔ المختصر شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس ملتِ اسلامیہ کے لیے سعودی حکومت کا ایک گرانقدر تحفہ ہے۔

Marfat.com

پرنس محمدؒ بن عبدالعزیز انٹرنیشنل ایئر پورٹ ۔ مدینہ

پرنس محمد بن عبدالعزیز ایئر پورٹ مدینہ، سعودی عرب کا چوتھا بڑا ایئر پورٹ ہے۔ سعودی حکومت نے یہ ایئر پورٹ 1974ء میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ ایک بین الاقوامی ایئر پورٹ ہے جو مرکزِ شہر (مسجدِ نبویؐ) سے 15 کلومیٹر شمال مشرقی جانب واقع ہے۔ اس وقت اس ایئر پورٹ پر حج کے ایام میں چالیس ممالک سے پروازیں اترتی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ ایک ڈومیسٹک (اندرونِ ملک) ایئر پورٹ ہے۔ اوسطاً 25 سے 30 پروازیں روزانہ آتی اور جاتی ہیں۔ حج کے ایام اور اُن دنوں جب سکولوں میں تعطیلات ہوتی ہیں۔ پروازوں کی تعداد تین گنا تک بڑھ جاتی ہے۔

اس ایئر پورٹ پر سالانہ اٹھارہ سے بیس لاکھ مسافر آتے اور جاتے ہیں۔ اس کے دو رن وے ہیں۔ ایک رن وے کی لمبائی 13149 فٹ اور دوسرے کی 10039 فٹ ہے۔

حج کے ایام میں معمول کی پروازوں کے علاوہ چارٹرڈ پروازیں بھی ہینڈل کی جاتی ہیں۔ اس ایئر پورٹ سے مسلمانوں کے علاوہ کوئی غیر اسلامی شخص داخل نہیں ہوسکتا اور اس اصول پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔

روز بروز کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیشِ نظر اس موجودہ ایئر پورٹ کو اس طرح توسیع دیئے جانے کا منصوبہ ہے تاکہ آئندہ سالوں میں 25 لاکھ مسافروں کو سہولت بہم پہنچائی جا سکے۔

Marfat.com

اسلامیہ یونیورسٹی۔ مدینہ

مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی آج سے 54 سال قبل ایک شاہی فرمان کے تحت 1961ء (1381ھ) میں عمل میں لائی گئی۔ اس یونیورسٹی میں شریعہ، قرآن وحدیث، دعوۃ اور عربی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چند مخصوص شعبوں میں بیچلر، ماسٹر اور ڈاکٹریٹ کرانے کی بھی سہولت موجود ہے۔ اس وقت اس یونیورسٹی میں 22 ہزار طلبا زیر تعلیم ہیں۔ مستحق طلبا کو وظائف بھی دیئے جاتے ہیں۔

اس یونیوسٹی سے دنیا کے مشہور سکالرز امتیازی سندیں حاصل کر چکے ہیں، چند کے نام یہ ہیں:۔

1۔	مولانا احسان الٰہی ظہیر	اسلامی سکالر (پاکستان)
2۔	بلال فلپ	اسلامی سکالر (کینیڈا)
3۔	ابو عثمان	امریکی نژاد۔ امام۔ گرین لین مسجد (برمنگھم) یو۔کے
4۔	سردار عتیق احمد خاں	سیاستدان (آزاد کشمیر)
5۔	صفی الرحمان مبارک پوری	مصنف (الرحیق المختوم) انڈیا

Marfat.com

فضائل مدینہ منورہ

تاجدارِ مدینہؐ کے قلبِ اطہر میں اس شہر کی محبت اس قدر زیادہ تھی کہ جب بھی آپؐ باہر سے تشریف لاتے اور مدینہ منورہ شہر کے آثار نظر آنے لگتے تو اپنی سواری کو تیز کر دیتے تا کہ فراق کی گھڑیاں جلد از جلد ختم ہوں اور وصالِ دیارِ مدینہ سے دل کو سکون اور اطمینان نصیب ہو۔ جب آپؐ شہر میں داخل ہوتے تو فرماتے ''یہ ہوائیں طیبہ ہیں''۔

حضورِ اقدسؐ کو مدینہ طیبہ کی گرد و غبار اور خاک پاک سے انس اور پیار تھا اور اِس کی عزت و عظمت دلِ اطہر میں اتنی زیادہ تھی کہ اگر آپؐ کے چہرۂ انور پر گرد و غبار پڑ جاتا تو اُسے صاف نہیں فرمایا کرتے تھے۔ صحابہ اکرمؓ میں سے کوئی اگر اپنے چہرہ یا سر کو گرد و غبار سے صاف کرتا تو آپؐ اس کو اس فعل سے منع کرتے اور فرماتے کہ مدینہ منورہ کی خاک میں شفا ہے۔ آپؐ کا یہ فرمان ذی شان تھا کہ خاکِ مدینہ طیبہ ہر مرض کے لیے شفا ہے یہاں تک کہ جذام اور برص کے لیے بھی۔

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

''جو شخص مدینہ طیبہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو، اُسے چاہیے کہ اِسی جگہ مرے۔ قیامت کے دن شرفِ شفاعت اور میری شہادت باسعادت سے مشرف ہو گا''۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ کی تکلیفوں پر صبر و قناعت کرے تو

Marfat.com

قیامت کے دن میں اُس کے لیے گواہ اور شفیع بنوں گا۔ جو مسلمان آپؐ کی حیات مبارکہ میں انتقال فرما گئے اُن کے حق میں شہید ہوں گے اور جو آپؐ کی رحلت کے بعد دنیا سے رخصت ہوئے اُن کے لیے شفیع ہوں گے۔

ایک حدیث میں حضور اکرمؐ کا یہ ارشاد بیان ہوا ہے کہ قیامت کے دن میری امت میں سے جن لوگوں کو سب سے پہلے میری شفاعت کا شرف حاصل ہوگا وہ اہل مدینہ کے خوش نصیب لوگ ہوں گے، اِن کے بعد اہلِ مکہ اور پھر اُس کے بعد طائف والے''۔ حضرت عمر فاروقؓ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:۔

''اے اللہ! اپنی راہ میں مجھے شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے حبیبؐ کے شہر میں موت عنایت فرما''۔

حضور نبی کریمؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:۔

''مدینہ منورہ مومنین کے قیام کی بہترین جگہ ہے اگر وہ اِس کی خوبیوں کو جانیں تو یہاں کا قیام ہرگز نہ چھوڑیں'' اور جو شخص یہاں کے قیام کو اُس سے بددل ہو کر چھوڑ دے گا تو اللہ جلِ شانہ اُس کا نعم البدل یہاں بھیج دے گا اور جو شخص مدینہ طیبہ کے قیام کی مشکلات کو برداشت کر کے یہاں ہی قیام پذیر رہے گا تو میں قیامت کے دن اُس کا سفارش کرنے والا بنوں گا''۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے روایت ہے کہ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا:

''بے شک ابراہیمؑ نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا تھا اور یہاں کے رہنے والوں کے لیے دعا کی تھی تو بے شک میں مدینہ منورہ کو اسی طرح حرم بنا رہا ہوں جیسے ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا تھا''۔ (صحیح مسلم)

مدینہ منورہ کے مختلف نام ہیں۔ اِن میں سے طیبہ اور طابہ بھی ہے جیسا کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک یہ طیبہ ہے، یہ گندگی کو نکال پھینکتا ہے جیسے آگ چاندی کی

Marfat.com

مَیل کچیل کو نکال دیتی ہے (صحیح مسلم)

ارشادِ نبویؐ ہے ''جو شخص مدینہ کو یثرب کہے اُسے چاہیے کہ وہ اپنی غلطی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے یہ تو طابہ (پاکیزہ) ہے، یہ تو طابہ ہے۔ یہ تو طابہ ہے'' (امام احمد)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ:

''ہر شہر میں دجال آئے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے اس کے ہر درّے پر فرشتے صف باندھے ہوئے حفاظت کر رہے ہوں گے'' (صحیح بخاری)

Marfat.com

اس کتاب کی تیاری میں مندرجہ ذیل مطبوعات سے بھی استفادہ کیا گیا

1۔	رسولِ کریم ﷺ	ڈاکٹر رحمت الٰہی
2۔	الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری
3۔	معاملاتِ رسول ﷺ	قیوم نظامی
4۔	تاریخِ مدینہ منورہ	ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی
5۔	محمد عربی ﷺ	محمد عنایت اللہ سبحانی
6۔	سیرت عمر فاروقؓ	محمد الیاس عادل
7۔	مدینۃ النبی ﷺ	ڈاکٹر رانا محمد اسحاق/ڈاکٹر رانا خالد مدنی
8۔	تاریخِ اسلام کی عظیم شخصیات	ناعمہ صہیب
9۔	قومی ڈائجسٹ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمبر، 1988ء)	
10۔	قومی ڈائجسٹ (مدینۃ النبی نمبر، 1990ء)	
11۔	عکسِ سیرت	کونسٹن ویرژیل (رومانیہ) مترجم خلیل الرحمٰن

☆☆☆

Marfat.com